تلنگانہ اوپن اسکول سوسائٹی، حیدرآباد

ایس سی ای آر ٹی کیمپس، روبرو ایل بی اسٹیڈیم بشیر باغ، حیدرآباد۔ 500 001

Phone: 040-23299568, Website: telanganaopenschool.org, E-mail:dintoshyd@gmail.com

317

تلنگانہ اوپن اسکول سوسائٹی (ٹی او ایس ایس)، حیدرآباد

انٹرمیڈیٹ
INTERMEDIATE

علم سیاسیات
POLITICAL SCIENCE

TOSS

تلنگانہ اوپن اسکول سوسائٹی (ٹی او ایس ایس)، حیدرآباد

ایس سی ای آر ٹی کیمپس، روبرو ایل بی اسٹیڈیم بشیر باغ، حیدرآباد۔ 500 001

Phone: 040-23299568, Website: telanganaopenschool.org, E-mail:dintoshyd@gmail.com

تلنگانہ اوپن اسکول سوسائٹی (ٹی او ایس ایس)، حیدرآباد

INTERMEDIATE انٹرمیڈیٹ

POLITICAL SCIENCE علم سیاسیات

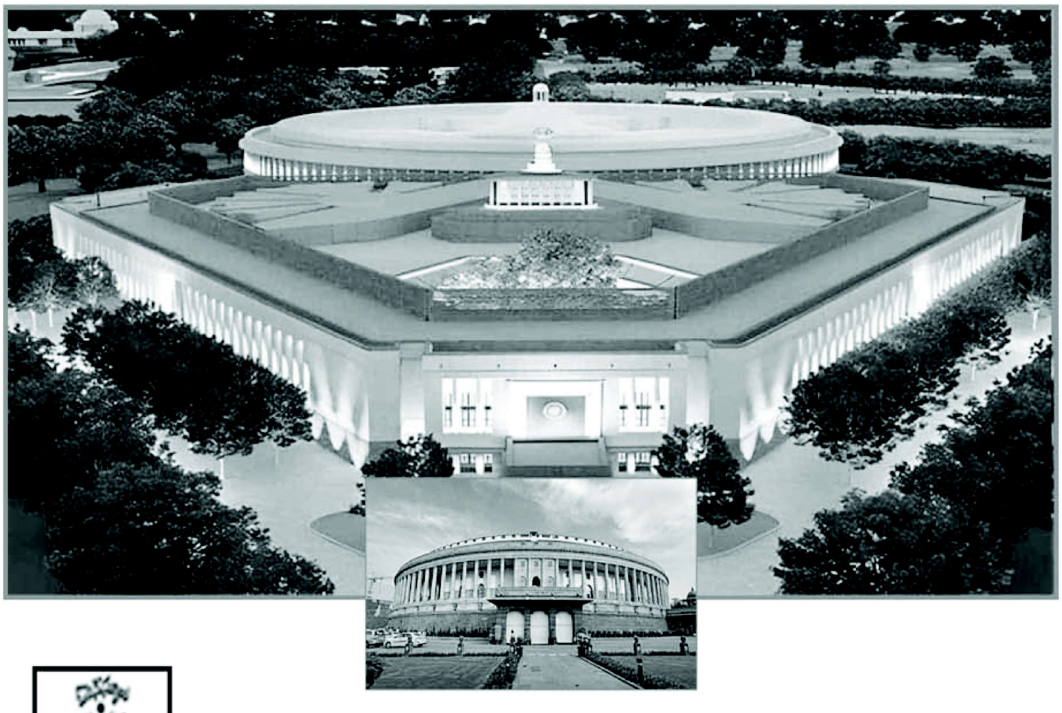

تلنگانہ اوپن اسکول سوسائٹی (ٹی او ایس ایس)، حیدرآباد

ایس سی ای آر ٹی کیمپس، روبرو ایل بی اسٹیڈیم بشیر باغ، حیدرآباد۔ 500 001

Phone: 040-23299568, Website: telanganaopenschool.org, E-mail: dintoshyd@gmail.com

TELANGANA OPEN SCHOOL SOCIETY (TOSS)
intermediate
POLITICAL SCIENCE

Publisher :

TELANGANA OPEN SCHOOL SOCIETY (TOSS), HYDERABAD

SCERT CAMPUS, OPP. TO L.B. STADIUM, BASHEERBAGH, HYDERABAD - 500001,TELANGANA

PHONE:040-23223299568, WEBSITE:TELANGANAOPENSCHOOL.ORG,EMAIL:DIRTOSHYD@GMAIL.COM

PUBLISHING TIME : OCT. 2023

Rs. /-*

فہرست

1۔	علم سیاسیات کا تعارف	01-08
2۔	مملکت: مملکت کی ابتداء کے عناصر اور نظریات	09-30
3۔	اقتدار اعلی	31-45
4۔	سیاسی خیالات	46-57
5۔	سیاسی نظریات	58-67
6۔	جمہوریت	68-73
7۔	حکومت کی شکلیں	74-83
8۔	حکومت کے اعضاء	84-96
9۔	ہندوستانی دستور کی تشکیل	97-105
10۔	دیباچہ اور نمایاں خصوصیات	106-116
11۔	بنیادی حقوق	117-127
12۔	مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصول اور بنیادی فرائض	128-140
13۔	ہندوستانی وفاقی نظام	141-150
14۔	مرکزی عاملہ	151-166
15۔	مرکزی مقننّہ	167-176
16۔	عدالت عظمیٰ / سپریم کورٹ	177-182
17۔	ریاستی عاملہ	183-192
18۔	ریاستی مقننّہ	193-198
19۔	عدالتیں اور ماتحت عدالتیں	199-203
20۔	مقامی خود اختیاری حکومتیں	204-211
21۔	دستوری مجالس / باڈیز	212-238
22۔	ہندوستان میں سیاسی جماعتیں	239-247

23۔	تلنگانہ ریاست کا تاریخی پس منظر	248-269
24۔	تلنگانہ تحریک ریاست کی تشکیل (1953-2014)	270-289
25۔	ریاست تلنگانہ۔ پالیسیز اور پروگرام	290-307
26۔	خارجہ پالیسی کے عوامل	308-312
27۔	ہندوستان کی خارجہ پالیسی	313-322
28۔	ہندوستان اور ناوابستہ تحریک	323-328
29۔	ہندوستان اور اس کے پڑوسی	
	پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکہ، نیپال، مالدیپ	329-346
30۔	ہندوستان اور سیاسی وجود کے دیگر اہم ممالک	347-359
	(ریاستہائے متحدہ امریکہ، روس، چین اور یوروپی یونین)	
31۔	مجلس اقوام متحدہ	360-370
32۔	مجلس اقوام متحدہ اور عصری مسائل	371-386

1

1۔ علم سیاسیات کا تعارف

INTRODUCTION TO POLITICAL SCIENCE

انسان ایک سماجی جانور ہے۔ سماجی زندگی مختلف اداروں کا مرکب ہے۔ سماجی زندگی میں مختلف انجمنیں شامل ہیں۔ سیاسی ،اقتصادی، ثقافتی اور سماجی۔ ریاست، حکومت، سیاسی جماعتیں اور دیگر سیاسی اداروں کو تشکیل دیتے ہیں۔ سیاسیات سیاسی اداروں کے بارے میں مطالعہ کرتی ہے۔ سیاسیات قدیم ترین سماجی علوم میں سے ایک ہے۔

علم سیاسیات کی نوعیت:

علم سیاسیات کی ترقی چوتھی صدی قبل مسیح سے پہلے شروع ہوئی تھی۔ یونانیوں نے سیاسیات کو فلسفے سے الگ کر دیا اور ایک آزاد سماجی سائنس کے طور پر اس کی ترقی میں اپنا حصہ ادا کیا۔ یونانیوں نے سائنسی طرز پر سیاسی سرگرمیوں کے مطالعہ کی بنیاد ڈالی۔ ارسطو نے سیاسیات کے مضمون کی پہچان کے لیے یونانیوں میں بے مثال کوششیں کی۔ ارسطو نے اپنی کتاب "سیاست" میں ریاست، حکومت، شہری اور سیاسی نظریات جیسے تصورات کا تفصیل سے تجزیہ کیا ہے۔ ارسطو سیاسیات کا باوا آدم کے طور پر مشہور ہوسکتا ہے۔

عملی طور پر سیاسیات کو سیاسی نظریہ، سیاسی فکر، سیاسی فلسفہ اور اس طرح کے مختلف طریقوں سے کہا جاتا ہے۔ وسیع معنوں میں تمام الفاظ ایک جیسے ہیں حالانکہ ان کے مختلف معنی ہیں۔ اسے سیاسی اخلاقیات کے نام سے بھی جانا جاتا ہے اور اس وقت سیاسیات کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔

سیاسیات کی تعریف:

سیاست کے طول وعرض کے بارے میں بات کرنے کے لیے مختلف تعریفیں ہیں۔ ان تعریفوں کو مندرجہ ذیل طریقے سے تفصیل سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

1۔ ڈاکٹر گارنر وضاحت کرتے ہیں: "علم سیاسات مملکت سے شروع ہوتی ہے اور مملکت پر ختم ہوتی ہے۔"

2۔ گیٹل: "سیاسی سائنس سیاسی تنظیموں اور سیاسی نظریات کے ماضی حال اور مستقبل کا مطالعہ مطالعہ ہے۔"

3۔ پال جیانٹ: "علم سیاسیات سماجی علم کا وہ حصہ جو مملکت کی ابتداء اور حکومت کے اصولوں سے بحث کرتیا ہے۔"

4 ۔گلکرسٹ: "علم سیاسیات مملکت اور حکومت کا مطالعہ ہے۔"

5۔ ہیرالڈ لاس ویل: امریکہ کے ایک سرکردہ سیاسی سائنس داں کی تعریف: "سیاسی سائنس ایک تجرباتی نظم وضبط کے طور پر بطور

طاقت کی تشکیل اور اشتراک کا مطالعہ ہے۔"

6۔ اپا دورائی: سیاسیات کو ایسا سمجھتا ہے:" جو ایک سیاسی علاقائی معاشرے کی بات کرتا ہے جو کہ قانون سازی کے تحت زندگی گزارنے کے لیے متحد ہو۔

مندرجہ بالا تعریفوں کو دیکھنے کے بعد کوئی سمجھ سکتا ہے کہ سیاسیات بنیادی طور پر مملکت اور حکومت کا مطالعہ کرنے والی سائنس ہے۔ لیکاک اور بلینٹشلی کا خیال تھا کہ سیاسیات کا حکومت سے زیادہ تعلق ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مملکت کے تمام اہداف حکومت کے ذریعے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ حکومت پر کنٹرول رکھ کر مملکت کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ پال جینٹ نے رائے دی کے سیاسیا تمملکت اور حکومت سے متعلق اصولوں کا مطالعہ ہے۔ گیٹل کے خیال میں سیاسیات کا بنیادی مقصد ماضی میں سیاسی اداروں کے مقاصد کے بارے میں جاننا عصری سیاسی اداروں کے مقاصد کا مشاہدہ کرنا اور مستقبل میں سیاسی اداروں کے مقاصد اور نظریات کے بارے میں سوچنا۔

بیسویں صدی کے آغاز تک بہت سے لوگ سیاسیات کو مملکت اور حکومت کا مطالعہ سمجھتے تھے اور فرد مملکت اور حکومت کے درمیان تعلقات بھی۔ لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں جارج کیٹلین، چارلس مریم میکس ویبر اور کیپلان جیسے سیاسی سائنس دانوں نے بہت سے نئے عوامل کی نشاندہی کی جنہیں سیاسیات کے مطالعے میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ سیاسیات نے بہت سے رجحانات حاصل کیے جن کا تعلق انسانی رویے اور انکی سرگرمیوں کے مطالعے سے ہے۔ یہ طرز عمل متاثر ہے بنیادی طور پر جدید سیاسی مفکرین کے مطابق سیاسیات طاقت پر بحث کرتی ہے جیسا کہ طاقت مملکت کا مرکز ہے

علم سیاسیات کا دائرہ کار

علم سیاسیات کے دائرہ کار کا تعین کرنا کافی مشکل کام ہے۔ اس کا تعلق انسان کی ہمیشہ بدلتی زندگی کے تمام پہلوؤں سے ہے۔ سیاسیات کا آغاز ایک تعلیمی نظم کے طور پر ہوا جس کا کام یونانی شہری ریاست کے تجزیاتی مطالعے تک محدود تھا۔ تمام قدیم یونانی شہری ریاستیں خودمختار اور خودکفیل تھیں۔ شہر کے درمیان ریاستی تعلقات معمولی نوعیت کے تھے۔ شہری ریاستیں نہ صرف سیاسی نظام کی نمائندگی کرتی ہیں بلکہ کثیر جہتی سماجی نظام کی بھی نمائندگی کرتی ہیں۔

ان حالات میں سیاسیات شہری ریاستوں میں سماجی زندگی کا مطالعہ کرنے والے ایک ڈسپلین کے طور پر تیار ہوا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیوں کے پھیلاؤ اور سیاسی شعور کے اثرات کے ساتھ سیاسیات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ سیاسیات کے دائرکار میں انے والے چند اہم عوامل درجہ ذیل ہیں۔

سیاسی نظریات

بہت سے سیاسی نظریات تھے جنہوں نے نہ صرف کلاسکی یونانی شہری ریاستوں کو بلکہ عصری قومی ریاستوں کو بھی متاثر کیا۔ بہت سیاسکالرز، دانشوروں، سائنس دانوں، حکمرانوں اور مبصرین نے بہت سے خیالات کا اظہار کیا اور ریاستی ہنر کا تجزیہ کیا۔ افلاطون، ارسطو، ہابس۔ لاک، روسو، کارل مارکس، جان اسٹیورٹ مل اور دیگر دانشوروں اور دیگر ادیبوں نے مختلف سیاسی نظریات کی وضاحت کی، قانون

آزادی، مساوات، قانون کی بالادستی، رائے عامہ اور دیگر نظریات عالمگیر بن گئے۔ سیاسیات کے مطالعے میں ایسے نظریات بھی شامل ہیں۔

سیاسی نظریات:

نظریاتی تفہیم کے بغیر حقائق اور تبدیلیوں کو سمجھنا بہت ہی ناممکن ہے۔ جیسا کہ آئیڈیلزم، سوشلزم اور کمیونزم جیسے بہت سے نظریات نے وسیع مقبولیت حاصل کی ہے۔ یہ تمام نظریات سیاسیات کا حصہ ہیں۔

سیاسی ادارے:

سیاسیات بنیادی طور پر مملکت اور حکومت کا مطالعہ کرتی ہے۔ مملکت کا ارتقا اس کی ترقی اس کے کردار اور افعال سیاسیات میں شامل ہیں۔ اسی طرح سیاسیات اس بات کا بھی جائزہ لیتا ہے کہ ریاست کے اعضاء جیسے مقنّنہ، کابینہ اور عدلیہ کے کیسے تشکیل اور کام کرتے ہیں۔ سیاسیات کے دائرہ کار میں سیاسی جماعتیں دباو والے گروپس (groupsPressure)، سماجی گروپس، ذرائع اور آئینی تعین کرنے والے ادارے بھی شامل ہیں۔

تقابلی سیاست:

سیاسیات کے بنیادی کاموں میں سے ایک کام مختلف ممالک میں سیاسی نظام اور سرگرمیوں کا تقابلی مطالعہ کرنا ہے۔ نوآبادیاتی دور میں ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ممالک میں اختیار کیے گئے سیاسی تجربات کا تقابلی مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ پارلیمانی اور صدارتی نظاموں میں اور وحدانی اور وفاقی نظام جیسی حکومت کی جدید شکلوں کے تقابلی مطالعہ کی بھی ضرورت ہے۔ اس طرح کا تمام مطالعہ سیاسیات کا ایک حصہ اور لازمی جز ہے۔

بین الاقوامی سیاسی سرگرمی:

ریاست بین الاقوامی سیاسی سرگرمیوں میں اس طرح حقیقی شراکت دار بنتی ہے جس طرح ایک فرد سماجی زندگی میں کردار ادا کرتا ہے۔ فرد دوسروں کی ضرورت کے بغیر تنہائی میں نہیں رہ سکتا۔ ریاستیں بھی باہمی تعاون کے بغیر زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتیں۔ جدید دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں انقلابی تبدیلیاں لامحالہ ریاستوں کو ایک دوسرے پر منحصر کر رہی ہیں۔ اقوام متحدہ کا ادارہ اور اس کی خصوصی ایجنسیاں مختلف ریاستوں کے درمیان بین الاقوامی تعاون کو فروغ دینے کے لیے کوشش کر رہی ہیں۔ وہ بین الاقوامی کشیدگی کو کم کرنے اور دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے بھی کوشاں ہیں۔

سیاسی رویہ

طرز عمل سیاسیات میں ایک جدید انقلابی پہلو ہے۔ حکومتی پالیسیوں پر عوام کے ردعمل کو سمجھنا ضروری ہے؛ وہ قوتیں جو الیکشن کے وقت ووٹر پر اثر انداز ہوتی ہیں، وہ وجوہات جو کسی سیاسی پارٹی کے لیے ہمدردی یا دوسری صورت میں حوصلہ افزائی کرنے میں معاون ہوتی ہیں وغیرہ۔

قوت اور طاقت

جدید دور میں طاقت ایک بہت اہم عنصر ہے قوت وہ صلاحیت ہے جو کسی کی خواہش کو حاصل کر سکتی ہے۔طاقت دوسروں کو حکم دینے کا ذریعہ ہے۔طاقت کی حمایت یافتہ قوت قانونی ہے۔ان دو عوامل کا تجزیہ سیاسیات میں شامل ہے۔

حقوق اور فرائض:

شہریوں کے حقوق اور فرائض دونوں لازم ہیں۔تمام جدید آئین شہریوں کو کچھ حقوق دیتے ہیں اور کچھ فرائض کا تعین کرتے ہیں۔حقوق اور فرائض کی موجودگیجمہوریت کی کامیابی کے لیے بہت ضروری ہیں۔سیاسیات مملکت اور فرد کے حوالے سے حقوق اور فرائض پر ایک تنقیدی نوٹ فراہم کرتی ہے۔

آزادی اور طاقت

جدید مملکت میں لوگ آزادی کے لیے ترستے ہیں اور حکومتیں طاقت کا استعمال کرتی ہیں۔آزادی اور طاقت کے درمیان سمجھوتہ ہونا چاہیے۔ان دونوں کے درمیان توازن کی کمی انارکی یا مطلق العنانیت کا باعث بن سکتی ہے۔سیاسیات کو آزادی اور طاقت کے درمیان تعلق کی وضاحت کرنی چاہئے۔

علم سیاسیات کی اہمیت

ایک جدید ماہر سیاسیات رابرٹ اےڈیل (DahlA.Robert) نے اس سوال کا تین نکاتی جواب دیا کہ سیاسیات کے مطالعہ کی کیا ضرورت ہے۔

1۔ سیاسی سرگرمیوں کا مطالعہ سیاسی زندگی پر محیط دنیا کی وضاحت کرتا ہے۔
2۔ یہ سیاسی نظام میں کچھ تبدیلیاں لانے میں مدد کرتا ہے اور سیاسی مسائل کا حل بھی تجویز کرتا ہے۔
3۔ یہ اچھی شہریت کو فروغ دینے اور عوامی رائے کے لیے حساس ذمہ دار حکومت کی تشکیل میں بھی مدد کرتا ہے۔

سیاسیات فرد، سماج اور مملکت کے درمیان تعلقات کا مطالعہ کرتی ہے۔اس سے افراد کی آزادی اور حریت کے تحفظ میں مدد ملتی ہے۔سیاسیات کا مطالعہ ترقی پسند معاشرے کی تشکیل کے لیے مفید سیاسی نظریات تصورات اور اخلاقی اصولوں کو جاننے میں مدد کرتا ہے۔سیاسیات جدید انسان کی نظر کو اس مائیکرو سوسائٹی سے اٹھاتی ہے جس میں وہ رہتا ہے۔بین الاقوامی برادری کے سامنے یہ مطالعہ ان کے سماجی و سیاسی رویے سے متعلق افراد کے خیالات میں کچھ تبدیلیاں لانے میں مدد کرتا ہے ایسی تبدیلیاں انفرادی خودغرضی کے بجائے سماجی بہبود کے لیےآئیڈیل کا باعث بنتی ہیں توہمات کی جگہ سائنسی نقطہ نظر نے لے لی ہے۔تنگ علاقائی اور طبقاتی شعور کو مسترد کرنے کے لیے انسان زیادہ کیتھولک بن جاتا ہے اس طرح عمومی طور پر سیاسیات کا مطالعہ نئے سیاسی نظام کی تشکیل میں کافی مدد کرتا ہے۔

سیاسیات کا مطالعہ نظام حکومت کے علم اضافہ کرتا ہے۔اس میں بادشاہت ،اشرفیہ، جمہوریت ،آمریت اور حکومت کی دیگر اقسام کے بارے میں تفصیل دی گئی ہے، یہ حکومت کے اعضاء جیسے عاملہ اور عدلیہ ان کے افعال اور باہمی تعلقات کے بارے میں

بات کرتا ہے۔ یہ مرکزی، ریاستی اور مقامی حکومت کے درمیان تعلقات کو بھی بیان کرتا ہے۔ یہ پارلیمانی اور صدارتی جیسی عاملہ کی اقسام اور وحدانی اور وفاقی جیسی حکومت کی شکلوں کے درمیان فرق کو شمار کرتا ہے۔ سیاسیات جمہوریت کی خوبیوں اور خامیوں اور سیاسی جماعتوں کے افعال، تشکیلات اور خصوصیات پر بھی بحث کرتی ہے جو کسی بھی ریاست میں جمہوریت کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔

سیاسی معاشرے میں اچھی زندگی گزارنے کے لیے لوگوں کے لیے بنیادی حق ضروری ہیں۔ سیاسیات میں کیے گئے مشاہدات شہریوں کو ان کے متعلقہ حقوق اور فرائض کے بارے میں روشن خیال کرنے میں مدد کرتے ہیں تاکہ وہ اچھی شہریت کے لیے اپنا حصہ ادا کر سکیں۔ سیاسیات کی اہمیت بتدریج بڑھتی گئی کیونکہ بہت سے خود مختار آزاد ممالک عالمی سیاسی نظام میں شامل ہو گئے۔ یہ سائنس ناگزیر کے بارے میں بات کرتی ہے۔

مختلف ممالک کے درمیان تعاون صنعتی انقلاب کی وجہ سے ایک جال کے طور پر بین الاقوامی تعلقات بہت اہم ہو گئے اور اس کے اثرات جدیدیت، ٹیکنیکی ترقی اور حمل و نقل کی سہولیات کی وجہ سے نئے بین الاقوامی تعلقات کے ابھرنے سے پڑوسی ممالک کے درمیان علاقائی گروہوں کی تشکیل ہوئی جس کے نتیجے میں اس کی اہمیت بڑھتی گئی۔ بین الاقوامی تعلقات سیاسیات کا مطالعہ ان تمام مضامین کے بارے میں تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔

اقوام متحدہ کا ادارہ دنیا کی اقوام کے درمیان امن تعاون اور دوستی کے فروغ کے لیے مسلسل کوششیں کر رہا ہے۔ اس کی ایجنسیاں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں جو بنی نوع انسان کی ترقی کے لیے مختلف سرگرمیاں انجام دے رہی ہیں۔ سیاسیات ہمیں ان تمام معاملات سے آشنا کرتی ہے۔

علم سیاسیات اور دیگر سماجی علوم

علم کی نشوونما نے مختلف علوم کے آغاز کی راہ ہموار کی۔ یہ ایک نہ ختم ہونے والا عمل ہے۔ علم کو تین بڑوں گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ فزیکل سائنس، بائیولوجیکل سائنس اور سوشل سائنسز، معاشرے کے بارے میں علم دھیرے دھیرے مختلف شاخوں میں ترقی کرتا گیا جس نے خصوصی مطالعات کی گنجائش فراہم کی۔ یہ تمام سماجی علوم ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ہر شعبے میں اختلافات اور تضادات کے باوجود، گہرائی سے مطالعہ ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ ان سماجی علوم میں بہت سی مماثلتیں ہیں۔

سیاسیات کا دوسرے سماجی علوم سے گہرا تعلق ہے۔ تاریخ، معاشیات، سماجیات، جغرافیہ، سیاسیات، بشریات، اخلاقیات، شہریات، نفسیات، قانون اور پبلک ایڈمنسٹریشن اور بڑے سماجی علوم باہمی طور پر تکمیلی ہیں۔ وہ سب سماجی علم کے درخت کی مختلف شاخوں کی طرح ہیں۔ جس طرح ایک سماجی سائنس کے دوسرے کے ساتھ تعلقات کو جاننا بہت ضروری ہے۔ سیاسیات اور کچھ سماجی علوم کے درمیان اس طرح کے باہمی تعلق کی تفصیل ذیل میں دی جاسکتی ہے۔

علم سیاسیات۔ تاریخ

تاریخ ماضی کو بیان کرتی ہے۔ بنی نوع انسان اور معاشرے کی ترقی تاریخ سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ تاریخ انسان کی کہانی ہے

،انسانی تجربات کے خزانے کے طور پر کام کرتی ہے۔ یہ تمام سماجی علوم کے لیے ایک تجربہ گاہ کی طرح ہے۔ انسان کی سیاسی ،معاشی ،سماجی ،ثقافتی ،مذہبی اور ادبی سرگرمیاں صرف تاریخ کے ذریعے معلوم کی جا سکتی ہیں۔

تاریخ ماضی کی سیاسی سرگرمیوں کا مطالعہ کرنے کے لیے معلومات فراہم کرتی ہے۔ سیاسی نظریات اور اداروں کی پیدائش اور نشوونما صرف تاریخ کے ذریعے معلوم ہوتی ہے اور یہ مملکت جیسے اداروں کی اصل ترقی اور ترقی کو تصور اور نظریہ بنانے میں مدد دیتی ہے۔ تاریخ اور سیاسیات کے باہمی تعلق کو بیان کرتے ہوئے J.R.Seeley لکھتے ہیں.

"علم سیاسیات کے بغیر تاریخ کا کوئی پھل نہیں ہے

تاریخ کے بغیر علم سیاسیات کی کوئی جڑ نہیں ہے۔"

تاریخ کے ابتدائی دور سے ہی سیاسی اداروں میں مسلسل تبدیلیاں اور ترقیاں ہوتی رہی ہے۔ مختلف سیاسی اداروں کا دور در دور تک ارتقاء تاریخ میں درج ہے۔ تاریخ سیاسیات کی بنیاد ہے۔ سابقہ سیاسی اداروں اور عصری سیاسی سرگرمیوں کا تقابلی مطالعہ مستقبل میں مثالی اور مستحکم سیاسی اداروں کی تلاش کی گنجائش فراہم کرتا ہے سیاسیات کا علم انڈین نیشنل کانگرس کے قیام ،انقلاب فرانس ،انقلاب روس اور مسلم لیگ کے دوقومی نظریہ جیسے نظریات کو سمجھنے اور ان کے اثرات کا اندازہ لگانے کے لیے سرگرمی بہت ضروری ہے۔ اس طرح قدیم یورپ کی تاریخ کے علم کی روشنی میں افلاطون ،ارسطو اور دیگر فلسفیوں کے پیش کردہ تصورات کا مطالعہ ممکن ہے۔

سیاسیات کا علم تاریخ کے لیے اس طرح ضروری ہے، جس طرح تاریخ کا علم سیاسیات کے لیے۔ تاریخ اور سیاسیات باہمی تعاون کے جذبے سے کسی بھی مہذب معاشرے کی ترقی میں اپنا حصہ ادا کر سکتے ہیں۔ جہاں سیاسیات تصورات اور اداروں سے متعلق ہے جیسے خودمختاری ،عوامی پالیسی ،آئین کی درجہ بندی اور مختلف سیاسی جماعتوں اور اس طرح کے سیاسیات کا مطالعہ نہ صرف ماضی اور حال سے متعلق ہے بلکہ مستقبل کے بارے میں بھی قیاس آرائیاں کرتا ہے۔

سیاسیات۔معاشیات

معاشیات دولت، پیداوار، تقسیم اور سامان کے تبادلے جیسے پہلوؤں کا مطالعہ کرتی ہے۔ یہ دولت جمع کرنے کے مختلف طریقوں کے بارے میں مطالعہ کرتی ہے۔ معاشیات دولت، پیداوار اور تقسیم جیسے پہلوؤں کا سماجی مطالعہ ہے۔ معاشیات انسانی بہبود کا مطالعہ کرنے کے لیے مختلف طریقوں سے مدد کرتی ہے۔

معاشیات محدود وسائل کے ساتھ لامحدود خواہشات کو پورا کرنے کے طریقے کار کو مربوط کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ معاشی ضروریات پوری نہ ہونے پر معاشرے میں امن کا فقدان اور عدم اطمینان غالب رہتا ہے۔ خوراک ،لباس ،رہائش ،تعلیم اور طبی امداد جیسی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ ورنہ زندگی اداس ہو جاتی ہے، بنیادی ضرورتیں پوری نہ ہو تو انسان کو اپنی تمام تر توانائیاں صرف اسی مقصد کے لیے صرف کرنی پڑتی ہیں۔

اگرچہ سیاسیات اور معاشیات دو الگ الگ شعبے ہیں لیکن ان کا مشترکہ مقصد لوگوں کی فلاح و بہبود ہے۔ پیداوار، صرف، تبادلہ کی اکائیوں کے مناسب استعمال ،مہنگائی میں کمی ،قومی دولت کو جمع کرنے میں تعاون ،صنعتی ترقی کے فروغ سے متعلق پالسیاں ایک

جدید مملکت کی سرگرمیوں کا بہت زیادہ حصہ ہیں۔ اقتصادی پالیسیوں کا اثر مندرجہ بالا تمام پالیسیوں پر بہت زیادہ ہے۔ سیاسی نظام کے ذریعہ ہی بہت سے معاشی مسائل کا حل ممکن ہے۔

حکومت پیداوار کے شعبے میں حصہ لے کر کچھ معاشی کام انجام دیتی ہے۔ مملکتوں کو پیداوار اور ترقی کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ٹیکس لگانے، خرید و فروخت، خوراک کی پیداوار، تقسیم، روزگار کو فروغ دینے، برآمدات اور درآمدات میں ہمیشہ حصہ لینا ہے۔ معیشت میں پیداواری قوتوں نے مارکسزم کے پھیلاؤ کو تیز کیا۔ دوسری عالمی جنگ شروع ہونے میں معاشی وجوہات نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ نازی ازم اور فاشزم کی ابتدا بنیادی طور پر معاشی وجوہات کی وجہ سے ہوئی ہے۔ بہت سے اس سکالرز کی رائے ہے کہ برطانیہ نے ہندوستان کی آزادی کے اعلان میں صرف معاشی وجوہات کی بنا پر تاخیر کی۔ معاشی وجوہات بہت سے نئے سیاسی نظریات اور تحریکوں کی جڑ ہیں۔ معاشی حالات سیاسی فیصلوں اور حکومت کی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

سیاسیات۔سماجیات

سماجیات تمام سماجی علوم کی جڑ ہے۔ سماجیات مختلف سماجی اداروں میں ہونے والی تبدیلیوں کا مطالعہ کرتی ہے۔ یہ معاشرے میں سماجی، اخلاقی اقتصادی اور ثقافتی نظاموں پر بحث کرتا ہے۔ یہ انسانی تعلقات، سماجی حالات، مختلف نظاموں کی ابتدا، نمو اور نشوونما، انکے متعلقہ شکلوں، اصولوں، رسوم و روایات، طرز زندگی، تہذیب وثقافت اور ان کے اثرات کا بھی مطالعہ کرتا ہے۔ سماجیات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ بہت سے سماجی علوم صرف سماجیات سے خصوصی اکائیوں کے طور پر تیار ہوئے۔ سیاسیات ان میں سے ایک ہے۔ سیاسیات اور سماجیات نہ صرف ایک دوسرے سے متعلق ہیں بلکہ ایک دوسرے پر منحصر بھی ہیں۔

سماجیات کا علم سیاسی سائنسداں کے لیے ضروری ہے۔ ریاست کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے سماجیات کی جڑوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ یونانیوں نے کبھی معاشرے اور مملکت کے درمیان کسی فرق کا تصور نہیں کیا۔ یونانی فلسفیوں کی رائے میں ریاست نہ صرف ایک سیاسی نظام ہے بلکہ قابل تعریف قدر کا سماجی نظام بھی ہے۔ سماجی رسم و رواج سماجی ترکیب اور سماجی زندگی کو منظّم کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ سیاسی سائنس دان ایک فرد اور ایک کمیونٹی کے حصے کے طور پر بھی شہری کے رویوں کو سمجھنے کے لیے سماج کاری کے رجحانات کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ دیر سے سیاسی سماجیات ایک خاص سائنس کے طور پر تیار ہوئی۔ یہی عنصر ظاہر کرتا ہے کہ سیاسی زندگی پر سماجی اداروں کا اثر کتنا فعال ہے۔ سیاسی جماعتیں گروپس اور رائے عامہ سماجی عوامل کے اثر کا شکار ہیں۔ کسی ریاست میں سیاسی تبدیلیوں کو سماجی حالات اور اداروں کے علم کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا۔ مثال کے طور پر ہندوستان میں سیاسی سرگرمی کے گہرائی سے مطالعہ کے لیے سماجی عوامل جیسے ذات، مذہب، علاقہ اور زبان کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے.

جیسا کہ سیاسیات لوگوں کے منظّم گروہوں پر بحث کرتا ہے، سماجیات کا مطالعہ منظّم اور غیر منظّم دونوں گروہوں پر ہوتا ہے. سیاسیات ماضی حال اور مستقبل کے تمام سیاسی اداروں سے نمٹتی ہے سماجیات ماضی اور حال میں کسی معاشرے میں تمام اداروں کے وجود اور ترقی پر بحث کرتی ہے۔

خلاصہ

سیاست یا سیاسیات کی کئی تعریفیں ہیں۔ جدید دور تک سیاسیات کے مطالعہ کا مطلب مملکت اور حکومت کا مطالعہ تھا۔ سب سے

زیادہ توجہ سیاسی زندگی کے اختتام پر اور اس طرح سوچ اور عمل کی معیاری نوعیت پر تھی۔دھیرے دھیرے طریقے کار سے متعلق استفسارات کی ترقی اور سماجی اور سیاسی مظاہر پر سائنسی طریقہ کار کے اطلاق کے ساتھ نظم وضبط نے نیا نام اختیار کیا: سیاسیات محض نام کی تبدیلی ہی نہیں مطالعہ کی توجہ میں تبدیلی بھی جو بھی شکل اختیار کی اور یہ نقطہ اگلی اکائی میں واضح ہو جاتا ہے۔سیاسیات کا مطالعہ دو سلسلوں میں تیار ہوا: معیاری اور تجرباتی۔پہلے کی توجہ اقدار یا اصولوں پر ہے یا اس سوال پر کہ کیا کیا جانا چاہیے، اور موخر الذکر حقائق اور ان کے تعلقات پر اور" کیا ہے" کہ سوال پر اہمیت رکھتا ہے۔ بین ڈسپلنری نقطہ نظر نظم وضبط کے دائرہ کار اور اہمیت میں مزید متنوع بنا تا ہے۔

نمونہ امتحانی سوالات:

I۔ درج ذیل سوالات کے لیے طویل جوابات لکھیں۔

1۔ علم سیاسیات کی تعریف کریں اور اس کے دائرے کار کی وضاحت کریں۔

2۔ علم سیاسیات کی اہمیت کے بارے میں لکھیں۔

3۔ تاریخ اور معاشیات کے ساتھ سیاست کے تعلق پر بحث کریں۔

II۔ درج ذیل سوالات کے لیے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ سماجیات کے ساتھ سیاسیات کے تعلق کے بارے میں لکھیں۔

2۔ اخلاقیات کے ساتھ سیاسیات کے تعلقات کے بارے میں لکھیں۔

III۔ درج ذیل سوالات کے جوابات تقریباً پانچ لائنوں میں لکھیں۔

1۔ علم سیاسیات کی تعریف کریں۔

2۔ علم سیاسیات کے دائرے کار میں کسی بھی چار نکات کی وضاحت کریں۔

3۔ علمسیاسیات میں مطالعہ کے طریقے کیا ہیں۔

4۔ سماجیات سے کیا مراد ہے۔

5۔ سیاسیات معاشیات سے کس طرح مختلف ہے۔

لغت

1۔ تجرباتی مطالعہ: سیاسیات کا مطالعہ جس کا دائرہ رسمی اور غیر رسمی اداروں جیسے مملکت، حکومت، سیاسی جماعتوں پریشر گروپس ،سماجی اقتصادی اور معاشرے کے سیاسی موجودہ حالات تک پھیلا ہوا ہے۔

2۔ حقوق نسواں: یہ عقیدہ کہ مردوں اور عورتوں کو مساوی حقوق اور مواقع ملنے چاہیے۔جیسے سماجی، سیاسی، قانونی اور اقتصادی۔

3۔ معیاری مطالعہ: سیاسیات کا مطالعہ جو ریاست اور حکومت اور معاشرے کی اقدار جیسے روایتی یا رسمی اداروں تک محدود ہے۔

4۔ پالیسی سازی: یہ ایک ایسا عمل ہے جو حکومت کی طرف سیعوام کی بہتری کیلئے پالیسیوں کی تشکیل کے عمل کی وضاحت کرتا ہے۔

5۔ پولیس (Polis): یہ قدیم یونانی لفظ ہے اس کا مطلب شہری مملکت ہے۔

6۔ سیاسی رویہ: کسی خاص سیاسی صورتحال میں لوگوں کا برتاؤ۔

2

2۔ مملکت: مملکت کی ابتداء کے عناصر اور نظریات

2. State: Its Elements and Theories of Origin of State

مملکت کے تصور کا مطالعہ کرنے سے ایک طالب علم اس قابل ہوتا ہے۔

- ☆ سیاسی نظام اور اس کے کام کو سمجھنا
- ☆ یہ آگاہی حاصل کرنے کے لیے حکومت ریاست کے ایجنٹ کے طور پر کیسے کام کرتی ہے۔
- ☆ مملکت اور شہری کے درمیان تعلقات اور دونوں کی ذمہ داریوں کو سمجھنا۔
- ☆ مملکت کی مطلقیت اور اس کے حدود کو سمجھنا۔
- ☆ یہ سمجھنا کہ مملکت کیسے وجود میں آئی۔
  (ریاست کی ابتدا کے مختلف نظریات)

تعارف: Introduction

ہر فرد کی زندگی مملکت سے جڑی ہوتی ہے۔ مملکت میں سب کچھ ہے۔ مملکت سے باہر کچھ نہیں۔ پیدائش سے لے کر موت تک، تعلیم سے لے کر ملازمت تک، گھریلو سے لے کے عالم تک، روحانی سے سیاسی اور معاشی سے ثقافتی، کاروبار، فوج، عدلیہ وغیرہ سب مملکت کے قانون کے ماتحت ہیں۔ مملکت کے سامنے کوئی بھی چیز نجی نہیں ہے، مثال کے طور پر شادی، طلاق، پیدائش، موت، اسقاط حمل، خودکشی وغیرہ۔

سیاسیات میں مملکت کا تصور سیاسی نظام کی ساخت، کام کاج اور حرکیات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ یہ طاقت کی تقسیم فیصلہ سازی کے عمل، عوامی پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات میں ریاستوں کے درمیان تعاملات کا تجزیہ کرنے میں مدد کرتا ہے۔

مملکت کیا ہے؟

مملکت سیاسیات کا مرکزی موضوع ہے۔ مملکت بنیادی طور پر ایک منظّم سیاسی ادارہ ہے جو اپنی مقررہ جغرافیائی حدود میں رہنے والے اراکین پر حتمی طاقت رکھتا ہے۔ لہذا ایک مقررہ علاقہ مملکت کی پہلی شرط بن جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا ادارہ ہے جو اپنے علاقے میں تمام مردوں پر اختیار رکھتا ہے۔ اگرچہ معاشرہ بہت سے گروہوں اور انجمنوں پر مشتمل ہوتا ہے لیکن یہ مملکت ہی ہے جو تمام معاملات میں

حتمی رائے رکھتی ہے۔ یہ تمام سماجی اداروں میں سب سے زیادہ طاقتور اور عالمگیر ہے۔ یہ ایک سب سے بڑھ کر سر بلندی والی انجمن ہے۔ یہ معاشرے کا اعلیٰ ترین ادارہ ہے۔ جو اپنے علاقائی حلقہ میں افراد اور انجمن کی سرگرمیوں کو کنٹرول اور مربوط کرتا ہے۔ کسی نہ کسی قسم کا اتھارٹی ڈھانچہ یا حکومت سیا بھری ہے تہذیب کے ہر مرحلے پر داخلی سلامتی، بیرونی حملے سے تحفظ اور معاشرتی زندگی کے قوائد وضوابط کی پابندی کو یقینی بنانے کے لیے مملکت کی حتمی سپریم طاقت کو اقتدار اعلیٰ کہا جاتا ہے۔

آخر میں مملکت ایک قسم کی انسانی انجمن ہے جو دیگر انجمنوں سے اپنے مقصد، امن وامان کے قیام اور مختلف خطرات سے تحفظ کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ یہ کچھ طریقوں، قوانین اور ان کے نفاذ، اس کے جغرافیائی علاقے اور بالآخر اس کی اقتدار اعلیٰ کے ذریعہ کام کرتا ہے۔

انگریزی کی اصطلاح مملکت لاطینی لفظ ‘‘Stare’’ سے نکلی ہے جس کا مطلب ہے " کھڑا ہونا"۔ مملکت کا مغربی تصور قدیم یونانی تہذیب سے شروع ہوتا ہے۔ قدیم یونانی فلسفیوں سقراط، افلاطون اور ارسطو نے ‘‘Polis’’ کی اصطلاح کو قدیم شہری مملکت سے مخاطب کرنے کے لیے استعمال کیا جو مملکت کے جدید تصور سے تھوڑا سا ملتا جلتا ہے۔ یہ قدیم رومیوں نے مملکت کے معنی میں ‘‘Civitas’’ کی اصطلاح استعمال کی۔ سولویں صدی میں نکولو میکاویلی (MachiavelliNiccolo) نے اپنی کتاب " ‘‘The Prince میں جس نے سب سے پہلے مملکت (State) (stato`la) کی اصطلاح استعمال کی اور بعد میں فرانسیسی فلسفی جین بودین (BodinJean) نے بڑے پیمانے پر مملکت کے تصور کو ترقی دیا۔ میکاویلی نے پہلی بار مملکت کا تصور کو اقتدار اعلیٰ، سیکولر اور قومی ادارے کے طور پر قائم کیا۔

تعریفیں: سیاسیات میں نظریاتی نقطہ نظر اور سیاق وسباق پر منحصر مملکت کے تصور کو مختلف طریقوں سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہاں چند عام تعریفیں ہیں

سسرو :(Cecero) مملکت ایک متعدد معاشرہ ہے جو حق اور باہمی برابری کے مشترکہ احساس کے فوائد سے متحد ہے۔

بودین: (Bodin) مملکت خاندانوں اور ان کے مشترکہ معاملات کی ایک انجمن ہے، جس پر ایک اعلیطاقت اور وجہ سے حکومت کرتی ہے۔

فریڈرک ایم وٹکنس: (WarkinsM.Frederick): ریاست انسانی معاشرے کا ایک جغرافیائی طور پر محدود طبقہ ہے جو کسی ایک اقتدار اعلیٰ کی مشترکہ اطاعت سے متحد ہے۔

اوپن ہما: (Oppenheim) مملکت کا وجود اس وقت ہوتا ہے جب کوئی قوم اپنے خود مختار حکومت والے ملک میں آباد ہو۔

ہر پولڈ لاس ویل:: (LasswellHarold) مملکت ایک علاقائی معاشرے سے جو حکومتوں اور رعایہ اور ایک خاص قسم کی تنظیم میں تقسیم ہوتا ہے جو کسی علاقے اور اس کے لوگوں پر حاکمیت کا دعوی کرتا ہے اور اس کے اندر طاقت کی اجارہ داری کا استعمال کرتا ہے۔

ارسطو:: (Aristotle) ریاست کامل اور خود کفیل وجود کے حصول کے لیے خاندانوں اور دیہاتوں کی انجمن ہے.

گارنر: (Garner) مملکت عوامی قانون کے ایک تصور پر، ایک کم یا زیادہ افراد کا گروہ ہے جو کسی متعینہ علاقہ میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہوتا ہے، خارجی کنٹرول سے آزاد اور ایک ایسی منظّم حکومت کا حامل ہوتا ہے جس کی اطاعت آبادی کی کثیر تعداد عادتاً کرتی

ہے۔

بلینٹ شیلی ::(Bluntschli) مملکت سیاسی طور پر منظم عوام ہیں جو ایک متعینہ علاقہ میں رہتے ہیں۔

چارلس ٹلی: (TillyCharles): مملکت ایک مرکزی اور امتیازی تنظیم کے طور پر جو ایک مخصوص علاقے اور آبادی پر تشدد کے جائز ذرائع رکھتی ہے۔

رابرٹ ڈھال: :(DahlRobert) مملکت ایک مخصوص علاقے کے اندر قوائد وضوابط بنانے اور ان کو نافذ کرنے کا اختیار رکھنے والے نسبتاً مستقل اداروں کا مجموعہ ہے۔

ہرمالڈ جیلاسکی:: (1931LaskiJ.Herold) مملکت ایک علاقائی معاشرہ ہے جسے حکومت اور رعایا میں تقسیم کیا جاتا ہے جو اپنے مختص طبعی علاقے کے اندر دوسرے تمام اداروں پر بالادستی کا دعوی کرتا ہے۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں کہ سیاسی مفکرین نے پوری تاریخ میں مملکت کو کس طرح تصور کیا ہے۔ ان کے نقطہ نظر اور تعریفوں نے سیاسی نظریے کے میدان کو بہت متاثر کیا ہے اور مملکت اور معاشرے میں اس کے کردار کے بارے میں ہماری سمجھ کو تشکیل دیتے رہتے ہیں۔

مملکت کے عناصر Elements of State

مملکت کی مندرجہ بالا تعریفوں پر غور کرنے سے ہمیں اس کی حقیقت کو جان لینا چاہیے کہ مملکت چار بنیادی عناصر پر مشتمل ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

1۔آبادی 2۔علاقہ 3۔حکومت 4۔اقتدار اعلی 5۔بین الاقوامی تعلقات

آبادی: Population

مملکت کے تصور کا ایک بنیادی عنصر آبادی ہے۔ آبادی کے بغیر کوئی مملکت نہیں ہے۔ مملکت انسان کا ادارہ ہے خدا اور شیطان کے لیے نہیں۔ اس سے مراد افراد کا وہ گروپ ہے جو مملکت کی حدود میں رہتے ہیں اور اس کے قوانین، حکمرانی اور اختیار کے تابع ہیں۔ مملکت کے ایک عنصر کے طور پر آبادی کے حوالے سے بحث کرنے کے لیے کچھ اہم نکات یہ ہیں۔

آبادی کا حجم (سائز): ایک مملکت کے طور پر پہچانے جانے کے لیے آبادی کا کوئی قبول شدہ سائز نہیں ہے۔ مملکت کی آبادی کا سائز مختلف عوامل کی بنیاد پر نمایاں طور پر مختلف ہوتا ہے تاکہ قدیم یونانی فلسفیوں میں کوئی مشترک یا مشابہ رائے نہ۔ ہوافلاطون کے لیے 5040 آبادی کا ایک مثالی شہر مملکت ہونا ضروری ہے۔ ارسطو آبادی کے کسی خاص سائز سے مجبور ہونے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے تجویز پیش کی کہ کسی بھی ریاست کے لیے آبادی کا ایک محدود سائز ہونا چاہیے اور اس نے بنیادی بنیاد قائم کی کہ " تعداد انہ تو بہت چھوٹی ہو اور نہ بہت زیادہ یہ اتنی بڑی ہونی چاہیے کہ خود کفیل ہو اور اتنی چھوٹی کے اچھی طرح سے حکومت کر سکے۔" سماجی معاہدے کے فلسفی روسیو نے مشورہ دیا کہ ما یک مثالی مملکت کے لیے 10 ہزار آبادی کا بہترین اعداد و شمار ہونا چاہیے۔

مختلف ریاستوں کے درمیان آبادی کے سائز کا ایک وسیع دائرہ کار ہے چند ہزار کی آبادی والے چھوٹے ممالک سے لے کر کروڑوں یا اس سے بھی زیادہ آبادی والے بڑے ممالک تک ہیں۔ کسی مملکت کے لیے ضروری آبادی کے حجم کی کوئی خاص حد نہیں ہے تاہم یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ آبادی نہ تو بہت زیادہ ہونی چاہیے اور نہیں بہت چھوٹی۔ اسے ایک معقول حد کے اندر ہونا چاہیے اس کا تعین ریاست کے علاقے کے سائز، وسائل کی دستیابی، متوقع معیار زندگی اور دفاع کی ضروریات سامان اور رسد کی پیداوار، نقل مکانی کے نمونوں کی بنیاد پر کیا جانا چاہیے۔ ہندوستان میں بہت بڑی اور تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی والا ملک ہے اور آبادی میں اضافے کو روکنے کی ہر ضرورت ہے۔ پائیدار ترقی کی اعلی سطح کو رجسٹر کرنے کے لیے ہندوستان کی صلاحیت کو بڑھانے کے لیے یہ ضروری ہے۔

کچھ مثالیں فراہم کرنے کے لیے 2021 میں شماریات کے کٹوتی کے مطابق کم آبادی والے کچھ ممالک شامل ہیں: تقریباً 800 افراد کی آبادی کے ساتھ ویٹیکن سٹی دنیا کی سب سے چھوٹی آزاد مملکت ہے۔ ناورو (Nauru) بحرالکاہل کا ایک چھوٹا جزیرہ ہے جو تقریباً 10,876 افراد کی آبادی پر مشتمل ہے۔

توالو (Tuvalu) ایک اور چھوٹا جزیرہ ہے جس کی آبادی تقریباً 11,931 افراد پر مشتمل ہے۔ دوسری طرف زیادہ آبادی والے ممالک ہیں، جیسے: دنیا کی سب سے زیادہ آبادی والے ملک کے طور پر چین کی آبادی 1.4 بلین سے زیادہ ہے۔ 1.3 بلین سے زیادہ آبادی کے ساتھ بھارت آبادی کے لحاظ سے چین کے قریب ہے۔ (اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق بھارت اپریل 2023 میں چین کی آبادی کو پیچھے چھوڑ کر دنیا کا سب سے زیادہ آبادی والا ملک بن جائے گا۔) امریکہ تیسرا سب سے زیادہ آبادی والا ملک ہے جس کی آبادی تقریباً 330 ملین ہے۔ سابق سویت یونین نے اپنے خواتین کو انعامات سے حوصلہ افزائی کی جنہوں نے زیادہ بچوں کو جنم دیا۔ لیکن چین اور ہندوستان نے آبادی کو کم کرنے کے لیے کچھ پالسیاں لائیں تا کہ زیادہ آبادی کے چیلنجوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ شرح پیدائش، شرح اموات، نقلِ مکانی اور حکومتی پالیسیوں جیسے عوامل کی وجہ سےآبادی کے سائز وقت کے ساتھ تبدیل ہوسکتے ہیں۔

علاقہ: Territory

علاقہ مملکت کا ایک اہم منصر ہے، جو اس جغرافیائی علاقے کی نمائندگی کرتا ہے جس پر مملکت اپنا اختیار اور کنٹرول استعمال کرتی ہے۔ مستقل علاقے کے بغیر کوئی مملکت نہیں ہوسکتی۔ ایک مملکت کے طور پر پہچانے جانے کے لیے لوگوں کو اپنے آپ کو سماجی اور سیاسی طور پر رہنے اور منظّم کرنے کے لیے علاقے کے ایک خاص حصے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ریاست کے علاقے میں زمین، پانی اور ہوائی فضاء شامل ہیں۔ جدید مملکتیں اپنے سائز میں مختلف ہیں۔ شہریت کے لیے علاقہ ضروری ہے۔ جیسا کہ آبادی کے معاملے میں، مملکت کے رقبہ کے حوالے سے کوئی قطعی سائز طے نہیں کیا جا سکتا۔ چھوٹی اور بڑی مملکتیں ہیں۔ مملکت کے طور پر اہل ہونے کے لیے کسی علاقے کے لیے سائز کی کوئی مقررہ ضرورت نہیں ہے کیونکہ مملکتیں اپنی زمین کے رقبہ کے لحاظ سے چھوٹے سے بڑے تک ہوسکتی ہیں۔ یہاں مختلف سائز کی ریاستوں کی کچھ مثالیں ہیں۔

منا کو(Monaco) ایک مائیکرو اسٹیٹ ہے جو فرانسیسی رویرا (Reviera) پر واقع ہے۔جس کا رقبہ صرف 2.02 مربع کلومیٹر(78.0 مربع میل)۔اس کے چھوٹے سائز کے باوجود منا کو ایک مکمل خود مختار مملکت کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔سنگا پور جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ایک شہری مملکت ہے،جس کا رقبہ تقریباً 721.5 مربع کلومیٹر ہے(.2786 مربع میل)۔ یہ دنیا کے سب سے چھوٹے مما لک میں سے ایک ہے پھر بھی ایک آزاد مملکت کے طور پر کام کرتا ہے۔

روس دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے جس کا رقبہ تقریباً 17.1 ملین مربع کلومیٹر ہے۔(6.6 ملین مربع میل) یہ متعدد ٹائم زونز کے ساتھ مشرقی یورپ سے شمالی ایشیا تک پھیلا ہوا ہے۔کینیڈا دنیا کا دوسرا سب سے بڑا ملک ہے،جس کا زمینی رقبہ تقریباً 9.98 ملین مربع کلومیٹر ہے۔(3.85 ملین مربع میل)۔ یہ مشرق میں بحر واقیانوس سے لے کر مغرب میں بحرالکاہل تک پھیلا ہوا ہے اور جنوب میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی سرحدوں سے ملتا ہے۔آسٹریلیا ایک ملک ہے جو پورے براعظم پر قابض ہے جس کا رقبہ تقریباً 7.7 ملین مربع کلومیٹر ہے(2.97 ملین مربع میل)۔ یہ اپنے متنوع جغرافیہ کے لیے جانا جاتا ہے،جس میں وسیع ریگستانوں سے لے کر سرسبز برساتی جنگلات شامل ہیں۔

یہ مثالیں مملکتوں کے درمیان علاقائی سائز کی وسیع وسعت کو واضح کرتی ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ صرف علاقے کا سائز ہی مملکت کا تعین نہیں کرتا بلکہ ایک مضبوط مملکت کے لیے زرخیز زمین، بھرپور دریا اور کان کنی کے وسائل سب سے اہم قدرتی طور پر محفوظ سرحدیں اور آب وہوا کے حالات جیسے عوامل اہم سمجھے جاتے ہیں۔

حکومت: Government

حکومت مملکت کا سب سے ضروری عنصر ہے۔مملکت اپنے اقتدار اعلی کا استعمال حکومت کے ذریعے کرتی ہے۔اس سے بعض اوقات یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ مملکت اور حکومت میں کوئی فرق نہیں ہے۔تاہم یہ واضح طور پر نوٹ کرنا ضروری ہے کہ حکومت مملکت کا صرف ایک عنصر ہے۔حکومت مملکت کی ایجنٹ یا کام کرنے والی مشنری ہے۔اقتدار اعلیٰ کا تعلقسے ہے،حکومت صرف مملکت کی جانب سے کام کرتی ہے۔اپادورائی (Appadorai) نے" حکومت کی تعریف ایک ایسی ایجنسی کے طور پر کی ہے جس کے ذریعے مملکت کی مرضی کی تشکیل, اظہار اور احساس کیا جاتا ہے۔.Strong"C.F کے لیے" قوانین بنانے اور نافذ کرنے کے لیے مملکت کو اعلی اختیار حاصل ہونا چاہیے۔اسے حکومت کہتے ہیں۔"

حکومت کے مختلف اقسام:

حکومت کی مختلف اقسام انکے مختلف طریقوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں جن میں سیاسی طاقت کو معاشرے کے اندر تشکیل اور استعمال کیا جاتا ہے۔حکومت کی شکل اس بات کا تعین کرتی ہے کہ کس کے پاس اختیار ہے، فیصلے کیسے کیے جاتے ہیں اور طاقت اور ذمہ داریوں کی تقسیم کیسے ہوتی ہے۔ یہاں حکومت کی کچھ سب سے اہم اقسام ہیں: جیسے صدارتی طرز حکومت، پارلامس نی طرز حکومت، وحدانی حکومت، وفاقی حکومت اور فوجی حکومت۔

1۔مقنّنہ: قانون ساس ادارہ۔2۔عاملہ: قوانین کو نافذ کرنے کا ادارہ۔ 3۔عدلیہ: جومخصوص مقدمات پر قوانین کا اطلاق کرتی ہے اور تنازعات کا تصفیہ کرتی ہے یعنی فیصلہ سازی کا کام انجام دیتی ہے۔حکومت کے ان تینوں اداروں میں سے ہر ایک اپنی مختص کردار ذمہ داریاں نبھاتا ہے۔مقنّنہ اور عاملہ کے درمیان تعلقات کی وضاحت آئین کے قانون سے ہوتی ہے۔منہں اور عاملہ کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور مقنّنہ اور عاملہ ہندوستان اور برطانیہ جیسی پارلیمانی طرز حکومت میں اجتماعی طور پر ذمہ دار ہے۔مقنّنہ اور عاملہ دو الگ الگ اور خود مختار اعضاء ہیں اور ان کی ایک مقررہ مدت ہوتی ہے جس میں امریکہ جیسی صدارتی طرز حکومت میں بہت زیادہ استحکام ہوتا ہے اور عاملہ مقنّنہ کے لیے ذمہ دار نہیں ہے۔

اقتدار اعلیٰ: Sovereignty

اقتدار اعلیٰ مملکت کا سب سے اہم اور کلیدی عنصر ہے۔اقتدار اعلیٰمملکت کی اعلی طاقت ہے۔یہ ایک خصوصیت ہے جو صرف مملکت کے پاس ہے یہ مملکت کو خود مختار اور اعلی ترین بناتی ہیاقتدار اعلیٰجو داخلی بالادستی اور خارجی آزادی وہ مخصوص خصوصیت ہے جو مملکت کو عوامی تنظیموں کی دیگر تمام شکلوں سے ممتاز کرتی ہے۔حکومت کے بنائے ہوئے قوانین کو نہ ماننے والوں کو سزا دی جاتی ہے یہ داخلی اقتدار اعلیٰہے بیرونی اقتدار اعلیٰ کا مطلب یہ ہے کہ مملکت کسی بیرونی کنٹرول کے بغیر اپنی خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات بنانے میں آزاد ہے۔اقتدار اعلیٰمملکت کا ایک اہم عنصر ہے جو اعلی اور خود مختار اقتدار کی نمائندگی کرتی ہے، جسے مملکت اپنے علاقے، آبادی اور حکمرانی پر رکھتی ہے۔قانون اور سیاسی نظریات دونوں میں اس کا مطالعہ کا سب سے اہم تصور ہے۔اقتدار اعلیٰ مملکت کو تمام سیاسی، سماجی اور دیگر تنظیموں سے ممتاز کرتی ہے۔خود مختار طاقت کا قبضہ مملکت کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنے علاقوں میں تمام لوگوں کو حکم جاری کرسکے اور امن قائم کرسکے۔یہ مملکت کا لازمی عنصر ہے اگر اقتدار اعلیٰ نہیں ہے تو مملکت کا کوئی وجود ہی نہیں۔

بین الاقوامی پہچان:

بین الاقوامی نظام کی ابھرتی ہوئی نوعیت اور ریاستوں کے درمیان تعلقات کے نتیجے میں بین الاقوامی تعلقات مملکت کا ایک عنصر بن گئے۔جیسے ایسے معاشروں اور سیاسی اداروں کی ترقی ہوئی اور وہ ایک دوسرے سے آمنے سامنے ہونے لگے جس کے نتیجے میں سفارتی تعلقات اتحاد، تنازعات اور تجارت کا آغاز ہوا۔بین الاقوامی تعلقات کا عنصر مملکتوں کے لئے ضروری ہوگیا کہ وہ دیگر خود مختار اداروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو قائم کریں اور عالمی سطح پر اپنے مفادات کا تحفظ کریں۔مملکت کے ایک عنصر کے طور پر بین الاقوامی تعلقات کو شامل کرنے میں کئی اہم عوامل نے کردار ادا کیا۔

مملکت کی ابتداء کے نظریات:

اب تک ہم جان چکے ہیں کہ مملکت کیا ہے اور کیا کرتی ہے۔اب کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مملکت کی ابتدا کیسے اور کب ہوئی۔فطری علوم کے برعکس ہم مملکت کی ابتدا کی تاریخ کا اندازہ لگانے میں قطعی اور یقینی نہیں ہوسکے۔لہذا یہ ہمیں ریاست کی

ابتدا کے حوالے سے مختلف تجاویز جاننے پر مجبور کرتا ہے اور اس لیے بہت سے نظریات وجود میں آئے ہیں۔

مملکت کی ابتدا کے حوالے سے متعدد نظریات پیش کیے جاتے ہیں۔ان میں الہامی نظریہ، مادرانہ، پدرانہ تاریخی ارتقا، قوت کا نظریہ، سماجی معاہدے کا نظریہ اور مارکسی نظریہ شامل ہیں۔مملکت کی ابتدا کے ان میں سے کچھ نظریے ذیل میں زیر بحث لائے جارہے ہیں۔

مملکت کا نظریہ تخلیق ربانی:

مملکت کا نظریہ تخلیق ربانی مملکت کے دیگر نظریات میں سب سے قدیم نظریہ ہے۔ یہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ مملکت کا وجود تھا۔ اس نظریے کا خیال ہے کہ مملکت خدا کی طرف سے بنائی گئی ہے۔ اس نظریے کے مطابق بادشاہوں اور حکمرانوں کو خدائی ہستی کے ذریعے چنا اور مقرر کیا جاتا ہے اور ان کا اختیار مطلق اور نا قابل اعتراض سمجھا جاتا ہے۔ بادشاہ کو زمین پر خدا کا ایجنٹ یا نمائندہ سمجھا جاتا ہے لہذا بادشاہ زمین پر کسی کے لیے جوابدہ نہیں سوائے اللہ کے۔قرون وسطی کے زمانے میں کچھ بادشاہوں نے دعوی کیا کہ وہ زمین پر خدا کے نمائندے۔ ہیں بادشاہ کی طاقت کی اطاعت عوام کا فرض ہے اور اسے خدا کی اطاعت سمجھا جاتا ہے۔انہوں نے یہ خیال پھیلایا کہ نافرمانی گناہ ہے جو لوگ بادشاہ کی نافرمانی کریں گے انہیں خدا کی طرف سے سزادی جائے گی۔

مملکت کا نظریہ تخلیق ربانیکی تاریخی جڑیں ہیں اور اس کا استعمال مشرق اور مغرب بشمول ہندوستان کی مختلف تہذیبوں اور وقتی ادوار میں بادشاہوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی قانونی حیثیت کو ثابت کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔تقریباً تمام مذاہب نے اس نظریے پر یقین کیا اور اسے فروغ دیا لیکن بدھ مت نہیں۔ ہندوستانی برہمنی صحیفوں جیسے وید، مہا بھارت ،منوسمروتی وغیرہ نے مملکت کا نظریہ تخلیق ربانیکی وضاحت کی۔ مذہبی کتابیں جیسے بائبل اور قرآن یہ بھی بتاتے ہیں کہ خدا بادشاہ کی طاقت کا فوری منبع ہے اور حکمران خدا کا ایجنٹ اور ذمہ دار ہے۔سررابٹ فلمر نے کہا تھا کہ "بادشاہ زمین پر خدا کی تصویریں پھونک رہے ہیں، ان کے احکام کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔" مملکت کا نظریہ تخلیق ربانیکے کچھ اہم نکات اور خصوصیات یہ ہیں:

(A) خدا نے جان بوجھ کر انسانوں کو تباہی سے بچانے کے لیے مملکت بنائی۔

(B) خدا نے اپنے ایجنٹ یا نمائندے کو تمام انسانوں پر حکومت کرنے اور کنٹرول کرنے کے لیے بھیجا ہے۔

(C) حکمران بادشاہ خدا کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔

(D) بادشاہ اپنے اعمال کے لیے اکیلے خدا کے لیے ذمہ دار ہے لیکن لوگوں کے لیے نہیں۔

(E) بادشاہت موروثی ہے۔

(F) اقتدار اعلی کی نافرمانی یا مزاحمت یا بغاوت گناہ ہے۔

(G) مملکت کا نظریہ تخلیق ربانی مذہبی عقائد اور الہیات سے گہرا تعلق ہے۔

زوال اور تنقید: وقت گزرنے کے ساتھ نظریہ تخلیق ربانیکو چیلنجوں اور تنقید کا سامنا کرنا پڑا. روشن خیال مفکرین اور سیاسی فلسفیوں جیسے جان لاک اور تھامس پین نے مطلق بادشاہت اور نظریہ تخلیق ربانیکے خیال کو مسترد کر دیا۔انہوں نے متبادل نظریات کی وکالت کی جیسا کہ سماجی معاہدہ کا نظریہ جس نے سیاسی اختیار کی بنیاد کے طور پر حکمرانوں کی رضامندی پر زور دیا۔ جدید دور میں نظریہ تخلیق ربانیبڑی

حد تک ایک غالب سیاسی نظریے کے طور پر اپنی مطابقت کھو چکی ہے۔ اب زیادہ تر مملکتیں آئین پرستی، جمہوریت اور قانون کی حکمرانی کے اصولوں پر عمل پیرا ہیں جب مملکت کی خودمختاری اور قانونی حیثیت پر زور دیتے ہیں جو نظریہ تخلیق ربانیکے بجائے حکومت کرنے والوں کی رضامندی سے آتی ہے۔

مملکت کی ابتدا کا مادرانہ نظریہ: Matriarchal Theory of Origin of State

مملکت کی ابتدا کا مادریانہ نظریہ ایک مفروضہ ہے جو یہ بتاتا ہے کہ ابتدا انسانی معاشرہ میں مادری نظام کے تحت منظّم اور حکومت کرتے تھے جہاں خواتین خاندان کے اندر اور باہر طاقت اور اثر ورسوخ کے اہم عہدوں پر فائز تھی۔

نظریہ نگاروں کے مطابق مادری خاندانی نظام پدرانہ خاندانی نظام سے پہلے تھا۔ سب سے قدیم شادی کا نظام کثیر زندگی تھا ،جس میں یہ رواج تھا کہ ایک عورت کے کئی شوہر ہوتے ہیں۔ ماں خاندان کی سربراہ اور اقتدار کی حاصل حامل تھی ،جس کے پاس جائیداداور ہر قسم کی طاقت تھی۔ مادرانہ خاندان کے نظام کے بعد دیگرے مراحل سے گزرا اور مملکت کے مرحلے پر ترقی کیا۔ اس نظریے کے مطابق خواتین نے فیصلہ سازی سماجی تنظیم اور حکمرانی میں اہم کردار ادا کیا جس کے نتیجے میں ابتدائی مملکت وجود میں آئی۔

J.E. McLennan, L.H. Morgan اور Edward Jenks مملکت کیادرانہ نظام کے نظریہ کیاہم حامی ہیں. یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ مملکت کی ابتدا کے مادررانہ نظریے کو علماء اور مورخین کے درمیان وسیع پیانے پر قبول نہیں کیا گیا۔ ریاست کی ابتدا کے ممادرانہ نظریہ کے کچھ اہم نکات یہ ہیں۔

ازدواجی معاشرے: مادری نظامی نظریات اکثر ازدواجی معاشروں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جہاں نزول اور ابتدائی ازدواجی دور کے ثبوت کے طور پر وراثت کا پتہ خواتین کی طرف سے ہوتا ہے۔ ایسے معاشروں میں جائیداد، نام اور حیثیت ماں سے بیٹی تک منتقل ہو سکتی ہے۔

دیوی کی پوجا: مادری نظریے کے کچھ حامی ابتدائی معاشروں میں دیوی پوجا کے وجود کو مذہبی اور روحانی زندگی میں خواتین کے مرکزی کردار کے ثبوت کے طور پر اجاگر کرتے ہیں۔ وہ دلیل دیتے ہیں کہ خواتین دیوتاؤں کی پوجا حکمرانی اور ثقافتی طریقوں میں خواتین کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہے۔

پرامن اور مساویانہ: مادرانہ نظریات بتاتے ہیں کہ خواتین کی قیادت کے اردگرد منظّم معاشرہ پدرانہ معاشروں کے مقابلے زیادہ پرامن اور مساوات پر مبنی ہو سکتے ہیں۔ وہ تجویز کرتے ہیں کہ خواتین کی پرورش کرنے والے کرداروں نے تعاون اور کمیونٹی پر مبنی فیصلہ سازی کو فروغ دیا ہوگا۔

پدرشاہی کی طرف منتقلی: مادری نظامی نظریات اکثر یہ تجویز کرتے ہیں کہ مادریت سے پدرانہ نظام کی طرف تبدیلی ابتدائی مملکتوں کے عروج کے ساتھ ہوئی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ منتقلی اس وقت ہوئی جب معاشرے زیادہ درجہ بندی اور مردوں کیز یر تسلط بن گئے ۔جس کے نتیجہ میں مرد حکمرانوں اور پدرانہ وراثت کے نظام کا ظہور ہوا۔

تنقید اور تنازعہ: Criticism and Controversy

مملکت کی ابتدا کے مادرانہ نظریے کو علماء اور ماہرین بشریات کی تنقید کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ کچھ لوگ استدلال کرتے ہیں کہ ماقبل

تاریخی زمانے میں بڑے پیمانے پر مادرانہ معاشروں کے ثبوت بہت کم اور تشریح کے لیے کھلے ہیں۔ دوسروں کا دعوی ہے کہ عالمگیر مادری مملکت کا تصور حد سے زیادہ سادہ ہے اور ابتدائی انسانی معاشروں کے تنوع اور پیچیدگی کو نظر انداز کرتا ہے۔ ماقبل تاریخی سماجی نظاموں کا مطالعہ تحریری ریکارڈ کی کمی کی وجہ سے مشکل ہے جس کے نتیجے میں نظریات اور تشریحات کی ایک وسیع وسعت ہوتی ہے۔

مملکت کی ابتداء کا پدرانہ نظریہ: Patriarchal Theory of Origin of State

مملکت کی ابتدا کا پدرانہ نظریہ ایک مفروضہ ہے جو بتاتا ہے کہ ابتدائی انسانی معاشرے پر پدرانہ نظاموں کے تحت منظّم اور حکومت کرتے تھے جہاں مرد طاقت اور اختیار کے غالب عہدوں پر فائز تھے۔ اس نظریے کے مطابق مردانہ قیادت اور کنٹرول نے ابتدائی مملکتوں کے ظہور میں مرکزی کردار ادا کیا۔ تاریخی طور پر پدرانہ نظریہ سماجی اصولوں اور عقائد سے متاثر رہا ہے جس نے مختلف ثقافتوں میں مردوں کو غالب پوزیشن پر رکھا۔ مردانہ تسلط اور اختیار کا یہ عقیدہ بہت سے قدیم معاشروں میں رائج تھا جو اکثر پدرانہ وراثت پر عمل کرتے تھے اور مردانہ نصب کے ذریعے نزول کا پتہ لگاتے تھے۔

سب سے بڑا مرد یا باپ خاندان کا سربراہ تھا اور خاندان کے تمام افراد کو کنٹرول اور دیکھ بھال کرتا تھا۔ پدرانہ سربراہی میں کئی خاندان اکٹھے ہوئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ایسے کئی پدرانہ خاندان قبیلہ بن گئے۔ وہ قبیلے قبائلی برادری بن گئے ان برادریوں کی توسیع ابتدائی مملکت کے طور پر ابھری۔ سر ہنری مین اس نظریہ کے اصل حامی ہیں۔

مملکت کی ابتدائی نظریات میں پدرانہ نظریے سے وابستہ کچھ اہم نکات اور خصوصیات یہ ہیں:

مردانہ غلبہ: پدرانہ نظریہ بتاتا ہے کہ ابتدائی معاشروں میں فیصلہ سازی، سماجی تنظیم اور حکمرانی میں مردانہ غلبہ پایا جاتا تھا۔ مرد پہلے خواتین اور کمیونٹی کے دیگر ممبران پر اختیار رکھنے کا تصور تھے۔

پدرانہ سماج: پدرانہ نظریہ کے حامی اکثر پدرانہ معاشروں کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جہاں نزول اور وراثت کا پتہ مردانہ سے لے کر ہوتا ہے جیسا کہ ابتدائی پدرانہ نظاموں میں ثبوت ملتا ہے۔ ایسے معاشروں میں جائیدادنسب اور حیثیت باپ سے بیٹے تک منتقل ہوسکتی ہے۔

جنگجو ثقافت: کچھ پدرانہ نظریہ تجویز کرتے ہیں کہ ابتدائی ریاستوں کا ظہور ایک جنگجو ثقافت سے منسلک تھا، جہاں شکار، جنگ اور دفاع میں مردوں کے کردار فیصلہ سازی اور حکمرانی میں ان کی اہمیت کا باعث بنے۔

دولت اور جائیداد کا جمع کرنا: جیسے جیسے کمیونٹیز بڑھیں اور مخصوص علاقوں میں آباد ہوئیں دولت اور جائیداد کا جمع ہونا زیادہ اہم ہوتا گیا۔ پدرانہ نظریے کے حامیوں کا استدلال ہے کہ معاشی سرگرمیوں میں مردوں کے کردار اور وسائل کے کنٹرول نے ان کی طاقت کی پوزیشن کو مزید مستحکم کیا۔

درجہ بندی کے سماجی ڈھانچے: پدرانہ نظریے سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی مملکتوں نے درجہ بندی کے سماجی ڈھانچے کو تیار کیا جس میں مرد رہنما اختیارات کے عہدوں کو سنبھالتے ہیں اور اکثر الٰہی یا خدائی اختیار کی نمائندگی کرتے ہوئے دیکھا جاتا ہے۔

تنقید اور تنازعہ Criticism and Controversy

مملکت کی ابتدا کے پدرانہ نظریے کو علماء کی تنقید اور بحث کا سامنا کرنا پڑا۔ ناقدین کا استدلال ہے کہ ابتدائی پدرانہ نظام کے ثبوت عالمگیر طور پر لاگو نہیں ہوتے ہیں اور یہ کہ ماقبل تاریخی معاشروں میں صنفی حرکیات نظریہ میں بیان کیے جانے سے کہیں زیادہ

پیچیدہ اور متنوع ہوسکتی ہیں۔اسکالرز اور مورخین کے درمیان ریاست کی عالمی سطح پر قبولیت نہیں ہے۔اور ماقبل تاریخ معاشروں کا مطالعہ اور ابتدائی مملکتوں کی ترقی تحریری ریکارڈ کی محدود دستیابی کی وجہ سے پیچیدہ اور چیلنجنگ ہے جس کی وجہ سے مختلف تشریحات اور بحثیں ہوتی ہیں۔

مملکت کی ابتدا کا سماجی معاہدے کا نظریہ Social Contract Theory of Origin of State

سماجی معاہدے کا نظریہ ایک نمایاں سیاسی نظریہ ہے جو مملکت کی ابتدا اور سیاسی اختیار کے جواز کی وضاحت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اس نظریے کے مطابق مملکت ایک فرضی سماجی معاہدے سے پیدا ہوتی ہے افراد کے درمیان ایک مرب معاہدہ جس کے ذریعے وہ اپنی کچھ فطری آزادیوں کو اپنی مرضی سے ترک کر دیتے ہیں اور تحفظ اور سلامتی کے فوائد کے بدلے میں ایک اقتدار کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔منظّم معاشرہ سماجی معاہدے کا نظریہ کئی بااثر مفکرین نے تیار کیا تھا جس میں مختلف تغیرات اور معاہدے کے مختلف پہلوں پر زور دیا گیا تھا۔یہاں تھامس ہابس (Thomas Hobbes) جان لاک (John Locke)،جین۔جا کیوس روسو سماجی معاہدے کے اصول اور ان کی شراکت کے اہم حامی ہیں.

مملکت کی ابتداء میں ہابس کا سماجی معاہدہ کا نظریہ:

ایک انگریز فلسفی تھامس ہابس نے اپنی مشہور تصنیف "Leviathan" (1651) میں سماجی معاہدے کا نظریہ پیش کیا۔ہابس کے مطابق مملکت ان افراد کے درمیان ایک سماجی معاہدے کے ذریعے تخلیق کی گئی ہے جو اپنی کچھ فطری آزادیوں کو تحفظ اور ایک منظّم معاشرے میں رہنے کے فوائد کے بدلے میں خود مختار اتھارٹی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ہابس کا سماجی معاہدہ کا نظریہ انسانی فطرت کے بارے میں ان کے مایوسی کے نظریے اور اس کے اس یقین پر مبنی ہے کہ ایک مضبوط مرکزی اتھارٹی کے بغیر انسانی زندگی افراتفری اور پرتشدد ہوگی۔

ہابس کے سماجی معاہدے کے نظریے کے اہم عناصر:

فطرت کی حالت: ہابس فطرت کی فرضی حالت کو بیان کرنے سے شروع ہوتا ہے،ایک سیاسی حالت سے پہلے کی حالت جہاں کوئی مرکزی اختیار یا حکومت نہیں ہے۔فطرت کی حالت میں افراد محدود وسائل کے لیے مسلسل مسابقت میں ہیں اور سب کے خلاف سب کی جنگ ہے،فطرت کی حالت میں انسانی فطرت کو تنہائی،غریب،گندی،وحشیانہ اور مختصر کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ایسے افراد کے ساتھ جو دوسروں کی قیمت پر اپنے مفادات کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں۔ سماجی زندگی کا فقدان تھا۔

انسانی عقلی خودی: ہابس کے مطابق انسان عقلی خودغرضی کے ذریعے کارفرما ہوتا ہے اپنی بھلائی کو زیادہ سے زیادہ کرنے اور نقصان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔حکومتی اتھارٹی کی غیر موجودگی میں افراد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی زندگی کو محفوظ رکھنے اور اپنی حفاظت کے لیے جو کچھ بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ کریں۔کسی نے دوسرے پر یقین نہیں کیا،سب کو لگتا ہے کہ دوسرا دشمن ہے۔اپنے انفرادی مفاد کو پورا کرنے کے لئے دوسرے پر طاقت یا تشدد کا استعمال کرتا ہے۔فطرت کی حالت جنگ کی حالت کی طرح ہے۔اس حالت سے بچنے کی لئے،افراد ایک سماجی معاہدہ کرتے ہیں جس کے ذریعہ وہ اپنے فطری حقوق کو ایک خود مختار اتھاریٹی کے حوالے کر دیتے ہیں۔

بدلے میں خود مختار تحفظ اور استحکام فراہم کرتا ہے، نظم وضبط کو برقرار رکھتا ہے اور روکتا ہے۔

فطرت کی حالت کی افراتفری:

سماجی معاہدہ: فطرت کی حالت کے ظالمانہ حالات سے بچنے کے لیے ہابس نے استدلال کیا کہ افراد سماجی معاہدے میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ معاہدہ افراد کے درمیان اپنے حقوق اور آزادیوں کو ایک واحد خود مختار اتھارٹی یا خود مختار مملکت (Leviathan) کو منتقل کرنے کا ایک مرع معاہدہ ہے۔ خود مختار مملکت (Leviathan) ایک مضبوط اور مرکزی حکومت کا استعارہ ہے جو قوانین کو نافذ کرنے اور نظم ونسق کو برقرار رکھنے کی طاقت رکھتی ہے۔

مطلق خود مختار اتھارٹی: سماجی معاہدہ ملقم طاقت کے ساتھ ایک خود مختار اتھارٹی تشکیل دیتا ہے جو حتمی فیصلہ ساز اور قوانین کو نافذ کرنے والے کے طور پر کام کرتا ہے۔ خود مختاری کا اختیار چیلنج کے تابع نہیں ہے کیونکہ معاہدہ افراد کو اس کے احکام کی تعمیل کرنے اور تحفظ اور سلامتی کے بدلے اپنی انفرادی حقوق سے دستبردار ہونے کا پابند کرتا ہے۔

شہری امن وامان: ہابس کا خیال ہے کہ سماجی معاہدہ شہری امن وامان کی طرف لے جاتا ہے۔ کیونکہ خود مختار مملکت کا اختیار تنازعات کو روک سکتا ہے اور مملکت کے اندر استحکام برقرار رکھ سکتا ہے۔ اندرونی تنازعات اور بیرونی خطرات کو دبانے اور اپنی رعایا کی فلاح بود کو یقینی بنانے کے لیے خود مختار کی طاقت ضروری ہے۔

ہابس کے سماجی معاہدے کے نظریے کو اکثر مطلق العنان بادشاہت کے ابتدائی جواز کے طور پر دیکھا جاتا ہے جہاں خود مختار کا اختیار غیر چیلنج ہوتا ہے انسانی فطرت کے بارے میں ان کے مایوسی کا نظریہ اور ایک مضبوط مرکزی اتھارٹی کی ضرورت پر زور نے صدیوں سے بحث ومباحثے کو جنم دیا ہے۔ جہاں ہابس کے نظریات نے جدید سیاسی فکر کی نشونما میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے بعد کے فلسفیوں جیسے جان لاک اور جین۔ جاکیوس روسو نے متوازن سماجی معاہدے کے نظریات پیش کیے جنہوں نے انفرادی حقوق کے لیے مزید گنجائش فراہم کی۔

مملکت کی ابتدا میں جان لاک کا سماجی معاہدہ نظریہ:

ایک انگریزی فلسفی جان لاک نے اپنی بنیادی کتاب "حکومت پر دو مقالے ""Two Treatises of Government" (1690) میں اپنا سماجی معاہدے کا نظریہ پیش کیا. لاک کا سماجی معاہدہ کا نظریہ اس خیال پر زور دیتا ہے کہ سیاسی اختیار حکومت کی رضامندی سے حاصل ہوتا ہے اور مملکت افراد کی فطری حقوق کے تحفظ کے لیے موجود ہے۔ ہابس کے برعکس لاک انسانی فطرت کے بارے میں زیادہ پرامید نظریہ رکھتا تھا اس کا خیال تھا کہ افراد کے کچھ موروثی حقوق ہیں جن کا حکومت کو تحفظ کرنا چاہیے۔

جان لاک کے سماجی معاہدے نظریے کے اہم عناصر میں شامل ہیں

فطرت کی حالت: لاک کا نظریہ فطرت کی حالت سے شروع ہوتا ہے جہاں افراد آزاد اور مساوی ہوتے ہیں۔ اس مملکت میں افراد کو زندگی، آزادی اور جائیداد کی قدرتی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ مملکت کی فطرت کی حالت انتشار یا تصادم کی حالت نہیں ہے

بلکہ ایک ایسی حالت ہے جہاں لوگوں کو قدرتی قانون کے قانون کی حدود میں رہ کر کام کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ لاک کے مطابق تمام افراد کو زندگی، آزادی اور جائیداد کے فطری حقوق حاصل ہیں۔ یہ حقوق موروثی ہیں اور کسی بھی حکومت یا معاشرے سے آزادانہ طور پر موجود ہیں۔ حکومت کا بنیادی کردار ان فطری حق کا تحفظ ہے

انسانی فطرت: انسانی فطرت کے بارے میں جان لاک کے خیالات پر امید اور بنیادی طور پر تھامس ہابس کے خیالات سے مختلف تھے۔ لاک کا خیال تھا کہ فطرت کی حالت میں انسان فطری طور پر عقلی ہیں اور ان کے پاس کچھ قدرتی حقوق ہیں، جن کی شناخت اس نے زندگی، آزادی اور جائیداد کے حقوق کے طور پر کی۔ ہابس کے برعکس جس نے فطرت کی حالت کو جنگ اور افراتفری کی حالت کے طور پر دیکھا لاک نے اسے امن اور تعاون کی حالت کے طور پر دیکھا سماجی معاہدہ: لاک کا موقف ہے کہ افراد حکومت بنانے کے لیے رضاکارانہ طور پر سماجی معاہدے میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ معاہدہ حکمرانوں کی باہمی رضامندی پر مبنی ہیجو اپنے فطری حقوق کے تحفظ اور تنازعات کو حل کرنے کے لیے ایک سیاسی اتھارٹی بنانے پر متفق ہیں. حکومت اپنی قانونی حیثیت اور اختیار ان لوگوں کی رضامندی سے حاصل کرتی ہے جن پر وہ حکومت کرتی ہے۔

محدود اقتدار اعلیٰ: لاک کا نظریہ مملکت محدود ہے اور مطلق نہیں۔ مملکت کا کام بیان کردہ مقاصد تک محدود ہے۔ اقتدار عوام سے آتا ہے اور حکومت عوام کی رضامندی پر قائم ہوتی ہے۔ قانون عوام کی مرضی کا اظہار ہے نہ کہ خود مختار کا حکم۔ قانون عقل کے قانون کے مطابق ہونا چاہیے۔ خود مختار اجتماعی جسم یا برادری کو دیا جاتا ہے جو سماجی معاہدے کے ذریعے پیدا ہوتا ہے۔ مملکت کے اختیارات قدرتی حقوق کے تحفظ اور عام بھلائی کو برقرار رکھنے تک محدود ہیں۔ اگر کوئی حکومت اپنے اختیارات سے تجاوز کرتی ہے یا ظالم بن جاتی ہے تو عوام کو اس میں ردوبدل یا ختم کرنے اور نئی حکومت قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔

انقلاب کا حق: لاک کے سماجی معاہدہ کے نظریے میں انقلاب کا حق شامل ہے۔ اگر کوئی حکومت عوام کے فطری حق کے تحفظ کے اپنے فرض کی خلاف ورزی کرتی ہے یا جابر بن جاتی ہے تو عوام کو بغاوت اور حکومت کا تختہ الٹنے کا حق حاصل ہے۔

لاک کے سماجی معاہدہ کے نظریے کا جدید سیاسی فکر پر گہرا اثر پڑا ہے اور اس نے جمہوری اصولوں اور آئین پرستی کی ترقی کو متاثر کیا ہے اس نے اس خیال کی بنیاد رکھی کہ حکومتیں عوام کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لیے موجود ہیں اور یہ کہ سیاسی اختیار مطلق نہیں ہے بلکہ حکمرانوں کی رضامندی سے حاصل ہوتا ہے۔ انفرادی حقوق محدود حکومت اور انقلاب کے حق پر لاک کا زور دنیا بھر میں لبرل جمہوریتوں کی تشکیل میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

جین۔ جا کیوس روسو کا مملکت کی ابتدا میں سماجی معاہدہ کا نظریہ:

جان جیکوسس روسو ایک سوئیس فرانسیسی فلسفی نے اپنی تنصیف سماجی معاہدہ (1762The Social Contract) میں سماجی معاہدے کا نظریہ پیش کیا. روسو کا نظریہ تھامس ہوبس اور جان لاک کے نظریات کے مقابلے میں مملکت کی ابتدا پر ایک مختلف نقطہ نظر پیش کرتا ہے روسو کا سماجی معاہدے نظریہ لوگوں کی اجتماعی مرضی اور ایک جائز اور منصفانہ حکومت کی تشکیل میں عمومی مرضی کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔

روسو کے نظریے کے اہم عناصر:

فطرت کی حالت: روسو نے سماجی معاہدے کے نظریے سازوں کی طرح فطرت کی حالت پر بحث کرتا ہے منظّم معاشرے کے

قیام سے پہلے کی ایک فرضی حالت فطرت کی حالت میں افراد کو آزاد، مساوی اور خود کو محفوظ رکھنے کی جبلتوں سے رہنمائی کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ ہابس کے برعکس روسو کا استدلال ہے کہ فطرت کی حالت فطری طور پر متشدد یا افراتفری نہیں ہیں بلکہ قدرتی اہم آہنگی کی حالت ہے۔

انسانی فطرت: روسو کا انسانی فطرت کے بارے میں ایک منفرد اور پیچیدہ نظریہ تھا، جس نے اسے اپنے ہم عصروں سے ممتاز کیا۔ انسانی فطرت پر ان کے خیالات معاشرے کے بارے میں ان کے مشاہدہ سے متاثر تھے۔ انسان فطری طور پر اچھے، خیر خواہ اور نیک فطرت ہیں۔ فطرت کی حالت میں انسان معصوم ہیں اور ہمدردی سے رہنمائی کرتے ہیں۔ روسو نے دلیل دی کہ تہذیب جدیدیت جو افراد کو بگاڑتی ہے اور انسانی رویے کے منفی پہلوؤں کی طرف لے جاتی ہے نجی املاک کی ترقی اور سماجی درجہ بندی کا تعارف اور حکومتوں کا قیام انسانوں کے درمیان عدم مساوات اور تصادم کی وجوہات تھیں۔

خود سے محبت اور خود اعتمادی: روسو نے خود سے محبت اور خود اعتمادی یا باطل کے تصورات متعارف کروائے تھے۔ اس نے استدلال کیا کہ فطرت کی حالت میں انسانوں کے پاس بنیادی طور پر "خود سے محبت" (soide Amour) ہوتا ہے جو کہ خود کو محفوظ رکھنے اور اپنی اور دوسروں کی بھلائی کی فطری خواہش پر مبنی ایک صحت مند خود پسندی ہے۔ تاہم معاشرے اور اس کے اداروں کی ترقی نے "خود اعتمادی" (propre-amour) کے ظہور کا باعث بنا، جہاں افراد نے اپنا موازنہ دوسروں سے کرنا شروع کر دیا اور معاشرے سے پہچان اور منظوری حاصل کی۔ یہ propre-amour ہے جسے اس نے بہت سے معاشرتی برائیوں کے منبع کے طور پر دیکھا۔

سماجی معاہدہ: روسو کا موقف ہے کہ افراد رضا کارانہ طور پر ایک اجتماعی ادارہ بنانے کے لیے سماجی معاہدے میں داخل ہوتے ہیں جسے "عام مرضی" یا "مقبول خود مختار" کہا جاتا ہے۔ سماجی معاہدہ افراد کے درمیان اکٹھا ہونے اور ایک متحد بستی کے طور پر کام کرنے کا ایک معاہدہ ہے، اپنی انفرادی خواہشات کو ایک طرف رکھ کر اور مفادات کو مشترکہ بھلائی کے لیے کام کرے۔

عام مرضی: روسو کا عام مرضی کا تصور ان کے سماجی معاہدے کے نظریے میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ عام مرضی مخصوص افراد یا مخصوص گروہوں کے مفادات کے بجائے پوری کمیونٹی کے مشترکہ مفادات اور فلاح و بہبود کا اظہار کرتے ہوئے پوری کمیونٹی کی اجتماعی مرضی کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ انفرادی مرضی کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس بات کا اظہار ہے کہ مجموعی طور پر کمیونٹی کے لیے کیا بہتر ہے۔ انہوں نے استدلال کیا کہ عمومی مرضی جائز سیاسی اختیار کا ذریعہ ہے ریاست کی خود مختاری کی بنیاد اور منصفانہ قوانین کی بنیاد ہے ایک مثالی معاشرے میں عمومی مرضی شہریوں کے درمیان مساوات انصاف اور یک جہتی کو فروغ دے گی ایک ہم آہنگ اور اجتماعی طور پر ذمہ دار کمیونٹی کی تشکیل کرے گی۔

روسو کے عام مرضی کے تصور نے سیاسی فلسفے اور جمہوری نظریے پر ایک اہم اثر ڈالا ہے جس نے عوامی خود مختاری اور مملکت اور شہریوں کے درمیان تعلقات کے بارے میں بات چیت کی تشکیل کی۔

عوامی اقتدار اعلیٰ: روسو کا نظریہ عوامی اقتدار اعلی کے خیال کو فروغ دیتا ہے جہاں حتمی سیاسی اختیار مجموعی طور پر عوام کے ساتھ رہتا ہے۔ حکومت صرف اس صورت میں جائز ہے جب وہ عوام کے عمومی مرضی کے مطابق کام کرے۔ اس لحاظ سے عوام قانون ساز اور حکمران دونوں ہیں۔

براہ راست جمہوریت: روسو نے براہ راست جمہوریت کی ایک شکل کی حمایت کی جہاں شہری باقاعدہ اسمبلیوں کے ذریعے فیصلہ سازی اور پالیسی سازی میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ براہ راست جمہوریت عام مرضی کے زیادہ مستند اظہار کی اجازت دیتی ہے اور اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ حکومت اقدامات عوام کی خواہشات کے مطابق ہوں۔

آزادی اور مساوات: روسو نے سماجی معاہدے کے اندر انفرادی آزادی اور مساوات کے تحفظ کی اہمیت پر زور دیا۔ اس نے استدلال کیا کہ افراد کو اپنے فطری حقوق اور آزادیوں کو برقرار رکھنا چاہیے اور خوشی سے عام مرضی کے اختیار کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہیے جو کمیونٹی کے لیے اجتماعی مفادات کی نمائندگی کرتا ہے۔

روسو کا سماجی معاہدے کا نظریہ مشترکہ اچھائی اور اجتماعی فیصلہ سازی پر بہت زیادہ زور دیتا ہے۔ دوسرے سماجی معاہدے کے نظریہ سازوں کے برعکس وہ ایک مضبوط مرکزی اتھارٹی یا مطلق طاقت والی حکومت کی وکالت نہیں کرتا ہے۔ اس کی بجائے مملکت کے لیے روسو کا وژن ایک شراکتی جمہوریت پر مبنی ہے، جہاں لوگ ایک منصفانہ معاشرے کی تشکیل کے لیے حکومتی نظام میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں اور عام مرضی کے مطابق کام کرتے ہیں۔

مملکت کی ابتداء کا تاریخی یا ارتقائی نظریہ:

مملکت کی ابتدا ئکا تاریخی یا ارتقائی نظریہ مختلف عوامل کو یکجا کرتا ہے، جن میں رشتہ داری، خاندان، جائیداد، طاقت یا جنگ، مذہب، اور سیاسی شعور شامل ہیں، تاکہ ایک تاریخی اور ارتقائی نقطہ نظر فراہم کیا جا سکے کہ وقت کے ساتھ ساتھ ابتدائی مملکتوں نے کس طرح ترقی کی ہوگی۔ یہ نظریہ تسلیم کرتا ہے کہ مملکتوں کی تشکیل ایک بتدریج عمل ہے جو سماجی، اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی عوامل کے امتزاج سے متاثر ہوتا ہے۔ آیئے مختصراً ان اجزاء میں سے ہر ایک کا جائزہ لیتے ہیں:

رشتہ داری اور خاندان: تاریخی نظریہ رشتہ داری کی اہمیت پر زور دیتا ہے اور ابتدائی انسانی معاشروں میں خاندانی تعلقات۔ جیسا کہ سماجی گروہ کے سائز اور پیچیدگی میں اضافہ ہوا، توسیع شدہ خاندانوں اور رشتہ داروں پر مبنی گروپس نے سماجی زندگی کو منظم کرنے اور فیصلہ سازی میں اہم کردار ادا کیا ہوگا۔ ان رشتہ دار گروپوں کے اندر زیادہ مرکزی سیاسی ڈھانچے کی بنیاد ڈال کر قیادت کی پوزیشنیں بڑھ سکتی ہیں۔

جائیداد: تاریخی نظریہ بتاتا ہے کہ ابتدائی مملکتوں کے ارتقاء میں جائیداد اور اس کے انتظام کا تصور اہم رہا ہوگا۔ جیسے جیسے سماجی گروہ خانہ بدوش سے آباد زرعی طریقوں کی طرف منتقل ہوئیں، نجی ملکیت کا تصور زیادہ ہونے کا امکان ہے۔ متعلقہ زمین اور وسائل کے انتظام اور ملکیت سیاسی ڈھانچے کا ظہور پر اثر انداز ہوسکتا تھا۔

طاقت یا جنگ: تاریخی نظریہ میں طاقت یا جنگ کا کردار تسلیم کرتا ہے کہ وسائل کے لیے تنازعات اور مسابقت نے ممکنہ طور پر ابتدائی مملکتوں کی ترقی میں کردار ادا کیا ہے۔ جیسا کہ سماجی گروہ ایک دوسرے کا سامنا کرتی ہیں اور علاقے یا وسائل کا مقابلہ کرتی ہیں، تنازعات غالب گروپوں کے قیام کا باعث بن سکتے ہیں جو دوسروں پر کنٹرول کا استعمال کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں زیادہ منظم سیاسی نظام کی تشکیل ہوتی ہے۔

مذہب: تاریخی نظریہ کہتا ہے کہ مذہبی عقائد اور طریقوں نے مملکت کی ابتدائی تشکیل کو متاثر کیا ہوگا۔ مذہب نے اکثر سماجی

اصولوں کو تشکیل دینے، حکمرانی کے لیے اخلاقی بنیاد فراہم کرنے اور سیاسی اختیار کو قانونی حیثیت دینے میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ مذہبی رہنماؤں اور سیاسی حکمرانوں کے درمیان تعلق نے ابتدائی مملکتوں کے قیام میں اہم کردار ادا کیا ہوگا۔

سیاسی شعور: تاریخی نظریہ میں سیاسی شعور کا کردار تسلیم کرتا ہے، وہ کنارے جو ایک سماجی گروہ کے اندر اجتماعی بیداری اور مشترکہ اقدار نے ممکنہ طور پر ابتدائی مملکتوں کے ارتقا میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جیسے جیسے معاشروں میں شناخت، تعاون اور اجتماعی مقصد کا احساس پیدا ہوا، زیادہ رسمی طرز حکمرانی اور فیصلہ سازی کے ڈھانچے کی ضرورت پیدا ہو سکتی ہے۔

تاریخی یا ارتقائی نظریہ تسلیم کرتا ہے کہ مملکت کی ابتداء ایک پیچیدہ تاریخی عمل ہے جو وقت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ یہ اس بات پر غور کرتا ہے کہ مختلف عوامل نے مختلف خطوں اور تاریخی ادوار میں سیاسی اداروں اور سماجی تنظیموں کی ترقی پر کس طرح عمل کیا اور ان کو متاثر کیا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ تاریخی یا ارتقاء کا نظریہ کوئی مخصوص نظریہ نہیں ہے جس کا ایک واحد حامی ہے بلکہ یہ ایک نقطہ نظر ہے جسے مورخین، ماہرینِ بشریات اور سیاسی سائنس دان مملکت کی ابتدائی تشکیل کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کے لیے استعمال کیا۔ مختلف معاشروں اور خطوں نے ان عوامل کے منفرد امتزاج کا تجربہ کیا ہوگا، یہ نظریہ ابتدائی مملکتوں کی متنوع شکلوں کی طرف جاتا ہے۔

مملکت کی ابتداء کا مارکسی نظریہ:

مملکت کی ابتدا کا مارکسی نظریہ مارکسزم کے بانی کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز کے نظریات پر مبنی ہے۔ مارکسی نظریہ کے مطابق، مملکت معاشرے کے بنیادی معاشی ڈھانچے کی پیداوار ہے، اور اس کا بنیادی کام حکمران معاشی طبقے کے مفادات کو پورا کرنا ہے۔ مملکت کی ظہور اور فطرت کا طبقاتی معاشروں کی ترقی سے گہرا تعلق ہے۔

مملکت کی ابتداء کے مارکسی نظریہ کے اہم عناصر:

اقتصادی بنیاد اور سپر اسٹرکچر: مارکسسٹ اقتصادی بنیاد اور سپر اسٹرکچر کا تصور پیش کرتے ہیں۔ اقتصادی بنیاد سے مراد پیداوار کے ذرائع جیسے کارخانے، زمین اور وسائل کے ساتھ ساتھ پیداوار کے سماجی تعلقات، جن میں ذرائع پیداوار کی ملکیت اور دولت کی تقسیم شامل ہے۔ سپر اسٹرکچر ان اداروں اور نظریات پر مشتمل ہوتا ہے جو معاشی بنیادوں سے پیدا ہوتے ہیں، بشمول مملکت، مذہب، تعلیم اور ثقافت۔

طبقاتی جدوجہد: مارکسزم کے مطابق معاشروں کی خصوصیات طبقاتی جدوجہد سے ہوتی ہیں، جہاں مختلف سماجی طبقات کے متضاد مفادات ہوتے ہیں۔ طبقاتی معاشروں میں غالب معاشی طبقہ ذرائع پیداوار پر اپنا کنٹرول استعمال کرتے ہوئے محکوم طبقات کا استحصال اور جبر کرتا ہے۔ مملکت، سپر اسٹرکچر کے حصے کے طور پر، حکمران طبقے کے مفادات کے تحفظ اور موجودہ معاشی نظام کو برقرار رکھنے کے لیے پیدا ہوتی ہے۔

بورژوازی کی آمریت: مارکسسٹ دلیل دیتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ معاشروں میں، مملکت "بورژوازی کی آمریت" کی نمائندگی کرتی ہے، یعنی یہ سرمایہ دار طبقے (بورژوازی) کے مفادات کو پورا کرتی ہے اور سرمایہ دارانہ طرز پیداوار کو تقویت دیتی ہے۔ مملکت ایسے

قوانین اور پالیسیاں نافذ کرتی ہے جو نجی املاک کی حفاظت کرتی ہیں اور سرمایہ دارانہ نظام کے استحکام اور تسلسل کو یقینی بناتی ہیں۔

جبر کا آلہ: مارکسسٹ مملکت کو جبر کے ایک آلہ کے طور پر دیکھتے ہیں۔ بورژوازی (حکمران) طبقہ محنت کش طبقے (پرولتاریہ) کو کنٹرول اور محکوم بنانے کے لیے۔ مملکت کا قانونی نظام، پولیس فورس، اور فوج کو سماجی نظم وضبط برقرار رکھنے اور حکمران طبقے کے مفادات کے تحفظ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

عبوری مملکت: مارکس نے ایک عبوری مملکت کا تصور کیا، جسے "پرولتاریہ کی آمریت" کہا جاتا ہے، جو سرمایہ دارانہ نظام کے انقلابی خاتمے کے دوران ابھرے گی۔ یہ عبوری مملکت محنت کش طبقے کے مفادات کی نمائندگی کرے گی اور ایک طبقاتی، کمیونسٹ معاشرے کے قیام کے لیے کام کرے گی، جہاں مملکت بالآخر ختم ہو جائے گی۔

خلاصہ یہ کہ مملکت کی ابتدا کا مارکسی نظریہ معاشرے کی معاشی بنیاد اور مملکت کے ابھرنے کے درمیان تعلق پر زور دیتا ہے۔ مملکت کو طبقاتی مفادات کی عکاسی کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور یہ حکمران طبقے کے لیے اپنا تسلط برقرار رکھنے کے لیے اور ماتحت طبقات پر کنٹرول کرنے کے لئیا یک آلے کے طور پر کام کرتی ہے۔ مارکسزم کے مطابق حقیقی آزادی صرفطبقاتی تقسیم سے بالاتر ہوکر اور ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کے بغیر معاشرہ تشکیل دے کر حاصلکی جا سکتی ہیجہاں طبقاتی، کمیونسٹ سماج میں مملکت متروک ہو جائے۔

مملکت کی ابتداء کے حقوق نسواں کے نظریات:

مملکت کی ابتداء کے حقوق نسواں کے نظریات سیاسی اداروں کی تشکیل اور ترقی میں صنفی اور پدرانہ نظام کے کردار کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ نظریات مملکتی اصل کے روایتی اکاؤنٹس پر تنقید کرتے ہیں، جو مملکت کی تشکیل کے عمل میں خواتین کے تجربات اور شراکت کو اکثر نظرانداز یا پسماندہ کر دیتے ہیں۔ حقوق نسواں کے نقطہ نظر اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس طرح صنفی تعلقات اور پدرانہ ڈھانچے نے معاشروں میں طاقت اور حکمرانی کی تعمیر کو متاثر کیا ہے۔

اگرچہ حقوق نسواں کے نظریات متنوع اور متفرق ہیں، لیکن مملکت کی ابتدا کے حقوق نسواں کے نظریہ کے اندر کچھ اہم موضوعات اور تجزیہ کے نکات ہیں۔

لیبر کی صنفی تقسیم: حقوق نسواں کے اسکالرز کا استدلال ہے کہ ابتدائی معاشروں میں الگ صنف تھی، کردار اور لیبر کی صنفی تقسیم تھی۔ خواتین کو اکثر گھریلو اور تولیدی کام سونپے جاتے تھے، جبکہ مردوں نے شکار، جنگ اور عوامی امور سے متعلق کردار ادا کیے تھے۔ محنت کی اس تقسیم نے برادریوں کے اندر طاقت اور اختیار کی تقسیم کو متاثر کیا۔

نجی عوامی تقسیم: حقوق نسواں نجی دائرہ (گھر اور خاندان سے وابستہ) اور عوامی دائرہ (سیاسی اور اقتصادی امور سے وابستہ) کے درمیان روایتی علیحدگی پر تنقید کرتے ہیں۔ اس تقسیم نے تاریخی طور پر عوامی فیصلہ سازی اور حکمرانی میں خواتین کے اثر ورسوخ اور شرکت کو محدود کر دیا ہے، جس سے پدرانہ طاقت کے ڈھانچے کو تقویت ملی ہے۔

سیاسی طاقت سے اخراج: تاریخی طور پر، خواتین کو زیادہ تر رسمی سیاسی عمل اور ادارے سے باہر رکھا گیا تھا۔ نتیجے کے طور پر، مملکت کی تشکیل کے ابتدائی اکاؤنٹس خواتین کے تجربات اور شراکت کو نظر انداز کرتے ہوئے سیاسی معاملات میں مردوں کے کردار پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

صنفی بنیاد پر تشدد: حقوق نسواں کے نقطہ نظر صنفی بنیاد پر تشدد کے پھیلاؤ کو نمایاں کرتے ہیں۔ طاقت اور کنٹرول کے استعمال میں جنسی تشدد اور گھریلو زیادتی جیسی سزا۔ ابتدائی معاشروں میں، جنگ اور فتوحات کے نتیجے میں اکثر عورتوں کو جنگ کے سامان یا غلبے کی علامت کے طور پر محکوم بنایا جاتا تھا۔

پدرسری ازدواجی اور مادرسری یا ازدواجی معاشرے: کچھ حقوق نسواں کے نظریات تاریخی وجود کو دریافت کرتے ہیں۔ پدرسری ازدواجی اور مادرسری ازدواجی معاشروں کا رجحان، جہاں نسب اور وراثت کا پتہ زنانہ لائن کے ذریعے پایا جاتا تھا، اور خواتین اختیارات اور قیادت کے عہدوں پر فائز تھیں۔ یہ معاشرے روایتی بیانیے کو چیلنج کرتے ہیں جو مردانہ غلبہ کو عالمگیر تصور کرتی ہیں۔

تقطیع: مملکت کی ابتداء کے حقوق نسواں کے نظریات اکثر ایک دوسرے کے تصور کو شامل کرتے ہیں، اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ صنف دیگر سماجی زمروں جیسے نسل، طبقے اور جنسیت کے ساتھ ملتی ہے۔ مملکت کی تشکیل میں خواتین کے تجربات اور کردار ان ایک دوسرے سے جڑی ہوئی شناختوں کی بنیاد پر نمایاں طور پر مختلف ہو سکتے ہیں۔

مملکت کی ابتداء کے بارے میں حقوق نسواں کے نقطہ نظر میں فرقوں اور تعصّبات کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ثالثی تاریخی اکاؤنٹس اور پدرانہ مفروضوں کو چیلنج کریں جنہوں نے متاثر کیا ہے۔ سیاسی تاریخ کا مطالعہ خواتین کے تجربات اور ایجنسی پر روشنی ڈال کر اس کی گہری سمجھ اور پسماندہ گروہ، حقوق نسواں کے نظریات زیادہ جامع اور جامع سیاسی اداروں اور طاقت کے ڈھانچے میں وقت کے ساتھ کس طرح ترقی ہوئی ہے

خلاصہ: Conclusion

مملکت کے تصور سے مراد سیاسی طور پر منظّم ادارہ ہے جو ایک متعین علاقے اور آبادی پر اختیار اور کنٹرول کا استعمال کرتا ہے۔ مملکتیں اپنی اقتدار اعلیٰ کی خصوصیت رکھتی ہیں، ان کے پاس قوانین بنانے اور ان کو نافذ کرنے، عوامی معاملات کو منظّم کرنے اور بین الاقوامی تعلقات میں اپنی نمائندگی کرنے کی اعلیٰ طاقت ہوتی ہے۔ ان کے پاس حکومتیں، قانونی نظام، اور بیوروکریسی جیسے ادارے ہیں، جو حکمرانی کے کام اور اختیارات کے استعمال میں سہولت فراہم کرتے ہیں۔

نظریہ تخلیق ربانی مملکت کی ابتدا کو الٰہی مداخلت سے منسوب کرتی ہے، جہاں حکمرانوں کا دعویٰ ہے کہ ان کا اختیار کسی اعلیٰ طاقت یا دیوتا سے اخذ کیا گیا ہے، جو اکثر قدیم تہذیبوں میں پایا جاتا ہے۔ طاقت یا جبر کے نظریہ کے مطابق مملکت طاقتور رہنماؤں یا گروہوں کی طرف سے طاقت یا جبر کے استعمال کے ذریعے ابھری، جنہوں نے فوجی فتح کے ذریعے چھوٹی برادریوں کو محکوم بنایا۔ سماجی معاہدہ کا نظریہ پیش کرنے والے تجویز کرتے ہیں کہ مملکت افراد کے درمیان حکمرانی قائم کرنے اور ان کے حقوق اور مفادات کا تحفظ کے لئے ایک فرضی معاہدہ سے پیدا ہوئی جیسا کہ ہوبز، لاک اور روسو جیسے مفکرین نے وکالت کی ہے۔ ارتقائی نظریہ مملکت کی ابتداء کو انسانی سماجی ارتقا میں ایک قدرتی پیشرفت کے طور پر دیکھتا ہے، جس میں ابتدائی کمیونٹیز مرکزی اختیار کے ساتھ پیچیدہ معاشروں میں تیار ہوتی ہیں۔ اقتصادی طبقے کا نظریہ (مارکسسٹ) مفکرین کا استدلال ہے کہ مملکت حکمران معاشی طبقے کے مفادات کی خدمت کرتی ہے اور طبقاتی جدوجہد کی حرکیات کی عکاسی کرتی ہے۔ حقوق نسواں کے نظریات سیاسی اداروں کی تشکیل میں صنفی اور پدرانہ نظام کے کردار کو

تلاش کرتے ہیں اور روایتی اکاؤنٹس خواتین کی شراکت کونظر انداز کرنے کے لیے تنقید کرتے ہیں۔

یہ نظریات مملکتوں کی تاریخی ترقی کے بارے میں قابل قدر اور الگ نقطہ نظر پیش کرتے ہیں، جو انسانی تاریخ میں سیاسی اداروں کے ظہور اور ارتقاء میں اہم کردار ادا کرنے والے عوامل کے پیچیدہ تعامل کو اجاگر کرتے ہیں۔

لغت

مملکت ایک سیاسی ادارہ ہے جو ایک متعین علاقے اور آبادی پر خودمختاری کا استعمال کرتا ہے، اسے قانون بنانے اور نافذ کرنے، غیر ملکی تعلقات میں مشغول ہونے اور اپنی سرحدوں کے اندر نظم و نسق برقرار رکھنے کا اختیار حاصل ہے۔ یہ جدید دنیا میں سیاسی تنظیم کی ایک اہم اکائی ہے۔

مادر سری نظام (Mtriarchy) ایک سماجی نظام یا خاندانی ڈھانچہ ہے جس میں عورتیں طاقت، اختیار اور قیادت کے بنیادی عہدوں پر فائز ہوتی ہیں، جن میں اکثر وراثت اور فیصلہ سازی میں شامل ہوتی ہے جو خواتین کی لکیر سے گزرتی ہے۔ یہ پدرانہ نظام سے متصادم ہے، جہاں مردانہ غلبہ غالب ہے۔

پدرانہ نظام ایک سماجی نظام یا خاندانی ڈھانچہ ہے جس میں مرد اقتدار، اختیار اور قیادت کے بنیادی عہدوں پر فائز ہوتے ہیں، جس میں مردانہ غلبہ سیاسی، معاشی اور سماجی اداروں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ مادری نظام سے متصادم ہے، جہاں خواتین کا غلبہ ہے۔

حقوق نسواں ایک سماجی اور سیاسی تحریک ہے جو صنفی مساوات کی وکالت کرتی ہے، خواتین کو بااختیار بنانا، خواتین کے حقوق، مواقع جیسے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرنا اور معاشرے میں نمائندگی کرنا۔ اس کا مقصد صنفی بنیاد پر امتیازی سلوک اور دقیانوسی تصورات. کو چیلنج اور ختم کرنا ہے۔

مارکسزم ایک سماجی، اقتصادی اور سیاسی نظریہ ہے جسے کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز نے تیار کیا تھا۔

ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کے خاتمے کی وکالت کرتے ہوئے،

ایک طبقاتی معاشرے کا قیام، اور دولت کی دوبارہ تقسیم کے اصول کی بنیاد پر "ہر ایک سے اس کی صلاحیت کے مطابق، ہر ایک کو اس کی ضروریات کے مطابق"۔

انفرادیت ایک ایسا فلسفہ یا سماجی نقطہ نظر ہے جو فرد کی قدر اور اقتدار اعلیٰ پر زور دیتا ہے، اجتماعی یا فرقہ وارانہ مفادات پر ذاتی آزادی، خود انحصاری اور انفرادی حقوق پر زور دیتا ہے۔ یہ اس خیال کو فروغ دیتا ہے کہ افراد کو اپنے مقاصد کو حاصل کرنے اور آزادانہ طور پر انتخاب کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔

بادشاہت حکومت کی ایک شکل ہے جہاں ایک فرد، جسے بادشاہ کے نام سے جانا جاتا ہے، اعلیٰ اختیارات کا حامل ہوتا ہے اور مملکت کے سربراہ کے طور پر کام کرتا ہے، جو اکثر موروثی جانشینی کے ذریعے عہدہ حاصل کرتا ہے۔

چندسری (Oligarchy) حکومت کی ایک شکل ہے جہاں طاقت اور اختیار ایک چھوٹے اور مراعات یافتہ طبقے یا حکمران اشرافیہ کے ہاتھوں میں مرکوز ہوتا ہے، جو اکثر دولت، خاندانی نسب، یا دیگر خصوصی معیارات پر مبنی ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آبادی کی

اکثریت کی سیاسی شرکت محدود ہوتی ہے۔

جمہوریہ حکومت کی ایک شکل ہے جہاں ملک کے رہنما عوام کے ذریعہ منتخب کیے جاتے ہیں، اور مملکت کا سربراہ بادشاہ نہیں ہوتا ہے، بلکہ ایک صدر یا اسی طرح کا عہدیدار جمہوری عمل کے ذریعے منتخب ہوتا ہے۔ حکومت کے اختیارات عام طور پر آئین کے ذریعہ محدود ہوتے ہیں، اور قانون کی حکمرانی غالب رہتی ہے۔

سوالات

A)۔ وضاحتی سوالات

1) مملکت کیا ہے وضاحت کریں؟

2) مملکت کے عناصر کیا ہیں؟

3) کیا آپ مملکت کی نظریہ تخلیق ربانی کو قبول کرتے ہیں؟

4) مملکت کی ابتدا کا سماجی معاہدہ کا نظریہ کی وضاحت اور بحث کریں۔

5) مملکت کی ابتدا کے مارکسی نظریہ کی وضاحت اور بحث کریں۔

6) مادرانہ نظریہ مملکت کے بارے میں بحث کریں۔

7) پدرانہ نظریہ مملکت پر ایک نوٹ لکھیں۔

8) مملکت کی ابتدا کے حقوق نسواں کے نظریہ پر بحث کریں۔

9) مملکت کے تاریخی ارتقاء کے نظریہ پر ایک نوٹ لکھیں۔

10) روسو کے "جنرل وِل" کے نظریہ پر بحث کریں۔

B) کثیر جوابی سوالات

1. مملکت کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

a) لاقانونیت برقرار رکھنا　b) ایک متعین علاقے اور آبادی پر اختیار کا استعمال کرنا

c) فلاحی فوائد فراہم کرنا　d) انفرادی آزادی کو فروغ دینا

2. مندرجہ ذیل میں سے کون سی مملکت کی خصوصیت ہے؟

a) رضاکارانہ رکنیت　b) کوئی متعین علاقہ نہیں۔

c) مطلق جمہوریت　d) اقتدار اعلیٰ

3. مملکت کی تعریف "جائز تشدد کی اجارہ داری" کے طور پر کس نے کی؟

a) کارل مارکس　b) میکس ویبر

c) جان لاک　d) تھامس ہوبز

4. مملکت کی ابتدا کا کون سا نظریہ بتا تا ہے کہ اس کا ارتقا خاندان سے ہوا؟

a) نظریہ تخلیق ربانی b) سماجی معاہدہ کا نظریہ

c) ارتقائی نظریہ d) نظریہ جبر

5. سماجی معاہدہ کا نظریہ کے مطابق، افراد ایک مملکت کیوں بناتے ہیں؟

a) مطلق طاقت حاصل کرنا b) فطرت کی حالت کو برقرار رکھنا

c) قدرتی حقوق کا تحفظ اور سماجی نظم کو فروغ دینا d) متحد مملکتیں تشکیل دینا

6. "شہری سماج" کا تصور مملکت کی ابتدا کے کس نظریے سے وابستہ ہے؟

a) نظریہ تخلیق ربانی b) سماجی معاہدہ کا نظریہ

c) نظریہ جبر d) ارتقائی نظریہ

7. کون سا نظریہ یہ استدلال کرتا ہے کہ مملکت ایک غالب گروہ کی طرف سے طاقت اور جبر کے استعمال سے بنائی اور برقرار رکھی جاتی ہے؟

a) نظریہ تخلیق ربانی b) سماجی معاہدہ کا نظریہ

c) نظریہ جبر d) ارتقائی نظریہ

8. نظریہ تخلیق ربانی کے مطابق، مملکت کا اختیار کہاں سے آتا ہے؟

a) لوگوں کی مرضی b) حکومت کی رضامندی

c) خدا کی مرضی یا خدا کا حکم d) فوج کی طاقت

9. کون سا فلسفی "فطرت کی حالت" کے تصور سے پہلے کی سیاسی حالت کے طور پر منسلک ہے؟

a) جین۔جیکوس روسو b) تھامس ہوبز

c) جان لاک d) کارل مارکس

10. فطری حقوق کے تحفظ کے لیے مملکت کو "ضروری برائی" کے طور پر کس نے بیان کیا؟

a) میکس ویبر b) تھامس ہوبز

c) جان لاک d) کارل مارکس

11. ارتقائی نظریہ کے مطابق مملکت کی ابتدا کیسے ہوئی؟

a) افراد کے درمیان سماجی معاہدے کے ذریعے

b) حکمرانوں کے خدائی حکم کے ذریعے

c) خاندان سے بڑے سماجی گروہوں میں قدرتی ترقی کے طور پر

d) ایک پرتشدد انقلاب کے ذریعے

12. "مملکت بطور حیاتیات" کا نظریہ پیش کیا گیا تھا:

a) تھامس ہوبز　　b) جان لاک

c) ارسطو　　d) کارل مارکس

13. ارسطو کے مطابق مملکت کا مقصد کیا ہے؟

a) انفرادی آزادی کو فروغ دینا　　b) چیک اور بیلنس کے نظام کو برقرار رکھنا

c) مثالی معاشرہ تشکیل دینا　　d) اپنے شہریوں کی عام بھلائی اور نیکی کو فروغ دینا

14. کون سا نظریہ بتاتا ہے کہ مملکت کی ابتدا بیرونی خطرات سے تحفظ کی ضرورت سے ہوئی؟

a) ارتقائی نظریہ　　b) سماجی معاہدہ کا نظریہ

c) جبری نظریہ　　d) نظریہ تخلیق ربانی

15. کس فلسفی نے "قدرتی قانون" کے تصور کو مملکت کے اختیار کی قانونی بنیاد کے طور پر متعارف کرایا؟

a) جین۔جیکوس روسو　　b) جان لاک

c) تھامس ہوبز　　d) کارل مارکس

16. .جبری نظریہ کے مطابق مملکت کا اختیار کیا قائم کرتا ہے؟

a) بادشاہوں کا الٰہی حق　　b) حکومت کی رضامندی

c) ایک غالب گروہ کی طرف سے جبر اور طاقت کا استعمال　　d) فطری قانون

17. "عوام کی مرضی" ایک مرکزی تصور ہے جس میں مملکت کی ابتدا کا نظریہ ہے؟

a) نظریہ تخلیق ربانی　　b) سماجی معاہدہ کا نظریہ

c) جبری نظریہ　　d) ارتقائی نظریہ

18. "مملکت بحیثیت ضروری برائی" کے نظریہ کے مطابق، افراد ایک مملکت کیوں بناتے ہیں؟

a) بغیر کسی پابندی کے انفرادی آزادی کو فروغ دینا

b) فطری حقوق کا تحفظ اور نظم و نسق کا تحفظ

c) دوسروں پر مطلق طاقت اور کنٹرول حاصل کرنا

d) مثالی معاشرے کی تشکیل

19. "فطرت کی حالت" کے خیال سے مراد:

a) قدرتی قانون کے تحت چلنے والی مملکت　　b) حکومت یا قائم کردہ قوانین کے بغیر مملکت

c) مکمل انارکی اور افراتفری کی حالت

d) ایک ایسی مملکت جہاں حکومت کے پاس لامحدود طاقت ہو۔

20. "مملکت بطور حیاتیات" نظریہ کے مطابق مملکت اس طرح کام کرتی ہے:

a) ایک مشین جس میں الگ، آزاد پرزے ہوں۔

b) ایک ہستی جس کی اپنی زندگی اور نشو ونما ہوتی ہے، جہاں افراد خلیات کی طرح ہوتے ہیں۔

a) ایک سماجی معاہدہ جو قوانین اور ضوابط کے تحت چلتا ہے۔

d) ہم آہنگی کی قدرتی حالت بغیر کسی حکومتی ڈھانچے کے

جوابات:

1. b) ایک متعین علاقے اور آبادی پر اختیار کا استعمال کرنا
2. d) اقتدار اعلیٰ
3. b) میکس ویبر
4. c) ارتقائی نظریہ
5. c) ان کے فطری حقوق کا تحفظ اور سماجی نظم کو فروغ دینا
6. b) سماجی معاہدہ کا نظریہ
7. c) نظریہ جبر
8. c) خدائی مرضی یا خدا کا حکم
9. b) تھامس ہوبز
10. c) جان لاک
11. c) خاندان سے بڑے سماجی گروہوں میں قدرتی ترقی کے طور پر
12. c) ارسطو
13. d) اپنے شہریوں کی مشترکہ بھلائی اور نیکی کو فروغ دینا

14 c) نظریہ جبر

15. b) جان لاک
16. c) ایک غالب گروہ کی طرف سے جبر اور طاقت کا استعمال
17. b) سماجی معاہدہ کا نظریہ
18. b) ان کے فطری حقوق کی حفاظت اور نظم وضبط کو برقرار رکھنا
19. b) حکومت یا قائم کردہ قوانین کے بغیر مملکت
20. b) ایک ایسی ہستی جس کی اپنی زندگی اور نشو ونما ہوتی ہے، جہاں افراد خلیات کی طرح ہوتے ہیں۔

3

3۔ اقتدار اعلیٰ

3. SOVEREIGNTY

مقاصد

اقتدار اعلیٰ پر اس سبق کا مطالعہ کرنے کے بعد، طالب علم اس قابل ہوتا ہے:

- ☆ اقتدار اعلیٰ کے تصور کو سمجھیں اور اس کی خصوصیات کو جانیں۔
- ☆ نظریے کی ابتداء کا سراغ لگائیں اور اس کے ارتقاء اور اقسام کی وضاحت کریں۔
- ☆ طلباء مختلف قسم کے اقتدار اعلیٰ کو سمجھ سکتے ہیں۔
- ☆ طلباء وحدانی اور تکثیری اقتدار اعلیٰ کے درمیان فرق جان سکتے ہیں۔

تعارف

جدید سیاسی نظریہ میں اقتدار اعلیٰ بنیادی تصور ہے۔ یہ جدید مملکت کی ایک مخصوص خصوصیت یا وصف ہے۔ اقتدار اعلیٰ کی اصطلاح لاطینی لفظ 'superanus' سے فرانسیسی لفظ 'souverainete' کے ذریعے ماخوذ ہے۔ اصل میں اس اصطلاح کا مطلب سب سے اعلی طاقت کے مساوی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ انگریزی میں Sovereignty کا مطلب مملکت کی "سب سے اعلی طاقت" ہے۔ سیاسیات میں اقتدار اعلیٰ کا مطلب مملکت کی اعلیٰ ترین اختیار ہے۔ یہ اعلیٰ اور حتمی قانونی اختیار کی علامت ہے، جس کے اوپر اور اس سے آگے کوئی قانونی طاقت موجود نہیں ہے۔ یہ مملکت کو دیگر تمام انجمنوں اور اداروں سے ممتاز کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ مملکت چار عناصر پر مشتمل ہوتی ہے، یعنی آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ۔ پہلی تین خصوصیات دیگر انجمنوں اور اداروں میں بھی مختلف درجوں میں پائی جاسکتی ہیں۔ لیکن مملکت اکیلے اقتدار اعلیٰ کے قبضے کا حکم دیتی ہے، یعنی اعلیٰ طاقت یا اختیار۔ جدید مملکتیں اقتدار اعلیٰ کے وصف کی بنیاد پر اندرونی معاملات میں بالادستی اور بیرونی حکومت کے کنٹرول سے آزادی کا دعویٰ کرتی ہیں۔ یہ جدید مملکت کی پہچان ہے۔ بادشاہت میں، اعلیٰ طاقت "خودمختار" یا بادشاہ میں رہتی ہے۔ جدید جمہوریتوں میں، اقتدار اعلی کی طاقت عوام کے پاس ہوتی ہے اور اس کا استعمال نمائندہ اداروں جیسے کہ کانگریس یا پارلیمنٹ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کی دو جہتیں ہیں:

1. اندرونی اقتدار اعلیٰ: کا مطلب ہے کہ مملکت تمام افراد، اداروں اور انجمنوں پر مکمل کنٹرول رکھتی ہے۔ انہیں مملکت کے قوانین کی پابندی کرنی ہوگی اور اگر کوئی فرد یا انجمن ان قوانین کی خلاف ورزی کرتی ہے تو مملکت اسے سزا دینے کا اختیار رکھتی ہے۔

2۔ بیرونی اقتدار اعلیٰ کا مطلب ہے کہ مملکت کسی دوسری مملکت کے کنٹرول سے آزاد ہے۔مملکت سے باہر کوئی فرد یا اتھارٹی نہیں ہے جو حکم جاری کرنے اور اس مملکت سے اطاعت حاصل کرنے کی پوزیشن میں ہو۔مثال کے طور پر 1947 سے پہلے ہندوستان ایک مملکت نہیں تھا۔اگر چہ اس کی آبادی، مقررہ علاقہ اور حکومت تھی لیکن اس میں اقتدار اعلیٰ کا فقدان تھا۔جیسا کہ وہ برطانوی حکومت کے ماتحت تھی۔ ہندوستان میں انتظامیہ برطانوی پارلیمنٹ کے منظور کردہ قوانین کے مطابق چلائی جاتی تھی۔اقتدار اعلیٰ ایک جغرافیائی علاقے، لوگوں کے ایک گروپ یا اپنے اوپر اعلیٰ سیاسی اختیار (قانون سازی، عدالتی، عاملہ) استعمال کرنے کا خصوصی حق ہے۔

تعریفیں

جین بوڈین (Bodin Jean): شہریوں اور رعایا پر قانون کے ذریعے بے لگام اعلیٰ طاقت کے طور پر اقتدار اعلیٰ۔

جے ڈبلیو گارنر (J.W. Garner): اقتدار اعلیٰ مملکت کی وہ خصوصیت ہے جس کی فضیلت میں اسے قانونی طور پر پابند نہیں کیا جا سکتا سوائے اس کی اپنی مرضی کے یا اس کے علاوہ کسی اور طاقت کے ذریعے محدود۔

بین الاقوامی قانون کے بانی، ہیوگو گروٹیئس کے مطابق، اقتدار اعلیٰ "اعلیٰ ترین سیاسی طاقت ہے جس کے کام کسی دوسرے کے تابع نہیں ہیں اور جن کی مرضی کو ختم نہیں کیا جا سکتا"۔

ایچ جے لاسکی (H.J. Laski): "جدید مملکت ایک علاقائی معاشرہ ہے، جو حکومت اور رعایا میں منقسم ہے، اپنے مختص طبعی رقبے کے ساتھ دوسرے تمام اداروں پر بالادستی کا دعویٰ کرتی ہے۔"

ڈوگیٹ (Duguit): اقتدار اعلیٰ "مملکت کی کمانڈنگ پاور ہے، یہ مملکت میں منظّم قوم کی مرضی ہے، ہ مملکت کے علاقے میں تمام افراد کو غیر مشروط حکم دینے کا حق ہے"۔

جینکس (Jenks): اقتدار اعلیٰ "ایک ایسا اختیار ہے جو، آخری حربے میں، کمیونٹی کے ہر فرد کے عمل کو مکمل طور پر اور اپیل سے باہر کنٹرول کرتا ہے"۔

بارکر (Barjer): "اقتدار اعلیٰ آخری لفظ کا اختیار ہے"۔

جے ڈبلیو برجیس (:J. W. Burgess): "اصل، مطلق، انفرادی مضامین اور مضامین کی تمام انجمنوں پر لامحدود طاقت۔"

W. F. Willoughby "اقتدار اعلیٰ مملکت کی اعلیٰ مرضی ہے۔"

:R. G. Soltau اقتدار اعلیٰ مملکت کی حتمی قانونی جبری طاقت کا استعمال ہے۔

ابتداء کا تصور

اقتدار اعلیٰ کے تصور کی ایک طویل اور پیچیدہ تاریخ ہے جو صدیوں میں تیار ہوئی اور مختلف سیاسی، فلسفیانہ اور قانونی پیش رفتوں سے تشکیل پائی۔ یہاں اقتدار اعلیٰ کے تصور کی ابتدا اور ترقی کا ایک مختصر جائزہ ہے۔

قرون وسطیٰ کی جاگیرداری: قرون وسطیٰ میں، یوروپ کو ایک جاگیردارانہ نظام کی خصوصیت حاصل تھی، جہاں طاقت کو

جاگیرداروں، بادشاہوں اور دیگر مقامی حکام میں تقسیم کیا گیا تھا۔کوئی مرکزی، متفقہ اتھارٹی اور اقتدار اعلیٰ نہیں تھی جیسا کہ ہم آج سمجھتے ہیں، موجود نہیں تھا۔

مطلق العنانیت کا عروج: جاگیرداری کے زوال کے ساتھ، مطلق بادشاہت کا تصور نشا؟ ثانیہ اور جدید دور کے ابتدائی دور میں سامنے آیا۔ بادشاہوں نے اقتدار کو مرکزیت دینے کی کوشش کی، الٰہی حق یا مطلق اختیار کا دعویٰ کیا، اور مختلف جاگیرداروں کے درمیان منقسم اقتدار اعلیٰ کے خیال کو مسترد کیا۔

قرون وسطیٰ کے آخری یورپ میں چرچ-مملکت تنازعہ:

رومن کیتھولک چرچ کی اتھارٹی کو محدود کرنے کی کوششیں کی گئیں۔اور مارسیگلیو آف پاڈوا (1342-1275)، میکیاویلی (1527-1469) اور مارٹن لوتھر (1546-1483) جیسے مفکرین کے ذریعے سیکولر حکمرانوں کے اختیار کو مضبوط کرنا۔

فرانسیسی سیاسی فلسفی جین بوڈین (96-1530) نے اپنی کتاب میں پہلی بار مملکت کی تعریف کرنے کی کوشش کی جس کا عنوان ہے: دولت مشترکہ پر چھ کتابیں (1576)۔ بوڈین فرانس میں کیتھولک بوربن اور پروٹسٹنٹ ہیوگینٹس کے درمیان طویل خانہ جنگی کے تناظر میں فرانسیسی حکمرانوں کے اختیار کو مستحکم کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے۔

ویسٹ فیلیا کا معاہدہ (1648): ویسٹ فیلیا کا امن، جس نے تیس سالہ جنگ کا خاتمہ کیا، اقتدار اعلیٰ کے جدید تصور کی ترقی میں ایک اہم لمحہ سمجھا جاتا ہے۔معاہدے نے "Cuiusregio, eiusreligio" کے اصول کو تسلیم کیا (جس کا دائرہ، اس کا مذہب)، حکمرانوں کو اپنے علاقوں کے مذہب کا تعین کرنے کی اجازت دینا۔اس نے Westphalian مملکت کی اقتدار اعلیٰ کا نظام، آزادی اور علاقائی سالمیت پر زور دیتا ہیقائم کیا۔

مملکتوں کیاس تصور کو ہیوگو گروٹیئس (1645-1583) نے مزید تیار کیا اور سماجی معاہدہ نظریات کے حامل جیسے ہوبز (1679-1588)، لاک (170-16324) اور روسو (78-1712)۔

قومی مملکت کا ظہور: اقتدار اعلیٰ کا تصور قومی مملکتوں کے عروج کے ساتھ قریب سے وابستہ ہوگیا۔ جیسے جیسے جاگیردارانہ وفاداریاں کم ہوتی گئیں، اور قومی شناخت اور ثقافت زیادہ نمایاں ہوتی گئی، ایک مرکزی اتھارٹی کے زیر انتظام متحدہ مملکت کے خیال نے زور پکڑا۔

روشن خیالی: روشن خیالی کے دور میں، تھامس جیسے سیاسی فلسفیہوبس، جان لاک اور جین۔جیکوس روسو نیاقتدار اعلیٰ کے تصور کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ہوبز نے نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لیے ایک مضبوط، مطلق اقتدار اعلیٰ کی ضرورت پر بحث کی، جب کہ لاک اور روسو نے سماجی معاہدے کے نظریات کی تجویز پیش کی جس میں سیاسی جواز کی بنیاد کے طور پر حکمرانوں کی رضامندی پر زور دیا گیا۔

قانونی مثبتیت: 19ویں صدی میں، قانونی مثبتیت ایک غالب قانونی نظریہ کے طور پر ابھری، جس نے مملکت کے قانونی اختیار اور اس تصور پر زور دیا کہ قانون اپنی قانونی حیثیت اختیار کے تسلیم شدہ ذرائع سے حاصل کرتا ہے، جیسے کہ آئین یا خود مختار قانون ساز ادارہ۔

اقتدار اعلیٰ کے لیے چیلنجز: 20 ویں صدی میں مملکت کی اقتدار اعلیٰ کے لیے چیلنجز سامنے آئے بین الاقوامی تنظیموں کے عروج کے ساتھ، عالمی گورننس، اور انسانی حقوق کی پہچان۔ اقوام متحدہ اور یورپی یونین جیسی اعلیٰ قومی تنظیموں نےبعض معاملات میں مملکتوں کے مکمل اختیار پر سوال اٹھایا۔

عالمگیریت: 20 ویں صدی کے آخر اور 21 ویں صدی کے اوائل میں عالمگیریت کا عمل

اقتدار اعلیٰ کے تصور کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔ قوموں کا باہمی ربط اور اشیاء ، لوگوں اور خیالات کی سرحد پار نقل و حرکت نے اس بارے میں سوالات اٹھائے کہ مملکتیں اپنے اندرونی معاملات پر کس حد تک خصوصی کنٹرول برقرار رکھ سکتی ہیں۔

پوری تاریخ میں، اقتدار اعلیٰ کا تصور مسلسل ارتقاء کا موضوع رہا ہے، جو سیاسی، قانونی اور فلسفیانہ سوچ میں تبدیلیوں کی عکاسی کرتا ہے۔ جیسے جیسے دنیا بدلتی رہتی ہے، اقتدار اعلیٰ کی سمجھ اور بین الاقوامی تعلقات اور حکمرانی کے تناظر میں اس کا اطلاق ایک مسلسل اور متحرک عمل ہے۔

اقتدار اعلیٰ کی خصوصیات

جیسا کہ Bodin، Grotius، اور Hobbes نے مشاہدہ کیا ہے، اقتدار اعلیٰ دلیل مطلق، دائمی، خصوصی، ناقابل تقسیم، ناقابل تلافی، تسلیم شدہ، اور جامع ہے۔

مطلق: مطلقیت اقتدار اعلیٰ کی ایک اہم صفت ہے جس کا مطلب ہے کہ موجود مملکت کی اقتدار اعلیٰ پر کوئی پابندی نہیں ہیں۔

مملکت کے اندر رہنے اور کام کرنے والی تمام انجمنیں اور گروہ مملکت کے کنٹرول میں ہیں۔ مملکت پر کوئی اندرونی یا بیرونی کنٹرول نہیں ہے۔ اقتدار اعلیٰ کا ایک اہم عنصر اس کی مطلقیت کی ڈگری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ حتمی اختیار ہے اور حتمی فیصلہ کرتا ہے۔ ہوبز نے نوٹ کیا کہ اقتدار اعلیٰ پر شرائط صرف اس صورت میں عائد کی جاسکتی ہیں جب کچھ بیرونی ثالث موجود ہوں جو یہ طے کرسکیں کہ اس نے کب ان کی خلاف ورزی کی ہے، اس صورت میں اقتدار اعلیٰ اب حتمی اتھارٹی نہیں رہے گا۔ اقتدار اعلیٰ مملکت کے کنٹرول اور اختیار سے منسلک ہے۔ ایک متعین علاقہ۔ دوسری مملکتیں مملکت کی علاقائی سالمیت کا احترام کرتی ہیں، اور اس کی علاقائی حدود پر تجاوز کرنے یا اس کی خلاف ورزی کرنے کی کسی بھی کوشش کو اقتدار اعلیٰ کی خلاف ورزی کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کچھ مصنفین اس خیال سے متفق نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جدید دنیا میں ایسی مطلق العنان مملکت کا وجود نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ ایسی مملکت بین الاقوامی امن وامان کے لیے بہت خطرناک ہوگی۔

آفاقیت: آفاقیت اقتدار اعلیٰ کی ایک اور اہم خصوصیت ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مملکت کی اقتدار اعلیٰ اس کے دائرے میں ہر فرد، گروہ اور افراد کی انجمن کا احاطہ کرتی ہے۔ کوئی فرد اور انجمن مملکت کی اقتدار اعلیٰ کے نفاذ سے استثنیٰ کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ اقتدار اعلیٰ اپنی فطرت میں تمام جامع ہے۔ ایک اقتدار اعلیٰ مملکت اپنے دائرہ اختیار میں کسی حریف کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی۔ نہ ہی کوئی شخص اور نہ ہی کوئی ادارہ اپنی سرزمین میں مملکت کی اقتدار اعلیٰ کو متاثر کرسکتا ہے۔ سفارتی استثنیٰ کے معاملے میں واضح استثناء جو دوسرے ممالک کے نمائندوں کو حاصل ہے، ایک بین الاقوامی عدالت ہے، جسے مملکت کسی بھی وقت ہٹا سکتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ قانون سے بالاتر ہے اور

اسے قانون کے ذریعے منظّم نہیں کیا جاتا۔ اس معیار کے لیے مملکت قانون سازی کرسکتی ہے۔ لہذا، قانون کو خودمختار طاقت کو کنٹرول کرنے کا حق نہیں ہے۔

مستقل مزاجی: اقتدار اعلی مملکت کی ایک مستقل خصوصیت ہے۔ جب تک مملکت برقرار رہے گی۔ اس کی آزادی، اقتدار اعلیٰ موجود ہے۔ مملکت کی طاقت کا استعمال کرنے والے بدل سکتے ہیں، اور پوری مملکت کو دوبارہ منظّم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اقتدار اعلیٰ، جہاں کہیں بھی ہو، برقرار رہتی ہے۔ صرف مملکت کی تباہی سے اقتدار اعلیٰ ختم ہوسکتی ہے۔ حکومتیں بن سکتی ہیں۔ یا طے شدہ طریقہ کار کے مطابق تحلیل ہو جائے گا، لیکن مملکت کا تسلسل برقرار نہیں رہے گا۔ اس طرح کی تبدیلیوں سے متاثر ہوتا ہے۔ یہ کسی مخصوص علمبردار کے عارضی قبضے یا مملکت کی شناخت کے بعد ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ فوری طور پر ایک نئے علمبردار کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کیونکہ کشش ثقل کا مرکز جسمانی جسم کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں منتقل ہوتی ہے جب وہ کسی بھی بیرونی تبدیلی سے گزرتا ہے۔؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ لازوال ہے، اور یہ عارضی طور پر نمائندہ نہیں ہے۔ کسی بھی اتھارٹی یا افراد اور تنظیموں کو جو طاقت رکھتے ہیں۔ ہوبز کے لیا اقتدار اعلی دائمی ہونی چاہیے۔

نا قابل تقسیم: مملکت ایک جامع اور مربوط ہستی ہے جیسا پنی ضروری خصوصیات اور افعال کو کھونے کے بغیر آزاد حصوں میں توڑا نہیں جاسکتا۔ اقتدار اعلیٰ کو مملکت کے اندر مختلف اداروں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا تعلق مجموعی طور پر مملکت سے ہے۔ علاقہ مملکت کی شناخت کا ایک لازمی حصہ ہے۔ علاقے میں کسی بھی تقسیم کے نتیجے میں، ہر ایک اپنی منفرد خصوصیات اور افعال کے ساتھ الگ الگ سیاسی اداروں کی تخلیق ہوگی۔ حکومت کے درمیان اختیارات کی تقسیم مملکت کے کاموں کی سہولت کے لیے ہوتی ہے، اسے مملکت کی تقسیم کے طور پر نہیں سمجھا جانا چاہیے۔ یہ صرف حکومت کے اعضاء کے ذریعہ مملکت کے افعال کی تقسیم ہے۔ اقتدار اعلیٰ اپنے علاقے میں واحد حتمی اتھارٹی ہے اور کسی دوسرے ادارے کے ساتھ حتمی اختیار کا اشتراک نہیں کرتا ہے۔ ہوبز نے اسے درست مانا کیونکہ نا قابل تقسیم ہونے کے بغیر، متعدد حکام کے درمیان اختلاف کو حل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہوگا۔

نا قابل انتقال: مملکت کی نا قابل انتقال فطرت سے مراد یہ خیال ہے کہ مملکت کی ضروری صفات اور خصوصیات کو کسی دوسرے ادارے یا بیرونی اتھارٹی کو منتقل نہیں کیا جاسکتا، سپرد نہیں کیا جاسکتا۔ نا قابل انتقال کا مطلب یہ ہے کہ مملکت کے وجود اور شناخت کے کچھ بنیادی پہلو موروثی ہیں اور انہیں اس کی اقتدار اعلیٰ ہستی سے الگ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ روسو کا کہنا ہے کہ اصل اور اقتدار اعلی کے استعمال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس طرح، اقتدار اعلی اصل سے ان لوگوں کو منتقل نہیں ہوسکتی ہے جو اس کا استعمال کریں گے۔ اقتدار اعلیمملکت کی اپنی سرزمین اور آبادی پر اعلیٰ اختیار اور آزادی ہے۔ مملکت کی شناخت اور حیثیت کو بنیادی طور پر تبدیل کیے بغیر اسے ترک یا کسی دوسری مملکت یا بیرونی تنظیم کو منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ کسی بھی مملکت کی علاقائی حدود کو اس کی شناخت اور خودمختاری کا لازمی حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اپنی سرزمین کے کچھ حصوں کو کسی دوسری مملکت یا ادارے کے حوالے کرنے یا منتقل کرنے کی کسی بھی کوشش کو مملکت کے نا قابل تنسیخ حقوق کی خلاف ورزی کے طور پر دیکھا جائے گا۔

خصوصی: قانونی لحاظ سے خودمختاری کا ایک اہم عنصر دائرہ اختیار کی خصوصیت ہے۔ لہذا، جرمن ماہر عمرانیات میکس ویبر نے تجویز پیش کی کہ خودمختاری طاقت کے جائز استعمال پر ایک کمیونٹی کی اجارہ داری ہے۔ اور اس طرح، اسی حق کا دعوی کرنے والے کسی بھی گروہ

کو یا تو اقتدار اعلی کے تحت میں لایا جانا چاہیے، اسے ناجائز ثابت کیا جانا چاہیے، یا دوسری صورت میں اقتدار اعلی کے حقیقی ہونے کے لیے مقابلہ کیا جائے گا اور اسے شکست دی جائے گی۔

اقتدار اعلی کی قسمیں برائے نام اقتدار اعلی اور حقیقی اقتدار اعلی دو متضاد تصورات ہیں جو کسی سیاسی وجود، جیسے مملکت کے اندر طاقت اور اختیار کے استعمال کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ اصطلاحات اقتدار اعلی کے علامتی یا رسمی پہلوؤں اور طاقت کے حقیقی، بنیادی استعمال کے درمیان فرق کرنے میں مدد کرتی ہیں۔

برائے نام یا عنوانی خودمختاری: برائے نام حاکمیت سے مراد ظاہری شکل یا اقتدار اعلیٰ کی علامتی نمائندگی، جہاں ایک ہستی، جیسے بادشاہ، ایک لقب رکھتا ہے یا اقتدار کی صورت حال لیکن حقیقی طاقت اور فیصلہ سازی کی صلاحیتوں کا فقدان ہے۔ برائے نام اقتدار اعلیٰ کے نظام میں، ہستی کو باضابطہ طور پر اقتدار اعلیٰ حکمران یا حکومت کے طور پر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔؟ لیکن اس کا اختیار بیرونی قوتوں، دیگر اداروں یا آئینی حدود کے ذریعے محدود یا کنٹرول کیا جاتا ہے۔ مثال: آئینی بادشاہت میں، بادشاہ ہوسکتا ہے۔ مملکت کے سربراہ کا خطاب حاصل کریں اور اسے مملکت کے علامتی نمائندے کے طور پر تسلیم کیا جائے۔ لیکن طاقت کا اصل استعمال اور فیصلہ سازی ایک منتخب حکومتیا پارلیمنٹ کے پاس ہے۔

حقیقی خودمختاری: حقیقی خودمختاری، دوسری طرف، اصل، بنیادی (یا حقیقی) سے مراد ہےسیاسی ادارے کے اندر طاقت اور اختیار کا استعمال۔ حقیقی اقتدار اعلیٰ نظام میں ہستی مملکت یا حکومت کے معاملات پر حقیقی کنٹرول اور فیصلہ سازی کی صلاحیتوں کا مالک ہے اور اس کا استعمال کرتا ہے۔ مثال: پارلیمانی جمہوریت میں، منتخب حکومت کو حقیقی اقتدار اعلی حاصل ہوتی ہے کیونکہ وہ انتظامی طاقت کا استعمال کرتی ہے اور اہم فیصلے کرتی ہے، حکومت کا سربراہ برائے نام سربراہ کے طور پر کام کرتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ برائے نام اور حقیقی اقتدار اعلی کے تصورات باہمی طور پر مخصوص نہیں ہیں اور بعض سیاسی نظاموں میں ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔ ایسے معاملات میں، اقتدار اعلی کی رسمی یا علامتی نمائندگی کسی دوسرے ادارے یا ادارے کے ذریعے طاقت کے موثر استعمال کے ساتھ رہ سکتی ہے۔ برائے نام اور حقیقیاقتدار اعلی کے درمیان فرق سیاسی نظاموں کے اندر حکمرانی اور اختیار کی پیچیدگیوں اور باریکیوں کو اجاگر کرتا ہے۔ اگرچہ برائے نام اقتدار اعلی اختیار کے روایتی یا تاریخی پہلوؤں کو بیان کرسکتی ہے، حقیقی اقتدار اعلی طاقت اور حکمرانی کے عصری اور عملی استعمال پر مرکوز ہے۔

قانونی اقتدار اعلیٰ

قانونی اقتدار اعلیٰ اقتدار اعلیٰ کو قانون سازی کی اعلیٰ طاقت کے طور پر ظاہر کرتی ہے۔ قانونی اقتدار اعلی مملکت کی حتمی طاقت ہے جس کے ذریعے مملکت قانون سازی اور اسے نافذ کرتی ہے۔ قانونی اقتدار اعلیٰمملکت کی غیر محدود طاقت ہے۔ کوئی اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا. برطانیہ اور ہندوستان کے پاس قانونی اقتدار اعلیٰ اختیارات ہیں، بالترتیب برطانوی پارلیمنٹ اور ہندوستانی پارلیمنٹ۔ اس اقتدار اعلی کو قانون ساز ادارے کی حتمی طاقت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یعنی اعلیٰ ترین احکامات جاری کرنا۔ یہ نہ تو اخلاقی اور نہ ہی فطری قوانین کا پابند ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے بنائے ہوئے قوانین سب کو لازمی طور پر ماننا ہوں گے۔ قانونی اقتدار اعلیٰ سے مراد کسی مملکت

کے آئین اورقوانین کے مطابق اپنے علاقے اور آبادی پر حکومت کرنے کا رسمی اور تسلیم شدہ اختیار ہے۔ یہ بین الاقوامی قانون اور ملکی قانونی فریم ورک کے اصولوں میں جڑا ایک تصور ہے جو مملکت کے حقوق، اختیارات اور ذمہ داریوں کی وضاحت کرتا ہے۔

آئین اور قوانین: قانونی اقتدار اعلیٰ ایک آئین یا بنیادی قوانین کے ایک سیٹ کے ذریعے قائم کی جاتی ہے جو مملکت کے ڈھانچے اور کام کاج کی وضاحت کرتے ہیں۔ یہ قانونی ڈھانچہ قائم کرتا ہے جس کے اندر مملکت اپنی طاقت اور ذمہ داریوں کا استعمال کرتی ہے اور مملکت اور اس کے شہریوں دونوں کے حقوق اور مفادات کے تحفظ کو یقینی بناتی ہے۔

سیاسی خود اقتدار اعلیٰ: سیاسی اقتدار اعلیٰ وہ اقتدار اعلیٰ ہے جو قانونی اقتدار اعلیٰ کے پیچھے ہوتی ہے۔ یوں تو انگلستان میں برطانوی پارلیمنٹ قانونی اقتدار اعلیٰ ہوسکتی ہے لیکن پارلیمنٹ کے پیچھے اصل طاقت ووٹر ہے۔ یہ ووٹروں کی طاقت ہے جو پارلیمنٹ کو قانون بنانے کا اختیار دیتی ہے۔ اس لیے قانونی اقتدار اعلیٰ کے پیچھے سیاسی اقتدار اعلیٰ موجود ہے۔ ہر معاشرے میں قانونی حاکمیت کے پیچھے ایک نادیدہ طاقت ہوتی ہے۔ اس نادیدہ طاقت کو سیاسی اقتدار اعلیٰ کے نام سے جانا جاتا ہے، جس کا اظہار کئی شکلوں جیسے عوامی جلسوں، جلوسوں اور مظاہروں میں ہوتا ہے۔ اگر قانونی حاکمیت کے قوانین غیر اخلاقی ہیں، تو یہ سیاسی حاکمیت کی غیر منظّم طاقت قانونی حاکم کو جھکنے پر مجبور کرسکتی ہے۔ اس طرح، سیاسی اقتدار اعلیٰ غیب ہے اور ایک بڑا حکم ہے؛ ہوشیار اور باشعور لوگوں کے لئے یہ انقلابی طاقت ہے۔

دو کے درمیان فرق: نمائندہ جمہوریت میں، قانونی اور سیاسی اقتدار اعلیٰ کے درمیان فرق واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے، کیونکہ عوام کے نمائندے (حکومت) قانونی اقتدار اعلیٰ ہیں اور ووٹر سیاسی اقتدار اعلیٰ ہیں۔ لیکن براہ راست جمہوریت میں یہ فرق نظر نہیں آتا کیونکہ عوام (سیاسی اقتدار اعلیٰ) بھی ہوتے ہیں۔ قانونی اقتدار اعلیٰ ہیں کیونکہ وہ خود قانون بناتے ہیں۔ تاہم، آمرانہ مملکتوں میں، یہ فرق بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ پولیس، فوج، جیلیں، لاٹھی، گولیاں وغیرہ۔ قانونی اقتدار اعلیٰ کی عکاسی کرتے ہیں۔ اور عوام، ان کی تنظیمیں، عوامی تحریکیں اور جدوجہد، ہڑتالیں، مظاہرے وغیرہ سیاسی اقتدار اعلیٰ کی عکاسی کرتے ہیں۔

قومی اقتدار اعلیٰ:

قومی اقتدار اعلیٰ کی اصطلاح پہلی بار فرانسیسی انقلابیوں نے اپنے مشہور اعلامیہ میں استعمال کی جسے 'انسان کے حقوق کا اعلان' کہا جاتا ہے۔ یہ مقبول اقتدار اعلی کے جیسی چیز نہیں ہے. قومی خودمختاری کا مطلب یہ ہے کہ خودمختاری پوری آبادی میں تقسیم اور بکھری نہیں ہے۔ خودمختاری کا انحصار پوری قوم کے ساتھ ہے۔

عوامی اقتدار اعلیٰ:

عوامی اقتدار اعلیٰ کا مطلب یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ عوام کے ہاتھ میں ہے۔ حکومت کی حکمرانی کی بنیاد عوامی حمایت ہے۔ پہلی عوامی اقتدار اعلیٰ کا مطالبہ سولہویں اور سترہویں صدی میں بادشاہت کے خلاف مظاہروں کے ذریعے ظاہر ہوا تھا۔ انگلستان کے شاندار انقلاب (1688) میں عوام کی اقتدار اعلیٰ کا جزوی قیام دیکھا گیا۔ جان لاک کے "شہری حکومت کے دو معاہدے(Twi GovernmentCivilontreatuses) میں واضح طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ بادشاہ کی حکمرانی عوام کی رضامندی پر منحصر ہے۔ انقلاب فرانس میں عوام کی اقتدار اعلیٰ کا مطالبہ واضح تھا۔ روسو کی سوچ بھی عوامی اقتدار اعلیٰ کی واضح شناخت سے ملتی ہے۔ عام

مرضیا قتدار اعلیٰ ہے۔ روسو نے پہلی بار یہ کہا۔ اقتدار اعلیٰ کا اصول امریکی آزادی (1776) میں بھی مقبول ہوا۔ 1917 میں سوویت انقلاب اور 1949 میں چین کا انقلاب عوام کی اقتدار اعلیٰ کے قیام کی طرف دو کامیاب قدموں کی نشاندہی کرتا ہے۔

De-Jure Sovereignty: اقتدار اعلیٰ کا یہ پہلو بین الاقوامی قانون کے ذریعہ قائم کیا گیا ہے۔ جب بھی کسی ملک میں سیاسی ہلچل یا خانہ جنگی ہوتی ہے یا ایسی ہی صورتحال ہوتی ہے تو ہمارے پاس دو طرح کی حکومت ہوتی ہے ایک قانونی حکومت جو کہ اکھاڑ پچھاڑ کر دی گئی ہے اور نئی حکومت جو کہ قانونی نہیں ہے لیکن اصل طاقت رکھتی ہے۔ ایسی صورت حال میں (کون سی) طاقت کو تسلیم کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ قانونی اقتدار اعلیٰ (De-Jure Sovereignty) ایک ہے، جو مملکت کی اعلیٰ ترین کمان جاری کرنے کا قانونی طور پر مجاز ہے۔ اسے اقتدار اعلیٰ طاقت استعمال کرنے کا قانونی حق حاصل ہے اور اسے عوام کی اطاعت حاصل ہے۔

(De facto Sovereign) حقیقی اقتدار اعلیٰ: بعض اوقات ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک قانونی اقتدار اعلیٰ کو طاقت کے ذریعے یا دوسری صورت میں کسی شخص یا افراد کے ایک ادارے کے ذریعے بے گھر کر دیا جائے جو بغیر کسی قانونی بنیاد کیا قتدار اعلیٰ حقوق کا استعمال کرتے ہیں۔ ایسے معاملات میں، اس جسم یا افراد کو حقیقی (factoDe) اقتدار اعلیٰ کہا جاسکتا ہے۔

آسٹن کی اقتدار اعلیٰ کا نظریہ

جان آسٹن، ایک ممتاز برطانوی قانونی فلسفی، قانونی مثبتیت اور اقتدار اعلیٰ کے نظریہ پر اپنے اثر انگیز کام کے لیے جانا جاتا ہے۔ ان کی سب سے قابل ذکر شراکت اقتدار اعلیٰ کے وحدانی نظریہ کا انتخاب ہے۔

۔آسٹن کے خیالات اس کے کام "The Province of Jurisprudence Determined," میں پیش کیے گئے جو پہلی بار 1832 میں شائع ہوا تھا۔

آسٹن کی اقتدار اعلیٰ کا نظریہ اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

اقتدار اعلیٰ حتمی اختیار ہے: (Sovereign is the Ultimate Authority): آسٹن کے مطابق، اقتدار اعلیٰ سب سے زیادہ ہے اور دی گئی سیاسی برادری کے اندر حتمی اختیار۔ اقتدار اعلیٰ ایک شخص یا جسم ہے وہ افراد جو پورے معاشرے کے لیے قوانین بنانے، ان پر عمل درآمد کرنے اور نافذ کرنے کی لامحدود اور ناقابل تقسیم طاقت رکھتے ہیں۔ اقتدار اعلیٰ کا مملکت میں کوئی حریف یا مساوی حیثیت نہیں ہے۔ اقتدار اعلیٰ وہ اعلیٰ ترین طاقت ہے جو انسانی برتر کو متعین کرتی ہے۔

احکام اور پابندیاں: آسٹن کے لیے، قانون اقتدار اعلیٰ کی طرف سے جاری کردہ اور پابندیوں کے ذریعے نافذ کیے جانے والے احکامات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ مملکت میں قانون بنانے والا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے احکام ایسے قوانین ہیں جو بعض اعمال کی تجویز یا ممانعت کرتے ہیں، اور ان کی حمایت پابندیوں کے خطرے سے ہوتی ہے، جو یا تو مثبت (انعام) یا منفی (سزا) ہوسکتی ہیں۔

عادتی اطاعت: آسٹن کے نظریہ کے لیے انتہائی اہم عادت کی اطاعت کا تصور ہے۔ اقتدار اعلیٰ کی تاثیر کا دارومدار اس بات پر ہے کہ عام آبادی کی اقتدار اعلیٰ کے احکام کی اطاعت کی عادت ہے۔ اگر کسی معاشرے میں لوگوں کی اکثریت مستقل طور پر احکام کی

تعمیل کرتی ہے،تو اقتدار اعلیٰ کا اختیار برقرار رہتا ہے۔

خودمختاری پر کوئی قانونی حدود نہیں: آسٹن کا نظریہ کہتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کی کوئی قانونی حدود نہیں ہیں۔اقتدار اعلیٰ کسی پہلے سے موجود قانونی یا اخلاقی اصولوں کا پابند نہیں ہے۔ یہ خیال "خودمختار استثنیٰ" کے نام سے جانا جاتا ہے، جہاں اقتدار اعلیٰ کو قانونی طور پر اس کے اپنے قوانین سے روکا نہیں جا سکتا۔

اقتدار اعلیٰ کی پہچان: آسٹن کے مطابق اقتدار اعلیٰ حق کا معاملہ نہیں بلکہ حقیقت کا معاملہ ہے۔اقتدار اعلیٰ وہ شخص یا ادارہ ہے جس کی اکثریت کے ذریعہ مؤثر طریقے سے اطاعت کی جاتی ہے،اور یہ اطاعت وہ ہے جو ان کے اختیار کو جائز اور تسلیم کرتی ہے۔

آسٹن کے نظریہ اقتدار اعلیٰ کا قانونی اور سیاسی فکر پر نمایاں اثر پڑا،اور یہ فقہ کے مطالعہ میں ایک اہم شراکت ہے۔تاہم،اسے تنقید کا بھی سامنا کرنا پڑا، خاص طور پر ان لوگوں کی طرف سے جو قدرتی قانون یا اعلیٰ اخلاقی اصولوں کے وجود میں یقین رکھتے ہیں جو اقتدار اعلیٰ کے اختیار کو محدود کر سکتے ہیں۔اپنی حدود کے باوجود، آسٹن کا وحدانی نظریہ اقتدار اعلیٰ کی نوعیت اور سیاسی اختیار کی بنیاد کے بارے میں بات چیت میں ایک بنیادی حوالہ ہے۔

اقتدار اعلیٰ کا تکثیری نظریہ

اقتدار اعلیٰ کا تکثیری نظریہ جان آسٹن کے تجویز کردہ وحدانی نظریہ کا ایک متبادل نقطہ نظر پیش کرتا ہے۔ جب کہ وحدانی نظریہ ایک واحد اعلیٰ اختیار میں اقتدار اعلیٰ کے ارتکاز پر زور دیتا ہے، تکثیری نظریہ ایک سیاسی نظام کے اندر اختیارات اور طاقت کے متعدد ذرائع کے وجود کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ خیال ایک واحد، ہمہ گیر اقتدار اعلیٰ کے تصور کو چیلنج کرتا ہے اور اس کے بجائے یہ تجویز کرتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ مختلف اداکاروں اور اداروں میں منتشر ہو سکتی ہے۔اقتدار اعلیٰ کا تکثیری نظریہ جرمن فقیہ اوٹو وون گیرک نے تیار کیا ہے۔اس کی ابتدا 19ویں صدی کی آخری سہ ماہی میں ہوئی اور 20ویں صدی کے آغاز میں ترقی ہوئی۔ اسے انگریزی قانونی مورخ F.W. Maitland نے تیار کیا ہے۔تکثیریت کے پرجوش حامی ہیرالڈ جے۔لاسکی، نیویل فگس، ارنسٹ بارکر، جی ڈی ایچ۔کول، اے ڈی لنڈوے، مس ایم پی فولیٹ، آر ایم۔میکلور، سڈنی، بیٹریس ویب، لیون ڈوگیٹ، ایچ کربی اور مابوٹھیں۔

تکثیریت: یہ تسلیم کرتا ہے کہ معاشرہ کئی اقتدار اعلیٰ لیکن خودمختار گروہ پر مشتمل ہے۔جیسے مذہبی تنظیمیں، پیشہ ورانہ انجمنیں، اور تجارتی ادارے۔یہ انجمنیں مملکت کی کی ہمہ گیر طاقت کے تابع نہیں ہیں۔یہاں تک کہ مملکت بھی ان انجمنوں پر کسی غالب اتھارٹی کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔اس طرح مملکت کی طرف رجحان کو تکثیریت یا تکثیری نظریہ حاکمیت کے نام سے جانا جاتا ہے۔اس طرح حقیقت پسندی سے مراد "معاملات کی ایسی حالت ہے جس میں معاشرے کے اندر متعدد گروہ یا ادارے کام کرتے ہیں۔"

تکثیری مملکت کی حالت کے بارے میں اپنے خیالات میں متفق نہیں ہیں۔بعض کے نزدیک مملکت برابری میں سے ایک ہے، بعض کے نزدیک یہ برابریوں میں سب سے اہم ہے۔تکثیریت کا مرکزی خیال گیٹل کے تاثرات سے دیکھا جا سکتا ہے، جو کہتا ہے، "تکثرت پسند اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ مملکت ایک منفرد ادارہ ہے؛ وہ سمجھتے ہیں کہ دیگر انجمنیں بھی اتنی ہی اہم اور فطری ہیں؛ وہ دلیل دیتے ہیں کہ ایسی انجمنیں اپنے مقصد کے لیاتنی ہی خودمختار ہوتی ہیںجیسیمملکت اپنے مقصد کے لیےہوتی ہے،اس لیےاقتدار اعلیٰ بہت

سی انجمنوں کے پاس ہوتی ہے۔ یہ ایک نا قابل تقسیم اکائی نہیں ہے؛ مملکت سپریم یا لامحدود نہیں ہے۔" آیئے اقتدار اعلیٰ کے تکثیری نظریہ کے اہم پہلوؤں کو تلاش کرتے ہیں:

مملکت دیگر انجمنوں کی طرح ہے: مملکت متعدد سماجی، اقتصادی، سیاسی؟ اور دیگر گروہ بندی جن کے ذریعے معاشرے میں مرد اپنی بے شمار ضروریات کو پورا کرنے اور اپنی فلاح و بہبود کو فروغ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ معاشرے میں مختلف گروہ یا انجمنیں مملکت کی تخلیق نہیں ہیں بلکہ وہ مملکت سے آزادانہ طور پر پیدا ہوتی ہیں، اور وہ طاقت اور اختیار حاصل کرتے ہیں جو مملکت کی طرف سے نہیں دیا جاتا ہے۔

اختیار کے متعدد مراکز: اقتدار اعلیٰ کے تکثیری نقطہ نظر میں، طاقت اور اختیار مکمل طور پر کسی مرکزی اقتدار اعلیٰ ادارے میں مرکوز نہیں ہے۔ اس کے بجائے، مختلف ادارے، جیسے کہ سرکاری شاخیں، علاقائی حکومتیں، بین الاقوامی تنظیمیں، اور یہاں تک کہ غیر مملکتی اداکار جیسے کارپوریشنز اور این جی اوز مخصوص علاقوں یا مسائل پر اہم اختیار حاصل کر سکتے ہیں۔

مشترکہ اتھارٹی: تکثیری اقتدار اعلیٰ میں اکثر مختلف افراد کے درمیان طاقت کا اشتراک حکومت کی سطح یا مختلف سرکاری اداروں کے درمیان شامل ہوتا ہے۔۔ وفاقی نظام، مثال کے طور پر، ایک مرکزی حکومت اور ذیلی قومی اداروں کے درمیان اختیار کو تقسیم کرتے ہیں، جس سے انہیں اپنے دائرہ اختیار اور قانون سازی کے اپنے علاقے حاصل کرنے کی اجازت ملتی ہے۔ کثرت پسند مملکت کو ایک مکمل ادارہ تسلیم نہیں کرتے۔

انحراف اور غیر مرکوزیت: تکثیری اقتدار کو غیر مرکوزیت اور حکومت کی نچلی سطحوں یا مقامی برادریوں میں طاقت اور فیصلہ سازی سے منسلک کیا جا سکتا ہے۔۔ اس نقطہ نظر کا مقصد زیادہ مقامی طرز حکمرانی کو فروغ دینا ہے اور شہریوں کو ان معاملات میں زیادہ رائے دینا ہے جو ان پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔

بین الاقوامی قانون اور تنظیمیں: ایک عالم گیر دنیا میں، بین الاقوامی قانون اور تنظیمیں تیزی سے اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ تکثیری اقتدار اعلیٰ میں قومی مملکتوں کے فیصلہ سازی کے عمل پر بین الاقوامی معاہدوں، اقرار ناموں اور تنظیموں کے اثرات کو تسلیم کرتی ہے، جس سے بعض معاملات میں اختیار کی مشترکہ شکل ہوتی ہے۔

مرکزی اختیار پر حدیں: وحدانی نظریہ کے برعکس جو ایک تمام طاقتور حاکمیت رکھتا ہے۔ قانونی حدود کے بغیر، تکثیری اقتدار اعلیٰ قانونی یا آئینی حدود کو تسلیم کر سکتی ہے۔ کسی بھی ادارے کے اختیار پر یہ پابندیاں فرد کی انفرادی حقوق کی حفاظت، قانون کی حکمرانی کا تحفظ، اور طاقت کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے لگائی جا سکتی ہیں۔

مملکتی مرکزی خودمختاری کو چیلنجز: تکثیری اقتدار اعلیٰ روایتی چیلنجز مملکتی مرکزی اقتدار اعلیٰ کا تصور، جہاں قومی مملکتوں کو بنیادی اور خودمختاری کا خصوصی ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ مشترکہ ذمہ داریوں اور مشترکہ حکمرانی کے امکانات مملکتوں اور غیر مملکتی اداکاروں کے درمیان کو کھولتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کا تکثیری نظریہ ایک پیچیدہ اور باہم جڑی ہوئی دنیا میں حکمرانی کی ابھرتی ہوئی نوعیت کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ مختلف اداکاروں کے باہمی انحصار اور عالمی چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے تعاون اور اشتراک کی ضرورت کو تسلیم کرتا ہے۔ تاہم، یہ طاقت کی تقسیم اور اختیارات کے مختلف ذرائع کے درمیان ممکنہ تناؤ کے بارے میں بھی سوالات اٹھاتا ہے۔ جیسا کہ دنیا مسلسل بدل رہی ہے،

خودمختاری پر وحدت پرست اور تکثیری نقطہ نظر کے درمیان بحث سیاسی اور قانونی گفتگو کا ایک لازمی پہلو بنی ہوئی ہے۔

خلاصہ

اقتدار اعلیٰ، سیاسی نظریہ میں ایک بنیادی تصور، اس کے علاقے اور آبادی پر کسی مملکت یا سیاسی ادارے کی اعلیٰ اور اقتدار اعلیٰ اتھارٹی سے مراد ہے۔ اس میں قانون بنانے اور نافذ کرنے، ٹیکس لگانے، غیر ملکی تعلقات میں مشغول ہونے اور اپنی سرحدوں کے اندر نظم و نسق برقرار رکھنے کی طاقت شامل ہے۔ اقتدار اعلیٰ ایک حکومت کو اپنے لوگوں کی جانب سے کنٹرول اور فیصلے کرنے کا جواز فراہم کرتی ہے۔ اقتدار اعلیٰ کی خصوصیات میں نا قابل تقسیم ہونا، نا قابل انتقال ہونا اور استثنیٰ شامل ہے۔ نا قابل تقسیم ہونے کا مطلب ہے کہ اقتدار اعلیٰ کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک مملکت کے پاس یا تو مکمل طور پر ہے یا بالکل نہیں۔ نا قابل انتقال کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مملکت اپنیا قتدار اعلیٰ کو کسی دوسرے ادارے کو مکمل طور پر منتقل نہیں کر سکتی، حالانکہ وہ بعض اختیارات تفویض کر سکتی ہے۔ استثنیٰ کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی وقت مقررہ علاقے کے اندر صرف ایک اعلیٰ اتھارٹی موجود ہو سکتی ہے۔

سیاسی مفکرین کی طرف سے خودمختاری کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: وحدانی اور تکثیری خودمختاری۔ وحدانی اقتدار اعلیٰ، جیسا کہ جان آسٹن نے تجویز کیا ہے، یہ کہتا ہے کہا قتدار اعلیٰیا یک ہی اعلیٰ اختیار میں رہتی ہے، اکثر مملکت یا اس کی مرکزی حکومت۔ یہ نظریہ اقتدار اعلیٰ کی طاقت پر قانونی حدود کی عدم موجودگی پر زور دیتا ہے۔ دوسری طرف، تکثیریا قتدار اعلیٰیا یک سیاسی نظام کے اندر اختیارات کے متعدد مراکز کو تسلیم کرتے ہوئے وحدانی نظریہ کو چیلنج کرتی ہے۔ یہ طاقت کے اشتراک اور فیصلہ سازی کے عمل کو متاثر کرنے میں ذیلی حکومتوں، بین الاقوامی تنظیموں اور غیر مملکتی اداکاروں کے کردار کو تسلیم کرتا ہے۔ تکثیری اقتدار اعلیٰ عالم گیر دنیا میں اداکاروں کے باہمی انحصار اور پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں تعاون کی ضرورت کی عکاسی کرتی ہے۔

آخر میں، خودمختاری ایک پیچیدہ اور ارتقا پذیر تصور ہے جو سیاسی طاقت اور قانونی حیثیت کے جوہر کی وضاحت کرتا ہے۔ وحدانی اور تکثیری اقتدار اعلیٰ دونوں اختیارات کی تقسیم اور استعمال کے بارے میں مختلف نقطہ نظر فراہم کرتی ہیں، جو عصری معاشروں میں حکمرانی اور بین الاقوامی تعلقات کی حرکیات کو تشکیل دیتی ہے۔

لغت

اقتدار اعلیٰ: اقتدار اعلیٰ ایک مملکت کی اپنی سرزمین اور آبادی پر اعلیٰ اور اقتدار اعلیٰ اتھارٹی ہے، جو اسے قوانین بنانے اور نافذ کرنے کا اختیار دیتی ہے۔ یہ مملکت کی قانونی حیثیت اور اس کی سرحدوں کے اندر حکومت کرنے کی صلاحیت کی وضاحت کرتا ہے، جبکہ ارتقاء سے گزر رہا ہے اور ایک دوسرے سے جڑی ہوئی دنیا میں مقابلہ آرائی ہے۔

وحدانی اقتدار اعلیٰ اس بات پر زور دیتی ہے کہ حتمی اتھارٹی ایک واحد، نا قابل تقسیم میں رہتی ہے۔ اکثر مملکت کی مرکزی حکومت، جس کی طاقت پر کوئی قانونی پابندی نہیں ہے۔

تکثیری اقتدار اعلیٰ ایک سیاسی نظام کے اندر اختیارات کے متعدد مراکز کو تسلیم کرتی ہے۔ بشمول علاقائی حکومتیں، بین الاقوامی

تنظیمیں، اور غیر مملکتی اداکار،

اقتداراور فیصلہ سازی کا اشتراک، اقتداراعلیٰ کے روایتی مملکتی مرکوز تصور کو چیلنج کرنا۔

De jure سے مراد ایسی چیز ہے جو قانون کے ذریعہ یا قانونی معنوں میں موجود ہے، جبکہ حقیقی حالات (factoDe) سے مراد وہ چیز ہے جو عملی طور پر یا حقیقت میں موجود ہے، چاہے اس کی قانونی حیثیت کچھ بھی ہو۔jureDe صورتحال؟ سرکاری طور پر تسلیم شدہ اور مجاز ہیں۔

جبکہ حقیقی حالات (de facto) میں رسمی شناخت کی کمی ہو سکتی ہے لیکن وہ مؤثر طریقے سے کام میں ہیں۔قانونی حیثیت اور حقیقی نفاذ یا حالات کے درمیان فرق کو سمجھنے کے لیے ڈی جیور اور ڈی فیکٹو کے درمیان فرق بہت اہم ہے۔

خطاب پر مبنی (Titular) سے مراد وہ عہدہ یا عنوان ہے جو علامتی یا اعزازی اہمیت رکھتا ہے لیکن حقیقی اختیار یا طاقت کا فقدان ہے۔یہ اکثر اہم ذمہ داریوں یا فیصلہ سازی کی صلاحیتوں کے بغیر ایک رسمی کردار کی نشاندہی کرتا ہے۔

سوالات

A) وضاحتی سوالات

1. اقتداراعلیٰ کیا ہے؟
2. اقتداراعلیٰ کے تصور کے ظہور کی وضاحت کریں۔
3. اقتداراعلیٰ کی خصوصیات کی وضاحت کریں۔
4. اقتداراعلیٰ کی خصوصیات کیا ہیں؟
5. اندرونی اور بیرونی اقتداراعلیٰ میں فرق کریں۔
6. مختلف قسم کیا قتداراعلیٰ کے بارے میں بحث کریں۔
7. اقتداراعلیٰ کا وحدانی نظریہ کیا ہے؟
8. اقتداراعلیٰ کا تکثیری نظریہ بیان کریں۔

B) متعدد انتخابی سوالات

1. اقتداراعلیٰ کیا ہے؟

a) دوسری مملکتوں کے ساتھ اتحاد بنانے کی صلاحیت

b) مملکت کا اپنے علاقے اور آبادی پر اعلیٰ اور اقتداراعلیٰ اختیار

c) دوسری قوموں کے خلاف اعلان جنگ کا حق

d) حکومت کا فرض ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو فلاحی پروگرام فراہم کرے۔

2. مندرجہ ذیل میں سے کون سی اقتدار اعلیٰ کی خصوصیت ہے؟

a) تقسیم کی صلاحیت　　b) نا قابل انتقال

c) تبادلہ قابلیت　　d) لامحدودیت

3۔ اقتدار اعلیٰ کے وحدانی نظریہ کے مطابق، اقتدار اعلیٰ اس میں رہتی ہے:

a) اختیارات کے متعدد مراکز　　b) مملکت کے لوگ

c) مملکت کی مرکزی حکومت یا واحد سپریم اتھارٹی　　d) بین الاقوامی تنظیمیں

4۔ تکثیری اقتدار اعلیٰ سے مراد:

a) ایک خطے کے اندر متعدد اقتدار اعلیٰ مملکتوں کا وجود

b) کسی ایک لیڈر میں طاقت کا ارتکاز

c) سیاسی نظام کے اندر مختلف اداکاروں اور اداروں کے درمیان طاقت کا اشتراک

d) کسی ایک مملکت کا دوسروں پر غلبہ

5۔ اقتدار اعلیٰ میں "نا قابل تقسیم" کے تصور کا مطلب ہے:

a) اقتدار اعلیٰ کسی دوسری مملکت کو منتقل نہیں کی جا سکتی

b) اقتدار اعلیٰ کو مملکت کے اندر مختلف علاقوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

c) مملکت پڑوسی ممالک کے ساتھ اپنی اقتدار اعلیٰ کا اشتراک کر سکتی ہے۔

d) اقتدار اعلیٰ کو آزادانہ طور پر حکومت کی مختلف سطحوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

6۔ اقتدار اعلیٰ میں "خصوصیت" سے مراد:

a) فوجی کارروائیوں میں حصہ لینے کا مملکت کا خصوصی حق

b) تمام قانونی معاملات پر مملکت کی عدالتوں کا خصوصی دائرہ اختیار

c) ایک ہی علاقے میں متعدد اقتدار اعلیٰ اداروں کی موجودگی

d) کسی بھی وقت مقررہ علاقے کے اندر صرف ایک اعلیٰ اتھارٹی موجود ہے۔

7۔ اقتدار اعلیٰ کا کون سا نظریہ بتاتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ قانونی طور پر اپنے قوانین کا پابند نہیں ہو سکتا؟

a) وحدانیا قتدار اعلیٰ　　b) تکثیری اقتدار اعلیٰ

c) مملکت کی مرکزیا قتدار اعلیٰ　　d) قدرتی قانون کی اقتدار اعلیٰ

8۔ درج ذیل میں سے کون سی تکثیری اقتدار اعلیٰ کی مثال ہے؟

a) ایک وفاقی نظام جہاں طاقت مرکزی حکومت اور علاقائی حکومتوں کے درمیان تقسیم ہوتی ہے۔

b) ایک مطلق العنان حکومت جہاں تمام طاقت ایک ہی حکمران کے ہاتھ میں مرکوز ہو۔

c) ایک وحدانی مملکت جہاں مرکزی حکومت مکمل اختیار استعمال کرتی ہے۔

d) ایک بادشاہت جہاں بادشاہ کے پاس لامحدود اختیارات ہوتے ہیں۔

9۔ اقتدار اعلیٰ کے تکثیری نظریہ کے مطابق، سیاسی نظام میں کون یا کیا اہم اختیار رکھتا ہے؟

a) صرف مملکت کی مرکزی حکومت

b) غیر مملکتی اداکار، جیسے کارپوریشنز اور این جی اوز

c) بین الاقوامی تنظیمیں

d) علاقائی حکومتیں، لیکن مقامی حکومتیں نہیں۔

10۔ اقتدار اعلیٰ کا مطلب ہے:

a) بین الاقوامی قانون کی پابندی کرنا مملکت کی ذمہ داری ہے۔

b) ایک مملکت کا دوسری مملکت کے علاقے کو الحاق کرنے کا اختیار

c) کسی مملکت کی دوسری مملکت کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کی صلاحیت

d) مملکت کو اپنی حدود کے اندر آزادانہ طور پر حکومت کرنے کا حق

11۔ دنیا کی 'اقتدار اعلیٰ' اس کی ابتداء superanus سے ہوئی ہے جس کا تعلق زبان سے ہے:

a) یونانی b) لاطینی

c) انگریزی d) فرانسیسی

12- قدیم ماضی کس نے محسوس کیا کہ اقتدار اعلیٰ 'مملکت کی مکملیت' تھی؟

a) رومی b) یونانی

c) مسلمان d) عرب

13۔ کون یقین کرتا تھا کہ اقتدار اعلیٰ مملکت میں رہنے والے تمام افراد اور انجمنوں تک پھیلی ہوئی ہے؟

a) سینٹ آگسٹین b) ارسطو

c) بوڈین d) روسو

14۔ مندرجہ ذیل میں سے کس نے سیاسی اقتدار اعلیٰ کے خلاف بغاوت کرنے کے حق کی دلیل دی؟

a) افلاطون b) ارسطو c) ہوبز d) لاک

15۔ کون مانتا تھا کہ اقتدار اعلیٰ 'عمومی مرضی' میں موجود ہے؟

a) ہوبز b) لاک c) گروٹیئس d) روسو

متعدد انتخابی سوالات کے جوابات:

1۔ b) مملکت کا اپنے علاقے اور آبادی پر اعلیٰ اور اقتدار اعلیٰ اختیار

2۔ b) غیر جانبداری

3۔ c) مملکت کی مرکزی حکومت یا واحد سپریم اتھارٹی

4۔ c) سیاسی نظام کے اندر مختلف اداکاروں اور اداروں کے درمیان طاقت کا اشتراک

5۔ a) اقتدار اعلیٰ کسی دوسری مملکت کو منتقل نہیں کی جا سکتی

6۔ d) کسی بھی وقت مقررہ علاقے کے اندر صرف ایک اعلیٰ اتھارٹی موجود ہے۔

7۔ a) وحدانیا قتدار اعلیٰ

8۔ a) ایک وفاقی نظام جہاں طاقت مرکزی حکومت اور علاقائی حکومتوں کے درمیان تقسیم ہوتی ہے۔

9۔ b) غیر مملکتی اداکار، جیسے کارپوریشنز اور این جی اوز

10۔ d) مملکت کا حق ہے کہ وہ اپنی حدود میں آزادانہ طور پر حکومت کرے۔

11۔ b)۔لاطینی

12۔ a)۔رومیوں

13۔ c)۔بوڈین

14۔ d)۔لاک

15۔ d) روسو

4

4۔ سیاسی نظریات
POLITICAL IDEAS

مقاصد Objectives

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد، آپ کو ہونا چاہیے:

☆ پورے سیاسی نظریات کی شناخت کریں۔

☆ قانون، آزادی، مساوات اور انصاف کی نوعیت، معنی، تعریفیں بیان کریں۔

☆ ان تصورات اور سیاسی تصورات کے درمیان تعلقات کی اہمیت کا اندازہ لگائیں۔

تعارف Introduction

مملکت کا سیاسی نظریہ کچھ اہم سیاسی تصورات کے گرد گھومتا ہے جیسے طاقت، خودمختاری، قانون، آزادی، مساوات اور انصاف۔ ان تصورات کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ ہم قانون، آزادی، مساوات اور انصاف کے بارے میں بحث کر رہے ہیں۔

قانون Law

جدید سیاسی نظام میں قوانین کی بہت اہمیت ہے۔ ایک مملکت قانون بنا کر اور ان پر عمل درآمد کر کے اپنی اقتدار اعلیٰ کا اظہار کر سکتی ہے۔ قانون مملکت کی ایک خاص خصوصیت ہے۔ مملکت صرف قوانین کے ذریعے انجمنوں وافراد، افراد وانجمنوں کے درمیان تعلقات کو منظّم کرتی ہے۔ ایک مملکت اپنا مقصد حاصل کر سکتی ہے اور قوانین کے ذریعے اپنی پالیسیوں کو فروغ دے سکتی ہے۔

قانون فیصلہ کرتا ہے کہ مملکت کے لوگوں کو کیا کرنا ہے یا نہیں کرنا ہے۔ سیاسیات اور فقہ میں اصطلاح قانون کے وسیع معنی ہیں۔

معنی اور تعریف Meaning and Definition

انگریزی لفظ 'Law' قدیم ٹیوٹونک لفظ 'Lag' سے نکلا ہے۔ وقفہ (Lag) کا مطلب ہے طے شدہ۔ لہٰذا قانون وہ ہے جو مستقل ہے۔ مجموعی طور پر، کوئی بھی قانونی طور پر پابند اتھارٹی کے ذریعہ وضع کردہ اور نافذ کردہ تمام مستقل قواعد وضوابط کو بطور قانون سمجھ سکتا ہے۔

سیاسی سائنس دانوں نے قانون کی کئی طریقوں سے تعریف کی۔ذیل میں دی گئی کچھ تعریفیں تفصیل سے بیان کی جاسکتی ہیں۔

T.E.Holand: "قانون اقتدار اعلیٰ یا سیاسی اتھارٹی کے ذریعہ نافذ کردہ بیرونی کارروائی کا ایک عمومی اصول ہے"۔

جان آسٹن (AustinJohn): "قانون خود مختار کا حکم ہے"۔

T.H.Green: "قانون حقوق اور ذمہ داریوں کا نظام ہے جسے مملکت نافذ کرتی ہے"۔

جان سالمنڈ (SalmondJohn): "قانون قوانین کا ایک مجموعہ ہے جسے مملکت تسلیم کرتی ہے اور ان کا اطلاق انصاف کی انتظامیہ

قانون کے مطابق کرتی ہے۔"

قانون کی خصوصیات Characteristics of Law

مذکورہ بالا تعریفوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے درج ذیل خصوصیات کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔

1۔ قوانین مملکت کی مرضی اور مقاصد کی وضاحت کرتے ہیں۔

2۔ مملکت کو قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے لوگوں کو سزا دینے کا حق حاصل ہے۔

3۔ قوانین انسان کے صرف بیرونی رویے کو کنٹرول کرتے ہیں۔ وہ فطری خیالات اور رویے پر قابو نہیں رکھ سکتے۔

4۔ قوانین سب پر یکساں لاگو ہوتے ہیں۔مملکت عام طور پر قوانین کے نفاذ میں لوگوں کے درمیان امتیاز نہیں کرسکتی۔

5۔ قوانین عام طور پر درست اور واضح ہوتے ہیں۔

6۔ مملکت اپنی خود مختار طاقت کے ذریعے قوانین کا نفاذ کرتی ہے۔

7۔ قوانین سماجی بہبود کے لیے ہتھیار ہیں۔

8۔ بدلتی ہوئی سماجی ضروریات کے ساتھ قوانین بدلتے رہتے ہیں۔

قانون کے ذرائع Sources of Law

قوانین کبھی بھی فوری طور پر اپنی شکل نہیں لیتے۔وہ بہت سی تبدیلیوں کے ساتھ مختلف مراحل میں ترقی کی ہے۔قوانین کی تشکیل کا عمل تاریخی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی عوامل سے متاثر ہوتا ہے۔عام طور پر وہ قانون کے ذرائع کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے. سیاسیات کے ماہرین نے درج ذیل کو قانون کے ماخذ کے طور پر تسلیم کیا ہے۔

A۔ **ایک رسم و رواج، رواج اور روایات:** رسم و رواج، رواج اور روایات قانون کے اہم ذرائع میں سے ایک ہیں۔ابتدائی معاشروں میں تحریری شکل میں کوئی قانون موجود نہیں تھا۔تمام مسائل اور اختلافات کو عملی طور پر سماجی روایات کے مطابق حل کیا گیا۔ روایات معاشرتی زندگی کو منظم کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔انہوں نے سماجی زندگی کو صحیح راستے پر رکھنے میں بھی مدد کی۔ہم روایات کے آغاز کی وضاحت نہیں کرسکتے۔ایک نسل کے طرز عمل جب اس کے بعد آنے والی نسلیں روایات کو جنم دیتی ہیں۔طرز زندگی کے مطابق کچھ طرز عمل رواج بن گئے۔اس طرح عام طور پر عادات، اکثریت کی قبولیت، انصاف کی خواہش اور استعمال نے مختلف

روایات کوجنم دیا۔ سیاسی معنوں میں روایات قانون نہیں ہوسکتیں۔لیکن، جب خود مختار طاقت بعض روایات کوتسلیم کرتی ہے اوران پرعمل درآمد کرتی ہے، تو وہ بدلے میں قانون بن جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر، شادی، طلاق، جائیداد کی تقسیم سے متعلق جوقوانین ہندوستان میں پائے جاتے ہیں، وہ سبھی روایات پرمبنی ہیں جوایک طویل عرصے سے رائج ہیں۔

B۔ مذہب: مذہب موجودہ قوانین کے اہم ذرائع میں سے ایک ہے۔ قانون اور مذہب کے درمیان تعلق کچھ مثالوں میں واضح ہے جیسے ہندو قانون، مسلم قانون اور رومن قانون جس نے وراثت، شادی، خاندان، جائیداد سے متعلق کچھ قوانین کی بنیاد رکھی۔ موجودہ اسلامی ممالک جیسے ایران، پاکستان اور دیگر ممالک میں مذہبی رسومات وضوابط سماجی زندگی میں قوانین کا بڑا ذریعہ بن گئے ہیں۔

C۔ عدالتوں کا فیصلہ: عدالتوں میں سنائے جانے والے فیصلے قانون کا حصہ بن گئے۔ججس قوانین کی تشریح مختلف مقدمات میں لاگو کرنے کے تناظر میں کرتے ہیں۔ اس طرح وہ قوانین میں جان بوجھ کر یا انجانے میں کچھ تبدیلیاں متعارف کرواتے ہیں۔ عدالتوں کے ایسے فیصلے قانونی نظام کا حصہ اور پارسل بن جاتے ہیں۔

D۔ سائنسی تفسیر: فقہاء، مصنفین اور نقادوں کی بعض تبصرے قانون کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ یہ تفسیریں قوانین کو عملی طور پر بہتر کرتی ہیں۔ عام طور پر فقہاء ماضی کے رواج، فیصلوں، عدالتی فیصلوں اور قانون کی تفسیروں کی بنیاد پر معلومات اکٹھی کرتے ہیں اور اپنے فیصلے سناتے ہیں۔ عدلیہ کا فرض ہے کہ وہ قوانین پر تبصرہ کرے۔ ایسےتبصرے اور وضاحتیں مملکت اور عوام دونوں کی مدد کرتی ہیں۔

E۔ مقنّنہ (Legislatures):: جدید دور میں، مقنّنہ قوانین بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ جمہوری ممالک میں، قوانین عوامی مرضی کے عکاس ہوتے ہیں۔ عوامی خواہش کا اظہار مقنّنہ جیسے نمائندہ اداروں کے ذریعے ہوتا ہے۔ مقنّنہ کے وضع کردہ قوانین روایات اور رسم ورواج کی جگہ پرقابض ہیں۔

F۔ قانون اور اخلاقیات: قانون اور اخلاقیات میں گہرا تعلق ہے۔ قدیم دور میں قانون اور اخلاقیات میں کوئی فرق نہیں تھا۔ حکمرانوں نے اخلاقیات کا مشاہدہ کیا۔ بادشاہ سب کے لیے مثالی تھا۔ یونانی فلسفی افلاطون نے قانون اور اخلاقیات کے قریبی تعلق پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ایک مثالی مملکت فرد کی اخلاقیات کو بہتر بناتی ہے/ ارسطو نے کہا کہ مملکت زندگی میں خوشی کے فروغ کے لیے وجود میں آئی ہے۔ مملکت کے مستقل ہونے کے بعد، جدیدیت اور سیکولرازم کے پھیلاؤ نے قانون اور اخلاقیات میں فرق پیدا کیا۔

قانون کا تعلق سیاسیات سے ہے۔ اخلاقیات کا تعلق اخلاقیات کے اصول سے ہے۔ حکومت قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کوسزا دیتی ہے معاشرہ اخلاقیات کی خلاف ورزی کرنے والوں کوشاذ و نادر ہی معاف کرتا ہے۔ قانون کی ایک مخصوص شکل ہے۔ قوانین بنانے، تبصرہ کرنے اوران پرعمل درآمد کے لیے مختلف ادارے ہیں۔لیکن اخلاقیات کے ایسے ادارے نہیں ہیں۔ اخلاقیات کی کوئی خاص شکل نہیں ہے۔ اخلاق کیا ہے اور اخلاق کیا نہیں جیسے سوالات کے مختلف جوابات ہیں۔ خطوں اور زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ اخلاقیات کے اصول مختلف ہوتے ہیں۔

آزادی Liberty

یہ کہنا مبالغہ آرائی نہیں کہ تمام جدید تاریخ آزادی کی جدو جہد ہے۔ تاریخ میں کئی ایسے واقعات درج ہیں جب بہت سے لوگوں نےحریت اور آزادی کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ آزادی ایک انمول تصور ہے۔ تحمل کی غیر موجودگی جیسا کہ کچھ لوگ سوچتے ہیں

آزادی مکمل نہیں ہے۔ کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ آزادی چیزیں کر رہی ہے۔کسی کا اپنا طریقہ جیسا کہ کوئی اسے پسند کرتا ہے۔ کچھ علماء ہیں جو استدلال کرتے ہیں کہ بغیر کسی اعتراض اور رکاوٹ کے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنے والی آزادی انفرادی ہے۔

معنی Meaning

انگریزی کا لفظ liberty لاطینی لفظ 'Liber' سے نکلا ہے جس کا مطلب آزاد ہے۔ بغیر کسی حد کے کوئی آزادی نہیں ہوگی۔ عام اصول وضوابط کے بغیر لوگ معاشرے میں گھل مل نہیں سکتے۔ اگر کوئی فرد دوسروں کے مفادات کو نظر انداز کر کے اپنے طریقے سے برتاؤ کرے تو معاشرہ تشدد کا گڑھ بن جائے گا اور ایسے معاشرے میں امن نہیں ہوگا۔ تاریخ کے تجربات معاشرتی زندگی کے کچھ واقعات کو ظاہر کرتے ہیں جہاں تنازعات اور احتجاج سب سے نچلی سطح پر ہوتے ہیں۔ آزادی کا مطلب ہے دوسروں کے لیے بے ضرر رویہ۔ اس کا مطلب ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کو ضروری پابندیوں پر عمل کرنا چاہیے تاکہ ہر ایک کو کافی آزادی مل سکے۔ کسی کو سماجی اصول پر عمل کرنا چاہیے "دوسروں کے ساتھ ویسا ہی کرو جیسا آپ چاہتے ہیں کہ دوسرے آپ کے ساتھ کریں" اجتماعی فلاح کو فروغ دینے کے لیے معاشرے کے افراد کے درمیان باہمی احترام اور افہام وتفہیم ضروری ہے۔

تعریف

بہت سے سیاسی سائنس دانوں نے آزادی کی تعریف کئی طریقوں سے کی۔ ان میں سے چند تعریفیں تفصیل سے بیان کی جاسکتی ہیں۔

G.D.H.Cole: آزادی فرد کی شخصیت کو بیرونی رکاوٹ کے بغیر اظہار کرنے کی آزادی ہے۔"

T.H.Green: " آزادی طاقت کی ایک شکل ہے جو ایسی سرگرمیوں کو فروغ دیتی ہے جسے انجام دیا جا سکتا ہے۔ یا مزہ حاصلی ہوتا ہے۔"

Seeley:" آزادی حکومت کی طاقت کے برعکس ہے۔

H.J.Laski:" آزادی اس ماحول کی بے چین دیکھ بھال ہے جس میں مردوں کو اپنی بہترین کارکردگی کا موقع ملتا ہے"

Barker:" آزادی میں مملکت کی طرف سے رکھی گئی شرائط کا ایک گروپ ہے جو کسی فرد پر غور کرنے کے لیے اس کی صلاحیتوں کو حقوق سے لطف اندوز کرنے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔"

آزادی کی اقسام:

مختلف آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے آزادی کو چھ اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ قدرتی آزادی   2۔ شہری آزادی

3۔ سیاسی آزادی   4۔ اقتصادی آزادی

5۔ قومی آزادی

A۔ فطری آزادی: فطری آزادی وہ آزادی ہے بغیر کسی سیاسی نظام کے جس کا لطف ایسے معاشرے میں مردوں کو حاصل ہوتا ہے۔ ہوبس، لاک اور روسو کا خیال تھا کہ فطری آزادی وہ ہے جس سے انسان فطرت کی حالت میں لطف اندوز ہوتے ہیں، سماجی اور سیاسی نظام کے ارتقاء کے ساتھ، قدرتی آزادی کی چھٹی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا متبادل شہری آزادی ہے۔

B۔ شہری آزادی: وہ آزادی جو کسی معاشرے میں حاصل ہوتی ہے اسے شہری آزادی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آزادی تمام شہریوں کے لیے قانون کے ذریعے منظور کردہ حقوق کا گروپ ہے۔ گیٹل کے مطابق شہری آزادی مملکت کی طرف سے تسلیم شدہ اور نافذ کردہ حقوق کا گروپ ہے۔ جب بھی کسی فرد یا انجمن کی طرف سے شہری آزادی کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے تو مملکت ہمیشہ اپنی ایجنسیوں کے ذریعے تحفظ فراہم کرتی ہے۔ مملکت سماجی بہبود اور قوم کے مفادات کے لیے شہری آزادی کی کچھ حدود بھی طے کرتی ہے۔ شہری آزادی ہمیشہ کچھ تبدیلیوں سے گزرتی ہے، کیونکہ انسان اور معاشرہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔

C۔ سیاسی آزادی: لیکاک کے مطابق سیاسی آزادی شہریوں کی آئینی آزادی ہے۔ گلکرسٹ کا خیال تھا کہ سیاسی آزادی عملی طور پر جمہوری ہے۔ جمہوریت عوام کو نہ صرف سیاسی آزادی فراہم کرتی ہے بلکہ حکومتی سرگرمیوں میں بھی حصہ ڈالتی ہے۔ بارکر نے کہا کہ سیاسی آزادی حکومت بنانا اور کنٹرول کرنا ہے۔ سیاسی آزادی میں بہت سے سیاسی حقوق ہیں۔ ان میں ووٹ کا حق بھی شامل ہے۔ انتخابات میں حصہ لینے کا حق، عوامی عہدوں پر فائز رہنے کا حق، حکومت پر تنقید کا حق اور عرضی کا حق وغیرہ۔ یہ تمام حقوق جمہوریت کی بقا اور کامیابی کے لیے ضروری ہیں۔

D۔ اقتصادی آزادی: اس کا مطلب ہے روزمرہ کی روٹی کمانے کی آزادی۔ آسان الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر فرد کو اس کی ذات، رنگ و نسل سے قطع نظر، اپنی روزی روٹی منصفانہ طریقے سے کمانے کی آزادی ہونی چاہیے۔ معاشی آزادی سلامتی اور روزمرہ کی روٹی کمانے کے مواقع کو فروغ دیتی ہے۔ معاشی آزادی میں مملکت کو چاہیے کہ وہ لوگوں کی ضروریات کو پورا کرے اور انہیں عدم تحفظ سے بچائے۔ ثقافتی آزادی: ثقافتی آزادی وہ آزادی ہے جس میں ایک فرد اپنے مذہب، رسم و رواج اور روایات پر یقین رکھتے ہوئے دوسروں کے ساتھ رہنا چاہتا ہے اور دوسری روایات کے لوگوں سے کسی پریشانی کے بغیر رہنا چاہتا ہے۔ ثقافتی آزادی فرد کی عزت نفس کو بڑھاتی ہے۔ کسی بھی دوسری آزادی سے بڑھ کر یہ کسی فرد کے مکمل اور کامل ارتقاء ￼ میں بہت زیادہ حصہ ڈالتی ہے۔

D۔ قومی آزادی: آزادی ایک قوم کے لیے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ ایک فرد کے لیے مجموعی ترقی کے لیے۔ قومی آزادی وہ ہے جو معاشرے کو اقتدار اعلیٰ طاقت کے ساتھ خودمختار بننے میں مدد دیتی ہے۔ اجنبی حکمرانی میں کوئی بھی شخص کسی قسم کی آزادی نہیں رکھ سکتا۔ لٰہذا صرف سیاسی آزادی کے حامل افراد کو آزادی سے لطف اندوز ہونے اور ملک کی ترقی کے لیے اپنا حصہ ادا کرنیکا موقع مل سکتا ہے۔ تمام جدید جمہوری مملکتیں شہریوں کو مندرجہ بالا تمام قسم کی آزادیوں کی اجازت دیتی ہیں اور ان سے لطف اندوز ہونے کی سہولیات فراہم کرتی ہیں۔

آزادی کے تحفظات Safeguards to Liberty

آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی لوگوں کو اس سے بچاؤ کے لیے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیے۔ سماج دشمن عناصر کا حملہ۔ جیسا کہ

آزادی کو کچھ سماجی اور آئینی تحفظ کی ضرورت ہے۔

گارڈز جیسا کہ ذیل میں ذکر کیا گیا ہے:

1۔ جمہوری نظام

2۔ قانون کی حکمرانی

3۔ طاقت کی وکندریقرت

4۔ آزاد عدلیہ

5۔ تحریری آئین

6۔ بنیادی حقوق

7۔ آزادی صحافت

8۔ اقتصادی اور سماجی مساوات

9۔ سیاسی جماعتیں

10۔ لوگوں کی چوکسی

قانون اور آزادی

سیاسیات کے نظریہ میں قانون اور آزادی کے درمیان تعلق کی نوعیت کے بارے میں مختلف بحثیں ہیں...... چاہے وہ باہمی تکمیلی ہوں یا مخالف۔ یہ آراء بنا کر دی طور پر دو قسم کی ہیں؛

1۔ آزادی کی بقا کیلئے قانون ضروری ہے 2۔ قانون آزادی کو محدود کرتا ہے قانون اور آزادی کے درمیان تعلق پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ ڈائیسی لکھتے ہیں و:

"جہاں کہیں ان دونوں میں سے ایک زیادہ ہو گا، دوسرا کم ہو گا"۔ اس کا مطلب ہے کہ جہاں آزادی زیادہ ہو وہاں قانون کی اہمیت نہیں ہو گا ور جہاں قانون کا غلبہ ہو وہاں آزادی زندہ نہیں رہ سکتی۔

انفرادیت پسند، انارکسٹ، سنڈیکلزم اور تکثیریت پسند وں نے محسوس کیا کہ قانون آزادی کا مخالف ہے۔

لیکن اس دشمنی کا اندازہ لگانے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ مملکت کی اقتدار اعلیٰ انفرادی آزادیوں نا میں رکاوٹ ہے۔ وہ مملکت کو ضروری برائی سمجھتے ہیں۔ وہ مجھے ہیں کہ پولیس کے فرائض تفویض کرتے ہیں نہ کہ کسی مملکت کو فلاحی کام۔

ہیگل اور گرین جیسے آئیڈ فیلسٹ اور کمیونسٹ لیڈر یہ بتاتے ہیں کہ قانون اور اطاعت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اگر کوئی فرد رضا کارانہ طور پر اپنی شناخت مملکت سے کرتا ہے اور کبھی بھی اپنے آپ کو مملکت سے الگ کرنے کی کوشش نہیں کرتا ہے تو اسے حقیقی آزادی حاصل ہو سکتی ہے۔

انکی رائے میں مملکت آئیڈیا کا ٹوٹنا مہیچ ہے جس میں عوام اس کا حصہ ہیں۔ لیکن یہ نظریہ درست نہیں ہے۔ یہ خیال آمریت کی نظریہ کی طرف جاتا ہے۔

لامحدود آزادی کی موجودگی جیسے، بہت سے لوگ غلام کا شکار ہیں جبکہ کچھ کو بغیر کسی حد کے اقتدار ملتا ہے۔

اگر مملکت آزادی کو معقول حدود میں رکھتی ہے تو یہ سب کیلئے قابل رسائی ہے۔

قانون آزادی کا ضابطہ ہے۔ حکومت قانون کے ذریعے فرد کی آزادی کا تحفظ کرتی ہے۔

انفرادیقانونکوحقیقیآزادیدیناہایسکیمالکیلیاموزوں ماحولپدتاکرتاہے۔ لازماآبتدا ئیتعلیمسیمتعلقعقانوناسکیسکیایکمثالہے۔

اسقانونسیآزادیمیں اضافہوتا ہیلیکنکبھیپابندینہیں ہوتی،لیکنیہسوچنادرستنہیں کہحکومتکیپنائیہوئیتمامقوانینادچھیہں ا۔

قانونکیخوبامس اورخامااں معاشرتحاسلاتپرمنحصرہس ب۔

افسرانکیذاتیمفاداتاا کسیمخصو صطبقیکیخواہشاتکوفروغدینیکیلیکاختانراتکاغلطاستعمالنہیں ہوناچاہےء۔

وہقانونجورائیعامہکااحترامکرتاہیاورعوامیقبولیتکویقینیبناتاہیوہدکرسکتےہے۔

جمہوریتکینظاممیں قانوناورآزادیکیدرمابنتوازنہوگا۔ لوگوں کوحقیقیآزادیاورآزادیقانونکیذریعہیملتیہے۔

مساوات

معنی اور تعریف

عام طور پر، مساوات کا مطلب سماجی معاشی اور سیاسی سرگرمی

سرا گرموتں پرتمام لوگوں کو مساویمواقعفراہمکرناہے،نسل، مذہب، ذات پات، جنس، برادری، زبان اور علاقہکیتفریقکیبغیرو۔

49

1۔ ہر فرد کو اپنی ذہانتوں، قابلیتوں اور صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے معاشرے میں بغیر کسی رکاوٹ کے ترقی کرنی چاہیے۔

2۔ قوانین کی تشکیل اور حکومت چلانے میں افراد کے درمیان امتیاز نہ برتا جائے۔

3۔ تمام افراد کو قوانین کے ذریعے فراہم کردہ حقوق سے یکساں طور پر لطف اندوز ہونا چاہیے۔

مساوات کی اقدار کو پوری دنیا میں پہچانا جاتا ہے۔ مملکتہائے متحدہ امریکہ کی آزادی کے اعلان میں کہا گیا تھا کہ تمام انسان تخلیق میں برابر ہیں۔ اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے اعلان کے مطابق تمام مرد اپنی پیدائش سے ہی آزاد ہیں۔ حقوق کے معاملے میں وہ زندگی بھر آزادی اور مساوات سے لطف اندوز ہونے کے حقدار ہیں۔

لاسکی: "مساوات کا مطلب سب سے پہلے خصوصی استحقاق کی عدم موجودگی ہے۔ دوسری جگہ، اس کا مطلب ہے کہ مناسب مواقع سب کے لیے کھلے ہیں۔ اگر پیدائش، مذہب، ذات، زبان، علاقہ اور جائیداد جیسے عوامل کی بنیاد پر خصوصی مراعات دی جائیں تو معاشرے میں مساوات نہیں ہو سکتی۔ جدید معاشرے میں مساوات کے تصور نے انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں۔ قدیم معاشروں کے لوگوں کا خیال تھا کہ عدم مساوات فطری ہے۔ جدید مملکت کے اقداری نظام کی توسیع کے نتیجے میں مساوات کے تصور اور اقدار کی اہمیت بڑھتی گئی۔ تکنیکی علم نے نظریات کو تباہ کر دیا۔ جیسے- عدم مساوات فطری ہے؟ اور یہ خدا کی تخلیق ہے۔ معاشرے میں مساوات ممکن ہیاگر لوگوں کے چند یا مخصوص طبقے کو مراعا تاور خصوصی حقوق نہ ہوں۔ آزادی اور ساوا تمجموعی طور پر عوام کی ترقی، فلاح و بہبود کے لیے مددگار ہیں۔ مساوات کے نظریہ کے مطابق، سبقانون کے سامنے برابر ہیں۔ سیاسی، معاشی اور سماجی سرگرمیوں میں تمام لوگوں کو قدرتی فرق پر غور کیے بغیر مساوی مواقع فراہم کرنا جدید مملکت کا بنیادی کام ہے۔

مساوات کی اقسام

لارڈ برائس نے مساوات کو چار اقسام میں تقسیم کیا۔

1۔ شہری مساوات

2۔ سیاسی مساوات

3۔ سماجی مساوات

4۔ قدرتی مساوات

A۔ شہری مساوات: شہری مساوات کا مطلب ہے: تمام لوگوں کو یکساں اور یکساں حق ریت کی آزادی فراہم کرنا؛ (i) ذات، مذہب، علاقے، گروہ اور نسل کے فرق کی وجہ سے کسی کو خصوصی حقوق فراہم نہ کرنا؛ (ii) اس بات پر غور کرنا کہ تمام لوگ قانون کے سامنے برابر ہیں۔

B۔ سیاسی مساوات: سیاسی مساوات کا مطلب ہے کہ تمام شہریوں کو یکساں سیاسی حقوق حاصل ہیں۔ سیاسی مساوات اس وقت موجود ہوتی ہے جب تمام لوگوں کو حکومت چلانے میں حصہ لینے کے یکساں مواقع فراہم کیے جائیں۔ حکمرانی کا حق کسی فرد یا طبقے تک محدود نہیں ہونا چاہیے۔ بالغ رائے دہی سیاسی مساوات کا بنیادی ذریعہ ہے۔ سیاسی مساوات، معاشی اور سماجی مساوات کی عدم موجودگی میں حاصل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ ان دونوں پر منحصر ہے۔

C۔ سماجی مساوات: ذات پات، نسل، مذہب، جنس اور برادری کی تفریق کے بغیر معاشرے میں تمام شہریوں کو مساوی حیثیت کی فراہمی کو سماجی مساوات کہا جا سکتا ہے۔ انفرادی طور پر تمام شہریوں کی ترقی کے لیے کوئی سماجی ممنوع نہیں ہونا چاہیے۔ سماجی مساوات صرف قوانین کے ذریعے حاصل نہیں کی جا سکتی،

D۔ فطری مساوات: مردوں کو انسانوں کے درمیان بنیادی فرق قدرتی طور پر پیدا نہیں کیا گیا ہے.. جیسا کہ G.D.H. کول نے کہا: "افراد کے درمیان جسمانی طاقت، توانائی، قابلیت، ذہانت، تخلیقی صلاحیت اور خدمت کے نعرے جیسے حقائق میں بنیادی اختلافات ہیں۔" عوام قدرتی طور پر پیدا ہونے والے تمام اختلافات کو برداشت کر سکتے ہیں۔ لیکن وہ انسانوں کے بنائے ہوئے مصنوعی اختلافات کو برداشت نہیں کر سکتے۔ حکومت کو یہ دیکھنا چاہیے کہ تمام لوگوں میں سماجی، معاشی، سیاسی اور تہذیبی مساوات ہونی چاہیے۔

E اقتصادی مساوات: اقتصادی مساوات زیادہ اہم ہے۔ برائس کی رائے میں، معاشی مساوات کا مطلب ہے دولت کی تقسیم میں فرق کو دور کرنا اور کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں کی رائے میں تمام مردوں اور عورتوں کو مساوی طور پر چیزیں فراہم کرنے کی کوشش، اقتصادی مساوات دیگر اقسام سے زیادہ اہم ہے۔ لیکن سب کو زندگی کی بنیادی ضروریات جیسے خوراک، لباس اور رہائش کے حصول کے یکساں مواقع ملنے چاہئیں۔

آزادی اور مساوات کے درمیان تعلق

آزادی اور مساوات کی اقدار نے جدید مملکت کے قیام میں بہت اہمیت حاصل کی۔ آزادی اور مساوات کے درمیان گہرا تعلق

ہے۔لارڈ یکٹ آن نے محسوس کیا کہ اگر افراد اور مملکت کی طرف سے مساوات کو زیادہ اہمیت دی جائے تو آزادی کی اپنی بنیاد کھونے کی ہر گنجائش موجود ہے۔ان کے الفاظ میں، "مساوات کا جذبہ آزادی کی امید کو بیکار بنا دیتا ہے۔ وہ افراد جو زیادہ سے زیادہ آزادی کا مقصد رکھتے ہیں عوامی معاملات میں حکومت کی مداخلت پسند نہیں کرتے۔اس نے سنگین نتائج کے ساتھ FaireLaissez کے نظریہ کو جنم دیا۔ آزادی کے حامی عدم مساوات کی وجہ بن جاتی ہے۔

دوسری طرف کمیونسٹوں کا کہنا ہے کہ مساوات کے بغیر آزادی بے معنی ہے۔ مساوات کے حصول کے بعد ہی آزادی کا سوچنا پڑتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے محسوس کیا کہ آزادی اور مساوات باہمی طور پر تکمیلی ہیں۔ایک کامل معاشرے کے حصول کے لیے آزادی اور مساوات دونوں یکساں ضروری ہیں۔آزادی اور مساوات دونوں کو وسیع دائرہ کار میں دیکھا جانا چاہیے۔ دونوں میں سے کسی کو قربان کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔حکومت کو آزادی اور مساوات کے ساتھ معاشرہ بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔آزادی اور مساوات کے بغیر مملکتیں انارکی اور آمریت کی علامت بن جاتی ہیں۔ جب مملکت تمام لوگوں کو قانون کے سامنے مساوی سمجھتی ہے تو آزادی کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔سیاسی آزادی کے ذریعے، کسی کو اہلیت کی بنیاد پر اظہار رائے کا حق، ووٹ کا حق اور عوامی دفاتر کا حق مل سکتا ہے۔ لوگوں کے لیے سیاسی مساوات سے لطف اندوز ہونے اور سماجی اور اقتصادی مساوات کے لیے کام کرنے کے لیے آزادی ضروری ہے۔

آزادی کے بغیر مساوات حاصل نہیں ہو سکتی اور آزادی برابری کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔? کوئی بھی مملکت جہاں عوام سیاسی سماجی اور ماحولیات میں آزادی اور مساوات حاصل کر سکتے ہیں۔شعبے تمام پہلوؤں میں ترقی کر سکتے ہیں۔

انصاف Justice

سیاسی نظریہ میں انصاف ایک اہم تصور ہے۔ سیاسی نظریہ دانوسیع اور تنگ دونوں لحاظ سے انصاف کا تصور کا استعمال کرتے ہیں۔ آزادی، حریت، مساوات اور بھائی چارے? انصاف کے تصور میں شامل ہے تمام شعبوں میں انصاف کی فراہمی ہر سیاسی نظام کا بنیادی ہدف ہے۔عوام کو انصاف اور تحفظفراہم کرنا سب کا بنیادی مقصد ہے۔ بادشاہت سے لے کر عصری جمہوریت تک کے نظام۔ لیکن انصاف کی بنیادی خصوصیات مملکت کی نوعیت اور کردار پر منحصر ہوں گی۔ کمیونسٹ اور جمہوری مما لک میں انصاف کا فرق ہوتا ہے، بہر حال سیاسی، سماجی اور معاشی انصاف جدید معاشرے اور سیاسی سرگرمیوں کی بنیاد ہے۔

معنی اور تعریف Meaning and Definition

انگریزی لفظ 'Justice' لاطینی لفظ 'Justitia' سے نکلا ہے۔اس کا مطلب ہے متحد ہونا یا ایک دوسرے کے ساتھ باندھنا، معاشرے کے مختلف طبقات ایک نظام میں بندھے ہوئے ہیں۔انصاف کا تصور بہت سی تبدیلیوں سے گزر چکا تھا۔سیاسیات میں، کچھ دوسرے تصورات کی طرح، لفظ انصاف کی کوئی درست تعریف نہیں ہے۔ سیاسی سائنس دانوں نے انصاف کی مختلف طریقوں سے تشریح کی۔ ہر معاشرہ پرامن بقا کے لیے کچھ اصولوں پر عمل کرے گا۔ان اصولوں نے حقوق، آزادی اور قانون جیسی اعلیٰ اقدار کو جنم دیا۔ انصاف ان سب کا مجموعہ ہے۔انصاف معاشرے کے پرامن وجود کے لیے بنائے گئے تمام اصولوں کا نچوڑ ہے۔کسی بھی مملکت کے

حاصل کیے جانے والے تمام اچھے مقاصد میں انصاف سب سے اہم ہے۔

Caphalous کی رائے میں، انصاف کا مطلب ہے سچ بولنا اور دوسروں کو جو واجب ہے وہ دینا۔

پولی مارکس کے مطابق انصاف کا مطلب دوستوں کی مدد کرنا اور دشمنوں کو نقصان پہنچانا ہے۔

افلاطون کی رائے میں، انصاف ایک نظریہ ہے جو ہم آہنگی کے لیے ہے۔ اس کا اطلاق فرد اور مملکت پر ہوتا ہے۔ فرد کے لحاظ سے انصاف ایک مشترکہ وجہ، ہمت اور ارادہ ہے، مملکت کی شرائط میں، انصاف فلسفی بادشاہوں، فوج اور مزدوروں کے درمیان ایک مربوط زندگی ہے۔ فرد اور مملکت کے لیے انصاف کا جوہر ایک ہے۔ ایک مثالی مملکت وہ ہے جو انفرادی انصاف اور قانونی انصاف کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔ افلاطون کی رائے میں فرد کے لیے انصاف کی کچھ پابندیاں ہیں۔ افلاطون کی مثالی مملکت میں افراد کو تحمل سے کام لینا ہوگا اور دوسروں کے معاملات میں مداخلت کیے بغیر اپنے فرائض انجام دینے ہوں گے۔ مملکت کے ہر طبقے کو دوسروں کے معاملات میں مداخلت کیے بغیر خود کو اپنے کاموں تک محدود رکھنا چاہیے۔ تب ہی انصاف کا تحفظ ہوگا۔ افلاطون افراد کو اپنی مثالی مملکت کا حصہ سمجھتے تھے۔

ارسطو نے کہا کہ "انصاف اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ معاشرے کا ہر فرد اپنے اخلاقی فرائض کی ادائیگی کرے۔"

بارکر کی رائے میں انصاف کا مطلب سیاسی اقدار کا مجموعہ اور ہم آہنگی ہے۔

انصاف کی خصوصیت

1۔ معاشرے میں ذات، مذہب، زبان، علاقہ، پیدائش اور جنس کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں برتا جانا چاہیے۔

2۔ انصاف کو فتنوں سے متاثر نہیں کرنا چاہیے۔

3۔ قانون معقول طور پر منطقی بنیادوں پر کچھ امتیازات دکھا سکتا ہے۔

4۔ مساوات کی کمی انصاف سے انکار کرتی ہے۔

5۔ آزادی پر غیر منطقی پابندیاں لگانا انصاف کی خلاف ورزی سمجھا جا سکتا ہے،

6۔ انفرادی احترام کو اہمیت دینا اور غیر قانونی اور غیر اخلاقی کاموں پر پابندی لگانا انصاف ہے،

انصاف کی اقسام

انصاف کے تصور کو چار اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: قانونی انصاف، سیاسی انصاف، اقتصادی انصاف اور سماجی انصاف، آیئے ان کا جائزہ لیتے ہیں۔

A۔ **قانونی انصاف:** عام طور پر، قوانین کے صحیح نفاذ کو قانونی انصاف سمجھا جا سکتا ہے۔ عدلیہ قوانین کے نفاذ میں تنازعات کے حل کے لیے قوانین کو بنیاد بناتی ہے۔ عدالتیں قوانین کے نفاذ میں کلیدی کردار ادا کرتی ہیں۔ وہ سماجی بہبود کو مدنظر رکھتے ہیں اور قوانین کے نفاذ اور تشریح کے دوران قدرتی انصاف کے اصولوں کو بھی لاگو کرتے ہیں۔

B۔ **سیاسی انصاف**: سیاسی سرگرمیوں میں آزادانہ اور رضا کارانہ طور پر حصہ لینے کے موقع کو سیاسی انصاف کہا جا سکتا ہے۔ سیاسی انصاف اور سیاسی آزادی کا مطلب ہے کہ تمام لوگوں کو ووٹ ڈالنے کے حق، انتخابات میں حصہ لینے کا حق، پروپیگنڈہ کرنے کا حق اور ملک میں ہونے والی سیاسی پیش رفت پر تنقید کا حق۔

C۔ **اقتصادی انصاف**: اقتصادی انصاف کسی فرد کی فلاح و بہبود اور سماجی ترقی کے لیے بہت ضروری ہے۔ معاشی انصاف کے بغیر سیاسی اور سماجی انصاف کا حصول انتہائی مشکل ہے۔ حکومت کا معاشی نظام معاشی عدم مساوات کو دور کرنے کی پوزیشن میں ہونا چاہیے۔

D۔ **سماجی انصاف**: سماجی انصاف مساوات کے تصور کی ایک قسم ہے۔ مساوات اور سماجی انصاف ایک دوسرے کے تکمیلی ہیں۔ سماجی انصاف کا بنیادی مقصد پیدائشی نسل، زبان، جنس اور طبقے کی بنیاد پر کسی کو کوئی خاص مراعات فراہم کرنا نہیں ہے۔ سماجی انصاف سب کے لیے یکساں انصاف کا خواہاں ہے۔

خلاصہ

سیاسیات میں قانون کا تصور بہت اہم ہے۔ وسیع پیمانے پر قانون انسانی طرز عمل اور تعلقات کی وضاحت اور کنٹرول کرتا ہے قانون اور مملکت مل کر معاشرے میں نظم ونسق برقرار رکھتے ہیں۔ مختلف ذرائع ہیں جو قانون کی ترقی میں مدد کرتے ہیں۔ آج کل، ہمارے پاس مختلف قسم کے قوانین ہیں-عوامی خانگی قوانین، فوجداری قوانین، انتظامی قوانین، بین الاقوامی قانون وغیرہ۔ قانون انصاف فراہم کرنے اور منصفانہ معاشرے کی تشکیل کا ذریعہ ہے۔

آزادی کو جدید سیاسی نظریہ میں بنیادی تصورات میں سے ایک اور جمہوری قدر سمجھا جاتا ہے۔ آزادی کا تصور شہری سماج اور سیاسی اختیار کی تشکیل کے تناظر میں سامنے آیا۔ آزادی کی قسم کے دو پہلوؤں-منفی اور مثبت کو آگے بڑھایا گیا ہے اور ان پر دلائل دیے گئے ہیں کہ عدم مداخلت (faireLassies) اور فلاحی مملکتی حکومتوں کا دفاع کیا جائے۔

مساوات جدید دور کی عظیم سیاسی قدر ہے۔ اس نے بہت سے سیاسی انقلابات کو بھڑکا دیا جیسے فرانسیسی انقلاب اور امریکی جنگ آزادی۔ اگرچہ فطرت نے جسمانی ساخت، طاقت، رنگت اور جلد ہی کے معاملات میں کچھ ناہمواریاں پیدا کی ہیں، لیکن اس نے تمام افراد کو تقریباً یکساں ذہانت اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ تاہم، ایک مدت کے دورانفطری عدم مساوات کی بنیاد پر سماجی عدم مساوات پیدا ہونے کا وقت معاشرے نے دیا ہے۔

سماج نے چند مخصوص طبقوں کو خصوصی مراعات دیکر عدم مساوات پیدا کی۔ اس طرح مساوات کا مطلب ہے۔ خصوصی مراعات کی عدم موجودگی، مساوی انتخاب اور مواقع کی فراہمی اور شہری اور سیاسی حقوق کی مساوی ضمانت انصاف ایک اہم سیاسی قدر ہے جو سماجی ہم آہنگی اور نظم کو قائم کرتی ہے۔ انصاف تنازعہ کا تصور کرتا ہے۔ انفرادی سطح پر اور معاشرے کی سطح پر تنازعات کے حل کے لیے انصاف کی ضرورت ہے۔

نمونہ امتحانی سوالات

I۔ درج ذیل کے لیے طویل جوابات لکھیں۔

1۔ اقتدار اعلیٰ کی تعریف کریں اور اس کی اقسام کی وضاحت کریں۔

2۔ قانون کی وضاحت کریں اور اس کے ذرائع کی وضاحت کریں۔

3۔ آزادی کی تعریف کریں اور اس کے ذرائع کی وضاحت کریں۔

4۔ مساوات سے کیا مراد ہے اور اس کی اقسام کیا ہیں۔

5۔ عدل سے کیا مراد ہے اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟

6۔ مختلف قسم کے انصاف کی وضاحت کریں۔

II۔ درج ذیل کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ قوانین کیا قسام کا ذکر کریں۔

2۔ قانون اور اخلاقیات کے درمیان تعلق کی وضاحت کریں۔

3۔ آزادی کے اقسام کا ذکر کریں۔

4۔ قانون اور آزادی کے درمیان کیا تعلق ہے۔

5۔ عدل سے کیا مراد ہے اور اس کی خصوصیات کیا ہیں۔

6۔ مختلف قسم کیا نصاف کی وضاحت کریں۔

III۔ درج ذیل سوالات کے جواب تقریباً 5 لائنوں میں لکھیں۔

1۔ قانون کے کسی بھی چار ذرائع کا ذکر کریں۔

2۔ آئینی قانون سے کیا مراد ہے؟

3۔ انتظامی قانون سے کیا مراد ہے اور یہ کہاں پایا جاتا ہے؟

4۔ اقتصادی مساوات سے کیا مراد ہے؟

5۔ سیاسی آزادی کی اہمیت کی وضاحت کریں۔

لغت:

قانون: اقتدار اعلیٰ، منظوری، قومیت کا جذبہ

آزادی: اقتدار اعلیٰ، سماجی جمہوریت، سنڈیکلسٹ، انتقال ملکیت

مساوات: قانون کی حکمرانی، سرمایہ دارانہ نظام، تاریخی ناانصافی، مخالف طبقات، ٹرسٹی شپ

5

5- سیاسی نظریات
POLITICAL IDEOLOGIES

مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد، آپ کو ہونا چاہیے:

☆ سیاسی نظریات کی وسیع نوعیت کی شناخت کریں۔

☆ افادیت پسندی، لبرل ازم، انفرادیت، سوشلزم اور مارکسزم کے فطرتی معنی اور تعریفیں بیان کریں۔

☆ ان نظریات کی گنجائش، اہمیت اور خصوصیات کا اندازہ لگائیں۔

تعارف

سیاسی فکر کی تاریخ نے مختلف ادوار میں پوری دنیا میں افادیت پسندی، لبرل ازم، سوشلزم، مارکسزم اور فاشزم جیسے بڑے سیاسی نظریات کو جنم دیا۔ ان نظریات کی بنیادی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

افادیت پسندی

18 ویں صدی کے دوران انگلستان میں افادیت پسندی ابتدائی طور پر ایک فلسفیانہ نظریہ کے طور پر ابھری اور بعد میں سیاسی نظریہ کے طور پر اہمیت اختیار کر گئی۔ یہ نظریہ تقریباً ایک صدی پر محیط ہے اور یہ تجربیت سے جڑا ہوا ہے۔ افادیت پسندی نے ڈیوڈ ہیوم، جیرمی بینتھم، جیمس مل اور جان اسٹورٹ مل کے تعاون سے اپنی عملی شکل حاصل کی تھی۔ افادیت پسندی کا مقصد انسانی اعمال کو لذت کی بنیاد پر قبول کرنا ہے۔ انسان لذت کو پسند کرتا ہے اور وہ ہر اس چیز کو اچھا سمجھتا ہے جو لذت دیتی ہے۔ کسی بھی چیز کا اچھا یا برا انحصار اس لذت کی ڈگری پر ہوتا ہے جس کو وہ فروغ دیتا ہے۔ ہر عمل کو ممکنہ خوشی دینی چاہیے۔ تب ہی اسے اچھا کہا جاتا ہے۔ ہر عمل کی اچھائی یا برائی اس کی افادیت پر منحصر ہے۔ انسان ہمیشہ لذت اور درد سے دور رہنا چاہتا ہے۔ وہ اس کے لیے کوشش کرتا ہے۔ افادیت پسندوں کا خیال ہے کہ سیاسی سرگرمی میں بھی فائدہ اور افادیت ہونی چاہیے۔ اچھے یا برے کام کا تعین کرنے والے ہوتے ہیں۔ افادیت پسندوں کا فطری قانون اور فطری حقوق پر کوئی یقین نہیں ہے۔ وہ ریاست کی اقتدار اعلیٰ پر بھی یقین نہیں رکھتے۔

بنی نوع انسان کے مقاصد خوشی، مسرت اور سرور ہیں۔ "سب سے بڑی تعداد کو سب سے بڑی خوشی" افادیت پسندی کا بنیادی مقصد ہے۔

افادیت پسندوں کا خیال ہے کہ تقدس کو ریاست سے منسوب نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ ان کے لیے خوشی کا باعث ہے۔ وہ تجریدی چیزوں اور نظریات پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ صرف سچائیوں پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ فرد کی حریت اور آزادی کے لیے لڑتے ہیں۔ وہ آمریت کے خلاف لڑتے ہیں۔ افادیت پسندوں کا بنیادی طور پر انسانی زندگی، انسانی سرگرمی اور انسانی فلاح و بہبود سے تعلق ہے۔ ان کا بنیادی مقصد انسانی زندگی کو خوشگوار بنانا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ تمام قوانین انسانی ترقی کے لیے سازگار ہوں۔

افادیت پسندی- بینتھم کے نظریات

جیرمی بینتھم اہم افادیت پسندوں میں سے ایک تھا۔ وہ ایک عظیم مفکر اور تخلیقی ذہین تھے۔ بینتھم کی بہترین تحریریں 'Fragment of Government': 'Defence of Usury'; ہیں اخلاق اور قانون سازی کے اصولوں کا تعارف' ان کتابوں کے ذریعے ہم انگلستان میں بینتھم کی تجویز کردہ اصلاحات اور سیاسی آراء کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ ان کی سیاسی آراء اور مشاہدات کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

1۔ سب سے بڑی تعداد کو سب سے بڑی خوشی۔

2۔ حکمرانوں کے مفادات کو عام مفادات سے جوڑنا۔

3۔ قانون بنانے والے قانون بناتے وقت خوشی اور درد کے تصور کو مدنظر رکھیں۔

4۔ ایک calculus-Felicific کی تکنیک جو بینتھم نے سات عوامل کو مدنظر رکھتے ہوئے درد اور خوشی کی پیمائش کے لیے تیار کی ہے۔......کوئی ہر عمل کو خوشی دینے یا درد دینے کے طور پر جانچنے کی پوزیشن میں ہوگا۔

5۔ برے کو سزا ملنی چاہیے اور اچھے کو پروان چڑھانا چاہیے۔ برے رویے کے حامل افسران اور حکمرانوں کو سزا دی جانی چاہیے تاکہ ایسی حرکتوں کا اعادہ نہ ہو۔

6۔ بادشاہت چیونٹی لوگوں کا نظام ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ خوشی نہیں دے سکتا۔ بادشاہت حکمران کی خوشنودی اور طاقت کو اہمیت دیتی ہے۔

7۔ صرف نمائندہ جمہوریت میں زیادہ سے زیادہ آبادی کو خوش کرنے کی گنجائش ہے۔

8۔ تمام لوگ برابر ہیں۔ ریاست کو برابری کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔

9۔ انصاف کو ریاست کا ماخذ بننا چاہیے۔ اسے عوام کی حفاظت کرنی چاہیے۔

10۔ ریاست کو افراد کی عزت اور املاک کا تحفظ کرنا چاہیے۔

11۔ ریاست کو جہاں تک ممکن ہو سہولیات میں اضافہ کرنا چاہیے۔ اس کا کسی پر بوجھ نہیں ہونا چاہیے۔

12۔ سزا انتقامی عمل نہیں ہونا چاہیے۔

13۔ ریاست کو جہاں تک ممکن ہو تمام لوگوں میں جسمانی دولت تقسیم کرنی چاہیے۔

14۔ نمائندہ حکومت کارآمد ہے اور انسان بغیر کسی خوف کے رہ سکتا ہے۔

15۔ ریاست میں اقتصادی انتظام کو بلند ترین سطح پر ہونا چاہیے۔

16۔ حکومتی سرگرمیوں کو محدود اخراجات کے ساتھ مفید بنایا جانا چاہیے۔

17۔ بہتر ہے کہ سیاسی طاقت کی شدت، وسعت اور مدت کو کم کیا جائے۔ اسے صرف اچھے کے لیے بڑھانا چاہیے۔

18۔ سرکاری افسران کی تعداد اور مدت ملازمت کم ہونی چاہیے۔

19۔ عوام کو اپنے نمائندوں کو براہ راست اور بالواسطہ طور پر منتخب کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ انہیں واپس بلانے کا حق ہونا چاہیے۔

20۔ ووٹ کا حق سب کو برابر ہونا چاہیے۔ ووٹ کا مساوی حق بہت سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ خوشی دے سکتا ہے۔

21۔ براہ راست انتخابات بہت سے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ خوشی دیں گے۔

22۔ ایک ایوانی مقنّنہ دو ایوانوں والی مقنّنہ سے بہتر ہے۔ مقنّنہ کے اختیارات کو کم نہیں کیا جانا چاہیے۔ عاملہ اور عدلیہ کو مقنّنہ کے ماتحت ہونا چاہیے۔ مقنّنہ کو ججوں کی تقرری اور ہٹانے کا حق ہونا چاہیے۔ عوام کو نااہل مقنّنہ کو ہٹانے کا پورا حق ہونا چاہیے۔

بینتھم کے خیالات پر تنقید

بینتھم نے ذکر کیا تھا کہ عصری سیاسی اور سماجی نظاموں میں خوبیوں اور خامیوں کے جائزے اور تجزیہ کی بنیاد پر اصلاح کی جانی چاہیے۔ لیکن بہت سی وجوہات کی بنا پر، افادیت پسندی کے نظریہ کو غلط قرار دے کر تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

1۔ اسے ایک نظریہ سمجھا جاتا تھا جس میں مادی عوامل پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔

2۔ انہوں نے فرد کی خوشی کے بارے میں بیان کیا لیکن اس کی وجہ اور جذبات کو مدنظر نہیں رکھا جو اس کے اعمال کو متاثر کرتے ہیں۔

3۔ ناقدین کا خیال ہے کہ بینتھم کی افادیت پسندی قابل عمل نہیں ہے اور Felicific-calculus ایک افسانہ ہے۔

4۔ لطف کی شدت کو بینتھم کے ریاضیاتی فارمولے سے نہیں ناپا جا سکتا۔

لیکن، افادیت پسند نظریہ کہ سیاسی اور سماجی نظام زیادہ سے زیادہ افادیت پر ہی زندہ رہ سکتے ہیں، جس نے سیاسیات میں بینتھم کے لیے ایک اہم مقام حاصل کیا۔

لبرل ازم

لبرل ازم نے ریاست کی وسیع طاقت کے خلاف جنم لیا۔ لبرل ازم کا خیال ہے کہ ریاست کا اختیار محدود ہونا چاہیے اور افراد کو زیادہ حریت اور آزادی ہونی چاہیے۔ اس نظریہ کو 19 ویں صدی کے دوران اہمیت حاصل ہوئی، ایڈم اسمتھ، جان اسٹیورٹ مل اور ہربرٹ اسپینسر ان چند اہم نظریات ہیں جنہوں نے لبرل ازم کی تجویز پیش کی۔ اس نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومت کے پاس محدود طاقت ہونی چاہیے اور عوام کو زیادہ آزادی ہونی چاہیے۔ آزادی پسندوں کا استدلال ہے کہ چونکہ ریاست اور معاشرہ افراد کے لیے بنتے ہیں، اس لیے افراد اور ان کے گروہوں کو سب سے زیادہ اہمیت دی جانی چاہیے۔

Hob House نے اپنے کام 'لبرل ازم' میں روایتی لبرل ازم کے بنیادی اصول تجویز کیے ہیں۔ وہ شہری کی آزادی، معاشی آزادی، شخصی آزادی اور سماجی آزادی ہیں۔ 20ویں صدی میں لبرل ازم میں بہت سی تبدیلیاں آئی تھیں۔ جدید لبرل ازم کے تین بڑے اصول ہیں۔ 1. تمام میڈیا کو لوگوں کی پہنچ میں ہونا چاہیے تاکہ وہ تمام مشکل اور مسائل کو سمجھ سکیں۔ 2. معاشی مسائل کو حل کرنے کے لیے ریاست کے پاس تمام بڑی صنعتوں کا کنٹرول ہونا چاہیے۔ 3. تعلیم کا وسیع پیمانے پر ہونا ضروری ہے۔ اخلاقی، سیاسی، اقتصادی اور سائنسی عوامل کی وجہ سے لبرل ازم کی حمایت کی گئی۔

Humbold,Kant اور J.S.Mill سب سے اہم لبرلسٹ ہیں جنہوں نے دلیل دی کہ ریاست کے کم از کم فرائض ہونے چاہئیں اور افراد کو مکمل آزادی ہونی چاہیے۔ ہمبولٹ نے رائے دی کہ ریاست کو افراد کی شخصیت کی شگفتگی کے لیے اپنا حصہ ڈالنا چاہیے اور اسے صرف ان افراد کو تحفظ فراہم کرنا چاہیے جو وہ خود فراہم نہیں کر سکتے۔ ریاست کی طاقت جتنی زیادہ ہوگی فرد کی ترقی اتنی ہی کم ہوگی۔ آزادی پسندوں کا خیال ہے کہ فرد مکمل حریت اور آزادی کے ساتھ ہی اخلاقی طور پر ترقی کر سکتا ہے۔

ریاست کے پاس عوام کی تمام ضروریات پوری کرنے کی استعداد اور طاقت نہیں ہوسکتی۔ اگر بیوروکریٹس کو مزید اختیارات فراہم کیے جائیں تو نئی قسم کی آمریت کو جنم دینے کی گنجائش ہے۔ آزادی پسندوں کا خیال ہے کہ ریاست کی وسیع طاقت عوام کو ناپسندیدہ حالات کی طرف لے جاتی ہے۔

آزادی افراد کی پیداواری صلاحیت کو بڑھاتی ہے۔ حکومت کی مداخلت سے عوام کی دلچسپی کم ہوتی ہے۔ آزادی پسند محسوس کرتے ہیں کہ تجارت؛ کامرس اور صنعتیں سرکاری شعبے کے مقابلے خانگی شعبہ میں بہتر ترقی کر سکتی ہیں۔

جدید دور میں لبرل ازم زندہ نہیں رہ سکتا۔

1۔ ایسا اس لیے ہے کہ سماجی بہبود کی زیادہ تر سرگرمیاں حکومت کی طرف سے منعقد کی جانی چاہیے۔
2۔ نجی افراد اور اداروں کے پاس ان کو انجام دینے کے لیے کافی وسائل، کارکردگی اور مہارت نہیں ہوگی۔
3۔ حکومت کی پالیسیاں اور مقاصد تبدیل ہو رہے ہیں تاکہ لوگوں کے لیے مفید ہو۔
4۔ مملکت اور حکومت انفرادی فلاح و بہبود کو نقصان نہیں پہنچا رہے ہیں۔
5۔ لوگ حکومت سے زیادہ امیدیں لگا رہے ہیں۔

اس طرح لبرل ازم کو ریاست کی طاقت کے لیے ایک چیلنج سمجھا جاسکتا ہے۔

انفرادیت

جے ایس مل ان سب سے مشہور نظریہ دانوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے انفرادیت کو فروغ دیا۔ جے ایس مل نے 19ویں صدی کی سیاسی سوچ کو بہت متاثر کیا۔ اس نے انفرادیت کی حمایت کی اور محسوس کیا کہ فرد کی فلاح و بہبود میں اضافہ ہونا چاہیے۔ فرد کی اخلاقی اقدار کی نشو ونما کی گنجائش ہونی چاہیے۔ مل کا ماننا تھا کہ معاشرہ اس کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا۔ فرد کی فلاح و بہبود. مل کا پختہ یقین تھا کہ ترقی کا انحصار اس پر ہے۔

فرد کا رویہ۔ نئی تبدیلیاں افراد تو لا سکتے ہیں لیکن حکومت نہیں۔فرد کو تحقیق کرنے کی مکمل آزادی ہونی چاہیے اور ایسی آزادی حکومت کی طرف سے فرد کو دینی چاہیے۔

مل واضح کرتا ہے کہ تمام سیاسی نظام افراد کی کارکردگی اور کردار پر منحصر ہیں۔مل کے مطابق ایک اچھی حکومت میں درج ذیل چار خصوصیات ہونی چاہئیں۔

انفرادیت کی خصوصیات

1۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ لوگوں میں اچھی طرز زندگی اور علم پیدا کرے۔

2۔ خواتین کو ووٹ کا حق دیا جائے۔اس تناظر میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیے۔

3۔ کھلے ووٹ کا نظام ہونا چاہیے۔

4۔ عوام کو حکومت کو تسلیم کرنے یا مسترد کرنے کا اختیار ہونا چاہیے۔

نمائندہ نظام میں نقائص کو دور کرنے کے لیے مل نے متناسب نمائندگی کا طریقہ تجویز کیا۔

مملکت اپنی عظمت کو بڑھانے کے لیے لوگوں کی حریت اور آزادی کو کم کرتی ہے۔ایسے میں عوام ترقی نہیں کر سکتے۔لوگ اچھے کام کرنے کے قابل نہیں ہیں جب تک کہ وہ اعلیٰ ترقی یافتہ، تعلیم یافتہ اور عقلمند نہ ہوں۔جو لوگ مناسب طور پر ترقی یافتہ ہیں وہ مملکت کے تسلط کی مخالفت کرتے ہیں۔عوام کی ترقی کے لیے مملکت کا عمل دخل کم ہونا چاہیے۔مل نے اپنے مشہور مقالے 'Liberty'On میں اپنے سیاسی نظریات کے نچوڑ کا اظہار کیا تھا۔دنیا بھر میں اس کی تعریف کی جاتی ہے۔''LibertyOn'' سیاسی استحصال کو دور کرنے کی دعوت ہے۔

مل نے رائے دی کہ حکومت بہترین ہے جو کم سے کم حکومت کرتی ہے،انفرادی آزادی میں مداخلت کرتی ہے۔جیسے جیسے طاقت بڑھتی جاتی ہے انفرادی آزادی زیادہ سے زیادہ محدود ہوتی جاتی ہے۔مل نے اس طرح مملکت اور انفرادی آزادی کے درمیان تضاد کی وضاحت کی۔

تنقید

مل اور دیگر کے ذریعہ انفرادیت کی حمایت میں کئی دلائل پیش کیے گئے جن پر ناقدین نے حملہ کیا۔

1۔ انفرادیت پسندوں نے محسوس کیا کہ ریاست ایک ضروری برائی ہے۔لیکن ریاست ایک سماجی ادارہ ہے۔لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے شروع کیا گیا۔یہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے ہے۔

2۔ کچھ لوگ محسوس کرتے ہیں کہ معیشت میں آزاد مسابقت بہت سی برائیوں کا باعث بنتی ہے۔مقابلے کا فائدہ صرف سرمایہ داروں کو ہوتا ہے۔یہ معاشی طور پر کمزور لوگوں کے لیے خطرناک ہے وہ اس سے سخت متاثر ہوتے ہیں۔

3۔ کچھ کے مطابق انفرادیت، جنگل کے قانون کی حمایت کرتی ہے-"جس کی لاٹھی اس کی بھینس"۔

سوشلزم

سوشلزم نے اپنی اصل انفرادیت کے حریف کے طور پر لی۔

انگریزی لفظ 'Socialism' لفظ 'Socious' سے نکلا ہے۔ 'Socious' کا مطلب معاشرہ ہے، صوتی معنی سے پتہ چلتا ہے کہ سوشلزم کا تعلق سماج سے ہے۔ سوشلزم سرمایہ دارانہ نظام کی طرف سے فروغ دی گئی سماجی، سیاسی اور معاشی ناہمواریوں کے خلاف سامنے آیا۔ سوشلزم نے انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال پر سوال اٹھایا ہے۔ کچھ کا خیال ہے کہ سوشلزم ایک معاشی پالیسی ہے۔ سوشلزم حقیقت میں کثیر جہتی ہے۔ یہ سیاسی، اقتصادی اور منطقی نظام کا مرکب ہے۔ کچھ لوگ سوشلزم کو الگ طرز زندگی سمجھتے ہیں۔

افلاطون نے اپنی کچھ تحریروں میں سوشلزم کی بات کی۔ لیکن یہ انقلاب فرانس اور صنعتی انقلاب کے بعد ہی عام ہوا۔ جدید دور کے دوران، سوشلزم کا زیادہ تر پرچار Oven Robert اور Four Charles نے کیا۔ یہ سوشلسٹ تحریک کے علمبردار ہیں۔ ابتدائی دنوں میں ان کی تحریروں کی وجہ سے اس نے ترقی کی۔ ان کی تحریریں دوسرے ممالک میں سوشلزم کے پھیلنے کی بڑی وجہ ہیں۔

Marks اور Angles نے انسانی سماج کا تجزیہ کیا اور بتایا کہ نیا معاشرہ کس طرح اور کن قوتوں سے تشکیل پا سکتا ہے۔ Marks نے کہا، "پچھلے فلسفیوں نے دنیا کی تعریف کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میرا مقصد دنیا کو بدلنا ہے"۔ یہ کہنا مبالغہ آرائی نہیں ہے کہ Karl Marks کے علاوہ کوئی فلسفی تاریخ کے دھارے کو اس طرح نہیں بدل سکتا۔ 1848 میں شائع ہونے والی ایک چھوٹی سی تصنیف ''Communist Manifesto'' میں سائنسی سوشلزم کی وضاحت کی گئی تھی۔ اس چھوٹے سے کام کی بنیاد پر دنیا بھر میں سوشلسٹ تحریکیں جنم لے رہی تھیں۔

سوشلزم۔تعریف

سوشلزم کی تعریف کے بارے میں کوئی یکساں رائے نہیں ہے۔ بہت سی تعریفیں ظاہر ہوئیں حالانکہ مادہ ایک ہی ہے۔

C.E.M.Joad: "سوشلزم ایک ٹوپی کی طرح ہے جو اپنی شکل کھو چکی ہے کیونکہ ہر کوئی اسے پہنتا ہے"۔ کچھ مشہور تعریفیں درج ذیل طریقے سے تفصیل سے بیان کی جاسکتی ہیں۔

جارج برنارڈ شاہ: "سوشلزم کا مطلب آمدنی کی برابری ہے اور کچھ نہیں۔"

چیپل: "سوشلزم وہ ہے جو مسابقتی نجی سرمایہ کاری کو سماجی سرمایہ کاری بناتا ہے"۔

برٹرینڈ رسل: "سوشلزم زمین اور جائیداد کی فرقہ وارانہ ملکیت کی وکالت ہے"۔

سوشلزم محض ایک معاشی نظریہ نہیں رہ سکا بلکہ ایک سیاسی تحریک کی طرح ترقی کرتا رہا۔ اگرچہ سوشلسٹ نظریات کی کئی اقسام غالب تھیں۔ سوشلزم کے چند اہم اصول درج ذیل ہیں۔

سوشلزم کے اہم اصول:

A۔ **سماجی فوائد کی اہمیت:** سوشلزم معاشرے کو فرد سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ معاشرے کے اعلیٰ فائدے فرد کے

فائدے سے زیادہ اہم ہیں۔سامان کی پیداوار صرف چند لوگوں کے لیے فائدہ مند نہیں ہونی چاہیے۔کسی ملک کی پیداواری پالیسی سماجی ضروریات کے مطابق ہونی چاہیے۔

B۔ مساوی مواقع فراہم کرنا: سوشلزم کا بنیادی مقصد معاشرے میں موجود عدم مساوات کو دور کرنا اور تمام لوگوں کو یکساں مواقع فراہم کرنا ہے۔ یہ وراثت کی بنیاد پر مواقع کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر فرد کو اس کے ذوق کے مطابق تعلیم، تربیت اور دیگر سہولیات ملنی چاہئیں۔صنفی امتیاز کے بغیر صلاحیت اور کارکردگی کے استعمال کے لیے مواقع فراہم کیے جائیں۔

C۔ سرمایہ داری کا خاتمہ: سرمایہ دارانہ معاشرہ شاذ و نادر ہی سب کو یکساں مواقع فراہم کرتا ہے۔جیسا کہ سرمایہ داری کو ختم کر کے معاشی مساوات حاصل کی جاسکتی ہے۔سرمایہ دارانہ نظام طبقاتی معاشرہ تشکیل دیتا ہے اور ایک طبقے کو مستقل استحصال کرتا ہے۔اس لیے سرمایہ دار محنت کش طبقے کے فطری دشمن بن جاتے ہیں۔ان دونوں طبقوں کے درمیان کشمکش ہے۔سوشلزم تب ممکن ہے جب اقتدار بورژوازی سے پرولتاریہ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔یہ بورژوازی طبقے کے انقلاب سے ہی ممکن ہے۔

مسابقتی طریقوں کا خاتمہ: سوشلزم مسابقت کو دور کرتا ہے۔ پیسہ سرمایہ داری میں ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے گا۔امیر اور غریب کے درمیان واضح معاشی عدم مساوات ان کے درمیان عدم مساوات کی تکمیل کا باعث بنتی ہے۔اس قسم کا مقابلہ انتہائی غیر منصفانہ اور غیر انسانی ہے۔اس طرح، سوشلزم کا مقصد مسابقت کو ختم کرنا ہے۔سوشلزم کا مقصد مقامی، قومی اور بین الاقوامی معاملات میں مقابلے کی جگہ تعاون کو فروغ دینا ہے۔

D۔ جائیداد کی قومیت: سوشلزم نجی ملکیت کو ختم کرتا ہے۔سرمایہ دارانہ نظام مزدوروں کے استحصال کے ذریعے نجی ملکیت کو فروغ دیتا ہے۔استحصال سے حاصل کی گئی جائیداد مزید استحصال سے بڑھتی رہتی ہے۔نجی املاک کے خاتمے سے مزدور کے استحصال کو ختم کیا جاسکتا ہے۔سوشلزم زمین کی شکل میں نجی ملکیت کو ختم کرتا ہے۔ زمین قدرت کا تحفہ ہے۔اس لیے کسی فرد کو اپنے ذاتی فائدے کے لیے اسے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔تمام صنعتوں، زراعت اور تجارت کا انتظام ریاست کرے گی۔

مارکسزم

تاریخ کا دھارا بدلنے والا فلسفی کارل مارکس تھا۔اس نے لوگوں کے طرز زندگی کو بدلنے کے لیے زندگی بھر جدوجہد کی۔مسائل ہی حقیقت ہیں۔انسان انہیں تباہ کرسکتا ہے۔تب ہی دنیا رہنے کا مسکن بن جاتی ہے۔اس عمل میں فلسفیوں کی مدد کرنی چاہیے۔کارل مارکس ایسے فلسفیوں میں سب سے اہم ہے جنہوں نے اس فکر کو دل بہلایا۔مارکس نے پوری زندگی انسانیت کے مسائل کو دور کرنے کی کوشش اور جدوجہد کی۔

مارکس کے نظریات کو مارکسزم کا نام دیا جاسکتا ہے۔مندرجہ ذیل اور بنیادی کام جنہوں نے مارکسزم کو فروغ دیا۔

1۔ دارالحکومت
2۔ فلسفہ کی غربت۔
3۔ سیاسی معیشت کی تنقید میں شراکت
4۔ انقلاب اور ردِ انقلاب
5۔ کمیونسٹ منشور

مارکسزم کے بنیادی اصول

A۔ تاریخی جدلیاتی مادیت: کمیونزم کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ معاشرے کی رفتار ترقی کو تاریخی تناظر میں دیکھا جائے۔ تاریخی تناظر جدلیاتی مادیت پر منحصر ہے۔ بدلے میں جدلیاتی مادیت کا انحصار دو لازم وملزوم مخالف قوتوں اوران کے مستقل باہمی عمل پر ہے۔ جدلیاتی مادیت کی خصوصیات قابل عمل ہیں۔ ان میں مادی خصوصیات کو تبدیل کرنے کی فطری طاقت ہے۔ اس اصول کو سماجی نظام پر لاگو کیا گیا اور تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی کہ سرمایہ دارانہ نظام کیسے بدلے گا۔ پیداوار کے مالکان اور پیداواری مزدوروں کے درمیان تضادات کی کشمکش ایک نئے معاشرے کی پیدائش میں حصہ ڈال رہی ہے۔

مارکس کے مطابق دنیا مخالفوں کے تصادم کے اثر سے حرکت کرتی ہے۔ چونکہ جدلیاتی مادیت کو انسانی تاریخ کے تجزیہ کے لیے استعمال کیا گیا تھا، اس لیے اسے تاریخی جدلیاتی مادیت کہا جاتا ہے۔ جدلیاتی مادیت پسندانہ طریقہ کار نے ثابت کیا کہ جاگیردارانہ نظام غلامی کے نظام میں زمینداروں اور غلاموں کے درمیان جدوجہد کی وجہ سے پیدا ہوا۔ اور سرمایہ درارانہ نظام جاگیردارانہ نظام میں جاگیرداروں اور مزدوروں کے درمیان جدوجہد کا نتیجہ تھا۔ اس طرح کمیونزم بیان کرتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں جدوجہد کی وجہ سے نیا معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ وہ جسمانی تبدیلیاں جو انسانی زندگی کے بنیاد بنتی ہیں تاریخ کے دھارے میں تبدیلیوں کا باعث بنتی ہیں۔

B- زائد قدر کا نظریہ: مارکس نے ریکارڈو کے نظریہ کی بنیاد پر زائد قدر کے نظریہ کی وضاحت کی، جو کہتا ہے کہ محنت قدر کا ذریعہ ہے۔ کسی چیز کی قیمتل کا انحصار اس کی پدواوارمس ہ لگنے والی محنت اور وقت پر ہوتا ہے۔ یہ طلب اور رسد کے قانون پر منحصر نہں ہوگا۔ مزدور کو دی جانے والی اجرت اس کے خاندان کی ضروریات پوری کرنے کے لیر کافی ہونی چاہے۔ لکن اجرت اس تناسب مں کبھی نہں رہوگی۔ پیدا کنندہ مزدور کی اجرت کم کرتا ہے اور اس کے منافع مں ن اضافہ کرتا ہے۔

کارل مارکس کے مطابق اجرت اور قمتی مں ی فرق زائد قیمت ہے۔ یہ زائد قمتم مزدور کی ہونی چاہیپ، جہاں پیدا کنندہ اسے اپنا بناتا ہے۔ مارکس اس زائد قمتد کے استحصال کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ سرمایہ دار طبقہ حکومت اور اس کی مشنری دونوں کو اپنے مفادات کے لیر استعمال کرتا ہے۔

C۔ طبقاتی جدوجہد: صنعتی انقلاب نے دو طبقات کو جنم دیا۔ سرمایہ دار وہ ہںش جو پدیاوار کے عوامل کو کنٹرول کرتے ہں ب اور مزدور وہ ہں ہ جن کے پاس کچھ نہں ع ہے۔ ریاستی کام ہمشہ سرمایہ داروں کے مفادات اور بالادستی کو فروغ دینے مں ن معاون ہوتے ہں ر۔ اس کے نتجیی مں ی معاشرے کو دو طبقات کے درمان شدید کشمکش کا سامنا ہے۔ مارکس نے دو طبقوں کے درما ہن اس جدوجہد کو طبقاتی جدوجہد کہا ہے۔ وہ کہتے ہں ہ کہ معاشرے کی پوری تاریخ طبقاتی جدوجہد کی تاریخ ہے۔

معاشرہ متحرک ہے تبدییے اس کی خصوصتو ہے۔ یہاں تک کہ سرمایہ دارانہ رجحان بھی ایسیم تبدیید کا نتجہ ہے۔ اس لیر یہ بھی بدل سکتا ہے۔ مزدور کچھ دیر کے لیم اس طرح جاری رہتے ہں م۔ کیونکہ ان کا استحصال ہوتا ہے۔

سرمایہ دار استحصال کو عروج کی سطح تک جاری رکھتے ہں ہ جس سے مظلوم طبقیکے پھلاپئ کا سبب بنتا ہے۔ رفتہ رفتہ، استحصال زدہ گروہ نئ پدیاوار کے حق مں اکام کرتے ہں۔ متحرک قوتں جلد ہی، یہ سرمایہ داروں کے خلاف سرگرمالں کرتا ہے۔ نتجیپ کے طور پر،

طبقاتی جدوجہد ہیہر دور مس ت تمام معاشروں مس ی ناگزیر ہوتی ہے۔طبقاتی نظام کی جدوجہد کی وجہ سے سرمایہ دارانہ نظام ختم ہو رہا ہے۔مزدوروں نے کاماجبی حاصل کی۔اوروہ کاماتبی پورے سماجی نظام کو بدل دییی ہے۔نجی ملکتط کا حق ختم کر دیا جائے گا اور پدراوار کے تمام عوامل مملکت کے کنٹرول مس رہوں گے۔

D۔ پرولتاریہ کی آمریت: طبقاتی جدوجہد کے نتیجے میں پرولتاریہ کی آمریت قائم ہوتی ہے۔کمیونسٹ معاشرے کے قیام کی کوشش میں یہ ایک عبوری مرحلہ ہے۔اس مرحلے میں سرمایہ دارانہ نظام تباہ ہو جائے گا۔اسے کچھ آمرانہ طریقوں کی ضرورت ہے۔دوسرے مرحلے میں کمیونسٹ معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔یہ طبقہ کم اور مملکت سے محروم معاشرہ ہوگا۔ایسا معاشرہ استحصال کے بغیر ترقی کر سکتا ہے۔

E۔ کمیونسٹ سوسائٹی کی خصوصیات

1۔ کمیونسٹ معاشروں میں صرف ایک کمیونسٹ پارٹی ہوگی۔
2۔ سرمایہ داری اور نجی شعبے کا کوئی وجود نہیں دیکھا جا سکتا۔
3۔ اقتصادی مساوات بنیادی مقصد ہے۔
4۔ چونکہ جائیداد کا حق معاشی عدم مساوات کا ذریعہ ہے، یہ جائیداد کے حق کے خلاف ہے۔
5۔ پیداوار کے تمام ذرائع سوسائٹی کی اجتماعی ملکیت میں ہوں گے۔
6۔ انقلابی طریقوں کو اپنانا اس کا فلسفہ ہے۔
7۔ یہ مذہب کے خلاف ہے کیونکہ مذہب لوگوں کے لیے افیون کی طرح ہے۔

خلاصہ

مل کی تحریریں انفرادی فیصلے اور عمل کو انتہائی اہمیت دینے کی ضرورت کے احساس کے لیے بہت اہمیت کی حامل تھیں۔ان کا مضمون، LibertyOn، غالباً اس عظیم لبرل ازم کا سب سے زیادہ فصیح اظہار ہے جسے 19ویں صدی کے مفکرین نے سراہا تھا۔ بینتھم اور مل کا قریبی مطالعہ ان کے درمیان ایک حیرت انگیز موازنہ کو ظاہر کرتا ہے۔یہ دونوں افادیت پسندی، انفرادیت پسندی، جمہوریت اور کئی شعبوں میں اصلاحات کے لیے کھڑے تھے۔پھر بھی دونوں میں کافی فرق ہے۔اس طرح ان اختلافات کا خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔ بینتھم تمام لذتوں کو ایک مانتا ہے لیکن مختلف ڈگریوں کے ساتھ۔اس نے لذت میں مقداری فرق کو قبول کیا لیکن معیار کے فرق کو نہیں۔ مل نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔اس کا استدلال ہے کہ لذتوں میں معیار کے فرق ہوتے ہیں۔

اپنی ناکامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود مارکسزم نے لوگوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے اپیل کی ہے۔یہ محنت کش عوام کا ایک تسلیم شدہ انقلابی فلسفہ ہے۔مارکسزم بنی نوع انسان کی تاریخ کا ایک مربوط اور مستقل بیان فراہم کرتا ہے اور اس کا سائنسی نقطہ نظر معاشرے کے ایک عالمگیر مظہر کو ظاہر کرتا ہے۔یہ سرمایہ داری کی ایک قابل تعریف تشخیص ہے۔ہم مارکسزم کو مسترد کر سکتے ہیں لیکن ہم اس الزام کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو یہ سرمایہ داری پر عائد کرتا ہے۔

نظریہ کی سطح پر مارکس کا سیاسی اثر انتہائی انقلابی رہا ہے۔اس کے اثر ورسوخ کی وجہ سے سیاست کو اپنی بیشتر تشکیلات میں جامع سماجی تناظر پر غور کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔جدید سیاسی تجزیے میں یہ سماجیات میں اضافہ، بڑے پیمانے پر، سیاسی سماجیات اس کی کی تعمیر نو کا نتیجہ ہے۔

نمونہ امتحانی سوالات

I۔ درج ذیل کے لیے مضمون کی قسم کے جوابات لکھیں۔

1۔ افادیت پسندی پر بینتھم کے نظریہ پر بحث کریں۔

2۔ سوشلزم کی تعریف کریں اوراس کے اہم اصولوں پر بحث کریں۔

3۔ مارکسزم کے بنیادی کردار کیا ہیں؟

II۔ درج ذیل کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ لبرل ازم پر بحث کریں۔

2۔ انفرادیت پر جے ایس مل کے کیا خیالات ہیں؟

III۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تقریباً 5 لائنوں میں لکھیں۔

1۔ افادیت پسندی کیا ہے؟

2۔ انفرادیت کی خصوصیات کیا ہیں؟

3۔ سوشلزم کی کیا اقسام ہیں؟

4۔ مارزیپین نظریات کے بنیادی کام کیا ہیں؟

5۔ کمیونزم میں پرولتاریہ آمریت کے بارے میں بحث کریں۔

لغت

Hedonistic،calculus-Felicific نظریہ، قانونی جبر، افادیت پسندی، خواتین کا حق رائے دہی، طبقاتی معاشرہ، ہے اورنہیں ہے، مادہ پرستی، پرولتاریہ، زائد قدر

6

6۔ جمہوریت
Democracy

مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد، آپ کو ہونا چاہیے:

☆ جمہوریت کی وسیع نوعیت کی شناخت کریں۔

☆ جمہوریت کے معنی، تعریف اور اقسام کی وضاحت کریں۔

☆ جمہوریت کی اہمیت اور خصوصیات کا اندازہ لگانا

تعارف

جدید دور جمہوریت کا دور ہے۔ تمام جدید مملکتیں جمہوری نظام کی پیروی کر رہی ہیں۔ عصری دنیا نے یہ عقیدہ پیدا کیا ہے کہ جمہوریت کے ذریعے آزادی، مساوات اور انصاف کے ساتھ ایک ترقی پسند معاشرہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ جمہوریت عملی طور پر، حکومت کی ایک شکل کے طور پر، عوام کی اکثریت کی حمایت اور قبولیت حاصل کرنا ہے۔

معنی

انگریزی لفظ Democracy دو یونانی الفاظ Demos اور Kratia سے نکلا ہے۔ ڈیمو کا مطلب ہے لوگ اور کرتیا کا مطلب ہے حکمرانی یا طاقت۔ اس لیے جمہوریت کا مطلب عوام کی حکمرانی یا عوام کی طاقت ہے۔

تعریف

جمہوریت محض حکومت کی ایک شکل نہیں ہے۔ یہ مملکت کا نظام ہے اور زندگی کا ایک طریقہ بھی۔ جمہوریت کی تعریف مختلف سیاسی سائنس دانوں نے مختلف انداز میں کی ہے۔ کچھ تعریفیں ذیل میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ابراہم لنکن: ''جمہوریت عوام کی، عوام کے ذریعے اور عوام کے لیے حکومت ہے''۔

سیلی: "جمہوریت ایک ایسی حکومت ہے جس میں ہر ایک کا حصہ ہوتا ہے"۔

ڈائیسی:"جمہوریت حکومت کی ایک شکل ہے جس میں حکومت کا شعبہ ایک پوری قوم کا ایک بڑا اتقابلی حصہ ہے۔"

Wolf:"جمہوریت حکومت کی ایک شکل ہے جسے عوام آزادی، مساوات اور عقل کے ساتھ منتخب کرتے ہیں"۔

مذکورہ بالا تعریفوں کے مطابق، جمہوریت کو نہ صرف حکومت کی شکل کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے بلکہ سماجی اقدار کو فروغ دینے والا مملکت کا نظام بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

جمہوریت کی خصوصیات

جمہوری نظام کی بہت سی خصوصیات ہیں۔ان میں سے چند درج ذیل علاقے:

1۔ بحث کے ذریعے اصول۔

2۔ اکثریت کا راج۔

3۔ اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ۔

4۔ آئین کے مطابق حکومت کرنا۔

5۔ ذمہ دار حکومت۔

6۔ انتخابات کے ذریعے اقتدار کی تبدیلی۔

جمہوریت کی اقسام

جمہوریت کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1) راست جمہوریت اور

2) بالراست جمہوریت۔

راست جمہوریت اور براہ راست جمہوری تقسیم

براہ راست جمہوریت میں لوگ براہ راست انتظامی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں اور مملکت کے روزمرہ کے امور میں حصہ لیتے ہیں۔عوام براہ راست عوامی معاملات پر اپنے خیالات اور رائے کا اظہار کرتے ہیں۔لوگ ضرورت کے مطابق ایک مخصوص عوامی جگہ پر جمع ہوتے ہیں اور مملکت کی تمام سرگرمیاں انجام دیتے ہیں۔ایسی ملاقاتوں میں وہ خود ان کے لیے ضروری قوانین مرتب کرتے ہیں اور ان پر عمل درآمد کی نگرانی کرتے ہیں۔عوام کی براہ راست نگرانی میں حکومت مملکت کے تمام کام انجام دیتی ہے۔ براہ راست جمہوریت صرف چھوٹے رقبے اور کم آبادی والی مملکتوں میں ہی ممکن ہے۔یہ نظام یونان اور روم کی قدیم شہر یمملکتوں میں رائج تھا۔قدیم یونانی اور رومی مملکتوں کا رقبہ محدود اور آبادی کم تھی۔یہ طریقہ اس وقت سوئٹزرلینڈ (اس کی چھاؤنیوں میں) اور مملکتہائے متحدہ امریکہ میں بلدیاتی اداروں کی بعض مملکتوں میں رائج ہے۔

براہ راست جمہوریتوں میں درج ذیل طریقے تجویز کیے گئے تھے جس سے لوگ اپنا کردار صحیح طریقے سے ادا کر سکیں۔

(1) رائے طلبی (2) پیش قدمی (3) بازطلبی اور (4) رائے شماری۔

A۔ رائے طلبی (Referendum): یہ طریقہ اہم قانون سازی کے بارے میں عوامی رائے معلوم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ کچھ خطوں میں، آئینی قانون اور عام قانون کے مسائل پر رائے عامہ کی تلاش کی جاتی ہے۔ اسے رائے طلبی کہتے ہیں۔ یہ طریقہ بعض قوانین کے لوگوں کی قبولیت یا انکار کو جاننے میں مدد کرتا ہے۔ عوام کا فیصلہ حتمی ہے۔ یہ دو طرح کا ہوسکتا ہے: لازمی رائے طلبی اور رضا کارانہ یا اختیاری رائے طلبی۔

لازمی رائے طلبی میں مقنّنہ کی طرف سے بنائے گئے قوانین کو لازمی طور پر عوامی رائے حاصل کرنا شامل ہے۔ ان کی رائے عوام کے سامنے پیش کی جائے گی۔ ان کا نفاذ یا دوسری صورت میں عوام کے فیصلوں پر منحصر ہے۔ جن کو عوام نے مسترد کر دیا ان پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

اختیاری رائے طلبی میں شہریوں کی دی گئی تعداد کی درخواست پر عوامی رائے کے لیے مقنّنہ کے منظور کردہ قوانین کو پیش کرنا شامل ہے۔ ان کا نفاذ یا دوسری صورت میں لوگوں کے فیصلے پر منحصر ہے۔ رائے طلبی عوامی رائے کے مطابق ملکی مسائل کو حل کرنے میں مدد کرتا ہے اور عوامی حاکمیت کی بالا دستی کو برقرار رکھتا ہے۔ لیکن، یہ طریقہ مقنّنہ کی اہمیت کو کم کر دیتا ہے۔ یہ مہنگا ہے اور اس سے قانون کے نفاذ میں مزید تاخیر ہوتی ہے۔

B۔ پیش قدمی (Initiative): یہ لوگوں کی طرف سے مقنّنہ سے کی گئی ایک درخواست ہے کہ وہ ایک مخصوص قانون وضع کرے۔ قومی مسئلہ یا پالیسی۔ قانون بنانے کے بعد اسے ریفرنڈم کے لیے پیش کیا جائے گا۔ اس پہلو میں، لوگ ایک مخصوص تعداد میں قانون سازی کی تجویز کے لیے مقنّنہ کو ایک عرضی تحریری فارم پیش کرتے ہیں۔ اگر مقنّنہ اسے منظور نہیں کرتی ہے تو ریفرنڈم کرایا جائے گا جہاں عوام اس کی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔ اگر لوگ تجویز کو قانون کی شکل میں بھیجیں تو اسے تشکیلی درخواست کہا جاتا ہے۔ ورنہ اسے غیر تشکیلی درخواست کہا جاتا ہے۔ اس سے مقنّنہ کو مزید ذمہ دار بنانے میں مدد ملتی ہے۔ اس سے قوانین اور پالیسیوں میں موجود نقائص کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔ لیکن یہ طریقہ مقنّنہ کی اہمیت اور اختیارات کو بھی کم کر دیتا ہے۔

C۔ باز طلبی (Recall): کا مطلب ہے واپس بلانا۔ نمائندے نااہل ہونے کی صورت میں عوام انہیں واپس بلائیں گے۔ لہذا، یہ طریقہ نمائندوں کو اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طریقے سے ادا کرنے میں مدد کرتا ہے اس خوف سے کہ وہ نااہلی کی بنیاد پر واپس بلائے جائیں گے۔

D۔ رائے شماری: Plebiscite کا مطلب ہے بعض اہم پہلوؤں پر رائے عامہ کا تعین کرنا۔ یہ قانون اور آئین پر لاگو نہیں ہوتا۔ بعض عوامی مسائل اور حکومت کی پالیسیوں پر عوام کے فیصلے لئے جاتا ہیں۔ یہ طریقہ پہلی بار 1804 میں فرانس میں نپولین نے استعمال کیا۔

بالواسطہ/نمائندہ جمہوریت

جدید دور میں دنیا کے بیشتر حصوں میں بالواسطہ جمہوریت کی پیروی کی جاتی ہے۔ اسے 'نمائندہ جمہوریت' بھی کہا جاتا ہے۔ تمام جدید مملکتیں آبادی اور رقبےکے لحاظ سے وسیع ہیں۔ اس لیے ان مملکتوں میں براہ راست جمہوریت کا ہونا ممکن نہیں ہے۔ بالواسطہ جمہوریت واحد مناسب نظام ہے۔ اس طریقہ کار میں عوام براہ راست انتظامیہ میں شرکت نہیں کرتے۔ لیکن انتظامیہ ان کے نمائندوں کے

ذریعے چلائی جاتی ہے۔اسی لیے یہ بالواسطہ جمہوریت کہلاتی ہے۔اس نظام میں عوام کے منتخب کردہ نمائندیرائے عامہ کیمقننہ میں نمائندگی کرتے ہیں۔بالواسطہ جمہوریت سیاسی جماعتوں کا کردارقابل ذکر ہے۔مختلف سیاسی جماعتیں اپنے اپنے منشورعوام کوپیش کرتی ہیں۔؟اورالیکشن جیتنے کی کوشش کرتی ہیں۔ایک جماعت جومقنّنہ میں اکثریت حاصل کرے گی۔اقتدار میں آنے کی پوزیشن میں ہوگی۔یہ بالواسطہ پرعوام کوذمہ دار ہوگی۔انتخابات،سیاسی جماعتیں،میڈیااوررائے عامہ بالواسطہ جمہوریت کے موروثی حصے ہیں۔وہمملکتی انتظامیہ کومتاثر کرنے میں اہم کرداراداکریں۔

جمہوریت کی کامیابی کی شرائط

تمام جدید مملکتوں میں جمہوریت کواہمیت حاصل ہوئی کیونکہ یہ سب کے لیے مفید حکومت کی بہترین شکل ہے۔جمہوریت کی کامیابی کی بہت سی شرائط ہیں۔ بنیادی طور پر جمہوریت اس وقت کامیاب ہوسکتی ہے جب عوام متحرک ہوں۔سیاسی مفکرین نے جمہوریت کی کامیابی کے لیےدرج ذیل کوبنیادی قرار دیا۔

1۔ لوگوں کے پاس جمہوری نمونہ ہوناضروری ہے۔
2۔ انہیں برادرانہ/قومی تصورات کوفروغ دیناچاہیے۔
3۔ انہیں چوکنارہناچاہیے۔
4۔ ان میں اچھی شہریت کی خوبیاں ہونی چاہئیں۔
5۔ اقلیت کواکثریت کی رائے کااحترام کرناچاہیے۔اسی طرح اکثریت کواقلیت کےحقوق اوربہبودکااحترام کرناچاہیے۔
6۔ لوگوں کے لیےاپنی چھپی ہوئی صلاحیتوں کونکال کراپنی شخصیت کونکھارنے کے لیےکافی مواقع ہونے چاہئیں۔
7۔ ایک موثر جماعتی نظام ہوناچاہیے۔
8۔ موثر جماعتی نظام کےساتھ ساتھ پریس،ریڈیواورٹی وی جیسےمیڈیاکےایمانداراورغیرجانبدارذرائع بھی ہونے چاہئیں۔
9۔ آزادعدلیہ،جمہوری مرکزی اقتداراورطاقتورمقامی خودحکومت جمہوریت کی کامیابی کےلیےضروری ہیں۔
10۔ تمام لوگوں کولوگوں سے متعلق تمام مسائل میں ذات پات،مذہب،گروہ،زبان اورعلاقے کی تفریق کےبغیرقومی ترقی اورملکی سلمیت کے لیےکوشش کرنی چاہیے،

جمہوریت-خوبیاں

جدیددورمیں تمام طرزحکومت میں جمہوریت بہترین ہے۔اس کی بہت سی خوبیاں ہیں۔ان میں سے کچھ کی تفصیل اس طرح ہو سکتی ہے:

1۔ یہ حکومت کی ایک اعلیٰ اوربلندشکل ہے۔
2۔ یہ تمام شہریوں کویکساں مواقع فراہم کرتاہے۔
3۔ یہ شہریت کی اچھی تربیت فراہم کرتاہے۔

4۔ شہریوں کی اہمیت ہے؛حکومت میں ان کا حصہ ہے۔
5۔ اس سے اخلاقی اقدار کوفروغ ملتا ہے۔
6۔ اس سے بغاوت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔
7۔ یہ ایک موثر اور ذمہ دار حکومت فراہم کرتا ہے۔
8۔ یہ پرامن طریقوں کی پیروی کرتا ہے۔

جمہوریت کے نقصانات

جمہوریت میں کچھ خامیاں ہیں۔ان میں سے کچھ کی تفصیل اس طرح ہوسکتی ہے:

1۔ حکومت ناکارہ ہوجاتی ہے۔
2۔ حکومت کیدائرہ کا عدم استحکام۔
3۔ مساوات کے نظریہ کا غلط استعمال۔
4۔ حکومت کی مہنگی شکل۔
5۔ غیرذمہ داری کی ترقی کے لئے گنجائش.
6۔ سیاسی جماعتوں کی بالادستی میں اضافہ۔
7۔ طبقاتی جدوجہد کی گنجائش۔
8۔ انتظامیہ میں تاخیر۔
9۔ اخلاقی معیارات کا انحطاط۔
10۔ اقلیتوں کونظرانداز کیا جائے گا۔

خلاصہ

اب آیئے اب تک کی بحث کا خلاصہ کرتے ہیں۔عصری دنیا میں جمہوریت سب سے زیادہ مروجہ اور اب تک،حکومت کی سب سے پسندیدہ شکل ہے۔آج دنیا کے آدھے سے زیادہ آزاد ممالک جمہوری ہیں۔موٹے الفاظ میں جمہوریت کی اصطلاح کا مطلب عوام کی حکمرانی ہے۔تاہم،وقت کی ایک مدت کے ساتھ مختلف معنی اس کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے.

جمہوریت براہ راست یا بالواسطہ ہوسکتی ہے۔ براہ راست جمہوریت ایک ایسا نظام ہے جس میں لوگ لفظی طور پر اپنے آپ پر براہ راست حکومت کرتے ہیں۔ یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ سیاسی اقتدار اعلی عوام میں رہتی ہے اور اس لیے وہ حکومت میں اپنے منتخب نمائندوں پر بھروسہ کرنے کے بجائے براہ راست کچھ پالیسیوں کا تعین کرسکتے ہیں۔ یہ بنیادی طور پر مغربی تہذیب کی پوری ترقی کا ایک ضمنی پیداوار ہے۔ براہ راست جمہوریت میں، جیسا کہ قدیم ایتھنز میں شروع ہوا اور اس پر عمل کیا گیا،شہری نمائندہ اداروں کے بغیر، خود فیصلے کرتے ہیں۔ براہ راست جمہوریت کا نظام سوئس چھاؤنیوں اور سوئٹزرلینڈ میں مقامی سطح پر Landsgemeinde یا مقبول

مقنّنہ کی شکل میں بڑے پیمانے پر استعمال ہوتا ہے۔ سیاسی زندگی میں براہ راست اور مسلسل مقبول شرکت کا کلاسیکی ماڈل امریکہ میں نیو انگلینڈ کی ٹاؤن شپ میٹنگز میں استعمال ہوتا رہا ہے۔

اس یونٹ میں، آپ نے نمائندہ جمہوریت کے بارے میں پڑھا ہے جو جمہوریت کی جدید شکل ہے۔ چونکہ جدید جمہوری مملکتوں کے بڑے سائز اور آبادی کی وجہ سے حکومت کی ایک شکل کے طور پر براہ راست جمہوریت پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے جدید جمہوری مملکتوں میں نمائندہ حکومتیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ جنہیں نمائندے کہا جاتا ہے وہ وقتاً فوقتاً آبادی کی جانب سے کام کرنے کے لیے منتخب ہوتے ہیں۔ اسے نمائندگی کے نظام کے نام سے جانا جاتا ہے۔ نمائندہ جمہوریت حکومت کا ایک ایسا نظام ہے جس میں تمام اہل شہری نمائندوں کو ووٹ دیتے ہیں تاکہ ان کے لیے قانون منظور کیا جا سکے۔ اس لیے جمہوریت کو جدید دور میں لوگوں کی طرف سے بالواسطہ حکمرانی کی ایک شکل کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔

نمونہ امتحان کے سوالات

I۔ درج ذیل کے لیے طویل جوابات لکھیں۔

1۔ جمہوریت کی تعریف کریں اور براہ راست جمہوری آلات کی وضاحت کریں۔

II۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات لکھیں۔

1۔ جمہوریت کی کامیابی کی شرائط پر بحث کریں۔

2۔ جمہوریت سے کیا مراد ہے؟ اس کی خوبیاں اور خامیاں بیان کریں۔

III۔ درج ذیل سوالات کے جوابات لکھیں جن میں سے ہر ایک پانچ لائنوں سے زیادہ نہ ہو۔

1۔ جمہوریت کیا ہے؟

2۔ جمہوریت کی تعریف کریں؟

3۔ براہ راست جمہوریت کے طریقوں کی تفصیل بتائیں؟

4۔ بالواسطہ جمہوریت کیا ہے؟

5۔ رائے طلبی کی وضاحت کریں۔

6۔ پیش قدمی کیا ہے؟

7۔ جمہوری نظام کی کوئی چار خصوصیات بیان کریں۔

لغت

براہ راست جمہوریت لائحہ عمل کی پہل، علاقہ، شہری، فہرست رائے دہندگان، ووٹر، قانونی حیثیت، درخواست، مشہور، اقتدار، بالغ رائے دہی، ووٹر

نمائندہ جمہوریت: احتساب، اختلاف رائے، وسیع، ثالثی، چندسری حکومت، مقبول خودمختاری، ظلم

7

7۔ حکومت کی شکلیں

Democracy

مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد، آپ کو قابل ہونا چاہیے:

☆ وفاقی اور وحدانی طرز حکومت کے بنیادی عناصر کی نشاندہی کریں۔

☆ وفاقی اور وحدانی نظام میں فرق کریں۔

☆ وفاقی اور وحدانی نظام کی بدلتی ہوئی نوعیت کی وضاحت کریں۔

تعارف

مرکزی، علاقائی اور مقامی حکام کے درمیان اختیارات کی تقسیم کی بنیاد پر حکومتوں کو وفاقی یا وحدانی نظام کے طور پر درجہ بندی کیا جا سکتا ہے۔ یہ یونٹ وفاقی اور وحدانی سیاسی نظام کی بنیادی خصوصیات کو سامنے لاتا ہے۔ مرکز اور اکائیوں-مملکتوں یا صوبوں کے درمیان تعلقات کی بنیاد پر، حکومتوں کو وحدانی اور وفاقی کے طور پر درجہ بندی کیا جا سکتا ہے۔ ایک وحدانی حکومت میں، حکومت کے تمام اختیارات مرکزی حکومت کے پاس ہوتے ہیں جبکہ وفاقی حکومت میں، حکومت کے اختیارات مرکز اور وفاقی اکائیوں کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں۔ ان کی مخصوص خصوصیات اور تقابلی خوبیاں اور خامیاں حسب ذیل ہیں۔

حکومت مملکت کے اہم عناصر میں سے ایک ہے۔ یہ حکومت ہے جو مملکت کے اہم کام انجام دیتی ہے۔ حکومت تین اداروں پر مشتمل ہے یعنی عاملہ، مقنّنہ اور عدلیہ۔ یہ مملکت کے مختلف امور اور لوگوں کی روزمرہ زندگی کو چلانے کے لیے قوانین اور پالیسیاں بناتا ہے۔ حکومت کی بہت سی شکلیں ہیں جیسا کہ افلاطون، ارسطو، سیسرو، لیکاک وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ افلاطون نے درجہ بندی کے تین پہلوؤں کا ذکر کیا ہے کامل حالت، نامکمل حالت اور جہالت کی حالت۔

جبکہ ارسطو نے حکومت کی شکلوں کی درجہ بندی نمبروں کی بنیاد پر خود مختار طاقت اور حکومت کے مقصد کے ساتھ کی تھی۔ ان کے نزدیک بہترین حکومت وہ ہے جو عوام کے مفاد میں کام کرے۔ جب حکومت اپنے مفادات کے لیے کام کرتی ہے تو یہ بگڑ جاتی ہے۔ پولی بیئس نے حکومت کو تین شکلوں میں تقسیم کیا: بادشاہت، اشرافیہ اور جمہوریت۔ حکومت کی لیکاک کی درجہ بندی عام طور پر قابل قبول

ہے۔انہوں نے کہا کہ حکومت کی دو بڑی شکلیں ہیں، آمرانہ اور جمہوری۔ آمرانہ یا آمرانہ حکومت کا مطلب ہے جہاں ایک شخص کی مرضی غالب ہو، جبکہ جمہوری حکومت کا مطلب ہے کہ عوام کی مرضی غالب ہو اور حاکمیت ایک شخص کی بجائے عوام کے ہاتھ میں ہو۔ اگر ہم حکومت کی جدید شکلوں کی درجہ بندی کرنے کی کوشش کریں تو اسے سماجی، معاشی، فلسفیانہ اور تاریخی عوامل کی بنیاد پر تشکیل دیا جا سکتا ہے۔ ہم مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ عصر حاضر میں جمہوریت کے مختلف رنگ ہیں جیسا کہ یہ برطانیہ، امریکہ، فرانس، ہندوستان، کینیڈا، جرمنی، جنوبی افریقہ میں موجود ہے۔

حکومت کیا ہے؟

حکومت کی اصطلاح ''govern'' کی اصطلاح سے آتی ہے، جس کا مطلب ہے 'حکمرانی، رہنمائی، حکومت کرنا اور ہدایت کرنا۔ اس اصطلاح کی تاریخی جڑیں ہیں۔ حکومت کو بادشاہت، چند سری اور جمہوریت کے طور پر بیان کرنا عام ہے۔ ان تمام اصطلاحات کی جڑیں یونانی زبان میں ہیں۔ حکومت کی اصطلاح کی کوئی عالمگیر تعریف نہیں ہے۔ میریم-ویبسٹر لغت کے مطابق حکومت کا مطلب ہے 'افراد کی باڈی جو کسی سیاسی اکائی یا تنظیم کی حکومتی اختیار کو تشکیل دیتی ہے: جیسے عہدیدار جو سیاسی یونٹ کی حکومت شعبہ پر مشتمل ہوتے ہیں اور تنظیم کو ایک فعال ایجنسی کے طور پر تشکیل دیتے ہیں۔ 'برٹانیکا ڈکشنری نے حکومت کی تعریف 'سیاسی نظام' کے طور پر کی ہے جس کے ذریعے کسی ملک یا برادری کو زیر انتظام اور منظّم کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف بلیک ویل ڈکشنری کے مطابق 'حکومت' عام طور پر حکمرانوں کو کہتے ہیں، لوگوں کا وہ گروہ جو ایک خاص وقت میں مملکت کے انچارج ہوتے ہیں۔ مختلف معانی کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصطلاحی حکومت نظام کی ایک شکل کی نمائندگی کرتی ہے جو امن و امان کے ذریعے معاشرے پر کنٹرول کا استعمال کرتی ہے۔ ایک ہی وقت میں، یہ طاقت کا استعمال کرنے کا ایک طریقہ ہو سکتا ہے۔ حکومت مملکت کے مختلف کام انجام دینے کے لیے موجود ہے۔ جیسا کہ سولٹاؤ نے ذکر کیا ہے کہ حکومت کا مطلب ہے 'وہ تمام افراد، ادارے اور ذرائع جو مملکت کی مرضی کے اظہار میں مدد کرتے ہیں اور اسے ٹھوس شکل دیتے ہیں'۔

دوسرے لفظوں میں، گارنر نے کہا ہے کہ 'حکومت اس ایجنسی یا تنظیم کا ایک اجتماعی نام ہے جس کے ذریعے مملکت کی مرضی کی تشکیل، اظہار اور احساس کیا جاتا ہے'۔ Strong C.F نے کہا ہے کہ 'اگر ہم قانون بنانا اور نافذ کرنا چاہتے ہیں تو مملکت کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہونا چاہیے، اس کے بغیر مملکت کا وجود نہیں ہو سکتا'۔ حکومت کی اصطلاح زیادہ تر چار طریقوں سے استعمال ہوتی ہے۔ سب سے پہلے، ایک ایسے ادارے کے طور پر جس پر حکومت کرنے کی ذمہ داری کے احساس کا الزام ہے۔ دوم، مملکت کی مشینری یا انجن کے طور پر۔ یہ مملکت کی مشینری ہے اس کے بغیر مملکت قائم نہیں رہ سکتی۔ اس طرح، حکومت مملکت کا ایک اہم عضو ہے اور اسے مملکت کے لوگوں پر خود مختار طاقت استعمال کرنے کے حقوق حاصل ہیں۔

ان افعال کو انجام دینے کے لیے حکومت کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مقنّنہ، عاملہ اور عدلیہ۔ مقنّنہ کا بنیادی کام مملکت اور عوام کے لیے قانون سازی کا کام انجام دینا ہے۔۔ عاملہ کا بنیادی کام قوانین کو نافذ کرنا ہے۔ حکومت کا سب سے بڑا کام مملکت کو چلانا، مملکت کے لیے قوانین بنانا اور فیصلہ سازی اور پالیسی سازی کرنا ہے۔ جبکہ عدلیہ کا بڑا کام مخصوص مقدمات میں قوانین کے اطلاق

کا فیصلہ اور تشریح کرنا ہے۔

حکومت کی اہم شکلیں

عصر حاضر میں حکومت کی بنیادی طور پر دو شکلیں ہیں یعنی وحدانی اور وفاقی. حکومت کی ان دو شکلوں کی تشکیل تقسیم کے طریقہ کار اور طاقت کا ارتکاز اور یونین اور مملکت یا صوبائی کے درمیان تعلق پر مبنی ہے۔حکومت ہندوستان، امریکہ، جنوبی افریقہ، کینیڈا، آسٹریلیا جیسے مما لک میں وفاقینظام ہے۔جبکہ برطانیہ، جاپان، اٹلی اور فرانس جیسے مما لک نے وحدانیحکومت کی ساخت کو اپنایا ہے۔

وحدانی حکومت

وحدانی حکومت حکومت کی ایک شکل ہے جس کے تحت تمام اختیارات ایک مرکزی حکومت کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ بڑی طاقت مرکزی حکومت کے ہاتھ میں مرکوز ہے اور مقامی یا مملکتی حکومت کو بنیادی سرگرمیاں انجام دینے کے لیے مطلوبہ اختیارات دیے جاتے ہیں۔ مقامی یا مملکتی حکومت مرکزی حکومت کے مطابق کام انجام دیتی ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مقامی حکومت صرف اسی طریقے سے کام کرتی ہے جس کی ہدایت مرکزی حکومت کرتی ہے۔ مقامی حکومت کی طاقت اور کردار مرکزی حکومت کی خواہشات پر منحصر ہے۔ جیسا کہ ڈائیسی نے حکومت کی وحدانی شکل کے تحت 'ایک مرکزی طاقت کے ذریعہ اعلیٰ قانون ساز حکام کی عادت کی مشق' کا ذکر کیا ہے۔ اکیلے مرکزی حکومت کو پوری مملکت کے لیے قوانین بنانے اور قوانین کو خود سے نافذ کرنے یا مقامی حکام کو اختیارات منتقل کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ متحدہ حکومت کی اہم خصوصیات یہ ہیں:

مرکزی حکومت کے ہاتھ میں طاقت: حکومت کی وحدانی شکل میں تمام اختیارات مرکزی حکومت کے ہاتھ میں مرتکز ہوتے ہیں جیسے برطانیہ میں جہاں اقتدار مرکزی حکومت یعنی وزیر اعظم کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ فرانس کے تمام اختیارات صدر کے ہاتھ میں ہیں۔ قانون سازی کا اختیار کسی دوسرے شعبہ یا ادارے کے لیے دستیاب نہیں ہے سوائے مرکزی حکومت کے ذریعے مملکت یا مقامی حکومت کو منتقل اور تفویض کردہ اختیارات کے۔ فرانس میں 1958 کے آئین کے مطابق مرکزی حکومت کو ملک کی پالیسی کی وضاحت اور نفاذ کے تمام اختیارات اور ذمہ داری حاصل ہے۔ قانون بنانے اور پاس کرنے کا اختیار صرف پارلیمنٹ کے پاس ہے۔ فرانسیسی صدر مملکت کے سربراہ اور عاملہ کے سربراہ، فوج کے سپریم کمانڈر بھی ہیں اور وزراء کیکونسل سے مشاورت کے بعد پالیسی کا تعین کرتے ہیں۔

قوانین قواعد وضوابط: وحدانی حکومت میں طاقت مرکزی حکومت کے ہاتھ میں مرکوز ہوتی ہے۔ اس طرح، مرکز اور مملکتی حکومتوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے اختیارات کی تقسیم اور انہیں مرکز اور مملکتوں کے درمیان بانٹنے کے لیے تحریری قوانین اور آئین کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تحریری قواعدان کے کنونشن کے مطابق فرانس کی طرح لکھے جاسکتے ہیں اور برطانیہ کی طرح غیر تحریری بھی ہوسکتے ہیں۔ برطانیہ میں حکومت کی ایک واحد شکل ہے لہذا، پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں - ہاؤس آف کامنز اور ہاؤس آف لارڈز کو پورے ملک کے لیے قانون بنانے کا اختیار حاصل ہے۔

مقامی یا مملکتی حکومت مرکزی حکومت کے رہنما خطوط پر عمل کرتی ہے: چونکہ تمام اختیارات مرکزی حکومت کے ہاتھ میں ہیں،

وہ اپنی مرضی اور دلچسپی کے مطابق تمام کام کرسکتی ہے۔ مقامی حکومت کی طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہے، جس کا فرض صرف مرکز کی ہدایات پر عمل کرنا ہے۔ انتظامی اور دیگر محکمانہ کام مرکزی حکومت کی طرف سے دی گئی ہدایات کے مطابق مقامی حکومت انجام دیتی ہے۔ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر برطانیہ میں وزیر اعظم اور کونسل آف منسٹر بلدیاتی اداروں کو کام کو زیادہ موثر انداز میں کرنے کے لیے ہدایات دیتے ہیں۔

لچکدار اور ماحول کے مطابق ڈھالنے میں آسان: وحدانی حکومت میں جیسا کہ طاقت مرکزی حکومت کے ہاتھ میں ہے۔ یہ حکومت اور انتظامیہ کو فیصلے جلدی کریں اور بدلتے وقت کے مطابق ان کو بدلنے میں مدد کرتا ہے۔۔ مرکزی حکومت کو مقامی حکومت کی منظوری کی ضرورت نہیں ہے، مثال کے طور پر Covid-19 کے وقت فرانس، برطانیہ کی حکومت اور انتظامیہ نے تیزی سے غیر معمولی فیصلے لیے ہیں۔

وحدانی حکومت میں مرکزی حکومت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ضروریات اور تقاضوں کے مطابق آئین میں ترمیم کرے۔ جیسا کہ E.B.Schulz نے ذکر کیا ہے، 'وحدانی حکومت کا بنیادی فائدہ اس کی لچک اور علاقائی بنیادوں پر اختیارات کی تقسیم کا معاملہ ہے۔

یکساں نظم ونسق: وحدانی حکومت میں مرکزی حکومت کو حاصل طاقت کی مرکزیت کے اصول پر مبنی ہوتی ہے۔ ایسے سیاسی نظام میں فیصلہ سازی کی طاقت اور کام کی بالادستی مرکزی انتظامیہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ StrongC.F. کے مطابق وحدانی نظام کے تحت بالادستی مرکزی پارلیمنٹ میں ہے۔ مرکزی پارلیمنٹ کی حیثیت تمام لوگوں پر حکومت کرتی ہے جیسے برطانوی ہاؤس آف کامنز تمام قوانین پاس کرتا ہے اور بلدیاتی اداروں کی حکومت کرتا ہے۔ مزید یہ کہ اقتدار کی مرکزیت بھی وحدانی حکومت میں بنیادی خیال ہے۔ ایسے نظام میں مقامی حکومتیں مرکزی حکومت پر منحصر ہوتی ہیں۔ یہ تمام پہلوؤں میں مرکزی حکومت کے ماتحت ہے۔

وفاقی حکومت

ایک وفاقی مملکت کئی خودمختار مملکتوں کی نمائندگی کرتی ہے جو ایک ساتھ مل کر ایک بڑی مملکت بناتی ہیں یا دوسری طرف جب ایک بڑی مملکت خود کو ایک چھتری کے نیچے کئی مملکتوں میں تقسیم کرنے کو تسلیم کرتی ہے۔

جیسا کہ ڈائسی نے کہا ہے کہ 'ایک وفاقی مملکت کا مقصد مملکتی حقوق کی بحالی کے ساتھ قومی اتحاد اور طاقت کو ملانا ہے۔ ایک وفاقی مملکتمملکتوں کا اتحاد ہے کیونکہ اس کا ہندوستانی آئین کے آرٹیکل) 1 (میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہندوستان 'مملکتوں کا اتحاد' ہے۔ وفاقی مملکت اور حکومت دو قسم کی قوتوں کی پیداوار ہیں— مرکز جو اور مرکز گریز۔ مرکز جو کا مطلب ہے جب آزاد مملکتیں ایک نئی مملکت بنانے کے لیے ہاتھ ملانے پر راضی ہوں، آسٹریلیا اور USA ایسی وفاقی مملکت کی بہترین مثال ہے۔ دوسری طرف، مرکز گریز کا مطلب ہے جب ایک وحدانی حکومت خود کو وفاقی حکومت میں تبدیل کرتی ہے۔ اس نظام کے تحت، یونٹس خودمختاری کا ایک بڑا پیمانہ مانگتے ہیں جو صرف ایک وفاقی مملکت میں فراہم کی جاسکتی ہے۔ ہندوستان مرکز گریز وفاقی مملکت کی ایک بہت اچھی مثال ہے۔

وفاقی نظام میں تحریری اور غیر تحریری آئین ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وفاقی مملکت میں مرکز اور وفاقی اکائیوں کے درمیان تعلق

تحریری آئین میں بیان کیا گیا ہے۔ایسی صورت حال میں یہ مرکز اور مملکتوں یعنی وفاق کی اکائیوں کی طاقت اورافعال کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وفاقی حکومت کی الگ خصوصیت مرکزی حکومت اور کئی مملکتی حکومتوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم ہے۔ امریکہ میں اقتدار اعلی اس کے آئین میں ہے۔اگر کوئی نیا قانون مرکز یا مملکت کی طرف سے منظور کیا جاتا ہے تو وہ آئین سے میل کھاتا ہے۔اس سے آئین کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیے۔ وحدانی مملکت میں مرکز عوام کے مفادات کے تحفظ اور فروغ کے لیے کوئی بھی قانون پاس کرسکتا ہے۔لیکن ایک وفاقی مملکت میں تمام قوانین کا آئین کے مطابق اورعوام کے ساتھ مملکتوں کے مفادات کوفروغ دینا ضروری ہے۔ وفاقیحکومت کی اہم خصوصیاتہیں.

تفویض اور اختیارات کی تقسیم: ایک وفاقی مملکت میں حکومت کسی مخصوص علاقے میں کم از کم دو یا زیادہ سطحوں پر موجود ہوتی ہے۔ یہ سب کسی نہ کسی اداروں اورانہیں مشترکہ بنیادوں پر دی گئی طاقت کے ذریعے سرگرمیاں انجام دیتے ہیں۔?۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وفاقی دور حکومت میں اختیارات کو مرکز اور مملکت (یونٹ) اور بہت سی دوسری مقامی حکومتیں کے درمیان بھی تقسیم اور تفویض کیا جاتا ہے۔وہ سب اپنی طاقتیں تحریری آئین سے حاصل کرتے ہیں۔

یہ وفاقی حکومت کی سب سے ضروری خصوصیات میں سے ایک ہے۔ وفاقی مملکت میں، آئین مرکزی اور مملکتی حکومت دونوں پر ایک اقتدار اعلی کے طور پر کام کرتا ہے۔مثال کے طور پر، امریکہ میں، اختیارات مرکزی حکومت اور پچاس مملکتی حکومتوں کے درمیان تقسیم کیے جاتے ہیں۔مرکز اور مملکت دونوں اپنے کام کے متعین دائروں پر کام کرتے ہیں۔مرکزی حکومت قومی اہمیت سے متعلق علاقے پر کام کرتی ہے، جس کا تعلق قوم کے ساتھ ساتھ لوگوں سے بھی ہوتا ہے، مثال کے طور پر، خارجہ امور، سفارت کاری، تجارت، بین الاقوامی مذاکرات اور معاہدات وغیرہ، جبکہ مملکت اور مقامی حکومتیں مملکتی امور جیسے تعلیم صحت، صفائی ستھرائی، سڑکوں وغیرہ کے مقامی اور مملکتی سطح کے مسائل کام کرتی ہیں۔۔

تحریری اورسخت آئین: وفاقی حکومت میں، اختیارات مرکزی اور مملکتی حکومتوں کے درمیان بانٹے اور تقسیم ہوتے ہیں۔اس طرح، اس صورت حال میں تحریری اور نافذ شدہ آئین میں اختیارات کی وضاحت ضروری اور پابند ہو جاتی ہے۔ایک تحریری دستاویز ہی طاقت کی موثر تقسیم دے سکتی ہے۔غیر تحریری آئین مرکزی اور مملکتی حکومتوں کے درمیان کچھ غلط فہمیاں، الجھنیں اور اختلاف پیدا کرسکتا ہے۔جیسا کہ امریکہ، ہندوستان اور کینیڈا کے معاملے میں دیکھا جاسکتا ہے، انہوں نے آئین تحریر کیا ہے،

وفاقی نظام حکومت میں کہا گیا ہے کہ تحریری آئین سخت ہے۔ وفاقی ڈھانچے کی نوعیت کے تحفظ کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ مرکزی اور مملکتی حکومتیں مل کر تحریری آئین میں ترمیم کرنے کا اختیار رکھتی ہیں۔ مزید یہ کہ وفاقی مملکت کے استحکام اور فطرت کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔اس طریقہ کار کے تحت مرکز اور مملکتوں کے درمیان باہمی رضامندی ضروری ہے۔ وفاقی ڈھانچے سے متعلق آئین کے کسی بھی حصے میں ترمیم کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اس کے لیے خصوصی اکثریت یعنی 3/2 اکثریت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، امریکہ میں اگر وفاقی ڈھانچے سے متعلق حکومت کو آئین میں کوئی ترمیم درکار ہے تو ترمیم دو مراحل پر عمل کرتی ہے، پہلے مرحلے میں اس کے لیے دونوں ایوانوں (سینیٹ اور...) کی 3/2 اکثریت کی ضرورت ہوتی ہے یا مملکتی اسمبلی کے 3/2 ارکان کے مطالبے پر کانگریس کی طرف سے بلایا گیا کنونشن۔ دوسرے مرحلے پر، منظور شدہ ترمیم کو یا تو 4/3 مملکتی مقننہ یا 4/3 مملکتوں میں

خصوصی کنونشن کے ذریعے منظور کیا جاتا ہے۔دونوں مراحل سے گزرنے کے بعد ہی آئین میں ترمیم شامل کی جاتی ہے۔

عدلیہ کا مضبوط (Anchoring) کردار: مملکت کی وفاقی نوعیت کے تحفظ اور فروغ کے لیے عدلیہ ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔یہ عدلیہ ہے جو آئین کی حفاظت اور تشریح کرتی ہے۔ہندوستان اور امریکہ میں،عدلیہ مرکز اور مملکتی حکومتوں کے قوانین پر عدالتی نظرثانی کی طاقت کا استعمال کرتی ہے۔عدلیہ نہ صرف آئین کی تشریح یا تحفظ کرتی ہے بلکہ مرکز اور مملکتوں یا مملکت اور مملکت کے درمیان تنازعات کو بھی حل کرتی ہے۔ بھارت کی طرح سپریم کورٹ مملکتوں کے درمیان دریائی پانی سے متعلق مسائل کو حل کرتی ہے۔وفاقی مملکت میں ہمیشہ مختلف مسائل ہوتے رہتے ہیں جیسے سرحدی تنازعہ،مملکتوں کے درمیان تنازعات،وسائل کی تقسیم،وغیرہ جو سپریم کورٹ کے ذریعہ حل کیے جاتے ہیں۔

ایسے حالات میں مرکز اور مملکتوں کیدرمیان تنازعات کو حل کرنے کے لیے عدلیہ کا کردار بہت اہم ہے۔ جیسا کہ جے ایس مل نے ذکر کیا ہے کہ مرکزی اور علاقائی حکومت کی آئینی اتھارٹی یکساں طور پر اور واضح طور پر بیان کیا جانا چاہئے لیکن تنازعہ کے کسی بھی معاملے میں ان کے درمیان فیصلہ کرنے کا اختیار حکومت یا کسی بھی ادارے میں نہیں ہونا چاہئے،یا اس کے کسی بھی عہدیدار مضمون میں،لیکن دونوں سے آزاد ثالث میں۔اس سلسلے میں،یہ کہا جا سکتا ہے کہ عدلیہ امریکہ،کینیڈا اور بھارت میں ایسا کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔

دوہری انتظامیہ اور شہریت: ایک وفاقی مملکت جس کو دوہری انتظامیہ کے ذریعے نمایاں کیا گیا ہے۔مرکزی حکومت میں وفاق کے لوگوں کے لیے اور مملکتی حکومت کی سطح پر دیگر افراد کے لئے مرکز اور ریاستی سطح پر انتظامیہ کے کام کاج کی نوعیت؟ مکمل طور پر آزاد ہے لیکن یہ قومی مفاد. کے موضوع پر باہمی تعاون کی بنیاد کے طور پر بھی کام کرتا ہے۔مثال کے طور پر، CoVID-19 کے ساتھ لڑنے کے لیے امریکہ،کینیڈا اور ہندوستان مرکز یا ور ریاستی حکومت اس عالمی وبائی مرض سے نکلنے کے لیے کام کر رہی ہے۔حکومت کے وفاقی ڈھانچے میں شہریوں کو قوانین کے دوسیٹوں پر عمل کرنا پڑتا ہے- مرکزی قوانین اور ریاستی قوانین۔

مزید یہ کہ وفاقی حکومت میں ہر فرد کو مملکت اور مرکز کی انفرادی شہریت ملتی ہے۔دوسرے لفظوں میں، یہ کہا جا سکتا ہے کہ وفاقی مملکت کے لوگوں کو دوہری شہریت ملتی ہے- ایک پوری قوم کی مشترکہ یونین شہریت ہے،اور دوسری ریاست کی ہے جس کی اکائی کے طور پر وہ شخص رہتا ہے۔مثال کے طور پر آسٹریلیا، امریکہ اور کینیڈا میں دوہری شہریت پائی جا سکتی ہے۔امریکہ میں لوگ مملکت کے ساتھ ساتھ ریاستہائے متحدہ کی شہریت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

دوایوانی مقنّنہ: ایک وفاقی مملکت میں،مرکزی سطح پر مقنّنہ دوایوانی مقنّنہ قائم کرتی ہے۔ایک ایوان میں مرکزی حکومت کے لوگوں کو مرکز میں نمائندگی دی جاتی ہے جبکہ دوسرے ایوان میں وفاق کی اکائیوں کی نمائندگی ہوتی ہے۔امریکہ اور کینیڈا میں دوایوانی مقنّنہ ہے۔امریکہ میں سینیٹ یعنی ایوان بالا مولکت ں کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ ایوان نمائندگان مرکز کی نمائندگی کرتا ہے۔امریکہ میں مملکت کے لوگوں کو ایوانِ نمائندگان میں مساوی نمائندگی دی گئی ہے اور 50 ریاستوں کو مساوی نمائندگی دی گئی ہے۔

تمام ریاستوں کے لیے مساوات: وفاقی نظام حکومت ایک کلیدی اصول کی پیروی کرتا ہے جو تمام ریاستوں یا اکائیوں کے ساتھ برابری کی بنیاد پر برتاؤ کرتا ہے۔یہ کبھی بھی کسی مملکت کو اس کے حجم،آبادی،وسائل وغیرہ کی بنیاد پر خصوصی یا اضافی ترجیح نہیں

دیتا۔اس ضرورت کی وجہ سے تمام ریاستوں کو مرکزی مقننہ کے ایک یا دو ایوانوں میں مساوی نشستیں دی جاتی ہیں مثال کے طور پر امریکی سینیٹ میں تمام ریاستیں جس کی نمائندگی دو ارکان کرتے ہیں یا تو مملکت سائز میں بڑی ہو یا آبادی۔ جیسا کہ WheareCK. نے ذکر کیا کہ وفاق کے بنانے والوں کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ تمام اکائیاں ان کے لیے مختص کردہ دائرہ میں اپنی آزادی برقرار رکھ سکیں اور وفاق کے لیے کام کریں۔ اصولی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وفاقی حکومت مرکز اور یونٹ کے معاملات کے درمیان غیر جانبدار یا درمیانی راستہ اختیار کرتی ہے۔ مرکزی اور مملکتی حکومتوں کے درمیان طاقت کا تبادلہ کے لیے نظام تقسیم کے طریقہ کار سے تعاون یافتہ ہے۔

اپنی پیشرفت کو جانچیے۔

1۔ وفاقیت کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں؟

2۔ ایک وحدانی نظام کیا ہے؟ مثالیں دیں۔

ایک تجزیہ

عصر حاضر میں تقریباً تمام ممالک نے جمہوری شکل اختیار کر لی ہے۔حکومت کی. جس میں زیادہ تر مملکتوں نے یا تو وحدانی یا وفاقی کی پیروی کی ہے۔ حکومت کی شکل. اگر ہم حکومت کی دونوں شکلوں کا تجزیہ کریں تو ہمیں کچھ خوبیاں اور خامیاں مل سکتی ہیں۔ اسے مختلف نکات کے تحت سمجھا جا سکتا ہے، یہ ہیں:

(a) **مستحکم اور مطلق العنان حکومت:** اگر ہم وحدانی اور وفاقی کا تجزیہ اور موازنہ کریں۔ حکومتوں کی قدیم شکل میں یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ متحدہ حکومت زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ اور فیصلے لینے اور پالیسی سازی کے حوالے سے وفاقی حکومت کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ اس بات کے امکانات ہیں کہ متحدہ حکومت ایک مطلق العنان آمریت میں بدل سکتی ہے۔ یہ طاقت کی وجہ سے ہے جو مرکز کے ہاتھ میں ہے اور حکومت کی سرگرمیوں پر کوئی نظر نہیں ہے۔ طاقت کے غلط استعمال کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں کئی بار فوج کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹا گیا۔ پاکستان میں کئی بار فوج نے حکومت کو پیچھے چھوڑ کر فوجی حکومت قائم کی۔

(b) مرکز اور ریاستوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے لیے ایک کمزوری ہے۔ مرکزی حکومت کو ریاستی حکومت کے تعاون کے بغیر پالیسیوں، پروگراموں اور فیصلوں کو نافذ کرنا مشکل ہے۔ دوسری طرف، ریاستی حکومتوں کو بھی مرکزی حکومت کے تعاون کے بغیر اسکیموں اور پالیسیوں کو نافذ کرنا مشکل ہے۔

(c) **آئین کی نوعیت:** جمہوریت اور حکومت کی وحدانی یا وفاقی شکل میں آئین کو ایک بہت اہم مقام حاصل ہے۔ حکومت کی واحد شکل میں، آئین لچکدار رہتا ہے۔ مرکزی حکومت کی طرف سے ترمیم کرنا آسان ہے۔ جبکہ وفاقی حکومت کی شکل میں آئین سخت ہے اور اس میں ترمیم کرنا آسان نہیں ہے جو مرکز اور ریاستوں کے درمیان مساوی تعلقات کو برقرار رکھنے کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ ہم امریکہ کی آئینی ترمیم اور برطانیہ کی آئینی ترمیم میں فرق دیکھ سکتے ہیں۔ یہ آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے کہ امریکہ نے صرف چند آئینی ترامیم کا

مشاہدہ کیا ہے جبکہ برطانیہ نے متعدد آئینی ترامیم کا تجربہ کیا ہے۔

(d) **انتظامیہ اور نظم و نسق:** انتظامیہ مرکزی اور وفاقی حکومتوں دونوں شکلوں میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ وحدانی حکومت میں انتظامیہ لچکدار ہوتی ہے۔ لچکدار آئین بدلتے وقت کے مطابق لوگوں کے تقاضوں اور ضروریات کو پورا کرنے کو یقینی بناتا ہے۔ وحدانی نظام سماجی ضروریات اور ماحول کے مطابق حالات کو بھی ڈھالتا ہے۔ یہ اس نظام کی وجہ سے ہے جو پوری صوابدید کے ساتھ ایک طاقتور مرکزی حکومت کے قیام کی سہولت فراہم کرتا ہے جو اپنی طاقت کو آئین میں تقاضوں کے مطابق ترمیم کرنے کے لیے استعمال کرے۔ جیسا کہ گیٹل نے ذکر کیا ہے کہ وحدانی نظام اپنی یکسانیت اور تکرار، فضول خرچی اور اسراف سے آزادی کے لیے جانا جاتا ہے۔ لیکن وحدانی حکومت صرف چھوٹی یا یکساں ریاستوں کے لیے موزوں ہے۔ بڑی مملکتوں کے لیے جہاں متعدد زبانوں، مذہب اور علاقائی تنوع کے ساتھ کثیر الثقافتی نظام موجود ہے۔ ایسی صورتحال میں وفاقی حکومت سب سے موزوں حکومت ہوگی۔ وحدانی نظام میں، پوری مملکت کے لیے واحد عاملہ اور مقنّنہ کے وجود کی وجہ سے بیوروکریسی کے ذریعے انتظامیہ پر غلبہ ہوتا ہے۔

(e) **تنازعات اور مملکت میں استحکام:** عوام میں اتحاد کی شدید خواہش وفاقی حکومت کی تشکیل اور کامیابی کے لیے پہلی اور اولین شرط ہے۔ اس طرح، 'تنوع میں اتحاد' کا نظریہ ایک کامیاب کی پہچان بن گیا ہے۔ وفاق کی اکائیوں کے متنوع مفادات بعض اوقات اکائیوں اور قومی مفادات سے ٹکراو پیدا کرتے ہیں۔ کئی بار، یہ علاقوں کے درمیان تنازعہ اور غیر صحت بخش مقابلہ پیدا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر علاقائی وفاداریاں، نسلی، لسانی اور مذہبی مسائل بعض اوقات حاوی ہوجاتے ہیں۔ وحدانی حکومتچھوٹی مملکتوں کے لیے موزوں ہے۔ جو زبان، ثقافت اور اخلاقیات کے لحاظ سے واحد شناخت رکھتی ہیں۔ تاہم، ہندوستان، امریکہ، چین، روس وغیرہ جیسی بڑی مملکتوں کے لیے جو کثیر ثقافتی، کثیر النسل، کثیر لسانی، اور کثیر مذہبی ہیں، ایک وفاقی مملکت موزوں ہے۔ مرکزی حکومت میں اختیارات کے ارتکاز کی وجہ سے، جو بہت دور واقع ہے، وہ مقامی لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ اس کے علاوہ، مقامی حکومت کے پاس مقامی مسائل کو حل کرنے کے لیے زیادہ طاقت یا انتظامی ادارے نہیں ہیں۔

اپنی پیشرفت کو جانچیے۔

1۔ حکومت کی وحدتی اور وفاقی شکلوں کا موازنہ اور ان کے برعکس

2۔ وحدانی اور وفاقی حکومتوں کی خوبیاں اور خامیاں کیا ہیں؟

خلاصہ

عالمگیریت کے دور نے بہت سی چیزوں کو قائم اور بدل دیا ہے۔ اب، حکومت کی تمام شکلیں وحدانی یا وفاقی حکومت بہترین حکومت کے ماڈل کے ساتھ فرد کی آواز کو تحفظ اور فروغ دینے کی کوشش کر رہی ہے۔ حکومت کی دونوں شکلوں کے اپنے اپنے مثبت اور منفی نکات ہیں۔ یہ مملکت کی فطرت ہے جو حکومت کی بہترین شکل وحدانی یا وفاقی کا فیصلہ کرتی ہے۔ جدید دنیا میں، زیادہ تر ممالک وفاقی حکومت - وحدانی وفاقیت کے ساتھ وحدانی خصوصیات جیسے مخلوط ماڈل کی کوشش کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر، آئین کے آرٹیکل 1 کے مطابق ہندوستان 'مملکتوں کا اتحاد' ہے لیکن عملی طور پر یہ ایک نیم وفاقی مملکت ہے- مرکز مملکتوں سے زیادہ طاقتور ہے۔ یہ مرکزی

حکومت کو قومی فیصلے لینے کے لیے زیادہ طاقت دینے کی وجہ سے ہے جبکہ مملکتوں کو مقامی مسائل کے حل کے لیے خود مختاری دی گئی ہے۔ 'تنوع میں اتحاد' یا 'خود مختاری کے ساتھ اتحاد' کا اصول عملی طور پر ہمیشہ انفرادی شناخت اور وفاقی حکومت کے نظام میں اکائیوں کے تحفظ کا ذریعہ ہوتا ہے۔ وفاقی نظام جسامت، آبادی اور تنوع کے لحاظ سے بڑی مملکت کے لیے موزوں ترین نظام ہے- یہ زبان، ثقافت، مذہب، نسل اور طبقے کے لحاظ سے لوگوں کے مفادات کا تحفظ اور فروغ دیتا ہے۔ مرکز مقامی یا ریاستی حکومت کے تعاون اور حمایت کے بغیر طاقتور اور مضبوط نہیں ہوسکتا۔ اس طرح، زیادہ تر جدید مملکتیں ایک امداد باہمی وفاقی مملکت بنانے کی کوشش کر رہی ہیں جو وفاق کو مجموعی طور پر کامیاب بنانے کے لیے لوگوں کو بہتر حالات اور خدمات فراہم کر سکے۔

نمونہ امتحان کے سوالات

مختصر سوالات

1۔ وحدانی نظام کیا ہے؟

2۔ وفاقی نظام کیا ہے؟

3۔ آپ حکومت کو کیا سمجھتے ہیں؟

4۔ حکومت کی اہم شکلیں کیا ہیں؟

طویل جوابی سوالات

1۔ وفاقی نظام کی اہم خصوصیات کیا ہیں؟

2۔ وحدانی نظام کی اہم خصوصیات کیا ہیں؟

3۔ وفاقی اور وحدانی نظام کے درمیان موازنہ اور اس کے برعکس؟

4۔ وحدانی اور وفاقی حکومتوں کی خوبیاں اور خامیاں کیا ہیں؟

لغت

حکومت: لوگوں کا گروہ جو کسی ملک یا مملکت پر حکومت کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

وفاقی حکومت: نظام میں متعدد درجہ بندی کی سطحیں ہیں، جس میں مرکزی اتھارٹی اور ریاستیں (یا صوبے) دونوں خود مختار ہیں۔

وحدانی حکومت: وحدانی حکومتا یک قسم کا حکومتی نظام ہے جس میں ایک واحد طاقت، جسے مرکزی حکومت کہا جاتا ہے، پوری حکومت کو کنٹرول کرتی ہے۔

مزید حوالہ جاتی کتب

i. Bealey, Frank (1999) Government, The Blackwell Dictionary of Political Science: A User's Guide to Its Terms, Blackwell Publishing: Oxford, P-147

ii. Strong C F (1972), Modern Political Constitutions; An Introduction to the Comparative Study of Their History and Existing Form, New York: Macmillan Company.

iii. Schulz, E.B (1961), The Essentials of Governments", prentice Hall: London vi Dicey, A. V (1915), Introduction to the study of the law of the constitution, Macmillan Publication: London.

iv. Mill, J. S (2008), Considerations on Representative Government, Ingram short title: London

viii. Gettell (2015), Readings in Political Science, Arkose Press: Warsaw

8

8۔ حکومت کے اعضاء

ORGANS OF GOVERNMENT

مقاصد

ہم جدید حکومتوں کے تین اہم اعضاء مثلاً مقنّنہ، عاملہ اور عدلیہ کا جائزہ لیں گے اس یونٹ سے گزرنے کے بعد، آپ کو یہ جاننے کے قابل ہونا چاہیے:

☆ وفاقی اور وحدانی طرز حکومت کے بنیادی عناصر کی نشاندہی کریں۔

☆ حکومتوں کے تین اہم اداروں کی وضاحت کریں۔

☆ ان اعضاء کی طاقتوں اور افعال کا تجزیہ کریں۔

تعارف

مہذب انسانی معاشرے کے لیے مملکت ایک ضروری اور آفاقی ادارہ ہے۔ حکومت مملکت کی وہ ایجنسی ہے جس کے ذریعے مملکت عوامی فلاح و بہبود کے اپنے مقاصد کا اظہار اور ان پر عمل درآمد کرتی ہے۔ پروفیسر گارنر کے مطابق، " حکومت کی غیر موجودگی میں، آبادی غیر منسلک، غیر منظّم، غیر سیاسی لوگ ہوں گے اور اس کے لیے کوئی گروہی کام کرنا ممکن نہیں ہوگا"۔ گیٹل کے الفاظ میں " حکومت اپنے اعضاء کے ایک گروپ سے بنتی ہے، جن کے افعال مختلف ہوتے ہیں، لیکن جن کی ذمہ داریاں اور مقاصد ایک ہوتے ہیں اور جن کا تعاون کامیابی کے لیے ضروری ہوتا ہے"۔

لہذا یہ واضح ہے کہ حکومت مملکت کا ایک لازمی عنصر ہے۔ آبادی، علاقہ اور خود مختاری کے باوجود حکومت نہ ہو تو مملکت کا تصور بھی ممکن نہیں۔ حکومت کو مملکت کی روح کہا گیا ہے جس کی ذمہ داری قانون کی عملداری، قانون پر عمل درآمد اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینے کا حق ہے۔ ان تین بنیادی مقاصد کی تکمیل کے لیے حکومت کی تنظیم کو درج ذیل تین اعضاء کے طور پر ظاہر کیا جاسکتا ہے۔

مقنّنہ

مقنّنہ کا مفہوم- حکومت کے تینوں اداروں میں مقنّنہ کی حیثیت سب سے زیادہ ہے۔ مقنّنہ، جسے عرف عام میں پارلیمنٹ کہا جاتا ہے۔

انگریزی لفظ پارلیمنٹ، لاطینی لفظParliamentum سے ماخوذ ہےجس کا مطلب بولنا یا بحث کرنا ہے۔قدیم زمانے میں قانون نہیں بنے تھے بلکہ معاشرے میں پائے جاتے تھے۔انہیں عوامی قوانین کہا گیا۔قرون وسطیٰ میں قانون ساز اسمبلی کی کونسل کو پارلیمنٹ کہا جاتا تھا،جس میں بادشاہ شکایات کے ازالے کے لیے پیش کی جانے والی درخواستوں پر ججوں سے بات چیت کرتے تھے۔جدید جمہوری نظام میں برطانوی پارلیمنٹ دنیا کی پہلی جمہوری پارلیمنٹ ہے۔اس لیے برطانیہ کی پارلیمنٹ کوتمام پارلیمانوں کی ماں کہا جاتا ہے۔

موجودہ دور میں مقنّنہ تمام جمہوری ممالک میں سب سے زیادہ بااثر ادارہ ہے۔، جوعوامی رائے یا قومی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ پروفیسر گارنر صاحب کے الفاظ میں۔"ان تمام اعضاء میں سے جن کے ذریعےمملکت کی مرضی کا اظہار اور اطلاق ہوتا ہے۔مقنّنہ کا مقام بلاشبہ سب سے اونچا ہے۔ایسی صورت حال میں مقنّنہ کومملکت کی خواہش کا آئینہ کہا جائے جوکہ عوام کی مرضی کے اظہار کا بنیادی ذریعہ ہے۔یہ عوام کا ایک نمائندہ اجلاس ہے جو قانونی شکل فراہم کرتا ہے۔منتظما نتظامیہ کا نگرانی کرنے والا آلہ ہے۔ہندوستان میں مقنّنہ کو پارلیمنٹ، ریاستہائے متحدہ میں کانگریس، ببرطانیہ میں پارلیمنٹ اور جاپان میں ڈائیٹ۔

مقنّنہ کے افعال

مقنّنہ کے افعال کا اظہار اس طرح کیا جا سکتا ہے۔

1۔ قانون سازی کا کام۔مقنّنہ کا بنیادی اور اہم کام قانون سازی کرنا ہے۔پارلیمنٹ سماجی حالات کے مطابق نئے قوانین بناتی ہے اور پرانے قوانین میں ضروری ترامیم کرتی ہے۔یہ غیر ضروری قوانین کوختم کرتا ہے۔قانون سازی کے تحت، تین درجاتی نظام سب سے زیادہ مقبول ہے جس میں۔

پہلا۔بلوں کا مسودہ تیار کیا جاتا ہے اور پارلیمنٹ میں پیش کیا جاتا ہے۔

دوسرا۔بلوں پر تفصیلی بحث کمیٹیوں کے ذریعہ کی جاتی ہے۔

تیسرا۔بل ایوان کے ذریعہ نافذ کیا جاتا ہے۔دوایوانوں والی پارلیمنٹ میں یہ عمل دوسرے ایوان کے ذریعے کیا جاتا ہے اور قانون سازی صدر کے دستخط سے قانون بن جاتی ہے۔

2۔ عاملہ کے افعال۔پارلیمانی جمہوریت میں، عاملہمقنّنہ کے لئے ذمہ دار ہے۔مجلس کابینہ سے سوالات پوچھ کر، مقنّنہ کی طرف سے تجویز کے ذریعے، مذمت کی تجویز لاکر اور بالآخر عدم اعتماد کی تحریک کے ذریعے کام روک دیا جاتا ہے۔'بیزاہت' کے الفاظ میں۔"مقنّنہ کی تشکیل رسمی طور پر قانون کی تشکیل کے لیے ہے، لیکن اس کا بنیادی کام عاملہ کو بنانا اور کنٹرول کرنا ہے۔" صدارتی نظام میں، مقنّنہ عاملہ کوکنٹرول کرتی ہے۔امریکہ، صدر کی طرف سے کی جانے والی تقرریوں اور معاہدوں پر سینیٹ کی منظوری درکار ہوتی ہے۔

3۔ مالیاتی کام۔مرکزی مالیات پر مقنّنہ کا مکمل کنٹرول ہے۔مقنّنہ کی اجازت کے بغیر عاملہعوام پر کسی قسم کا ٹیکس اور نہ ہی کسی قسم کے اخراجات لگا سکتا۔آمدنی اور اخراجات کی تفصیلا تہر سال مقنّنہ کو بھیجا جاتے ہیں۔قومی بجٹ مقنّنہ سے منظور ہوتا ہے۔اگر مقنّنہ عاملہ کی طرف سے پیش کردہ سالانہ بجٹ سے اتفاق نہیں کرتا، پھر حکومت کے لیے مسئلہ بن جاتا ہے۔مقنّنہ آڈیٹر کی رپورٹ پر غور کرتی ہے۔

4۔ عدالتی کام۔دنیا کے بہت سے ممالک میں مقنّنہ بھی عدالتی فرائض کو پورا کرتی ہے۔برطانیہ میں پارلیمنٹ استحقاق کے معاملات

پر بحث کرتی ہے۔ وہاں سب سے زیادہ اپیل کی عدالت دارالامراء ہے۔ امریکہ میں، سینیٹ صدر پر عائد مواخذے کے سوال پر غور کرنے کے لیے ایک عدالت کے طور پر کام کرتی ہے۔ بھارت میں یہ صدر، نائب صدر اور ججوں کے خلاف مواخذے کے مقدمات کی سماعت کرسکتا ہے اور انہیں ان کے عہدے سے ہٹا سکتا ہے۔ پارلیمنٹ اس عمل کی سردار ہے، اس لیے وہ سزا یافتہ شخص کو گھر کی عزت کو نقصان پہنچانے پر سزا دینے کا حق محفوظ رکھتی ہے۔

5۔ انتخابی عمل- دنیا کے کئی ممالک کی انتظامیہ بھی الیکشن سے متعلق کام پوری کرتی ہے۔

ہندوستان میں صدر، نائب صدر اور راجیہ سبھا کے اراکین کے انتخاب میں مرکزی اور ریاستی قانون ساز کونسل کے اراکین حصہ لیتے ہیں۔ فرانس اور چین میں صدر کا انتخاب پارلیمنٹ کرتی ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں اعلیٰ ترین ایگزیکٹو آفیسر کا انتخاب گورنر کرتا ہے۔

6۔ آئینی ترمیم کا کام- مقنّنہ وقتاً فوقتاً ملک کے آئین کو برقرار رکھنے کے لیے آئینی ترمیم سے متعلق فرائض بھی انجام دیتی ہے۔ مختلف ممالک میں آئینی ترمیم کا طریقہ کار مختلف ہے۔ امریکہ میں کانگریس کے ذریعہ آئینی ترمیم کی 3/2 ارکان کی منظوری کے بعد، 3/2 ریاستی قانون ساز اسمبلیوں سے منظوری حاصل کرنا ضروری ہے۔ ہندوستان میں آئینی ترمیم کے تین طریقے رائج ہیں- سادہ اکثریت سے، خصوصی اکثریت سے اور خصوصی اکثریت سے اور کم از کم مملکتی مقنّنہ کے نصف سے توثیق ہو۔

7۔ خارجہ امور کے سلسلے میں کام- غیر ملکیوں کے ساتھ باہمی سفارتی تعلقات کا تعین، جنگ اور امن کے اعلانات عاملہ کے ذریعے کیے جاتے ہیں۔ اقوام کے ذریعہ کئے گئے کام کے معاہدوں کو مقنّنہ سے منظور کیا جاتا ہے۔ مقنّنہ ملک کی خارجہ پالیسی کے تعین میں بھی عاملہ کی حمایت کرتی ہے۔

8۔ دیگر افعال- مذکورہ بالا سرگرمیوں کے علاوہ، مقنّنہ، عاملہ کو مختلف کارپوریشنوں اور ٹربیونلز کے قیام میں ہدایت دیتی ہے۔ یہ کمیشن کی طرف سے پیش کردہ نمائندگیوں پر فیصلہ کرتا ہے۔ ہندوستان میں، صدر کی طرف سے ایمرجنسی کے اعلان کو پارلیمنٹ سے منظور کیا جاتا ہے۔ وفاقی ڈھانچے میں مملکتوں کی تنظیم نو بھی مقنّنہ کے ذریعے کی جاتی ہے۔

درحقیقت قانون ساز ادارہ حکومت کا ایک اہم ادارہ ہے۔ قانون سازی کے ساتھ ساتھ حکومت کی پالیسیوں اور تجاویز کا تجزیہ، تنقید کو منظور یا قبول کرنا اور عوام کی امنگوں کو پورا کرنے کے لیے بامعنی اقدامات کرنا ایک بڑا کام ہے۔ پروفیسر لاسکی کے الفاظ میں ''پارلیمنٹ کا اصل کام انتظامیہ کے عمل کی نگرانی کرنا ہے تاکہ شہریوں کی ذاتی آزادی محفوظ رہ سکے''۔

مقنّنہ کی تنظیم

ریپبلکن حکومت کے آغاز میں بیشتر ممالک میں ایک ہی ایوان کی قانون سازی ہوتی تھی لیکن آہستہ آہستہ یہ محسوس کیا گیا کہ پہلے ایوان کی طاقت کو روکنے اور پہلے ایوان کے کام پر نظر ثانی کرنے کے لیے مقنّنہ کو دو ایوانوں پر مشتمل ہونا چاہیے۔ انتظامی یا دو ایوانوں کیرکن ہونیکا سوالسیاسی تجزیہ کاروں میں ایک تنازعہ رہا ہے۔؟ ایک طرف، سرہنری مین کا بیان ہے کہ دوسرا ایوان ہونا چاہئے۔ "دوسری طرف، لاسکی کی رائے ہے کہ "یہ غلط ہے کہ دوسرا ایوانا نجمن کے تحفظ کے لیے ایک مؤثر ضمانت ہے"۔

آج کل زیادہ تر ممالک میں دو طرفہ انتظامی نظام رائج ہے۔ ایک کو ایوان بالا، ایوان زیریں یا نمائندہ ایوانکہا جاتا ہے۔ جس کا

انتخاب براہ راست عوام کرتی ہے۔

ہندوستان میں اسے لوک سبھا، انگلینڈ میں دارالعوام اور امریکہ میں عوام نمائندگان کہا جاتا ہے۔ دوسرے ایوان کو ایوان بالا، دوسرا ایوان یا ایوان بزرگان کا نام دیا گیا ہے۔ ہندوستان میں اسے راجیہ سبھا، انگلینڈ میں دارالامراء اور امریکہ میں سینیٹ کہا جاتا ہے۔

ایک ایوانی مقننہ-دو ایوانی مقننہ، دو ایوانوں کے حق میں دلیل:

1۔ **پہلے ایوان کی خودمختاری کو جانچ کریں**-مقنّنہ کو دو ایوانوں پر پابندی لگانی چاہیے تاکہ یہ خودمختار نہ بن جائے۔ پہلے ایوان کے وجود کے نتیجے میں پہلے ایوان کی خودمختاری کو قدرتی طور پر جانچا جائے گا۔ لیکاک کے الفاظ میں-"ایک شریف آدمی مغلوب اور غیر ذمہ دار ہوسکتا ہے"۔

2۔ **جمہوری روایات کے مطابق**-اگر ایک ایوان مقنّنہ ہو، تو طاقت ایوان کے ہاتھ میں مرکوز ہو جاتی ہے، جس سے انسانی آزادی کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے کیونکہ طاقت فرد یا ادارے کو رشوت خور بنا دیتی ہے۔ دو ایوانوں والی مقنّنہ میں طاقت کو غیر مرکوز کیا جائے گا اور معاشرے کے تمام طبقات کی نمائندگی کی جائے گی۔

3۔ **پہلے ایوان کی حمایت**-مملکت کے کام میں ضرورت سے زیادہ اضافے کے بعد، پہلا ایوان تمام بلوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا۔ عوامی بہبود کے بلوں کو احتیاط سے پاس کرنے کے لیے مناسب وقت اور اہلیت کی ضرورت ہے۔ قانون سازی کے دو ایوانوں سے کام کو تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جن بلوں میں کوئی خاص اختلاف نہیں ہے وہ پہلے ایوان میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔ پہلا ایوان اپنی توجہ زیادہ اہم مسائل پر مرکوز کرسکتا ہے۔

4۔ **رائے عامہ کی تشکیل میں مددگار**-کسی ایوان میں بل کی منظوری کے بعد دوسرے ایوان میں بل کی منظوری کے عمل میں وقت لگتا ہے۔ اس طرح دوسرے ایوان میں بل لانے سے پہلے عوام کو بل کے بارے میں سوچنے کا وقت ملتا ہے۔ مجوزہ بل پر عام لوگوں، سیاسی جماعتوں اور پریس کے لیے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کا موقع ہے۔

5۔ **تجربہ کار اور کارآمد:** کیونکہ پہلا ایوان مقبول ہوتا ہے، اس لیے کئی بار اہل اور ہنرمند لوگ الیکشن نہیں جیت پاتے۔ ایسی صورت حال میں ملک قابلیت سے محروم ہو جائے گا۔ اگر انگلینڈ، بھارت، امریکہ جیسے ممالک کے دوسرے ایوانوں کو دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان ممالک کے ایوان بالا کے ارکان سیاسی حوالے سے انتہائی تجربہ کار ہیں۔ ان کی سیاسی پختگی اور تجربے سے ملک فائدہ اٹھاتا ہے۔ جے ایس مل کے الفاظ میں، "اگر ایوان زیریں عوام کا ایوانِ نمائندگان ہے، تو ایوانِ بالا سیاست دانوں اور فنکاروں کا ایوان ہے، کیونکہ یہ ادب اور سماجی خدمات کی بنیاد پر ممبران کی نامزدگی یا انتخاب ہے۔

6۔ **وحدانی نظام کے لیے موزوں:** وحدانی مملکتوں کی مختلف اکائیوں میں، بہت سے فرق رقبے اور آبادی کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ پہلا ایوان دو ایوانوں کا نظام میں پوری قوم کی نمائندگی کرتا ہے۔ دوسرا ایوان صوبائی اکائیوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ دوسرے ایوان کی رضامندی کے بغیر صوبائی اکائیوں کی بنیادی شکل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اس طرح انجمن کی تمام اکائیوں کے مفادات کا تحفظ ممکن ہوسکتا ہے۔

7۔ **منصفانہ خیالات کے ذرائع:**- دوسرا ایوانا یوان کے جلد بازی اور من مانی قوانین پابندی کا پہلا مؤثر طریقہ ہے۔ اس کے

اراکین کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ قابلیت اور تجربہ کی بنیاد پر، دوسرا ایوان پرامن طریقے سے کسی مسلے کو حل کر کے تشخیص تک پہنچ سکتا ہے۔ عوام کے نمائندے پرجوش، انقلابی اور غیر سنجیدہ ہیں۔؟ وہ اکثر ایسے قوانین بنانے کے لیے تیار ہوتے ہیں، جو اچھے سے زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں، دوسرا ایوان من مانی طور پر نافذ کیے گئے قوانین کو ختم کر سکتا ہے۔

8۔ **تاریخی تجربہ:** جمہوری تاریخ بھی دوسرے ایوان کی افادیت کے حق میں ایک بڑی دلیل ہے۔ انگلستان میں خانہ جنگی کے وقت (1549-60) خانہ جنگی کے بعد اور 1777 سے 1787 تک مملکتہائے متحدہ میں اور کچھ عرصے کے لیے فرانس میں ایک ہی ایوان قانون سازی کا تھا۔ لیکن ان تمام ممالک میں، ایک ایوان کی مقنّنہ کا تجربہ اچھا نہیں تھا اور حکومت میں آمریت بڑھ گئی۔ نتیجے کے طور پر، انگلینڈ، فرانس، امریکہ، میکسیکو، سپین۔ پرتگال وغیرہ کی مملکتوں میں، ایک ایوانی مقنّنہکی جگہ دو ایوانی مقنّنہ کو قبول کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایک ایوان کی نفرت، ظلم اور بدعنوانی کے فطری رجحان کو دوسرے ایوان کو قابو میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ Blanchetti نے درست کہا ہے: "چار آنکھیں ہمیشہ دو آنکھوں سے بہتر نظر آتی ہیں، خاص طور پر جب کسی سوال پر مختلف زاویوں سے غور کرنا ضروری ہو۔"

عاملہ :Executive

عاملہ حکومت کا ایک اور اہم ادارہ ہے۔ قدیم زمانے میں، عاملہ اعلیٰ اختیار تھا۔ پالیسی سازی، پالیسی پر عملدرآمد اور عدالتی کام سربراہ حکومت کرتے تھے۔ جدید جمہوری سیاست میں عاملہ کی نوعیت اور اختیارات بدل چکے ہیں۔ زیادہ تر ممالک میں، عاملہ کو اکہری سے ضرب دیا جاتا ہے اور طاقت کی تقسیم کے اصول کی وجہ سے، عاملہ قانون کا قیام عمل میں آیا ہے۔ قوم کا سربراہ، صدر، حکومتی کونسل کے سربراہ، وزراء کی کونسل اور انتظامی افسران عاملہ کے تحت آتے ہیں۔

عاملہ کے معنی اور تعریف: عاملہ حکومت کا ایک اہم ادارہ ہے جو قانون سازی کے ذریعہ بنائے گئے قوانین کی صورت میں نکلتا ہے۔ سیاسیات میں، عاملہ کا لفظ دبا ہوا اور جامع اصطلاحات میں استعمال ہوتا ہے۔ وسیع تر معنوں میں صدر، وزیراعظم اور ان کی وزارتی کونسل اور انتظامی عہدیداروں کا وہ گروپ جو مملکت کی مرضی کو نافذ کرنے سے متعلق ہیں عاملہ کے تحت آتے ہیں، جب کہ محدود معنوں میں عاملہ کا مطلب صرف مملکت کا سربراہ ہوتا ہے۔ اور حکومت اور وزراء ۔ اس کی اصل نوعیت سیاسی عاملہ ہے جو پالیسیوں کا تعین کرتی ہے۔ ہندوستان میں صدر، وزیراعظم اور ان کی کابینہ عاملہ کی مثالیں ہیں۔

1۔ گلکرسٹ، "عاملہ حکومت کی وہ شاخ ہے جو قانون میں وضع کردہ لوگوں کی مرضی کو پورا کرتی ہے یا اس پر عمل کرتی ہے۔"

2۔ ڈاکٹر فائنر: "عاملہحکومت کا وہ ادارہ ہے جو قانون سازی اور عدلیہ کے باقی کام انجام دیتا ہے"۔

3۔ گارنر: "عاملہوہ محور ہے جس کے گرد انتظامیہ کا نظام گھومتا ہے"۔

اس طرح، عاملہ مملکت کی ترقی کے ساتھ پیدا ہوتا ہے. یہ اس کا اصل حصہ ہے۔ جس کے ذریعے تمام تنظیمیں، عہدیداران اور ایجنسیاں مملکت کی اجتماعی خواہش کو نافذ کرتی ہیں۔ جس کا اظہار بطور قانون ہوتا ہے۔ عاملہکے بنیادی طور پر دو حصے ہوتے ہیں۔ سیاسی عاملہجس میں صدر، وزیراعظم اور ان کی کابینہ آتے ہیں۔ اور مستقل عاملہ جس میں انتظامی اہلکار آتے ہیں۔

عاملہ کی اقسام

1۔ برائے نام عاملہ- جب مملکت یا مملکت کا سربراہ صرف برائے نام دیکھا جاتا ہے، اور اختیارات خود کے بجائے استعمال ہوتے ہیں، پھر اسے برائے نام عاملہ کہا جاتا ہے۔ آئینی انتظامات میں تمام اختیارات شہنشاہ یا صدر کو آئین نے دیئے ہیں لیکن وہ ان اختیارات کا استعمال صرف وزیر اعظم اور کابینہ کی مشاورت سے کرتا ہے۔ حکومت کے تمام کام ہندوستان میں صدر کے نام اور انگلینڈ میں ملکہ کے نام پر ہوتے ہیں، لیکن خود انہیں ان اختیارات کے استعمال کی آزادی نہیں ہے۔ دراصل عاملہ کی طاقت وزیر اعظم اور کابینہ کے ہاتھ میں ہے۔

2۔ حقیقی عاملہ:- جب سربراہ مملکت برائے نام نہ ہو اور مملکت کے تمام اختیارات اپنے طور پر استعمال کرے تو اسے حقیقی عاملہ کہا جاتا ہے۔ امریکی صدر حقیقی عاملہ کی ایک مثال ہیں۔

3۔ پارلیمانی عاملہ:- جہاں عاملہ محض نام اور حقیقت میں ہے، وزیر اعظم اور ان کا وزارتی عملہ طاقت کا استعمال کرتا ہے، اسے پارلیمانی عاملہ کہا جاتا ہے۔ اس میں وزیر اعظم اور کابینہ اپنے کام کے لیے عاملہ کے ذمہ دار ہیں اور عاملہ مکمل طور پر مقنّنہ کو کنٹرول کرتی ہے۔ انگلینڈ، فرانس اور ہندوستان میں ایک ہی قسم کی عاملہ ہے۔

4۔ صدارتی عاملہ: جب صدر اصل اختیارات کا استعمال کرتا ہے اور اپنے اعمال کے لیے عاملہ کے ذمہ دار نہیں ہوتا ہے، تو اسے صدارتی عاملہ کہا جاتا ہے۔ اس میں، مقنّنہ پر عاملہ کا کوئی موثر کنٹرول نہیں ہے۔ امریکہ میں ایک صدارتی عاملہ ہوتا ہے۔

5۔ واحد اور جمع عاملہ:- جب عاملہ معاملات پر فیصلہ کرنے کا آخری اختیار ایک شخص میں ہوتا ہے، اسے واحد عاملہ کہا جاتا ہے۔ پارلیمانی اور صدارتی نظام میں حکمرانی کا مرکزی نقطہ وزیر اعظم اور صدر ہوتے ہیں۔ لہذا، ایک واحد عاملہ ہے۔

امریکہ، ہندوستان اور انگلینڈ میں ایک ہی عاملہ ہے۔ اگرچہ عاملہ کی طاقت کی جڑیں کسی شخص میں نہیں ہیں، یہ افراد کے گروپوں میں موجود ہے اور اسے متعدد عاملہ کہا جاتا ہے، جیسے سوئٹزرلینڈ اور سابق سوویت یونین کا عاملہ۔ سوئٹزرلینڈ میں عاملہ اختیارات 7 اراکین کی وفاقی کونسل میں رہتے ہیں۔

6۔ آمرانہ عاملہ:- جب کوئی شخص بغیر قانونی اختیار کے اقتدار پر قبضہ کرتا ہے یا اس کا مطلب ہے اور ایک مطلق العنان بن جاتا ہے، اسے آمرانہ یا حاکمانہ عاملہ کہا جاتا ہے۔ 1936 میں جنرل فرانکو نے اسی طرح اختیارات پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسولینی۔ہٹلر کی آمریت طاقت کی بہترین مثال ہے۔ بھارت کی ہمسایہ مملکتوں میں اس قسم کی عاملہ وقتاً فوقتاً سامنے آتی رہی ہے۔

عاملہ کے افعال

پچھلے سالوں میں، عاملہ کے کام میں اضافہ ہوا ہے، اور اس کی نوعیت قانون سازی بھی بدل گئی ہے۔ مملکت کی انسان دوستی میں، عاملہ کو انسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے بہت سے وسائل حاصل کرنا۔ نتیجے کے طور پر، عاملہ کا کام بڑھ گیا ہے۔ عاملہ کے افعال کو ذیل میں زیر بحث لایا جاسکتا ہے:

1۔ اندرونی انتظامیہ: مملکت ایک اندرونی طور پر منظّم معاشرہ ہے، اور اس کا مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک اندرونی امن قائم نہیں ہوتا۔ یہ ہر عاملہ کا فطری کام ہے۔شہریوں کو داخلی اور خارجی سلامتی اور امن کے لیے۔ عاملہ مقنّنہ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق حکومت کرتا ہے۔حکومت کے مختلف محکموں کے سربراہ وزراء ہوتے ہیں، جو مملکت کی پالیسی کے تعین اور نفاذ میں وزیر اعظم کی قیادت میں اجتماعی ذمہ داری کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ عاملہ ملازمین کی تقرری، نظم وضبط اور ان کے کام کے لیے عملے پر مکمل کنٹرول رکھتا ہے۔

2۔ سفارتی افعال- عام طور پر، مقنّنہ کسی مملکت کی خارجہ پالیسی کا تعین کرتی ہے، لیکن یہ محکمہ خارجہ کی حقیقی حکمرانی میں کم سے کم مداخلت کرتی ہے۔ عاملہ غیر ملکی مملکتوں کے ساتھ رابطے کے تعلقات کو چلاتا ہے۔مختلف مملکتوں کے ساتھ تمام معاہدے، مذاکرات، جنگ یا امن کے اعلانات عاملہ کے ذریعے کیے جاتے ہیں۔ان اقرارناموں اور معاہدوں کی منظوری محض ایک رسمی حیثیت ہے۔ عاملہ سفارتی کارروائیوں کی نگرانی کے لیے اپنا سفیر مقرر کرتی ہے اور یہاں غیر ملکی سفیروں کا خیر مقدم کرتی ہے۔

3۔ قانون سازی کے افعال: اگرچہ قانون سازی کا کام بنیادی طور پر مقنّنہ کا ہے، عاملہ بھی اس کو اپنا تعاون فراہم کرتی ہے۔ پارلیمانی نظام میں، عاملہ پارلیمنٹ کا اجلاس بلانے، پہلے ایوان کو تحلیل کرنے اور سفارت کاری سمیت تمام اہم بل پیش کرنے کی اجازت دیتا ہے۔کوئی بھی بل عاملہ کی منظوری کے بغیر منظور نہیں ہوسکتا۔ ہندوستان میں صدر کے دستخط کے بعد ہی یہ بل قانون کی شکل اختیار کرتا ہے۔ بیان کردہ قانون سازی نے عاملہ کی قانون سازی کی طاقت میں مزید اضافہ کیا ہے۔خاص حالات میں عاملہ آرڈیننس بھی جاری کرتا ہے جسے مقنّنہ کے بنائے ہوئے قانون کی طرح اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

4۔ مالیاتی افعال: نظریاتی طور پر، ملک کی آمدنی اخراجات کا مکمل کنٹرولمقنّنہ کی طرف سے بنایا جاتا ہے، لیکن عملی طور پر، یہ کام عاملہ کی طرف سے کیا جاتا ہے. ہندوستان اور انگلینڈ میں قانون سازوں کو رقم پیش کی جاتی ہے اور پہلے ایوان میں اکثریت کی بنیاد پر ان کی مرضی کے مطابق پارٹی ڈسپلن پاس کیا جاتا ہے۔امریکہ میں بجٹ صدر کی ہدایت پر تیار کیا جاتا ہے۔ عاملہ ضروری فنڈز کے لیے عوامی ٹیکسوں کو بڑھانے اور کم کرنے کا کام کرتا ہے۔ عاملہ کے پاس پوری آمدنی کے اخراجات کا کنٹرول ہے اور اس کا معائنہ کرتا ہے۔

5۔ عدالتی کام: ہر مملکت میں، عاملہ کچھ عدالتی کام بھی انجام دیتا ہے، بشمول ججوں کی تقرری اور معافی کا عمل۔ ہندوستان میں ہائی اور سپریم کورٹ کے ججوں کا تقرر صدر کرتے ہیں۔ ہندوستان، برطانیہ اور امریکہ کے وزیر اعظم کو سپریم کورٹ کی طرف سے دی گئی سزا کو کم کرنے، ختم کرنے اور مجرموں کو معافی دینے کا حق ہے۔

6۔ فوجی افعال: صدر مسلح افواج کا سپریم کمانڈر رہتا ہے۔ عاملہ ملک کی سلامتی کا ذمہ دار ہے۔ عاملہ یہ کام محکمہ دفاع کے ذریعےکرتا ہے۔اعلیٰ فوجی افسران کی تقرری عاملہکرتی ہے۔ نہ صرف بیرونی سلامتی بلکہ اندرونی امن کے لیے بھی فوجی مدد لی جاسکتی ہے۔ عاملہ جنگ یا امن کا اعلان کرتا ہے۔ بھارت میں صدر نے ایمرجنسی کا اعلان کر دیا۔ ہنگامی حالت میں، عاملہ فوجی حکمرانی کا اطلاق بھی کر سکتا ہے۔

7۔ دیگر افعال: مذکورہ بالا کاموں کے علاوہ، عاملہدوسرے کام بھی کچھ کرتا ہے۔ جیسے معاشی ترقی کے منصوبے بنانا، مشہور لوگوں کو ڈگریاں یا اعزازات دینا۔ ملک میں غیر ملکی شہریوں کو شہریت فراہم کرنا، خصوصی خدمات کا اہتمام کرنا۔ مالی امداد، صحت عامہ، عوامی تعلیم اور صنعت وغیرہ میں اہم کام انجام دینا۔

عدلیہ Judiciary

عدلیہ حکومت کا تیسرا اور اہم ترین ادارہ ہے۔ یہ صرف عدلیہ کی موجودگی میں ہی ممکن ہے کہ جمہوری حکومت اور آمرانہ حکومت میں بنیادی فرق دیکھا جا سکے۔ قانون کی حکمرانی قائم کرنے کا واحد راستہ عدلیہ ہے۔ میریٹ کے الفاظ میں، "جہاں تک حکومت کے اہم کاموں کا تعلق ہے، عدالتی کام سب سے اہم ہے، کیونکہ اس کا براہ راست تعلق شہریوں سے ہے۔ قطع نظر اس کے کہ قانون کی عمارت کی مشینری اور طریقہ کار کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو۔ خواہ عدالتی نظام کی تنظیم مکمل ہو، شہریوں کی زندگی اجیرن ہو سکتی ہے، اور اس کی املاک کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اگر فیصلے میں تاخیر ہو یا انصاف میں خرابی ہو یا قانون کی تشریح متعصّبانہ ہو یا گمراہ کن ہو۔"

عدلیہ کا مفہوم اور اہمیت Meaning and Importance of Judiciary

انسان ایک سوچنے سمجھنے والی مخلوق ہے۔ ہر شخص کے خیالات مختلف ہو سکتے ہیں۔ نظریات میں فرق کی وجہ سے باہمی تصادم بھی بہت فطری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حکمران طبقے بھی شہریوں کے حقوق سلب کر سکتے ہیں اور اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایک آزاد عدالتی طاقت ہونی چاہیے، جو افراد کے باہمی تنازعات کو حل کر سکے اور حکومت کو اپنی حدود میں رہنے پر مجبور کر سکے۔ پروفیسر لاسکی کی رائے میں، " کسی مملکت کی عدلیہ کو افسران کے ایک گروپ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جس کا کام مملکت میں کسی خاص قانون کی خلاف ورزی یا توڑنے کی شکایت کرنا ہے، مختلف لوگوں کے درمیان یا شہریوں اور مملکت کے درمیان، اور وہ۔ حل کرتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے"۔ اس طرح عدلیہ معاشرے میں مروجہ قوانین سے پیدا ہونے والے تنازعات کو حل کرنے کا ادارہ جاتی انتظام ہے۔

لارڈ برائس نے عدلیہ کی اہمیت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ ''اگر قانون کی حکمرانی دیانتداری سے کام نہ کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ نمک اپنی بنیادی فطرت کھو چکا ہے، عدلیہ اگر اندھیروں میں گھل جائے گی تو شدت کیسے آئے گی؟ اندھیرے کا اندازہ لگایا جائے؟" جمہوری اور وفاقی حکومت میں عدلیہ کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ وفاقی نظام میں یونین اور مملکتی اکائیوں کے درمیان حقوق کی تقسیم ہوتی ہے، اس لیے دونوں کے درمیان قانونی تصادم کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ ایک آزاد اور منصفانہ عدلیہ ہی اس جدوجہد پر قابو پا سکتی ہے۔ درحقیقت عدلیہ کو نہ صرف انصاف کرنا ہے بلکہ لوگوں کی آزادی کا تحفظ اور قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینا بھی ہے۔ لاسکی نے لکھا: "جب ہم جانتے ہیں کہ یہاں قوم ہمارے ساتھ کس طرح انصاف کرتی ہے، تب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اخلاقی کردار کس درجے کا ہے۔" پروفیسر گارنر نے بہت آسان الفاظ میں عدلیہ کی اہمیت پر زور دیا۔ عدلیہ کی غیر موجودگی میں ایک مہذب مملکت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

عدلیہ کی تنظیم اور افعال

1۔ عوام کے ذریعے منتخب ججس - دنیا کی کچھ قوموں میں ججوں کا انتخاب عوام کے ذریعہ براہ راست انتخابی نظام کے ذریعے جیسے کہ امریکہ کے کچھ صوبوں میں اور سوئٹزرلینڈ میں کیا جاتا ہے۔ لیکن نظام ناقص ہے کیونکہ اس میں اہل افراد کا انتخاب مشکوک ہے۔؟ اور جج

بحث کا شکار ہوسکتا ہے۔ پروفیسر گارنر نے کہا ہے کہ-عوام کی طرف سے منتخب ہونے والے ججوں کی پشت پناہی یہ ہے کہ یہ کمزور اور آزاد عدالتوں سے پیدا ہوئے ہیں۔

2۔ مقنّنہ کے ذریعہ منتخب کردہ عدلیہ- سوئٹزرلینڈ کے کچھ کینٹنز اور سابقہ سوویت یونین کے ججوں کا تقرر مقنّنہ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔اس میں عدلیہکیعاملہ کی کٹھ پتلی ہونے کا خطرہ ہے۔اس کے علاوہ، ججوں کی تقرر میرٹ کی بنیاد پر لیکن پارٹی کے سیاسی عقائد کی بنیاد پر ہونے کا امکان نہیں ہے۔

3۔ ایگزیکٹو کے ذریعہ مقرر کردہ عدلیہ- دنیا کے بیشتر ممالک میں ججوں کی تقرری عاملہ کے ذریعہ کی گئی ہے۔ یہ انتظام سیاسی بحث کو روکتا ہے، اور اس شخص کو جج کے طور پر مقرر کیا جاتا ہے۔

عدلیہ کے افعال: Functions of Judiciary

عام طور پر ہر ملک کی عدلیہ درج ذیل کاموں کو پورا کرتی ہے۔

1۔ **فیصلہ اور مجرموں کو سزا دینا:**- عدلیہ کا پہلا کام قانون کے مطابق انصاف کرنا اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو قانون کے مطابق سزا دینا ہے۔عدلیہ افراد اور افراد اور مملکتوں یا مملکتوں کے درمیان تنازعات کو نمٹاتی ہے۔ دیوانی، عدالتی اور آئینی معاملات، حقائق جانیں اور اپنے اپنے فریقین کی طرف سے دیے گئے قانونی استدلال کی بنیاد پر فیصلہ کریں۔قدیم زمانے سے قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دینا عدلیہ کا کام رہا ہے۔

2۔ **آئین کی تشریح:**-آئین اور قانون کی زبان عام طور پر سمجھنے کے لئیا کثر مشکل ہوتی ہے۔ بعض اوقات تنازعات کے سلسلے میں قانون کی تشریح آئین سے پیدا ہوتی ہے اور مختلف مقدمات عدلیہ کا بنیادی کام بن جاتے ہیں۔ جہاں قانون خاموش یا مبہم ہو وہاں عدلیہ نہ صرف قانون کو واضح کرتی ہے بلکہ اپنے فیصلوں سے مختلف قسم کے قوانین بھی تیار کرتی ہے جنہیں قانونی روایت (Case Laws) کہا جاتا ہے۔عدلیہ کے ذریعہ عدالتی قانون کی تشریح اور اہمیت وہی ہے جو مقنّنہ نے کی ہے۔

3۔ **آئین کا تحفظ:**- عدلیہ ملک کے آئین کی محافظ ہے- خاص طور پر آئینی مملکتوں کو آئین کی بالادستی حاصل ہے۔ اگر کوئی عاملہ یا انتظامی عاملہ نہیں ہے تو عدلیہ اسے غیر آئینی قرار دیتی ہے اور آئین کی حفاظت کرتی ہے۔ 2015 میں، ہندوستان کی سپریم کورٹ نے 'نیشنل جوڈیشل اپائنٹمنٹ کمیشن' کو غیر قانونی قرار دیا اور آئین میں فراہم کردہ قانون کو محفوظ رکھا۔

4۔ **بنیادی حقوق کا تحفظ:**- ہر ملک کے آئین نے اس کا شہریوں کچھ بنیادی حقوق دئے ہیں۔ جب بھی شہریوں کے بنیادی حقوق پامال ہوتے ہیں تو شہری ان حقوق کے تحفظ کے لیے عدلیہ کا سہارا لیتے ہیں۔ عدالت مختلف قسم کے دفعات جاری کر کے شہریوں کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے۔ ہندوستان میں آئینی علاج کا حق بنیادی حقوق کے تحفظ کا ایک اہم ذریعہ ہے جس کے تحت عدالت مظاہرے، اجازت، احتجاج، حوصلہ افزائی اور حقوق کو ملتوی کر کے شہریوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرتی ہے۔

5۔ **یونین مملکت کے تنازعات کا تصفیہ:**- وفاقی نظام میں اختیارات کی تقسیم مرکز اور ریاستوں کے درمیان آئین کے ذریعے کیا جاتا ہے۔لیکن بعض اوقات مرکز اور ریاستوں میں اختیارات کے بارے میں تنازعہ ہوتا ہے، جس میں عدلیہ دونوں کے مفادات کا تحفظ

کرتی ہے، عدالتی اور قانون سازی کے فیصلوں کے ذریعے تنازعات کو حل کرتی ہے۔ اس لیے وفاقی حکومت کے لیے آزاد اور منصفانہ عدلیہ کا ہونا ناگزیر ہے۔ عدلیہ یونین کو مجبور کرسکتی ہے اور مملکتیں ایک دوسرے کے علاقے میں تجاوزات نہ کریں۔

6۔ مشاورت سے متعلق افعال: - عدلیہ کا ایک اور اہم کام معاملہ کو مشورہ دینا ہے۔ یہاں آئینی مسائل کی ضرورت کے ساتھ ساتھ معاملات کی سماعت اور تصفیہ کی ضرورت پر عاملہ کو مشورہ دیتا ہے۔ برطانیہ کی پریوی کونسل کی عدالتی کمیٹی کو قانونی معاملات پر مملکتی صدر سے مشورہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اگرچہ امریکہ میں سپریم کورٹ کے پاس مشاورت کا کوئی دائرہ اختیار نہیں ہے۔ لیکن بھارت میں آرٹیکل 143 کے تحت شروع میں آئین کی منظوری کے ساتھ عدلیہ کو مشورہ دینے کا حق حاصل ہے۔

7۔ انتظامی افعال - عدلیہ کو اپنے داخلی انتظام کے سلسلے میں کافی اختیار حاصل ہے۔ اعلیٰ اور اعلیٰ عدالتیں اپنے ماتحت افسران/ ملازمین کی شرائط، حالات، تقرری، تبادلے وغیرہ خود طے کرتی ہیں۔ عدالت کی اندرونی انتظامیہ میں عدالتی انتظامیہ میں عاملہ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ عدالت کی اندرونی انتظامیہ کے چھوٹے چھوٹے اصولوں پر عمل درآمد کا کام خود عدلیہ کا ہے۔

8۔ متفرق افعال: مندرجہ بالا کاموں کے علاوہ، عدلیہ کچھ دوسرے اہم کام بھی انجام دیتی ہے جیسے نکاح، طلاق اور شہریت کا سرٹیفکیٹ جاری کرنا، کسی بھی شخص کو اس کی ہتک کرنے پر سزا دینا، عوامی املاک کا ٹرسٹی مقرر کرنا، دیوالیہ ہونے والی فرم، 'وصول کرنے والے' کی تقرری، نابالغوں کے سرپرستوں کی تقرری، وصیت ناموں کی تصدیق، عدالتی نظرثانی وغیرہ کے لیے کام کرنا۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس نے سینیٹ کے اجلاس کی صدارت کی، تاکہ امریکہ میں صدر یا جج کے خلاف مواخذہ کے لئے بحث ہو۔ ہندوستان میں، بدعنوانی اور اختیارات کے ناجائز استعمال سے متعلق معاملات کے لیے ججوں کی سربراہی میں کمیشن تشکیل دیا جاتا ہے۔

عدلیہ کی آزادی

آزاد اور غیر جانبدار عدلیہ کسی بھی جمہوری اور وفاقی نظام میں ضروری ہے۔ عدلیہ کی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ عدلیہ کے کام میں عاملہ اور مقنّنہ کی مداخلت نہ ہو اور اس کے بنائے ہوئے قوانین کی تشریح کو مناسب تسلیم کیا جائے۔ 'Hamilton' نے عدلیہ کی آزادی کی اہمیت کے بارے میں لکھا ہے: " کسی بھی مملکت کا قانون کتنا اچھا ہے، آزاد اور منصفانہ عدلیہ کے بغیر، یہ ناقابل تلافی ہے۔ "عدلیہ کی آزادی کو درج ذیل طریقوں سے محفوظ کیا جاسکتا ہے۔

1۔ ججوں کی تقرری: عدلیہ کی آزادی کا پہلا تقاضا ججوں کی تقرری کا طریقہ ہے۔ ججوں کی تقرری کی بنیاد صرف اہلیت اور تجربہ ہے، سیاسی وفاداری نہیں۔ دنیا بھر میں اکثر ججوں کی تقرریوں کی تین قسمیں رائج رہی ہیں، ججوں کی تقرری عوام کے ذریعے، مقنّنہ کے ذریعے اور عاملہ کے ذریعے۔ عوام یا مقنّنہ کے ذریعہ ججوں کی تقرری کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ یہ جج بننے کے بجائے سیاستدان بننے کا خطرہ ہوگا۔ اس لیے ججوں کی تقرری کا بہترین طریقہ عاملہ کے ذریعے تقرری ہے۔ کبھی کبھار عاملہ سیاسی شناخت کی بنیاد پر ججوں کی تقرری کرتا ہے۔ ہندوستان میں آئین کے آرٹیکل 124 (3) میں صدر نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی مشاورت سے ججوں کی تقرری کا حق دیا ہے۔ لیکن ایمرجنسی میں اس وقت کی حکومت نے تین سینئر ججوں کو نظرانداز کر کے اپنے پسندیدہ اجیت ناتھ رائے کو چیف جسٹس مقرر کر دیا تھا۔ سپریم کورٹ میں بھی 2015 میں سپریم کورٹ نے اعلان کیا کہ نیشنل جوڈیشل اپائنٹمنٹ کمیشن کو غیر آئینی قرار دیا۔ کہ 6 رکنی

کمیشن میں قانون سمیت تین ارکان وزیر قانون کیشمول ، عاملہ کی نمائندگی کررہے ہیں اور ہر ممبر کو ویٹو پاور حاصل ہے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ ایک آزاد اور غیر جانبدار عدلیہ کا تقرر عاملہ کے ذریعہ ہو۔

2۔ **طویل اور محفوظ مدت**۔ جج کی مدت کو مناسب طریقے سے طویل ہونا چاہئے. یہ امریکہ کی سپریم کورٹ کے جج کی طرح زندگی بھر اور نہ ہیکمیونسٹ اقوام کی طرح 4 یا 5 سال کی مختصر مدت تکے لئے۔ جج کی ریٹائرمنٹ کی عمر مقرر کی جائے اور بدعنوان اور نا اہل ججوں کی برطرفی کے انتظامات کی تجویز آئین میں شامل ہو۔ ججوں کا فیصلہ کرنے کا طریقہ نہ اتنا آسان ہے اور نہ ہی عاملہ کو دن بہ دنغلط استعمال کیا جانا چاہیے۔ اور نہ ہی یہ اتنا سخت ہے کہ جج کی طرف سے آئین کی خلاف ورزی کے باوجود، اسے ہٹایا نہیں جا سکے. ہندوستانی آئین میں اس حوالے سے مناسب بندوبست کیا گیا ہے۔ یہاں ججوں کو طویل اور محفوظ مدت دی گئی ہے اور مواخذہ کے عمل کے ذریعے ہٹانے کا بندوبست بھی کیا گیا ہے۔

3۔ **کافی تنخواہ اور الاؤنسز**: عدلیہ کی آزادی اور انصاف کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ججوں کو کافی اور مناسب تنخواہ کا الاؤنس ملے۔ ہیملٹن نے اپنی کتاب Political Elements میں لکھا ہے کہ "یہ انسانی فطرت ہے کہ جس کے پاس طاقت ہوتی ہے وہ اپنی روزی روٹی کے وژن کے ساتھ رکھتا ہے۔ اس کے پاس عزم کی طاقت بھی مضبوط ہوتی ہے۔" اگر ججوں کی زندگیاں ناکافی رہیں تو وہ بدعنوان ہو سکتے ہیں۔ پیسے کے لالچ میں. اس لیے انہیں ان کی سماجی حیثیت کی سطح کے مطابق تنخواہ الاؤنس ملتے ہیں اور مقنّنہ کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ انہیں ملنے والے انعامات میں عام حالات میں مداخلت کریں۔

4۔ **عاملہ سے علیحدگی**: ایک فرد کے ہاتھ میں عاملہ اور عدالتی اختیارات ہونے سے، انصاف کے اصول کو نظر انداز کرنا ممکن ہے۔ عدلیہ کو عاملہ کی شرائط سے مستثنیٰ ہونا ضروری ہے۔ ہندوستان کے آئین میں، مملکتی پالیسی کے ہدایتی اصول (آرٹیکل 50) میں یہ توقع کی جاتی ہے کہ عاملہ عدلیہ کے کاموں میں مداخلت نہیں کرے گا۔ ججوں کے کام میں، عاملہ یا مقنّنہ کو اس وقت تک مداخلت نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ آئین ان کے برتاؤ اور طرز عمل کے لیے سازگار نہ ہو۔

5۔ **وکالت اور وظیفہ کے بعد تقرری پر پابندیاں**۔ اختیارات کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے ضروری ہے کہ ججوں کو وظیفہ کے بعد قانون پر عمل کرنے سے روکا جائے، کم از کم اس عدالت میں جہاں وہ جج رہے ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر جج کو وظیفہ کے بعد سفیر، گورنر یا وزیر کے عہدے پر تعینات کیا جاتا ہے تو امکان ہے کہ وہ اپنی مدت کے دوران عاملہ کے وفادار رہیں گے۔ نتیجے کے طور پر، وظیفہ کے قریب آتے ہوئے، وہ مملکت کی مقنّنہ کی مرضی سے انعام کے حصول کے لیے انصاف کے فطری قانون کی خلاف ورزی کرے گا۔ جج کی وظیفہ کے بعد مناسب پنشن ہونی چاہیے اور اس کی خدمات جوڈیشل کمیشن یا جوڈیشل ٹریبونل میں استعمال کی جائیں۔ عدالتی نظر ثانی کی اصطلاح سب سے پہلے امریکہ میں استعمال ہوئی۔ جن ممالک میں اس وقت سخت آئین اور بنیادی حقوق موجود ہیں، خاص طور پر وفاقی حکومت والے ممالک میں عدالتی نظر ثانی کا نظام موجود ہے۔ ہندوستانی آئین میں بھی عدالتی نظر ثانی کا بندوبست کیا گیا ہے۔

عدالتی نظر ثانی کا مفہوم:۔ عدالتی نظر ثانی سپریم کورٹ کو آئین کی حفاظت حق دیتی ہے. اگر یونین اور ریاستوں کی قانون ساز اسمبلی اپنی آئینی حدود کی خلاف ورزی یا بنیادی حقوق میں کوئی کوتاہی کرتی ہے تو پارلیمنٹ، یا مقنّنہ کے ذریعہ بنائے گئے ایسے کسی بھی قانون کو

سپریم کورٹ غیر قانونی قرار دے سکتی ہے۔اس کے علاوہ، سپریم کورٹ پہلے دیے گئے فیصلوں کا جائزہ لے سکتی ہے اوراس کی روشنی میں فیصلے کو تبدیل کر سکتی ہے۔عدالت کے اس اختیار کو عدالتی نظر ثانی کہا جاتا ہے۔

عدالتی نظر ثانی کی بنیاد- آئین کا اصول دو بنیادوں پر کام کرتا ہے۔ برطانیہ میں مقنّنہ یا آئین کی بالادستی، مقنّنہ سب سے اہم ہے اور اسے قانون سازی کی لامحدود اختیار حاصل ہے۔ جبکہ امریکہ اور بھارت کے پاس آئین کی بالادستی حاصل ہے۔ ہندوستانی آئین میں، حکومت کی تمام اکائیوں؟ (مرکزی ریاست) کے اختیارات آئین سے حاصل کیے جاتے ہیں۔

اگر حکمرانی کی کوئی اکائی دوسروں کے اختیارات پر تجاوز کرتی ہے تو عدلیہ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اسے غیر قانونی قرار دے' بھارت میں سپریم کورٹ کو اتنا اختیار نہیں دیا گیا جتنا امریکہ میں سپریم کورٹ کو دیا گیا ہے۔ ہندوستانی آئین میں لفظ' قانون کے ذریعے قائم کردہ عمل' کو جاپانی آئین کی طرح اپنایا گیا ہے۔ بھارتی آئین سپریم کورٹ کو وفاقی اور ریاستی قانون ساز اسمبلی کے بنائے گئے قانون کو کالعدم قرار دینے کا حق دیتا ہے۔ جبکہ امریکہ میں " قانون کے ذریعے قائم کردہ طریقہ کار" کی اصطلاح کو اپنایا گیا ہے۔اس کے تحت امریکی سپریم کورٹ قانون سازی کی بنیاد پر قانون کی درستگی کا جائزہ لیتی ہے کہ آیا قانون سازی کے لیے مناسب طریقہ کار اپنایا گیا ہے یا نہیں۔امریکی آئین کا یہ انتظام مقنّنہ کے کام میں عدلیہ کی مداخلت کو ظاہر کرتا ہے۔ پروفیسر لاسکی کے الفاظ میں "عدالتی نظر ثانی کی طاقت کی وجہ سے سپریم کورٹ کانگریس کا تیسرا ایوان بن گیا ہے۔"

خلاصہ Summing Up

کسی بھی ملک کی حکمرانی کے لیے قوانین بنانے، ان پر عملدرآمد اور تشریح کی ضرورت ہوتی ہے جو بالترتیب قانون سازی، عاملہ اور عدلیہ کے ذریعے انجام دی جاتی ہے۔

عاملہ میں سیاسی عاملہ اور بیوروکریسی شامل ہیں۔ یہ قوانین کو نافذ کرتا ہے۔اور انتظامیہ کو ہدایت کرتا ہے، پارلیمانی جمہوریتوں میں، یہ قوانین بھی شروع کرتا ہے۔ فی الحال عاملہ کا کردار بہت بڑھ گیا ہے۔

جمہوریتوں میں، مقنّنہ عوام کی طرف سے منتخب اور نمائندگی کرتی ہے، اور مقنّنہ عوام کی خودمختار مرضی کی نمائندگی کرنے کا دعویٰ کرتی ہے۔ مقنّنہ یک ایوانی یا دو ایوانی ہو سکتی ہے۔

عدلیہ تنازعات کو حل کرتی ہے اور قوانین اور آئین کی تشریح کرتی ہے۔ یہ انفرادی حقوق کا تحفظ کرتا ہے۔اور یہ قانون اور آئین کا محافظ ہے۔اسے عدالتی نظر ثانی کا اختیار بھی ملا ہے جس کی وجہ سے حالیہ برسوں میں عدالتی فعالیت میں اضافہ ہوا ہے۔اس سب کے لیے عدلیہ کا آزاد اور غیر جانبدار ہونا ضروری ہے۔

لغت

اختیارات کی تقسیم: اختیارات کی تقسیم حکمرانی کے طریقہ کار کو تین شاخوں یعنی مقنّنہ، عاملہ اور عدلیہ میں تقسیم کرتی ہے۔اگرچہ مختلف مصنفین مختلف تعریفیں دیتے ہیں، عام طور پر، ہم اس نظریے کی تین خصوصیات بنا سکتے ہیں۔

قانون سازی: قانون بنانے یا نافذ کرنے کا عمل ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ تعلیم کے شعبے میں زیادہ قانون سازی ہونی چاہیے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کم ہونا چاہیے۔حکومتیں وقتاً فوقتاً اس معاملے پر بحث کرتی رہتی ہیں۔

عاملہ: عاملہ، جسے عاملہ کی شاخ یا عاملہ کی طاقت بھی کہا جاتا ہے، وہ اصطلاح ہے جو عام طور پر حکومت کے اس حصے کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے جو قانون کو نافذ کرتا ہے، اور مملکت کی حکمرانی کی مجموعی ذمہ داری رکھتا ہے۔

عدلیہ: عدلیہ حکومت کا تیسرا عضو ہے۔اس کی ذمہ داری ہے۔مخصوص مقدمات پر قوانین کا اطلاق کریں اور تمام تنازعات کو حل کریں۔ اصل' قانون کا مفہوم' وہی ہے۔جج مختلف مقدمات میں اپنے فیصلے دینے کے دوران فیصلہ کرتے ہیں۔

عدالتی نظر ثانی: عدالتی نظر ثانی کو عدالتی کارروائی کی ایک شکل کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے، عام طور پر انتظامی عدالت میں جہاں جج کے ذریعہ کسی فیصلے یا کارروائی کی قانونی حیثیت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

سوالات: مختصر سوالات

1۔ مقنّنہ کے معنی کی وضاحت کریں۔

2 ۔جدید مملکت میں مقنّنہ کی اہمیت کی وضاحت کریں۔

3۔ برائے نام عاملہ کا کیا مطلب ہے؟

4۔ عدالتی نظر ثانی کیا ہے؟

سوالات: طویل جوابی سوالات

1۔ مقنّنہ کے کاموں کی وضاحت کریں جس کے معنی واضح ہوں؟

2۔ عاملہ کے معنی کا جائزہ لیں، اہم اقسام اور افعال کیا ہیں؟

3۔ وہ ذرائع بیان کریں جن کے ذریعے عدلیہ کی آزادی اور غیر جانبداری کو یقینی بنایا جاتا ہے۔

4۔ عدالتی نظر ثانی اور عدلیہ کی سرگرمی کے تصورات کی وضاحت کریں؟

9

9۔ ہندوستانی آئین کی تشکیل

MAKING OF INDIAN CONSTITUTION

مقاصد

اس سبق کو دیکھنے کے بعد، آپ سمجھ سکیں گے:

☆ ہندوستانی آئین کے ارتقاء کا تاریخی پس منظر

☆ ہندوستانی آئین کی تشکیل میں مختلف پیش رفت۔

☆ ہندوستان کے آئین کی تشکیل میں دستور ساز اسمبلی کا کردار۔

☆ ہندوستان کے آئین کی تشکیل میں مسودہ ساز کمیٹی کا کردار۔

☆ آئین کی اہمیت اور اہمیت۔

تعارف

آئین کو عام طور پر کسی ملک کے بنیادی قانون کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ یہ قوانین کا ایک مجموعہ ہے جو کسی خاص مملکت کی حکومت کے اعضاء کے بنیادی افعال کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ ایک قانونی دستاویز ہے جس میں قواعد وضوابط ہیں جن پر ہر شہری کو عمل کرنا ہوگا۔ عام طور پر آئین دو طرح کے ہوتے ہیں، تحریری اور غیر تحریری۔ ایک تحریری آئین بنیادی طور پر ایک اہم دستاویز ہے جس میں حکومت کی تنظیم کے بارے میں خیالات ہوتے ہیں جو رسمی طور پر ایک بنیادی قانون میں موجود ہوتے ہیں۔

ہندوستانی آئین جدید دنیا کے سب سے اہم اور بہترین آئینوں میں سے ایک ہے۔ یہ سب سے بڑا تحریری آئین ہے جس میں ہر چیز کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ہمارے آئین کے ارتقاء کی ایک بڑی تاریخی اہمیت اور پس منظر ہے۔ ہندوستانی آئین کی ابتدا برطانوی نوآبادیاتی دور میں 1773 کے ریگولیٹنگ ایکٹ سے ہوتی ہے۔ کئی آئینی ترقیوں سے گزرنے کے بعد، ہندوستانی دستور ساز اسمبلی وجود میں آئی۔

ہندوستانی آئین کا تاریخی پس منظر:

ہندوستانی آئین نے خود کو بہت سے تاریخی واقعات اور ترقیات، مطالبات اور لوگوں کی خواہشات سے تیار کیا ہے جن کا اظہار

آزادی کی جدوجہد کے دوران کیا گیا تھا۔ جدوجہد آزادی کے دوران اٹھائے گئے مطالبات کے جواب میں برطانوی حکومت نے ہندوستان میں مختلف اصلاحات متعارف کرانے کی کوشش کی، جیسے کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1858، منٹو مارلے کی اصلاحات، 1919 میں مونٹا گو چیلمسفورڈ کی اصلاحات اور 1935 کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ۔ ان اصلاحات کا مقصد بھی ہندوستان کے لوگوں اور ہندوستانی قومی تحریک کے رہنماؤں کو پرسکون کرنا تھا۔

انگریز 1600ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے ہندوستان میں بطور تاجر آئے۔ برطانوی حکومت نے 1858 میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ بنا کر ہندوستانی انتظامیہ کے حوالے سے براہ راست طاقت اور ذمہ داری سنبھالی۔ برطانوی ولی عہد 1858 سے ہندوستان کا خودمختار حکمران بن گیا۔ یہ حکمرانی 15 اگست 1947 کو ہندوستان کے آزاد ہونے تک جاری رہی۔ سپاہی بغاوت۔ 1857 جسے آزادی کی پہلی جنگ بھی کہا جاتا ہے جس کے نتیجے میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ، 1858 نافذ ہوا۔ اس ایکٹ نے برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی (جو برطانوی پارلیمنٹ کی سرپرستی میں برٹش انڈیا پر حکومت کر رہی تھی) کو ختم کر دیا اور اس کو منتقل کر دیا۔ برطانوی ولی عہد کے کام 1885 میں انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کے ساتھ ہی ہندوستانی عوام کی امیدوں اور خواہشات میں اضافہ ہوا، اور انہوں نے زیادہ خودمختاری کا مطالبہ کیا جس کے نتیجے میں بالآخر مکمل آزادی حاصل ہوئی۔

1905 میں لارڈ کرزن کی طرف سے بنگال کی تقسیم نے سودیشی تحریک کو جنم دیا۔ برطانوی حکمرانوں کی حوصلہ افزائی سے 1906 میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ حریت پسند اور انتہا پسندوں کے درمیان اختلافات نے 1907 میں سورت کے اجلاس کے دوران انڈین نیشنل کانگریس میں پھوٹ ڈالی۔

انڈین کونسل ایکٹ-1909:

یہ ایکٹ مورلے منٹو ریفارمز کے نام سے مشہور ہے۔ جان مورلی، اس وقت کے سیکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہندوستان اور منٹو، اس وقت کے وائسرائے ہند نے مشترکہ طور پر اس ایکٹ کا آغاز کیا۔ اس ایکٹ نے مرکزی قانون ساز کونسل کی تعداد 16 سے بڑھا کر 60 اور صوبائی قانون ساز کونسلوں کی تعداد کم از کم 30 سے زیادہ سے زیادہ 50 کر دی ہے، اراکین کو ضمنی سوالات پوچھنے اور بجٹ پر بحث کو آگے بڑھانے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

مسلمانوں کو الگ ووٹر دیا گیا۔ اس طرح لارڈ منٹو کو فرقہ پرست ووٹر کا باپ کہا جاتا تھا۔ پہلی بار اس نے وائسرائے کی عاملہ کونسل کے ساتھ ہندوستانیوں کی وابستگی فراہم کی۔ ستیندر پرساد سنہا وائسرائے کی عاملہ کونسل میں شامل ہونے والے پہلے ہندوستانی بن گئے۔ اس نے یونیورسٹیوں، زمینداروں، ڈسٹرکٹ بورڈز، میونسپلٹیز اور چیمبرز آف کامرس کو علیحدہ نمائندگی بھی فراہم کی جنہوں نے ممبران کا انتخاب کرنا تھا۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ-1919

اس کا اعلان پہلی بار 20 اگست 1917 کو ہندوستان کے اس وقت کے سیکریٹری مملکت لارڈ مونٹیگ نے کیا تھا کہ برطانوی راج کا مقصد ہندوستان میں ایک ذمہ دار حکومت کا قیام تھا۔ اس کے مطابق، لارڈ مونٹیگ اور لارڈ چیلمسفورڈ، گورنر جنرل آف انڈیا نے مل کر

1919 میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں مختلف آئینی اصلاحاتکو شامل کر کے تیار کیا۔ یہ مونٹیگ -چیلمسفورڈ اصلاحاتکے نام سے بھی مشہور ہے۔اس ایکٹ نے صوبوں میں دوعملی حکومت کو متعارف کرایا۔ انتظامیہ کے مضامین کومنتقلی اور محفوظ حصوں میں تقسیم ہو نے تھے۔مرکز میں پہلی مرتبہ دوایوانی مقنّنہ متعارف کرایا گیا تھا۔ایوان بالا کومملکتوں کی کونسل کے نام سے جانا جاتا تھا اور ایوان زیریں قانون ساز اسمبلی تھی۔اس ایکٹ نے سکھوں، ہندوستانی عیسائیوں، اینگلو ہندوستانی، اور یورپیکے لیےفرقہ وارانہ نمائندگی کو بڑھایا۔اس نے جائیداد، ٹیکس کی ادائیگی اور تعلیم کی بنیاد پر محدود بالغ رائے دہی بھی فراہم کی۔اس نے لندن میں ہندوستان کے لیے ہائی کمشنر کا ایک نیا دفتر شروع کیا تھا،اس نے پبلک سروس کمیشن کے قیام کا بھی انتظام کیا تھا۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ-1935

سائمن کمیشن کی رپورٹ، تین گول میز کانفرنسوں پر غوروخوض اور رامسے میکڈونلڈ کی طرف سے فرقہ وارانہ ایوارڈ کے اعلان کے بعد،اس وقت کے برطانوی وزیراعظم نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 کا اعلان کیا۔ یہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کا سب سے بڑا ایکٹ ہے جس کی 321 دفعات اور 10 شیڈول ہیں۔

اس ایکٹ نے ہندوستان میں وفاقیت کو شامل کیا جس میں صوبے اور ریاستیں دونوں شامل ہیں۔اس نے مرکز اور ریاستوں کے درمیان اختیارات کو بھی تین فہرستوں میں تقسیم کیا- وفاقی فہرست ،صوبائی فہرست اور مشترکہ فہرست۔ دہلی میں وفاقی عدالت قائم ہوئی۔ ریزروبینک آف انڈیا قائم ہوا،اور برما ہندوستان سے الگ ہوگیا۔اس نے وفاقی اور صوبائی پبلک سروس کمیشن قائم کیا۔اس نے فرقہ وارانہ نمائندگی کے اصول کو درج فہرست ذاتوں،خواتین اور مزدوروں تک بڑھادیا۔

9351 کے انڈین گورنمنٹ ایکٹ کے اعلان کے بعد 1942 میں کرپس مشن نے ہندوستان کو "ڈومینین اسٹیٹس" کی پیشکش کی، لیکن اسے مسترد کردیا گیا،اور 1942 میں "ہندوستان چھوڑ وتحریک" شروع کی گئی۔ برطانوی حکومت سے اقتدار کی منتقلی پر بات کرنے کے لیے کابینہ مشن نے 1946 میں ہندوستان کا دورہ کیا۔ ہندوستانی سیاسی قیادت کو ماؤنٹ بیٹن پلان 3 جون 1947 کو جاری کیا گیا اور ہندوستان کی تقسیم کا اعلان کیا گیا ہندوستان 15 اگست 1947 کو ایک آزاد مملکت بنا اور پہلی کابینہ تشکیل دی گئی۔

آئین ساز اسمبلی کا مطالبہ

یہ 1934 میں تھا کہ ہندوستان کے لیے ایک آئین کا مسودہ تیار کرنے کے لیے دستورساز اسمبلی کا خیال سب سے پہلے ایم این رائے نے پیش کیا تھا، جو ایک ریڈیل ہیومنسٹ اور ہندوستان میں کمیونسٹ تحریک کے علمبردار تھے۔انڈین نیشنل کانگریس نے باضابطہ طور پر پہلی بار 1935 میں آئین ساز اسمبلی کا مطالبہ کیا۔آخرکار، برطانوی حکومت نے 1940 کی اگست پیشکش کی تجویز میں پہلی بار آئین ساز اسمبلی کے مطالبے کو مستند تسلیم کرلیا۔ برطانوی حکومت نے ہندوستانی آئین کے مسودے کی تجویز کے ساتھ ہندوستان کا دورہ کیا۔ جو"کرپس مشن" کے نام سے مشہور ہے۔لیکن علیحدہ پاکستان کے مطالبے کی وجہ سے مسلم لیگ نے کرپس مشن کی تجویز کو مسترد کردیا۔آخرکار برطانوی حکومت نے 1946 میں " کیبنٹ مشن" بھیجا۔ یہ مشن تین ارکان پر مشتمل تھا- لارڈ پیٹرک لارنس، سرسٹافورڈ

سرپس اورا ے وی الیگزینڈر۔اس وفد نے ہندوستان کے لیے آئین کا مسودہ تیار کرنے کے لیے منتخب اراکین کے ذریعے ایک دستور ساز اسمبلی کی تشکیل کی تجویز پیش کی۔

آئین ساز اسمبلی:

ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی نومبر 1946 میں تشکیل پائی۔ یہ ہندوستانی رہنماؤں اور کابینہ مشن پلان کے درمیان مذاکرات کے نتیجے میں قائم ہوئی تھی۔ دستور ساز اسمبلی جولائی 1946 میں منعقد ہوئی۔ حلقہ بندیوں کے ممبران کا انتخاب بالواسطہ طور پر صوبائی مقننہ کے ذریعہ مشن پلان،1946۔کابینہ کی دفعات کے تحت منتخب کیا گیا تھا۔

دستور ساز اسمبلی کی کل تعداد 389 تھی جس میں سے 292 کا انتخاب برطانوی صوبوں سے ہونا تھا، 93 کو پرنسلی اسٹیٹس سے اور 4 ممبران کو چیف کمشنر کے علاقوں سے نامزد کیا جانا تھا۔ ہر صوبے کو اس کی آبادی کے تناسب سے نشستیں مختص کی گئیں۔ اس کے علاوہ، نشستیں مزید تین برادریوں کے لیے ان کی آبادی کے تناسب سے مختص کی گئیں- مسلمان (78)، سکھ (4) اور جنرل (210)۔۔ تقریباً ایک رکن نے دس لاکھ کی آبادی کی نمائندگی کرنی تھی۔

آئین ساز اسمبلی کے انتخابات 296 نشستوں (292 برطانوی ہندوستانی صوبے+4 چیف کمشنرز صوبے) کے لیے ہوئے اور جولائی اگست 1946 تک مکمل ہوئے۔ کانگریس نے عام نشستوں پر بھاری اکثریت حاصل کی، جبکہ مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لیے مختص تقریباً تمام نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔۔ کانگریس نے 208 اور مسلم لیگ نے 73 نشستیں حاصل کیں۔ اور بقیہ 15 نشستیں آزاد اور دیگر چھوٹی جماعتوں جیسے شیڈول کاسٹ فیڈریشن، دی یونینسٹ پارٹی، دی کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا اور کرشک پرجا پارٹیئے حاصل کیں۔ اس اسمبلی میں ہندوستان کے تمام طبقات جیسے ہندو، مسلمان، سکھ، پارسی، ہندوستانی عیسائی، اینگلو انڈین، درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل کی کمیونٹی کے نمائندے شامل تھے جن میں ان تمام طبقات کی 15 خواتین بھی شامل تھیں۔ مہاتما گاندھی اور محمد علی جناح کے علاوہ تمام اہم رہنما آئین ساز اسمبلی کے لیے منتخب ہوئے۔

آئین ساز اسمبلی کا کام:

دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس 9 دسمبر 1946 کو ہوا جس کا مسلم لیگ نے بائیکاٹ کیا۔ 3 جون 1947 کو ماؤنٹ بیٹن پلان کے مطابق ملک کی تقسیم کے اعلان کی وجہ سے آئین ساز اسمبلی کی تعداد کم ہو کر 299 رہ گئی اور مملکت پاکستان کے لیے ایک علیحدہ آئین ساز اسمبلی کی تجویز پیش کی گئی۔ اس طرح پہلے اجلاس میں صرف 211 ارکان نے شرکت کی۔ ڈاکٹر سچید انند سنہا کو عارضی چیئرمین منتخب کیا گیا اور بعد میں ڈاکٹر راجیندر پرساد کو اسمبلی کا مستقل صدر منتخب کیا گیا۔ اسی طرح، دونوں H.C. مکھرجی اور T.V. کرشنا ماچاری کو دستور ساز اسمبلی کے نائب صدر کے طور پر منتخب کیا گیا۔ بی این راؤ کو اسمبلی کا قانونی مشیر مقرر کیا گیا تھا۔

مقاصد کی قرارداد:

13 دسمبر 1946 کو جواہر لال نہرو نے دستور ساز اسمبلی میں تاریخی " قرارداد مقاصد " پیش کی، یہ قرارداد 22 جنوری 1947 کو

اسمبلی میں متفقہ طور پر منظور کی گئی۔ آزاد ہندوستان کا آئین، اور وہ فریم ورک فراہم کیا جس کے اندر آئین سازی کا کام آگے بڑھنا تھا۔ اس قرارداد نے ہندوستان کو ایک آزاد خود مختار جمہوریہ ہونے کا اعلان کیا، اس کے شہریوں کو انصاف، مساوات اور آزادی کی ضمانت دی۔ مقاصد کی قرارداد تمہید کی بنیاد ہے۔

ہندوستانی آئین کے ذرائع

آئین کا مسودہ تیار کرنے سے پہلے، ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے اراکین نے دنیا کے مختلف ممالک کے آئینوں کا تفصیلی مطالعہ کیا- دستور ساز اسمبلی نے دوسرے ممالک کے آئین کے ساتھ ساتھ انڈین گورنمنٹ ایکٹ، 1935 اہم خصوصیات پر غور کرتے ہوئے آئین کا مسودہ تیار کیا۔ آئین کے تصورات اور ان کے ذرائع ذیل میں دیئے گئے ہیں۔

نشان سلسلہ	ذرائع	دفعات ماخوذ کئے گئے
1.	گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935	وفاقی نظام، گورنر، پبلک سروس کمیشن، عدلیہ، ہنگامی حالات اور انتظامی تفصیلات
2.	برطانوی آئین	پارلیمانی حکومت، قانون کی حکمرانی، اکہری شہریت، دو ایوانی، کابینہ نظام وغیرہ
3.	امریکی آئین	بنیادی حقوق، آزاد عدلیہ، عدالتی جائزہ، صدر اور دیگر آئینی عہدیداروں کا مواخذہ وغیرہ۔
4.	آئرش آئین	ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصول، صدر کے انتخاب کا طریقہ۔
5.	جرمنی کا آئین	ایمرجنسی کے دوران بنیادی حقوق کی معطّلی۔
6.	کینیڈا کا آئین	گورنر کی تقرری، بقایا اختیارات، مضبوط مرکز کے ساتھ وفاقی ڈھانچہ۔
7.	آسٹریلیائی آئین	مشترکہ فہرست، پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس۔
8.	یو ایس ایس آر کا آئین	تمہید میں بنیادی فرائض، سماجی، اقتصادی اور سیاسی انصاف۔
9.	جنوبی افریقہ کا آئین	آئین میں ترمیم کا طریقہ کار، راجیہ سبھا کے ارکان کا انتخاب۔
10.	جاپانی آئین	زندگی اور آزادی کا حق اور قانون کے ذریعہ قائم کردہ طریقہ کار۔
11.	فرانسیسی آئین	جمہوریہ، تمہید میں آزادی، مساوات اور بھائی چارے کے نظریات۔

آئین ساز اسمبلی کی اہم کمیٹیاں:

آئین سازی کے کام کو آسان بنانے کے لیے اسمبلی نے 22 کمیٹیاں تشکیل دیں جن میں سے 10 طریقہ کار کے امور پر اور

12 کمیٹیاں اہم امور پر تھیں۔ چند بڑی کمیٹیوں اور ان کے چیئرمینوں کے نام درج ذیل ہیں۔

نشان سلسلہ	کمیٹی کا نام	صدر کا نام
1۔	یونین کے اختیارات کی کمیٹی	جواہرلعل نہرو
2۔	یونین کی آئینی کمیٹی	جواہرلعل نہرو
3۔	صوبائی آئینی کمیٹی	ولبھ بھائی پٹیل
4۔	مسودہ ساز کمیٹی	بی۔آر۔امبیڈکر
5۔	بنیادی حقوق ذیلی کمیٹی	جے بی کرپلانی
6۔	اقلیتوں کی ذیلی کمیٹی	ایچ۔سی۔مکھرجی
7۔	قبائلی علاقوں کی ذیلی کمیٹی	گوپی ناتھ باردولوئی
8۔	خارج شدہ علاقوں کی ذیلی کمیٹی	اے۔وی۔ٹھاکر
9۔	طریقہ کار کے قواعد کمیٹی	راجندر پرساد
10۔	ریاستوں کمیٹی	جواہرلال نہرو
11۔	اسٹیئرنگ کمیٹی	راجندر پرساد
12۔	مشاورتی کمیٹی	ولبھ بھائی پٹیل

مسودہ ساز کمیٹی:

دستورساز اسمبلی کی تمام 22 کمیٹیوں میں، سب سے اہم کمیٹی ڈرافٹنگ کمیٹی تھی جو 29 اگست 1947 کو ڈاکٹر بی آر امبیڈکر کی صدارت میں ہندوستان کے لیے آئین کا مسودہ تیار کرنے کے لیے قائم کی گئی تھی۔ یہ سات ارکان پر مشتمل تھا۔ وہ تھے:

1۔ ڈاکٹر بی آر امبیڈکر (چیئرمین)

2۔ این گوپالسوامی آیانگر (ممبر)

3۔ علادی کرشنسوامی عیار (ممبر)

4۔ ڈاکٹر کے ایم منشی (ممبر)

5۔ سید محمد سعداللہ (ممبر)

6۔ این مادھوراو (اس نے بی ایل مٹر کی جگہ لی جنہوں نے خرابی صحت کی وجہ سے استعفیٰ دیا تھا) (ممبر)

7۔ ٹی ٹی کرشناچاری (اس نے ڈی پی کھیتان کی جگہ لی جن کا انتقال 1948 میں ہوا) (ممبر)

مسودہ سازی کمیٹی نے مختلف کمیٹیوں کی تجاویز پر غور کرنے کے بعد آئین کا پہلا مسودہ تیار کیا، آئین کے مسودے پر غوروخوض کرتے ہوئے اسمبلی نے کل 7635 میں سے 2473 ترامیم پر بحث کی اور انہیں نمٹا دیا۔

ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے گیارہ اجلاس ہوئے، جس کے اجلاس 165 دنوں پر محیط تھے۔ اجلاسوں کے درمیان مختلف کمیٹیوں کے ذریعے مسودوں پر نظر ثانی اوران کی اصلاح کا کام کیا گیا۔

ہندوستان کا آئین 26 /نومبر 1949 کو اپنایا گیا تھا اور 24 / جنوری 1950 کو 284 اراکین نے آئین پر دستخط کیے تھے۔ آئین کی تشکیل میں 2 سال 11 ماہ اور 18 دن کا طویل عرصہ لگا ہے۔ آئین/26 جنوری 1950 کو نافذ ہوا۔

خلاصہ

اس باب میں ہندوستانی آئین کے تاریخی پس منظر اورارتقاء کے بارے میں واضح طور پر وضاحت کی گئی ہے۔ قومی تحریک کے رہنماؤں نے آزادی کے ساتھ ساتھ ہندوستانی آئین کی تشکیل دونوں کے لیے جدوجہد کی تھی۔ کئی مطالبات سے گزرنے کے بعد برطانوی حکومت نے کیبنٹ مشن پلان 1946 کی دفعات کے تحت آئین ساز اسمبلی کا انتخاب کرنا قبول کرلیا ہے۔ اسمبلی کی تشکیل کردہ مختلف کمیٹیوں نے جدید دنیا کے مختلف آئینوں کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ ڈاکٹر بی آر امبیڈکر کی صدارت میں مسودہ ساز کمیٹی نے مختلف کمیٹیوں سے تجاویز لے کر ہندوستان کے آئین کا مسودہ تیار کیا ہے۔ اس سبق میں ہندوستان کے آئین کی تشکیل کے عمل کی تفصیل سے وضاحت کی گئی ہے۔ یہ یونٹ طلباء کو ہندوستانی آئین کی تشکیل میں مختلف دفعات اور پیشرفت کو سمجھنے کے لئے مناسب طریقے سے خدمت کرے گا۔

لغت

اس لغت کو پڑھ کر طالب علم ہندوستان کے آئین کی اہم دفعات کو سمجھ سکتا ہے۔

آئین: یہ ملک کا بنیادی قانون ہے۔ یہ مختلف آئینی اداروں کے بنیادی کاموں کی وضاحت کرتا ہے۔

قرارداد مقاصد: یہ جواہر لال نہرو نے تیار کیا تھا اور 13 / دسمبر 1946 کو متعارف کرایا گیا تھا، اسے 22 / جنوری 1947 کو دستور ساز اسمبلی نے متفقہ طور پر منظور کیا تھا۔ اس قرارداد کی بنیاد پر تمہید تیار کی گئی تھی۔

ہندوستانی آئین کے ذرائع: ہندوستانی آئین بنانے والوں نے دنیا کے مختلف آئینوں سے بہت سے اہم نظریات مستعار لیے ہیں۔ خاص طور پر برطانیہ، امریکہ، آئرش، روس اور کینیڈا کے آئین وغیرہ۔

ہندوستانی آئین کے نظام الاوقات: یہ وہ جدولیں ہیں جن میں اضافی معلومات ہیں جن کا آرٹیکل میں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اصل میں ہندوستانی آئین میں 8 شیڈول تھے، اس وقت ہمارے آئین میں 12 شیڈول ہیں۔

ہندوستانی آئین کے حصے: اصل آئین میں 22 حصے اور 395 آرٹیکلز تھے۔ ہر حصہ ایک مخصوص موضوع کی وضاحت کرتا ہے۔

سوالیہ پرچہ:

8 نمبر کے سوالات

1۔ ہندوستانی آئین کے تاریخی پس منظر کی وضاحت کریں۔

2۔ ہندوستانی آئین کی تشکیل پر ایک نوٹ لکھیں۔

4 نمبر کے سوالات

1۔ مسودہ ساز کمیٹی کے کردار کا جائزہ لیں۔

2۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ، 1935 کے بارے میں لکھیں۔

3۔ مقاصد کی قرارداد کے بارے میں وضاحت کریں۔

4۔ ہندوستانی آئین کے مختلف شیڈولز پر بحث کریں۔

2 نمبر کے سوالات

1۔ آئین ساز اسمبلی کا مطالبہ کب کیا گیا؟

2۔ انڈین کونسلز ایکٹ، 1909

3۔ ہندوستانی آئین کے دو ماخذ لکھیں۔

4۔ آئین ساز اسمبلی کی دو اہم کمیٹیوں پر بحث کریں۔

1 نمبر کے سوالات۔

1۔ دستور ساز اسمبلی کا نظریہ پہلی بار پیش کیا گیا۔

(a) ڈاکٹر بی آر امبیڈکر (b) ایم این رائے

(c) ڈاکٹر راجندر پرساد (d) جے بی کرپلانی

2۔ دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس

(a) 9 دسمبر 1946 (b) 11 دسمبر 1946

(c) 15 اگست 1947 (d) 26 نومبر 1949

3۔ دستور ساز اسمبلی کا آئینی مشیر کون تھا؟

(a) ڈاکٹر راگیندر پرساد (b) ڈاکٹر بی آر امبیڈکر

(c) بی این راو (d) جواہر لال نہرو

4۔ مسودہ ساز کمیٹی کے چیئرمین کون تھے۔

(a) ڈاکٹر بی آر امبیڈکر (b) ڈاکٹر راگیندر پرساد

(c) ہمسا مہتا (d) ڈاکٹر سچید انند سنہا

5۔ ہندوستان کا آئین دستور ساز اسمبلی کے تحت تشکیل دیا گیا تھا۔

(a) 1940 اگست کی پیشکش (b) 1942 - کرپس مشن

(c) 1946 کابینہ مشن کے منصوبے (d) 1935 انڈین گورنمنٹ ایکٹ

6۔ ہندوستانی آئین کو نافذ کیا گیا تھا۔

(a) 26 نومبر 1949 (b) 15 اگست 1947

(c) 24 جنوری 1950 (d) 26 جنوری 1950

7۔ دستور ساز اسمبلی کا پہلا عارضی چیئر مین کون تھا؟

(a) ڈاکٹر سچید انند سنہا (b) ڈاکٹر راجندر پرساد

(c) ڈاکٹر بی آر امبیڈکر (d) ڈی پی کھیتان

8۔ آئین اسمبلی میں کتنے اراکین تھے؟

(a) 226 (b) 288

(c) 389 (d) 398

9۔ مقصدی قرارداد کس نے تجویز کی؟

(a) کے ایم منشی (b) ٹی ٹی کرشنما چاری۔

(c) گوپالا سوامی آیا نگر (d) جواہر لال نہرو

10۔ ہندوستان کے آئین کو تیار کرنے میں کتنا وقت لگا؟

(a) 1 سال 11 ماہ اور 18 دن (b) 2 سال 11 ماہ اور 18 دن

(c) 3 سال 10 ماہ اور 13 دن (d) 2 سال 8 مہینے اور 12 دن

جوابات:

1. (b)

2. (a)

3. (c)

4. (a)

5. (c)

6. (d)

7. (a)

8. (c)

9. (d)

10. (b)

10

10۔ دیباچہ اور نمایاں خصوصیات
MAKING OF INDIAN CONSTITUTION

مقاصد

اس سبق کا مطالعہ کرنے کے بعد، آپ اس قابل ہو جائیں گے:

1۔ آئین کی دیباچہ بیان کریں۔

2۔ دیباچہ کی مطابقت اور اہمیت کی وضاحت کریں۔

3۔ ہندوستانی آئین کی نمایاں خصوصیات کی نشاندہی کریں۔

4۔ ہندوستانی آئین کی نوعیت کو سمجھیں۔

5۔ بنیادی حقوق کی اہمیت، ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصول اور بنیادی فرائض کو سمجھنا۔

تعارف

آئین ہمارے ملک کا بنیادی قانون ہے۔ یہ تمام سرکاری سرگرمیوں کا ذریعہ ہے۔ اسے دستور ساز اسمبلی نے وضع کیا تھا۔ یہ اسمبلی انتخابات کے بالواسطہ طریقہ سے نومبر 1946 میں قائم کی گئی تھی۔ ہندوستانی آئین کچھ اصول وضوابط مرتب کرتا ہے۔ اس میں آزادی، مساوات، بھائی چارے، حقوق اور فرائض جیسے نظریات کو بھی شامل کیا گیا۔ اس نے ہندوستان کو ایک جمہوری، خودمختار اور جمہوری جمہوریہ کے طور پر اعلان کیا۔ قانون کی حکمرانی، سوشلزم، غیر مذہبیازم اور انصاف جیسی سیاسی اقدار بھی ہندوستانی آئین میں پائی جاسکتی ہیں۔

ہندوستان کا آئین دیباچہ سے شروع ہوتا ہے۔ یہ آئین کے اغراض، مقاصد، خواہشات اور بنیادی اصولوں کی عکاسی کرتا ہے۔ آئین کی بہت سی اہم خصوصیات دیباچہ سے تیار ہوئی ہیں۔ اس باب میں آپ دیباچہ کے فلسفے اور ہندوستانی آئین کی نمایاں خصوصیات کو سمجھ سکیں گے۔

دیباچہ:

ہندوستان کا آئین دیباچہ سے شروع ہوتا ہے۔ اسے آئین کا دیباچہ یا تعارف بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں پورے آئین کا فلسفہ موجود ہے۔ یہ اہداف، مقاصد اور آئین کی نوعیت کی عکاسی کرتا ہے۔ دستور کی دیباچہ 13 دسمبر 1946 کو پنڈت جواہر لعل نہرو کے

ذریعہ تیار کردہ اور پیش کردہ 'مقاصد قرارداد' کی بنیاد پر تیار کی گئی تھی اور 22 جنوری 1947 کو دستور ساز اسمبلی نے اپنایا تھا۔ دیباچہ میں 1976 میں 42ویں آئینی ترمیمی ایکٹ کے ذریعے ترمیم کی گئی ہے جس میں تین نئے تصورات شامل کیے گئے ہیں۔ سوشلسٹ، غیر مذہبی اور سالمیت۔

دیباچہ کا متن:

موجودہ شکل میں ہندوستانی آئین کا دیباچہ درج ذیل ہے:

"ہم، ہندوستان کے عوام نے نہایت ہی سنجیدگی سے ہندوستان کو ایک مقتدر اعلیٰ، سماجی، غیر مذہبیعوامی جمہوریہ میں تشکیل دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اور اس کے تمام شہریوں کو محفوظ بنانے کا عزم کیا ہے۔

انصاف، سماجی، اقتصادی اور سیاسی؛

سوچ، اظہار، عقیدہ، ایمان اور عبادت کی آزادی؛

حیثیت اور مواقع کی مساوات؛ اور ان سب کے درمیان فروغ دینا

فرد کے وقار اور قوم کے اتحاد اور سالمیت کو یقینی بنانے والا بھائی چارہ؛

نومبر 1949 کے اس چھبیسویں دن ہماری دستور ساز اسمبلی میں، یہاں سے اس آئین کو اپنائیں، نافذ کریں اور خود کو دیں۔

دیباچہ کی اہمیت:

دیباچہ قوم کے بانیوں کے خوابوں اور خواہشات کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ آئین کی تشریح کی کلید ہے، اور یہ آئین کے مقاصد کی وضاحت کرتا ہے۔ دیباچہ مندرجہ ذیل اہم اجزاء کی نشاندہی کرتی ہے۔

1۔ ابتدائی الفاظ "ہم ہندوستان کے لوگ" اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ آئین ہندوستان کے لوگوں سے اپنا اختیار حاصل کرتا ہے اور آئین کو بنانے کے پیچھے ذریعہ کے طور پر لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

2۔ یہ ہندوستانی ریاست کی نوعیت کو بیان کرتا ہے۔ یہ ہندوستان کو ایک خودمختار، سوشلسٹ، غیر مذہبی، عوامی جمہوریہ قرار دیتا ہے۔

3۔ یہ اپنے تمام شہریوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے آئین کے اغراض و مقاصد کا اعلان کرتا ہے۔

a) انصاف۔ سماجی، اقتصادی اور سیاسی۔

b) سوچ، اظہار، عقیدہ، ایمان اور عبادت کی آزادی۔

c) حیثیت اور مواقع کی مساوات اور

d) بھائی چارے کو سب کے درمیان فروغ دینا، فرد کے وقار کو یقینی بنانا اور قوم کے اتحاد اور سالمیت کو برقرار رکھنا۔

4۔ آئین کو 26 نومبر 1949 کو اپنایا گیا اور دیباچہ نے اعلان کیا کہ آئین عوام خود بناتے ہیں۔

دستور ساز اسمبلی کی مسودہ سازی کمیٹی کے رکن K.M منشی نے بجا طور پر کہا کہ دیباچہ "ہماری مقتدر عوامی جمہوریہ کی زائچہ ہے، دستور ساز اسمبلی کے ایک اور رکن پنڈت ٹھاکر داس بھارگوا نے بیان کیا کہ "دیباچہ آئین کی روح ہے، آئین کی کلید ہے، یہ آئین کا زیور ہے، یہ ایک مناسب پیمانہ ہے جس سے کوئی بھی آئین کی قدر پیمائش کر سکتا ہے۔"

ہندوستانی آئین کی نمایاں خصوصیات:

جدید دنیا میں ہر ملک کے پاس قوانین کا ایک مجموعہ ہے جو ملک کے مناسب کام کرنے میں سہولت فراہم کرتا ہے۔ ہندوستانی آئین قواعد وضوابط کے ایک سیٹ پر مشتمل ہے جو ہندوستانی قوم پر حکومت کرنے میں مدد کرتا ہے۔ ہندوستانی آئین اپنی فطرت اور روح میں منفرد ہے۔ یہ دنیا کے اہم ترین آئینوں میں سے ایک ہے اور اسے دنیا کے تمام معروف آئینوں کے بعد نافذ کیا گیا تھا۔ ہندوستانی آئین بنانے والوں نے دنیا کے بیشتر بڑے آئینوں کی بہترین خصوصیات کو اپنایا ہے۔ اگرچہ کئی دفعات دوسرے آئینوں سے مستعار لی گئی تھیں، لیکن ہندوستانی آئین میں مختلف نمایاں خصوصیات ہیں جو اسے دنیا کے دیگر آئینوں سے ممتاز کرتی ہیں۔

ہندوستان کے آئین کا مسودہ دستور ساز اسمبلی نے تیار کیا تھا جو دسمبر 1946 میں تشکیل دیا گیا تھا۔ ممتاز رہنما جیسے جواہر لال نہرو، ڈاکٹر راجندر پرساد، سردار پٹیل، ڈاکٹر بی آر۔ امبیڈکر، کے ایم منشی دستور ساز اسمبلی کے ممبر تھے۔ ڈاکٹر راجندر پرساد دستور ساز اسمبلی کے صدر منتخب ہوئے اور ڈاکٹر بی آر امبیڈکر مسودہ ساز کمیٹی کے چیئر مین تھے۔ دستور ساز اسمبلی نے اپنا کام 2 سال 11 ماہ اور 18 دن میں مکمل کیا۔ ہندوستان کا آئین 26 نومبر 1949 کو اپنایا گیا تھا۔ یہ 26 جنوری 1950 کو نافذ ہوا تھا۔ ہندوستانی آئین میں لبرل ازم، سوشلزم اور گاندھی ازم جیسے کئی نظریات موجود تھے۔

ہندوستان کے آئین کی چند اہم خصوصیات میں درج ذیل شامل ہیں:

سب سے طویل تحریری آئین:

دنیا میں آئین کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ایک تحریری شکل میں جیسے کہ امریکی آئین، ایک اور آئین برطانوی آئین کی طرح غیر تحریری شکل میں ہے۔ ہندوستانی آئین ایک تحریری دستاویز ہے اور تمام دنیا کی تحریری آئینوں میں سب سے طویل ہے۔ یہ فطرت میں منفرد ہے، بہت جامع، وسیع اور تفصیلی دستاویز ہے۔ یہ دستور ساز اسمبلی کے ذریعہ مسودہ تیار کیا گیا، اس پر بحث کی گئی اور اسے نافذ کیا گیا۔ اصل میں ہندوستانی آئین 395 مضامین، 22 حصوں اور 8 شیڈولز پر مشتمل ہے۔ فی الحال، یہ ایک دیباچہ پر مشتمل ہے۔ 470 دفعات، 25 حصوں اور 12 شیڈولز میں تقسیم ہے 1951 سے اس وقت تک، 105 ترامیم کی گئیں۔ ساتواں حصہ حذف کر دیا گیا، چار نئے حصے (A4، 9A، 9B، 14A) اور چار نئے شیڈولز (9، 10، 11، 12) کو آئین میں شامل کیا گیا۔

آئین کی مضبوطی میں کئی عوامل نے کردار ادا کیا ہے۔ تمام معاملات یونین اور ریاستوں کے ساتھ ساتھ مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے ڈھانچے اور افعال سے متعلق آئینی اداروں کے حوالے سے دفعات بہت تفصیل سے بنائے گئے ہیں۔ اسی طرح متعدد بنیادی حقوق سے متعلق چیزیں، ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصول، بنیادی فرائض، مرکز اور ریاستی تعلقات کا آئین میں تفصیلی تبادلہ خیال کیا گیا ہے۔

مختلف ذرائع سے اخذ کردہ:

ہندوستانی آئین کے باپڑ اکٹر بی آر امبیڈکر نے فخر سے کہا کہ آئینہندوستان کو "دنیا کے تمام معروف آئینوں کو چھان بین" کے بعد بنایا گیا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ ہندوستان کے آئین نے اپنی بیشتر دفعات کودوسرے ممالک کے مختلف آئین سے مستعار لیا ہے۔
ہندوستانی آئین بھی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 سے متاثر ہوا ہے۔ ہندوستانی آئین کی نصف سے زیادہ دفعات گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 سے لی گئی ہیں۔ وفاقی نظام، عدلیہ، گورنرز، ایمرجنسی دفعات، پبلک سروس کمیشن اور دیگر اہم انتظامی تفصیلات گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 سے اخذ کی گئی ہیں۔
بنیادی حقوق، آزاد عدلیہ، عدالتی جائزہ امریکی آئین سے لیا گیا۔ پارلیمانی طرز حکومت، قانون کی حکمرانی، واحد شہریت، کابینہ کا نظام وغیرہ۔ برطانوی آئین سے مستعار ہیں۔ ریاستی پالیسی اور بنیادی فرائض کے ہدایتی اصول بالترتیب آئرش اور سابق USSR (اب روس) کے آئین سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہندوستانی آئین کی دیگر مختلف دفعات کو آسٹریلیا، جرمنی، فرانس، کینیڈا، جنوبی افریقہ، جاپان اور دیگر ممالک کے آئین سے لیا گیا ہے۔

سختی اور لچک کا مجموعہ:

دنیا میں آئین کی دو قسمیں ہیں، وہ سخت اور لچکدار ہیں۔ امریکی آئین کی طرح ایک سخت آئین وہ ہے جس میں ترمیم کے لیے ایک خاص طریقہ کار کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر برطانوی آئین کی طرح ایک لچکدار آئین وہ ہے جس میں اسی طرح ترمیم کی جاسکتی ہے جس طرح عام قوانین بنائے جاتے ہیں۔ ہندوستان کا آئین نہ تو سخت ہے اور نہ ہی لچکدار، بلکہ یہ دونوں کا مجموعہ ہے۔
ہندوستانی آئین کدطفعہ 368 ترمیم کا طریقہ بتاتا ہے جو سخت اور لچکدار ہے۔
تین طریقے ہیں جن سے آئین میں ترمیم کی جاسکتی ہے۔

(a) پارلیمنٹ کی سادہ اکثریت سے ترمیم، مثال کے طور پر نئی ریاستوں کی تشکیل، ریاستوں کی حدود میں تبدیلی، شہریت وغیرہ۔
(b) پارلیمنٹ کی خصوصی اکثریت یعنی ہر ایوان (لوک سبھا اور راجیہ سبھا) کے ارکان کی 3 / 2 اکثریت سے ترمیم، مثال کے طور پر بنیادی حقوق اور ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصول۔
(c) پارلیمنٹ کی خصوصی اکثریت سے ترمیم اور کم از کم نصف ریاستی مقنّنہ کی توثیق، مثال کے طور پر صدر، سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کا انتخاب، پارلیمنٹ میں ریاستوں کی نمائندگی وغیرہ۔

لہذا، ہمارے آئین میں ترمیم کے طریقہ کار کے سخت اور لچکدار دونوں طریقوں کا مجموعہ ہے۔

وحدانی خصوصیات کے ساتھ وفاقی نظام:

ہندوستان کے آئین نے وفاقی نظام حکومت کو اپنایا ہے۔ تاہم آئین میں 'وفاق' کی اصطلاح کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ہمارے آئین کے دفعہ 1 میں کہا گیا ہے کہ "ہندوستان جو کہ بھارت ہے ریاستوں کا اتحاد ہوگا"۔ اس میں وفاقی اور وحدانی نظام دونوں کی

خصوصیات ہیں۔حکومت ہند ہنگامی حالات میں ایک وحدانی ریاست اور عام حالات میں وفاقی ریاست کے طور پر کام کرتی ہے۔ 1935 کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے ذریعے آل انڈیا فیڈریشن کا قیام عمل میں لایا گیا اور جدید ہندوستان میں شامل کیا گیا، جس نیم کرز اور صوبائی حکومتیں میں دونوں کے درمیان اختیارات کو الگ کیا۔

ہندوستانی آئین وفاق کی تمام ضروری خصوصیات پر مشتمل ہے، جیسے تحریری، سخت آئین، آئین کی بالادستی، حکومتوں کے دو سیٹ، اختیارات کی تقسیم، آزاد عدلیہ، دوایوانی نظام وغیرہ۔ ایک آئین، مضبوط مرکز، واحد شہریت، واحد مربوط عدلیہ، آل انڈیا سروسز، ہنگامی حالات، مرکز کے ذریعے ریاستی گورنروں کی تقرری وغیرہ جیسی خصوصیات۔ اس لیے، ہندوستان کے آئین کو ساخت میں وفاقی بیان کیا گیا ہے لیکن اس میں وحدانی ہے۔ روح، جیسا کہ K.C. جہاں کہا گیا کہ ہندوستان ایک "نیم وفاقی" مملکت ہے۔ لہذا، ہندوستانی آئین وحدانی نظام سے زیادہ وفاقی خصوصیات پر مشتمل ہے۔

حکومت کی پارلیمانی شکل:

ہندوستانی آئین نے برطانوی پارلیمانی طرز حکومت کو اپنایا ہے۔ پارلیمانی نظام قانون سازی اور انتظامی اداروں کے درمیان قریبی تعلقات پر مبنی ہے۔ اس کے دو قسم کے عاملہ سربراہ بھی ہیں، برائے نام (صدر) اور حقیقی (وزیر اعظم)۔ مقنّنہ کے لیے عاملہ کی اجتماعی ذمہ داری، اکثریتی جماعت کی حکمرانی، ایوان زیریں کی تحلیل، وزراء ٭ کو مقنّنہ کے رکن ہونا چاہیے، وغیرہ۔ ہندوستانی پارلیمانی نظام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اس حکومت میں وزیر اعظم کا کردار بہت اہم ہے۔ حکومت کی پارلیمانی شکل کو حکومت، کابینہ حکومت، وزیر اعظم کی حکومت وغیرہ کے "برطانوی پارلیمنٹ (ministerWest)" ماڈل کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ آئین مرکز اور ریاست دونوں سطح پر پارلیمانی نظام کو قائم کرتا ہے۔

بنیادی حقوق:

ہندوستانی آئین فطرت میں لبرل جمہوری ہے۔ ہندوستان کا آئین اس بنیادی اصول کی تصدیق کرتا ہے کہ ہر انسان کو کچھ بنیادی حقوق حاصل کرنے کی اجازت ہے۔ بنیادی حقوق آئین کے ذریعے تمام شہریوں کو بغیر کسی امتیاز کے فراہم کیے گئے ہیں اور ان کی ضمانت دی گئی ہے یہ حقوق سیاسی جمہوریت کے خیال کو فروغ دینے کے لیے ہیں۔ بنیادی حقوق قابل انصاف ہیں اور عدلیہ ان کا تحفظ کرتی ہے۔ جب بھی ان حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے، عدالتیں ان حقوق کے نفاذ کے لیے رٹ جاری کرتی ہیں۔

بنیادی حقوق ہندوستانی آئین کے حصہ III میں آرٹیکل 12 سے 35 تک شامل ہیں اور یو ایس اے کے آئین (بل آف رائٹس) سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اصل میں، آئین نے سات بنیادی حقوق فراہم کیے ہیں، وہ ہیں:

1۔ مساوات کا حق (آرٹیکل 18-14)

2۔ آزادی کا حق (آرٹیکل 22-19(

3۔ استحصال کے خلاف حق (آرٹیکل 24-23)

4۔ مذہب کا حق (آرٹیکل 28-25)

5۔ ثقافتی اور تعلیمی حقوق (آرٹیکل 30-29)

6۔ جائیداد کا حق (آرٹیکل 31)

7۔ آئینی چارہ جوئی کا حق (آرٹیکل 32)

تاہم 44ویں آئینی ترمیم کے ذریعہ جائیداد کا حق بنیادی حقوق کی فہرست سے حذف کر دیا گیا۔لہٰذا، اس وقتہندوستانی آئین کے حصہ۔III میں صرف چھ بنیادی حقوق ہیں۔

بنیادی فرائض:

ہندوستان کے اصل آئین میں بنیادی فرائض شامل نہیں تھے۔لیکن انہیں بعد میں 1976 میں سردار سوارن سنگھ کمیٹی کی سفارش پر 42ویں آئینی ترمیمی ایکٹ کے ذریعے شامل کیا گیا۔یہ فرائض آئین کے حصہ A-IV اور آرٹیکل A-51 میں شامل کیے گئے تھے، یہ سابقہ سوویت یونین کے آئین سے متاثر تھے،اس وقت بنیادی فرائض 10 تھے، بعد میں 2002 کے 86ویں آئینی ترمیمی ایکٹ نے ایک اور بنیادی فرض کا اضافہ کیا، یعنی ایک شخص "جو اپنے بچے کو تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کے لیے والدین یا سرپرست ہے یا جیسا کہ معاملہ ہو، چھ سے چودہ سال کی عمر کے درمیان کا بچہ"۔لہذا، اس وقت، ہندوستانی آئین کے حصہ A-IV میں 11 بنیادی فرائض ہیں۔وہ آئین، قومی پرچم، قومی ترانے کا احترام کرتے ہیں، ملک کی خودمختاری، اتحاد اور سالمیت کی حفاظت کرتے ہیں، عوامی املاک کی حفاظت کرتے ہیں، ہماری جامع ثقافت کے شاندار ورثے کو محفوظ رکھتے ہیں وغیرہ کچھ بنیادی فرائض ہیں۔یہ فرائض ہیں جن کی تکمیل کی ہر شہری سے توقع کی جاتی ہے۔تاہم، یہ فرائض فطرت میں غیر منصفانہ ہیں۔

مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصول:

ہندوستانی آئین کے بنانے والوں نے آئرش آئین سے مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصول اپنائے۔انہیں ہندوستانی آئین کے حصہ IV میں آرٹیکل 36 سے 51 تک شامل کیا گیا تھا۔یہ ہمارے آئین کی منفرد خصوصیات میں سے ایک ہیں۔انہیں تین زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے-سوشلسٹ، گاندھیائی اور لبرل/ دانشور۔ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصولوں کا مقصد تمام شہریوں کے لیے سماجی اور معاشی انصاف کے نمونے کو پورا کرنا ہے۔ان کا مقصد ہندوستان میں ایک فلاحی ریاست کا قیام تھا۔وہ انصاف، آزادی، مساوات اور بھائی چارے کے اہم نظریات کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسا کہ آئین کی دیباچہ میں شامل ہے۔ڈاکٹر بی آر امبیڈکر کے مطابق، ہندوستانی آئین کے والد ?DPSP" ہندوستانی آئین کی ایک نئی خصوصیت" ہے۔یہ اصول غیر منصفانہ ہیں جس کا مطلب ہے کہ ان کی خلاف ورزی کی وجہ سے عدالتوں کے ذریعے ان کا نفاذ نہیں کیا جا سکتا۔تاہم، یہ اصول ملک کی حکمرانی میں بنیادی ہیں، اور ریاست کا فرض ہوگا کہ وہ قوانین بنانے میں ان اصولوں کا اطلاق کرے۔

مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصول میں کچھ پروگرام شامل ہیں جیسے دولت کی منصفانہ تقسیم، مساوی کام کے لیے مساوی تنخواہ،

لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرنا، معاش کے مناسب ذرائع، چودہ سال سے کم عمر بچوں کے لیے ابتدائی بچپن کی دیکھ بھال اور تعلیم کی فراہمی، یکساں سول کوڈ۔جنگلی حیات کا تحفظ، گائے کے ذبیحہ پر پابندی وغیرہ

مربوط اور آزاد عدلیہ:

ہندوستانی آئین نے ایک مربوط اور آزاد عدالتی نظام اپنایا۔سپریم کورٹ ہندوستان کی اعلیٰ ترین عدالت ہے۔ یہ ہندوستانی عدالتی نظام کی چوٹی پر ہے۔ملک میں سپریم کورٹ کے نیچے ریاستی سطح پر ہائی کورٹس ہیں لیکن ان کے فیصلےسپریم کورٹ میں اپیل کے تابع ہیں۔مزید یہ کہ تنظیم اور دائرہ اختیار ہائی کورٹس اور ہائی کورٹ کے ججوں کی تقرری، تبادلے اور سروس کی شرائطمعاملہ مرکزی حکومت کے کنٹرول میں ہے۔اس طرح، ریاستوں کی ہائی کورٹس ہیں۔آزادنہیں بلکہ سپریم کورٹ کے ماتحت ہیں۔ ہندوستانی آئین بنانے والوں نے ہندوستانی عدالتی نظام کو آزاد بنایا اور غیر جانبدار ایک. آزاد عدلیہ کی یہ خصوصیت ریاستہائے متحدہ امریکہ کیآئین سے مستعار لی گئی ہے۔ہندوستان میں سپریم کورٹ لوگوں کے بنیادی حقوق کی ضامن ہے اور آئین کی محافظ کےطور پر کام کرتی ہے۔اس کے پاس عدالتی نظر ثانی کا اختیار ہے۔ ہمارے آئین نے عدلیہ کو عاملہ سے الگ کیا اور ججوں کی مدت ملازمت، تنخواہوں اور الاؤنسز، مقررہ سروس کی شرائط، پروموشن وغیرہ کے معاملات میں اس کی آزادی کو یقینی بنانے کے لیے مختلف دفعات بنائے ہیں۔

عام بالغ رائے دہی:

ہندوستانی آئین تمام شہریوں کو عام بالغ حق رائے دہی فراہم کرتا ہے۔ ہماری جمہوریت "ایک شخص کے ووٹ کی قدر" کی بنیاد پر کام کرتی ہے۔ووٹ کا حق ہر اس شہری کو دیا گیا ہے جو 18 سال کی عمر کو پہنچ چکا ہے۔ووٹ کا یہ حق ذات پات، عقیدہ، نسل، مذہب، جنس، دولت یا جائے پیدائش کی بنیاد پر کسی امتیاز کے بغیر سب کو دیا گیا ہے۔شہری لوک سبھا، ریاستی قانون ساز اسمبلیوں اور بلدیاتی اداروں کے لیے اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ ہندوستانی آئین بنانے والوں نے محسوس کیا کہ اس طرح کے انتظام سے عوامی خودمختاری کے حصول میں آسانی ہوگی۔ 61ویں آئینی ترمیم کے ذریعے ووٹ ڈالنے کی عمر 1989 میں 21 سال سے کم کر کے 18 سال کردی گئی۔تاہم، ایک شہری بدعنوان یا غیر قانونی عمل کی پیروی کرنے والے جیلوں میں ناقص دماغ، دیوالیہ پن، مجرموں کی بنیاد پر ووٹ دینے کےحق سے محروم ہوسکتا ہے۔

اکہری شہریت:

ریاستہائے متحدہ امریکہ جیسی وفاقی حکومت میں، شہری دوہری شہریت سے لطف اندوز ہوتے ہیں، حالانکہ ہندوستانی آئین وفاقی ہے اور اس میں حکومت کے دوسیٹ (یونین اور ریاستیں) ہیں جو تمام شہریوں کے لیے صرف ایک شہریت فراہم کرتا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ ہر ہندوستانی ہندوستان کا شہری ہے جو ہندوستان میں پیدا ہوا ہے یا جو ایک مخصوص مدت کے لئے ہندوستان میں مقیم ہے قطع نظر اس کے کہ جائے پیدائش یا رہائش کی جگہ سے قطع نظر ہندوستانی علاقہ کے تمام شہری ملک کے کسی بھی حصے میں ملازمت حاصل

کر سکتے ہیں اور ہندوستان میں کہیں بھی یکساں حقوق ہر طرح سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔۔ یہ سہولت ایک متحد اور مربوط ہندوستان کی تعمیر کر سکتی ہے۔

ہنگامی شرائط:

ہندوستان کے آئین نے دفعہ 352 سے 360 تک پارٹ 18 میں ہنگامی دفعات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ ہندوستان کے صدر کو کسی بھی ریاست یا تمام ہندوستانی ریاستوں میں ایمرجنسی نافذ کرنے کا اختیار ہے اگر جزوی سلامتی یا پورے ہندوستان کو جنگ، بیرونی جارحیت یا مسلح بغاوت کا خطرہ ہو۔ یہ ہنگامی دفعات ہندوستانی آئین میں شامل ہیں تاکہ ملک کی یکجہتی، سالمیت، خودمختاری اور سلامتی کی حفاظت کی جا سکے۔

خلاصہ:

اس باب میں ہندوستانی آئین کی دیباچہ اور نمایاں خصوصیات کے بارے میں واضح طور پر وضاحت کی گئی ہے۔ ہندوستان کا آئین دنیا کے بہترین اور منفرد آئینوں میں سے ایک ہے۔ آئین بنانے والوں نیدنیا کے وجود کے آئین سے بہت سے اہم تصوراتکو متاثر کیا۔۔ ہندوستانی آئین بہت سے دانشوروں اور عظیم شخصیات محنت کا نتیجہ ہے۔ جس میں ڈاکٹر بی آر امبیڈکر نیمسودہ ساز کمیٹی کے چیئرمین کے طور پر ہندوستانی کنونشن بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس یونٹ نے ہندوستانی آئین کی ایک غیر معمولی انداز میں متعدد خصوصیات کے بارے میں وضاحت کی ہے۔ یہ یونٹ زیر تعلیم طلباء کی مناسب طریقے سے خدمت کرے گا۔ ہندوستانی آئین اور خاص طور پر دیباچہ کی مختلف دفعات کو، اور طلباء کو ہندوستانی پارلیمانی، وفاقی نظام، بنیادی حقوق، بنیادی فرائض، ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصول اور آزاد عدالتی نظام، بالغ حق رائے دہی وغیرہ کے بارے میں مناسب طریقے سے روشناس کرانا۔

لغت

اس لغت کو پڑھ کر طالب علم ہندوستانی آئین کے اہم تصورات کے معنی کو سمجھ سکتا ہے۔

☆ دیباچہ: یہ آئین کا تعارف ہے جو ہندوستانی آئین کے مقاصد، خواہشات اور مقاصد کی عکاسی کرتا ہے۔

☆ **حکومت کی وفاقی شکل:** یہ حکومتوں کے دو سیٹوں یعنی یونین اور ریاستوں کا مجموعہ ہے۔

☆ **دو ایوانی مقننہ:** مقننہ کے جسم میں دو ایوان یا مکانات کا ہونا۔ ہندوستانی پارلیمنٹ کے دو ایوان (لوک سبھا اور راجیہ سبھا) ہیں۔

☆ دستور ساز اسمبلی: یہ 1946 میں نیا آئین بنانے کے لیے قائم ایک منتخب ادارہ ہے۔ امبیڈکر مسودہ ساز کمیٹی کے چیئرمین کے طور پر۔

☆ جمہوریت: یہ عوام کی عوام کے ذریعہ اور ان کے لیے حکومت کا نظام ہے، مختصراً یہ 'عوام کی حکمرانی' ہے۔ حکومت کا انتخاب عام بالغ رائے دہی میں عوام کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

☆ مساوات: ہر شخص کو حیثیت اور سماجی، سیاسی اور اقتصادی حقوق میں برابر ہونا ہے۔

☆ عدالتی جائزہ: مجسموں یا انتظامی کاموں کا جائزہ لینا اور ان کی آئینی حیثیت کا تعین کرنا عدالتوں کا اختیار ہے۔

☆ پارلیمنٹ: ایک وفاقی مقنّنہ جو قوانین بناتی ہے، بجٹ تیار کرتی ہے اور پارلیمانی نظام حکومت میں حکومت تشکیل دیتی ہے۔

☆ وزیر اعظم: وہ حکومت کا سربراہ ہے اور حکومت کی پارلیمانی شکل میں وزراء کی کونسل کی صدارت کرتا ہے۔ وہ ملک کی تمام پالیسیاں بناتا ہے۔

☆ جمہوریہ: ایک ایسا ملک جس میں ریاست کا سربراہ منتخب کیا جاتا ہے اور موروثی نہیں ہے۔ یہ بادشاہت کے خلاف ہے۔

نمونہ سوالیہ پرچہ:

8 نمبر کے سوالات

1۔ ہندوستانی آئین کی نمایاں خصوصیات پر بحث کریں۔

2۔ آئین کے دیباچے کی اہمیت کی وضاحت کریں۔

4 نمبر کے سوالات

3۔ ہندوستانی آئین کے مقاصد کیا ہیں؟

4۔ ہندوستان ایک نیم وفاقی مملکت ہے- بحث کیجئے

5۔ ہندوستانی آئین میں ہنگامی دفعات کے بارے میں لکھیں۔

6۔ بنیادی حقوق اور ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصولوں میں فرق کریں۔

2 نمبر والے سوالات

7۔ پارلیمانی حکومت کے بارے میں لکھیں۔

8۔ یونیورسل بالغ فرنچائز۔

9۔ ہندوستانی آئین کی وحدانی اور وفاقی خصوصیات۔

10۔ مربوط اور آزاد عدلیہ۔

1 نشان کے سوالات

11۔ ہندوستانی آئین ہے۔ (   )

(a) سخت (b) بہت سخت

(c) لچکدار (d) جزوی طور پر سخت اور جزوی طور پر لچکدار

12۔ کس نے کہا کہ ہندوستانی وفاقیت ایک نیم وفاقیت ہے۔ (   )

(a) آسٹن (b) ڈاکٹر بی آر امبیڈکر

(c) WhereK.C. (d) سر آئیور جیننگز

13۔ آزادی کو یقینی بنانے کے لیے آئین میں کون سی شقیں ہیں؟ (   )

(a) پارلیمنٹ (b) عدلیہ

(c) عاملہ (d) شہری

14۔ مندرجہ ذیل میں سے وفاقی حکومت کی سب سے اہم خصوصیت کون سی ہے؟ (   )

(a) اختیارات کی تقسیم (b) پارلیمنٹ کی بالادستی

(c) اکہری شہریت (d) مربوط عدلیہ

15۔ ہندوستانی آئین میں کتنے شیڈول ہیں؟ (   )

(a) 8 (b) 10

(c) 12 (d) 14

16۔ .... سے ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصول اپنائے گئے۔ (   )

(a) امریکی آئین (b) آئرش آئین

(c) برطانیہ (d) سوویت یونین کا آئین

17۔ ہندوستان کا آئین ہندوستان کو اس طرح بیان کرتا ہے۔ (   )

(a) فیڈریشن (b) نیم وفاقی

(c) وحدانی مملکت (d) ریاستوں کی یونین

18۔ اس وقت ہندوستانی آئین میں کتنے بنیادی حقوق فراہم کیے گئے ہیں؟ (   )

(a) 7 (b 6

(c) 10 (d)11

19۔ ہندوستانی آئین کا کون سا آرٹیکل بنیادی فرائض سے متعلق ہے؟ (　　　)

(a) 51　　(b) 51(A)

(c) 52　　(d) 52(A)

20 ۔مندرجہ ذیل میں سے کون سا "ہم ہندوستان کے لوگ" شروع ہوتا ہے۔ (　　　)

(a) دیباچہ　　b) بنیادی حقوق

(c) بنیادی فرائض　　d) ریاستی پالیسی کے ہدایتی اصول

جوابات:

11۔ (d)

12۔ (c)

13. (b)

14 (a)

15. (c)

16. (b)

17. (d)

18. (b)

19. (b)

20. (a)

11

11۔ بنیادی حقوق

FUNDAMENTAL RIGHTS

مقاصد

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد، آپ کو قابل ہونا چاہیے:

☆ ہندوستانی دستور میں بنیادی حقوق کی نوعیت کو سمجھیں۔

☆ بنیادی فرائض کی فہرست سے متعلق خیال حاصل کریں۔

☆ مملکتی پالیسی کے رہنمانہ اصولوں کی نوعیت اور دائرہ کار جانیں

☆ بنیادی حقوق اور مملکتی پالیسی کے رہنمانہ اصولوں کے درمیان فرق جانیں

تعارف

بنیادی حقوق ہندوستانی شہری کے وجود کی بنیاد ہیں۔ یہ حقوق ہمارے دستور کی روح ہیں۔ یہ ہماری آزاد قوم کی زندگی اور خون کا حصہ ہیں۔ یہ ہمارے جمہوری نظام کی جڑ بھی ہیں۔ دادا بھائی نوروجی، چترنجن داس، موتی لال نہرو اور بالا گنگادھر تلک جیسے کئی آزادی پسندوں نے خودمختاری اور آزادی سے لطف اندوز ہونے کے لیے کچھ بنیادی حقوق کی فراہمی کی پرزور وکالت کی۔ 1885 میں انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کے ساتھ ہی ان کے مطالبے نے زور پکڑا۔ نہرو رپورٹ (1928) نے ہندوستانیوں کے مادی اور نفسیاتی مفادات کے حصول کے لیے مجوزہ دستور میں کچھ بنیادی حقوق کو شامل کرنے کی بھی سفارش کی تھی۔ بعدازاں انڈین نیشنل کانگریس کے کراچی اجلاس میں ہندوستانی شہریوں کے بنیادی حقوق اور فرائض کا ذکر کرتے ہوئے ایک رپورٹ ترتیب دی گئی۔ یہ رپورٹ نئے دستور میں بنیادی حقوق کو شامل کرنے کی بنیاد بن گئی۔ سردار پٹیل نے دستور ساز اسمبلی کی طرف سے قائم کردہ بنیادی حقوق کی ذیلی کمیٹی کے صدرنشین کے طور پر کام کیا۔ اس ذیلی کمیٹی نے بنیادی حقوق سے متعلق برطانوی حکومت کے غیر فعال رویہ پر شدید تنقید کی تھی۔ اس نے تسلیم کیا تھا کہ ہندوستانیوں کو 7 بنیادی حقوق کی ضمانت دی جانی تھی۔ اس کی تجویز کو دستور ساز اسمبلی نے منظور کر لیا تھا۔

بنیادی حقوق کی اہمیت

بنیادی حقوق، کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ حقوق، افراد کی جان، آزادی اور املاک کی حفاظت کے لیے بہترین ذریعہ کے طور پر ہیں۔ یہ موروثی صلاحیتوں اور فرد کی حقیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے اہم ہتھیار کے طور پر کام کرتے ہیں۔ یہ ضرورت سے زیادہ مداخلت کو محدود کرتے ہیں۔

ملک میں ججوں کی تنظیم ان حقوق کی خلاف ورزی کی صورت میں تحفظ فراہم کرتے ہیں، مناسب وقت پر انصاف فراہم کرتے ہوئے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس متعدد رٹیں جاری کرتی ہیں۔ ایم وی پائلی نے بیان کیا کہ بنیادی حقوق انفرادی آزادی کے ہتھیار، ضابطہ اخلاق اور ہندوستانی جمہوریت کی مضبوط بنیاد ہیں۔

ہندوستانی آئین میں بنیادی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔

بنیادی حقوق ہمارے دستور کے حصہ III (دفعات 12 سے 35) میں شامل ہیں۔

ابتداء میں 7 بنیادی حقوق تھے۔ جو کہ یہ ہیں:

1. مساوات کا حق (آرٹیکل 14 سے 18)
2. آزادی کا حق (آرٹیکل 19 سے 22)
3. استحصال کے خلاف آواز اٹھانے کا حق (آرٹیکل 23 سے 24)
4. مذہب کی آزادی کا حق (آرٹیکل 25 سے 28)
5. ثقافتی اور تعلیمی حقوق (آرٹیکل 29 سے 30)
6. جائیداد کا حق (آرٹیکل 31)
7. دستوری چارہ جوئی کا حق (آرٹیکل 32)

دستور (45 ویں) ترمیمی ایکٹ 1976 نے جائیداد کے حق پر کچھ پابندیاں عائد کیں۔ بعد میں، آئین (40 واں) ترمیمی ایکٹ 1978 نے اس حق کو بنیادی حقوق کی فہرست سے حذف کر کے اسے قانونی حق قرار دیا۔ تب سے، ہندوستانی شہریوں کے لیے چھ بنیادی حقوق دستیاب ہیں۔

ہمارے دستور کے دفعہ 9 (f) اور 31 نے شروع میں شہریوں کو اس حق کی ضمانت دی ہے۔

دفعہ 19 (f) شہریوں کو ان کی خواہش کے مطابق جائیداد کے حصول، ملکیت، لطف اندوزی اور تصرف کی آزادی فراہم کرتا ہے۔

دفعہ 31 کہتا ہے کہ کسی بھی شخص کو اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا سوائے اس کے

قانون کی اتھارٹی' بعدازاں، 31A، 31B، 31C اور 31D میں کچھ اہم تبدیلیاں کی گئیں۔ دفعہ 31A مملکت کو عوامی مفاد میں ذاتی املاک پر قبضہ کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ دفعہ 31AB ریاستی حکومتوں کے لینڈ ریفارمز ایکٹ کو نویں شیڈول میں شامل کر کے تحفظ فراہم کرنے کی گنجائش فراہم کرتا ہے، دفعہ 31 کو دستور (120 ترمیم) ایکٹ 1971 میں شامل کیا گیا تھا۔ اور مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصولوں کے معاملے میں 39 کو کالعدم نہیں کیا جائے گا۔ دستور کی (42 ویں ترمیم) ایکٹ، 1976 نے عدالتوں کو اس طرح کے ایکٹ کی تشریح کرنے پر روک دیا ہے اس طرح کے ایکٹ دفعہ 14، 19 اور 31 کی روح کے خلاف ہیں۔ آخر میں، دستور (443 ویں ترمیم) ایکٹ، 1978 نے جائیداد کے حق کو بنیادی حقوق کی فہرست سے حذف کر دیا۔

مساوات کا حق Right of Equality

مساوات کا حق' وہ پہلا بنیادی حق ہے جس کا ذکر ہمارے دستور کے 14 سے 18 تک 5 دفعات میں کیا گیا ہے۔ یہ حق قانون کی حکمرانی قائم کرتا ہے۔

دفعہ 14 ہندوستان کی حدود میں رہنے والے تمام افراد کے لیے قانون کے سامنے برابری اور قانون کے مساوی تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔' قانون کے سامنے مساوی' کے الفاظ کا مطلب ہے کہ تمام افراد قوانین، یکساں عدالتوں اور یکساں طریقہ کار کے تابع ہوں گے۔ افراد کے درمیان دولت، حیثیت کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا۔ فقرہ' قانون کا مساوی تحفظ' کا مطلب ہے کہ ہر شہری کے ساتھ ایک جیسے حالات میں یکساں سلوک کیا جائے گا۔

دفعہ 15 میں کہا گیا ہے کہ مملکت مذہب، نسل، ذات پات، جنس اور جائے پیدائش کی بنیاد پر کسی شہری کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کرے گی۔ دفعہ 16 کے مطابق تمام شہریوں کو ہندوستان میں کسی بھی عہدہ پر ملازمت یا تقرری کے معاملات میں یکساں مواقع حاصل ہوں گے۔ حال ہی میں دستور (پچھاسیویں ترمیم) ایکٹ 2001 کے ذریعے دفعہ 16 میں ترمیم کی گئی، تاکہ درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل سے تعلق رکھنے والے سرکاری ملازمین کو تحفظات فراہم کیا جا سکے۔

دفعہ 17 نے چھوت چھات کو ختم کیا اور چھوت چھات کے رواج کو قابل سزا جرم قرار دیا۔ اس سلسلہ میں پارلیمنٹ کو قانون بنانے کا بھی اختیار دیا گیا ہے۔ اسی کے مطابق، چھوت چھات (جرائم) ایکٹ، 1955 نافذ کیا گیا، بعد میں اس میں ترمیم کر کے (1976 میں) کا نام بدل کر تحفظِ شہری حقوق ایکٹ، 1955 رکھا گیا۔

دفعہ I8 مملکت کو فوجی یا تعلیمی امتیاز کے علاوہ شہری کو کسی بھی عنوان سے نوازنے سے بھی منع کرتا ہے۔ یہ شہریوں کو منع کرتا ہے کہ وہ ہندوستان کے صدر کی رضامندی کے بغیر کسی بھی غیر ملکی مملکت سے کوئی لقب قبول کریں۔ اسی طرح مملکت کے تحت منافع یا

ٹرسٹ کا کوئی بھی شخص کسی بھی غیر ملکی مملکت سے کسی بھی قسم کا کوئی موجودہ ملازمت یا عہدہ قبول نہیں کرے گا۔ تاہم مملکت شہریوں کو ان کی شاندار کارکردگی کے لیے ان کو کچھ اعزازات جیسے بھارت رتن، پدم وبھوشن، پدم شری، اور کچھ دوسرے فوجی اعزازات جیسے پرم ویر چکرا، ویر چکر، وغیرہ سے نواز سکتی ہے، سپریم کورٹ نے 1996 میں فیصلہ سنایا تھا کہ وہ کسی شرافت کے لقب نہیں ہیں اور اس لیے ان کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ دفعہ 14 یا 18، بشرطیکہ وہ ایوارڈ یافتگان کے نام کے عنوانات یا سابقہ یا لاحقہ کے طور پر استعمال نہ ہوں۔

آزادی کا حق Right of Freedom

یہ حق آزادی کے چارٹر پر مشتمل ہے۔ یہ افراد کو جابرانہ کارروائیوں سے بچاتا ہے۔

اس وقت دفعہ 19 ہر شہری کو چھ آزادی فراہم کرتا ہے۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں؛

i۔ اظہار رائے کی آزادی،

ii۔ بغیر ہتھیاروں کے پر امن طریقے سے جمع ہونے کی آزادی،

iii۔ انجمنیں یا یونینیں بنانے کی آزادی،

iv۔ ہندوستان بھر میں آزادانہ نقل وحرکت کی آزادی،

v۔ ہندوستان کے کسی بھی حصے میں آباد ہونے کی آزادی، اور

vi۔ کسی بھی پیشے پر عمل کرنے، کوئی بھی پیشہ اختیار کرنے اور تجارت یا کاروبار کرنے کی آزادی۔

ہر فرد کی ترقی اور جمہوریت کی کامیابی کے لیے یہ 6 آزادیاں ناگزیر ہیں۔ وہ سماجی، اقتصادی اور سیاسی شعبوں میں معاشرے کی ترقی میں بھی اپنا حصہ ادا کرتے ہیں۔ تاہم، شہری ہماری مملکت کی خودمختاری، سلیت اور سیکولرازم کو متاثر کیے بغیر ان آزادیوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ اگر ضروری ہو تو مملکت ان آزادیوں سے لطف اندوز ہونے کے خلاف معقول پابندیاں عائد کر سکتی ہے۔

دفعہ 20 کے مطابق کسی بھی شخص کو اس وقت تک سزا نہیں دی جائے گی جب تک کہ وہ قانون کی خلاف ورزی نہ کرے۔ یہ کسی بھی شخص کو صوابدیدی اور ضرورت سے زیادہ سزا کے خلاف تحفظ فراہم کرتا ہے جو جرم کرتا ہے۔ کسی بھی شخص کے خلاف ایک ہی جرم میں ایک سے زیادہ مرتبہ مقدمہ نہیں چلایا جائے گا اور اسے سزا نہیں دی جائے گی۔ کسی شخص کو اپنے خلاف ثبوت دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

دفعہ 21 کہتا ہے کہ کوئی بھی شخص قانون کے قائم کردہ طریقہ کار کے سوا آزاد نہیں ہوگا۔

حال ہی میں دستوری (آٹھویں ترمیم) ایکٹ، 2002 نے ایک نیا دفعہ 21A شامل کیا ہے۔ یہ اعلان کرتا ہے کہ مملکت 6 سے 14 سال کی عمر کے تمام بچوں کو مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے گی جیسا کہ قانون کے ذریعہ طے کرے گی۔ سپریم کورٹ نے کہا کہ زندگی کا حق' صرف جسمانی وجود تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ وقار کا حامل ہونا چاہیے اور آرٹیکل 21 کے حصے کے طور پر بہت سے دوسرے حقوق ہیں۔

دفعہ 22 کہتا ہے کہ کسی بھی شخص کو گرفتاری کی وجہ بتائے بغیر حراست میں نہیں رکھا جائے گا۔ کسی بھی شخص کو اس کی پسند کے قانونی ماہر سے مشورہ کرنے اور اس کا دفاع کرنے کے حق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ ہر وہ شخص جسے گرفتار کیا گیا ہے اور حراست میں لیا گیا ہے، قریبی مجسٹریٹ کے سامنے اس طرح کی حراست کے چوبیس گھنٹے کی مدت میں پیش کیا جائے گا، اس میں گرفتاری کی جگہ سے مجسٹریٹ کی عدالت تک کے سفر کے لیے ضروری وقت کو چھوڑ کر۔ ایسے کسی شخص کو مجسٹریٹ کے اختیار کے بغیر مذکورہ مدت سے زیادہ حراست میں نہیں رکھا جائے گا۔ مندرجہ بالا تحفظات صرف شہریوں کے لیے دستیاب ہیں۔ ان کا اطلاق دشمن مملکتوں اور غیر ملکیوں اور دہشت گردی کی سرگرمیوں کی روک تھام کے لیے فراہم کردہ قانون کے تحت حراست میں لیے گئے افراد پر نہیں ہوتا۔ دستور، پارلیمنٹ کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ حفاظتی حراست کے لیے قوانین بنائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں پارلیمنٹ نے شہریوں کی آزادیوں پر قدغن لگانے والے متعدد ایکٹ وضع کیے ہیں۔

استحصال کے خلاف حق RIGHT AGAINST EXPLOITATION

یہ حق افراد کو ان کے وقار اور عزت نفس کو پہچاننے، اس کے تحفظ اور فروغ دینے کے لیے دیا گیا ہے۔ اس کا حتمی مقصد یہ ہے کہ نہ تو مملکت اور نہ ہی متمول طبقے افراد کا استحصال کریں گے۔

دفعہ 23 ہر قسم کے غیر انسانی اعمال جیسے کہ انسانوں کی خرید و فروخت اور اسی طرح کی جبری مشقت کی ممانعت کرتا ہے۔ دفعہ 24 چودہ سال سے کم عمر کے بچوں کو فیکٹری، کان اور اس طرح کے دیگر خطرناک شعبوں میں ملازمت دینے سے منع کرتا ہے۔ تاہم مملکت حق رکھتی ہے کہ عوامی مقاصد کے لیے بغیر کسی امتیاز کے لازمی فوجی سروس کا نفاذ عمل میں لائے۔

مذہب کی آزادی کا حق RIGHT TO FREEDOM OF RELIGION

ہمارے دستور کے دفعہ 25 سے 28 مذہب کی آزادی سے متعلق ہیں۔ یہ عنوانات ہمارے سیاسی نظام کے سیکولرازم سے متعلق ہیں۔ ہمارے دستور نے ہندوستان کو ایک سیکولر مملکت میں تبدیل کرنے کا یہ حق فراہم کیا۔ ہندوستان کے شہریوں کے ساتھ ساتھ غیر ملکی بھی اس حق سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

دفعہ 25 ہر شخص کو یہ اختیار دیتا ہے کہ وہ کسی بھی مذہب کو اختیار کرے، اس پر عمل کرے اور اس کی تبلیغ کرے جو کہ بہتر امن عامہ، اخلاقیات اور صحت تک محدود ہے۔ یہ مملکت کو مذہبی رسومات سے منسلک سرگرمیوں کو منظّم کرنے کے لیے قانون سازی کرنے کا حق دیتی ہے۔

آرٹیکل 26 ہر مذہبی گروہ یا فرقے کی ضمانت دیتا ہے:

i۔ مذہبی اور خیراتی اداروں کا قیام اور برقرار رکھنا،

ii۔ اپنے مذہبی امور خود سنبھالیں،

iii۔ منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادوں کا مالک ہونا اور حاصل کرنا، اور

iv۔ قانون کے مطابق ایسی جائیداد کا انتظام کریں۔

دفعہ 27 مذہب کو برقرار رکھنے یا اسے فروغ دینے والے افراد سے ٹیکس لگانے یا وصول کرنے سے منع کرتا ہے۔ یہ ریاستی حکام کی طرف سے کسی خاص مذہب کے فائدے کے لیے افراد سے ٹیکس کی وصولی کو بھی ختم کر دیتا ہے۔

دفعہ 28 کسی بھی تعلیمی ادارے میں مذہبی ہدایات کی ممانعت کرتا ہے جو مکمل طور پر ریاست کے زیر انتظام یا امداد یافتہ ہو۔

ثقافتی اور تعلیمی حقوق CULTURAL AND EDUCATIONAL RIGHTS

دفعہ 29 اور 30 ہندوستانی شہریوں کو ثقافتی اور تعلیمی حقوق فراہم کرتا ہے۔

دفعہ 29 ہر شہری کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ فرقہ وارانہ، علاقائی اور لسانی تفریق سے بالاتر ہو کر اپنی زبان، رسم الخط اور ثقافت کی حفاظت کرے۔ یہ اقلیتوں (مذہبی اور لسانی بھی) کو اپنی زبان اور ثقافت کو محفوظ رکھنے کے قابل بناتا ہے۔

دفعہ 30 کسی بھی شہری کے ساتھ تعلیمی اداروں میں داخلے کے دوران ذات، مذہب، علاقہ، رنگ، زبان یا جنس کی بنیاد پر مملکت کی طرف سے مکمل یا جزوی طور پر فنڈز فراہم کرنے سے منع کرتا ہے۔ تاہم ریاست اقلیتوں کی زبان، ثقافت اور رسم الخط کے تحفظ کے لیے خصوصی سہولیات فراہم کر سکتی ہے۔ مملکت اس معاملے میں ان کی مالی مدد کرے گی۔ مذہبی، تعلیمی اور ثقافتی حقوق کا اطلاق اقلیتوں کے ساتھ اکثریتی طبقوں پر بھی ہوتا ہے۔

جائیداد کا حق RIGHT TO PROPERTY

حق ملکیت یا جائیداد کا حق (دفعہ 31) کو 44 ویں آئینی ترمیمی ایکٹ، 1978 کے ذریعے شیڈول III کو حذف کر دیا گیا تھا۔ اب یہ بنیادی حق نہیں ہے۔ یہ 300A کے تحت ایک قانونی حق ہے۔ یہ حق قانون کے تحت مناسب ہونے کا حق فراہم کرتا ہے اور

اس کا مطلب یہ ہے کہ شہری جائیداد کو تصرف کر سکتا ہے۔

دستوری چارہ جوئی کا حق RIGHT TO CONSTITUTIONAL REMEDIES

یہ حق (دفعہ 32) سب سے اہم بنیادی حق ہے۔ یہ تمام بنیادی حقوق کے لیے باڑ کی طرح کام کرتا ہے۔لوگوں کو راحت حاصل کرنے کے قابل بناتا ہے جب حکومت سمیت دیگر لوگوں کے ذریعہ ان کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کی جاتی ہے یا اسے ختم کیا جاتا ہے۔ یہ انہیں مناسب عدالت میں جانے کی اجازت دیتا ہے، دوسرے افراد اور نجی یا سرکاری تنظیموں کے ذریعہ ان کے حقوق کی خلاف ورزی کے خلاف تحفظ حاصل کرنے کے لیے گنجائش فراہم کرتا ہے۔ سپریم کورٹ اور مختلف ریاستی ہائی کورٹس متعدد رٹیں جاری کرتی ہیں جیسے ہیبیس کارپس، ممانعت، سرٹیوریری اور کیووارنٹو وغیرہ مجرموں اور بنیادی حقوق کی روح کے طور پر بنیادی حق کی خلاف ورزی کا سہارا لینے والوں کی کارروائیوں کو ریگولیٹ یا محدود کرنے کرتا ہے۔

دفعہ 32: یہ سپریم کورٹ (دفعہ 32 کے تحت) اور ہائی کورٹس (دفعہ 226 کے تحت) کورٹ جاری کرنے کا اختیار فراہم کرتا ہے۔

رٹوں کی اقسام یہ ہیں:

1. ہیبیس کارپس
2. Certiorari
3. Prohibition
4. منڈامس
5. Quo- Warranto

1) ہیبیس کارپس:

ہیبیس کارپس کا مطلب ہے 'to have the body' یہ ایک رٹ ہے جو کسی فرد کی آزادی کے بنیادی حق کو غیر قانونی حراست کے خلاف تحفظ فراہم کرنے کے لیے نافذ کی جاتی ہے۔ یہ رٹ ایک سرکاری اہلکار کو حکم دیتی ہے کہ وہ زیر حراست شخص کو عدالت کے سامنے پیش کرے۔نظر بندی کی درست وجوہات فراہم کریں۔ پھر عدالت نظر بندی کی وجہ اور قانونی حیثیت کا جائزہ لے گی۔

2) Certiorari:

اس کے لغوی معنوں میں مطلب 'مصدقہ ہونا یا مطلع کیا جانا' یہ اعلیٰ عدالت کی طرف سے نچلی عدالت یا ٹریبونل کو جاری کیا جاتا ہے یا تو مؤخر الذکر کے پاس زیر التواء کیس کو خود منتقل کرنے کے لیے یا مؤخر الذکر کے حکم کو کسی مقدمے میں منسوخ کرنے کے لیے ہے۔ اسے درج ذیل بنیادوں پر جاری کیا جا سکتا ہے: دائرہ اختیار کی زیادتی دائرہ اختیار کی کمی اور قانون کی غلطی۔ اس کی نوعیت احتیاطی بھی ہے اور تشخیص بھی۔

3) Prohibtion

ممانعت کا مطلب ہے 'منع کرنا' یہ ایک اعلیٰ عدالت کی طرف سے نچلی عدالت کو جاری کی گئی رٹ ہے تاکہ مؤخر الذکر کو اپنے دائرہ اختیار سے تجاوز کرنے یا کسی ایسے دائرہ اختیار کو غصب کرنے سے روکا جائے جو اس کے پاس نہیں ہے۔ امتناع کی رٹ صرف عدالتی اور نیم عدالتی حکام کے خلاف جاری کی جا سکتی ہے۔ یہ انتظامی حکام، قانون ساز اداروں اور نجی افراد کے خلاف دستیاب نہیں ہے۔

4) Mandamus

مینڈیمس کا مطلب ہے 'ہم حکم دیتے ہیں' مینڈیمس کی یہ رٹ ماتحت عدالت، حکومت کے کسی افسر، یا کارپوریشن یا دوسرے ادارے کو جاری کی جاتی ہے جو بعض کاموں یا فرائض کی انجام دہی کا حکم دیتا ہے۔ Habeas Corpus کے برعکس، Mandamus کسی نجی فرد کے خلاف جاری نہیں کیا جا سکتا۔ مینڈیمس کی رٹ کو کسی کام کی تکمیل کا حکم دینے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے یا دوسرے معاملات میں، اس کے لیے کسی سرگرمی کو روکنے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

5) Quo - Warranto:

Quo - warranto کا مطلب ہے 'کس اتھارٹی یا وارنٹ کے ذریعے' یہ کسی ایسے شخص کے خلاف جاری کیا جاتا ہے جو کسی عوامی عہدے کا دعویٰ کرتا ہے یا اس پر قبضہ کرتا ہے۔ اس رٹ کے ذریعے عدالت استفسار کرتی ہے کہ 'کس اختیار سے شخص اپنے دعوے کی حمایت کرتا ہے۔ اس رٹ کے ذریعے، عدالت کسی عوامی عہدے پر کسی شخص کے دعوے کی قانونی حیثیت کے بارے میں پوچھ گچھ کرتی ہے۔ یہ رٹ کسی فرد کی طرف سے عوامی عہدے کے غیر قانونی طور پر کام کرنے سے روکتی ہے۔

بنیادی حقوق پر پابندیاں RESTRICTIONS ON THE FUNDAMENTAL RIGHTS

ہندوستانی شہریوں کی شخصیت کی نشوونما کے لیے بہت اہم ہیں۔ ہندوستانی شہریوں کو دانشمندی، عقلمندی اور معقولیت کے ساتھ اور مثبت انداز میں ان حقوق سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ انہیں ان حقوق کو اپنی ترقی اور سماجی ترقی کے لیے استعمال کرنا ہوگا۔ مندرجہ بالا کے پیش نظر شہریوں کے بنیادی حقوق پر درج ذیل پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔

عام حالات میں شہری بغیر کسی روک ٹوک اور روک ٹوک کے بنیادی حقوق سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔لیکن ان حقوق کو مرکزی حکومت ایمرجنسی کی مدت کے دوران، معاشرے میں امن وامان کو مدنظر رکھتے ہوئے، آرٹیکل 352,356 اور 360 کے تحت کم، کم یا محدود کر سکتی ہے۔

دفعہ 359 کے تحت صدر ہند تمام بنیادی حقوق کو معطل کر سکتا ہے سوائے ان کے جو آرٹیکل 19 میں مذکور ہیں۔صدر IS کا اعلان پورے ہندوستان یا اس کے کسی بھی حصے پر لاگو ہوتا ہے۔لیکن اس طرح کے اعلان کی یونین پارلیمنٹ سے منظوری لی جائے گی۔

پارلیمنٹ کسی ایکٹ کے ذریعے آرٹیکل 22 کی شق 456 اور 7 پر پابندیاں عائد کر سکتی ہے، مثال کے طور پر پارلیمنٹ نے مختلف حراستی SuACS کو قومی سلامتی ایکٹ (NA)، بلیک مارکیٹنگ کی روک تھام اور ضروری اشیاء کی فراہمی کا ایکٹ (1980) منظور کیا۔ضروری خدمات کی بحالی کا ایکٹ (ESMA، 1981)، دہشت گردی کی روک تھام کا ایکٹ (POTA، 2002)، وغیرہ۔

دفعہ 33 پارلیمنٹ کو مسلح افواج کے ارکان کے بنیادی حقوق کو محدود کرنے یا منسوخ کرنے کا اختیار دیتا ہے۔آرٹیکل 34 حقوق پر پابندی کا انتظام کرتا ہے۔ڈاکٹر امبیڈکر نے بیان کیا کہ یہ بنیادی حقوق جب کہ ہندوستان کے کسی بھی علاقے میں مارشل لاء نافذ ہے۔یہ پارلیمنٹ کو اختیار دیتا ہے کہ وہ کسی بھی سرکاری ملازم یا کسی دوسرے شخص کی نشاندہی کرے جو اس کے ذریعہ کسی بھی علاقے میں نظم ونسق کی بحالی یا پابندی کے سلسلے میں کیا گیا ہے جہاں مارشل لاء نافذ تھا۔

لغت

1. **Writ**: عدالت یا کسی خاص طریقے سے کام کرنے، یا کام کرنے سے باز رہنے کے لیے عدالت یا دیگر قانونی اتھارٹی کے نام تحریری حکم کی ایک شکل۔
2. **قابل انصاف**: دائرہ اختیار کے تحت عدالت کی طرف سے تعین کرنے کے قابل؛ مقدمے کی سماعت کے لیے عدالت کے سامنے لایا جا سکتا ہے۔
3. **میگنا کارٹا**: میگنا کارٹا جون 1215 میں جاری کیا گیا تھا اور یہ پہلا دستاویز تھا جس نے یہ اصول تحریر کیا تھا کہ بادشاہ اور اس کی حکومت قانون سے بالاتر نہیں ہے۔اس نے بادشاہ کو اپنی طاقت کا استحصال کرنے سے روکنے کی کوشش کی، اور اپنے آپ میں ایک طاقت کے طور پر قانون قائم کر کے شاہی اختیار کی حدود مقرر کیں۔
4. **خصوصی اکثریت**: اس سے مراد 2/3 اراکین کی اکثریت ہے جس کی حمایت ایوان کی کل تعداد کے 50% سے زیادہ ہے۔

خلاصہ

آئین کے حصہ III میں موجود آرٹیکل 12 سے 35 بنیادی حقوق سے متعلق ہے۔ یہ امریکہ کے آئین سے ماخوذ ہیں۔ وہ بنیادی انسانی آزادیوں پر مشتمل ہیں جہاں ہر ہندوستانی شہری کو مساوی سماجی، سیاسی اور اقتصادی حقوق حاصل ہیں۔ یہ حقوق ہندوستان کے تمام شہریوں پر عالمگیر طور پر نفاذ ہوتے ہیں، اس کے قطع نظر نسل، مقام پیدائش، مذہب، ذات یا جنس سے۔ وہ کچھ پابندیوں کے ساتھ، عدالتوں کے ذریعے قابل نفاذ ہیں۔ تاہم، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ آئینی ترمیم سے مطلق یا مستثنیٰ ہیں۔ وہ چھوت چھات کو ختم کرتے ہیں، اسمگلنگ اور جبری مشقت کو روکتے ہیں، سیکولرازم وغیرہ کو فروغ دیتے ہیں۔ ابتدائی طور پر 7 بنیادی حقوق تھے لیکن 1978 میں 44 ویں آئینی ترمیم کے ایکٹ کے ذریعے حق ملکیت کو بنیادی حق کے طور پر ہٹا دیا گیا۔ ایجوکیشن ایکٹ شامل کیا گیا۔ 6 سے 14 سال کی عمر کا ہر بچہ مفت تعلیم کا حقدار ہے۔

امتحانی سوالات کا نمونہ

I- مندرجہ ذیل سوالات میں ہر ایک کا 30 سطروں میں جواب دیں۔

1. ہندوستان کے آئین میں بنیادی حقوق کی وضاحت کریں۔
2. بنیادی حقوق کی خصوصیات پر بحث کریں۔

II- مندرجہ ذیل سوالات میں ہر ایک کا 15 سطروں میں جواب دیں۔

1. جائیداد کے حق پر مختصراً لکھیں؟
2. برابری کے حق پر مختصراً لکھیں؟
3. ہیبیس کارپس
4. منڈامس

III درج ذیل سوال کا صحیح جواب کا انتخاب کیجئے:

1. 'بنیادی حقوق' ہیں۔

(A) قابل جواز (B) نا قابل جواز

(C) لچکدار (D) ٹھوس

2. بنیادی حقوق

(A) معطل نہیں کیا جاسکتا

(B) وزیر اعظم کے حکم سے معطل کیا جاسکتا ہے۔

(C) صدر کی مرضی پر معطل کیا جاسکتا ہے۔

(D) ایمرجنسی کے دوران معطل کیا جاسکتا ہے۔

3. مندرجہ ذیل میں سے کس آرٹیکل کے تحت، ہندوستانی آئین ضمانت دیتا ہے۔

شہریوں کے بنیادی حقوق؟

(A) آرٹیکل 12 سے 35 (B) صرف آرٹیکل 12 سے 30

(C) صرف آرٹیکل 15 سے 35 (D) صرف آرٹیکل 14 سے 32

4. آئین ہند کے کس آرٹیکل کے تحت بنیادی حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔

شہریوں کو فراہم کیا؟

(A) آرٹیکل 112 سے 115 (B) آرٹیکل 12 سے 35

(C) آرٹیکل 222 سے 235 (D) مندرجہ بالا میں سے کوئی نہیں۔

5. آئین کے مندرجہ ذیل آرٹیکلز میں سے کون سی بنیادی باتوں سے متعلق ہے۔

بچوں کے استحصال سے متعلق حقوق؟

(A) 17 (B) 19

(C) 24 (D) 25

☆☆☆☆

12

12- مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصول اور بنیادی فرائض

DIRECTIVE PRINCIPLES OF STATE POLICY & FUNDAMENTAL DUTIES

تعارف

مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصول' دستور ہند کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک ہیں۔ یہ دفعات 36 سے 51 تک حصہ چہارم میں شامل ہیں۔ یہ اصول ہمارے دستور کی تمہید میں ذکر کیے گئے مقاصد کو حاصل کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ ہمارے دستور کے بنانے والوں نے انہیں آئرش دستور سے اخذ کیا ہے۔ ڈاکٹر، بی آر امبیڈکر نے ان اصولوں کا تقابل گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 کے انسٹرومنٹ آف انسٹرکشنز سے کیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انسٹرومنٹ آف انسٹرکشنز کو ایگزیکٹو کو ہدایت دی گئی تھی، جبکہ یہ رہنمایانہ اصول قانون سازوں اور عاملہ دونوں کو ہدایات دیتے ہیں۔ رہنمایانہ اصول مرکز، ریاستوں اور ملک میں کام کرنے والی تمام مقامی اداروں میں عاملہ اور مقنّنہ پر نافذ ہوتے ہیں۔ جی این جوشی نے بیان کیا کہ یہ اصول ایک جدید جمہوری فلاحی مملکت کے لیے ایک بہت ہی جامع سیاسی، سماجی اور اقتصادی پروگرام کی تشکیل کرتے ہیں۔

رہنمایانہ اصول رومن مملکت میں شروع ہوئے تھے۔ بعد میں انہیں اسپین اور آئرلینڈ کے دستور میں شامل کیا گیا۔ سابقہ چیکوسلوا کیہ، یوگوسلاویہ اور موجودہ چین جیسی کئی مملکتوں نے بھی ان اصولوں کو اپنایا تھا۔ جرمنی کے ویمر آئین نے اپنے باب حقوق میں بھی ان اصولوں کا حوالہ دیا ہے۔

ہندوستانی دستور سازوں نے محسوس کیا کہ یہ اصول سماجی بہبود اور قوموں کی خوشحالی کو حاصل کریں گے۔ وہ ہندوستان میں عام آدمی کے مفادات سے باخبر تھے۔ ان کا مقصد افراد کی ہمہ جہت ترقی کے حصول کے لیے مناسب مواقع فراہم کرنا تھا۔ ان اصولوں کا مقصد فلاحی مملکت کا قیام ہے۔ ان کا مقصد ہندوستان میں سماجی اور معاشی جمہوریت حاصل کرنا ہے۔

ہمارے دستور میں ان اصولوں کو شامل کرنے کے لیے بہت سے عوامل کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ ان میں شامل ہیں (الف) کراچی کانگریس کی قرارداد (1931)؛ (ب) انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ (1948)؛ (ج) گاندھی جی کی تعلیمات۔ اور (د) سوشلسٹ

اصول؛وغیرہ

مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصول کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

1. مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصول ہندوستان میں متواتر حکومتوں کو جاری کردہ ہدایات کی شکل میں ہیں۔
2. یہ اصول مثبت نوعیت کے ہیں کیونکہ وہ ہندوستان میں مختلف سطحوں پر حکومتوں کے دائرہ اختیار کو بڑھاتے ہیں۔
3. ان اصولوں کا نفاذ وسائل کی دستیابی پر منحصر ہوتا ہے۔
4. یہ اصول فطری طور پر عوامی ہیں کیونکہ ان کا مقصد مساوات پر مبنی معاشرے کا قیام ہے۔
5. یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ اقتدار میں کسی بھی پارٹی کے سیاسی نظریے سے قطع نظر اس پر عمل درآمد کرے۔
6. ان اصولوں کو نافذ کرنے میں ناکامی کو قانون کی خلاف ورزی نہیں سمجھا جاتا ہے۔
7. یہ فطری اعتبار سے ناقابل جواز ہیں کیونکہ کوئی بھی حکومت کو ان پر فوری عمل درآمد کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔حکومتیں ان اصولوں کو نافذ کرنے میں صوابدید سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔
8. ان کا مقصد سیاسی جمہوریت کا ادراک کرنا، معاشی مساوات کا حصول اور ملک میں سماجی ہم آہنگی کو فروغ دینا ہے۔
9. انفرادی ترقی کے بجائے سماجی بہبود ان اصولوں کا موضوع ہے۔

درجہ بندی

ایم پی شرما، جی این جوشی اور دیگر نے بڑے پیمانے پر مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصول کو تین عنوانات کے تحت درجہ بند کیا ہے جو کہ یہ ہیں:

1. اشتراکی اصول
2. گاندھیائی اصول
3. آزادانہ ودانشورانہ اصول

آیئے ان میں سے ہر ایک پر بحث کریں۔اور اس کے علاوہ، دستور کے دوسرے حصے میں شامل اضافی رہنمایانہ اصول اور دیگر پر بحث کریں گے۔

اشتراکی اصول SOCIALIST PRINCIPLES

1. دفعہ 38 یہ فراہم کرتا ہے کہ مملکت ایک ایسے سماجی نظام کو تحفظ دے کر لوگوں کی فلاح و بہبود کو فروغ دینے کی کوشش کرے گی جس میں لوگوں کو انصاف (سماجی، معاشی اور سیاسی) یقینی بنایا جائے۔

2. دفعہ 39 یہ بتاتا ہے کہ مملکت اس کے لیے اقدامات کرے گی:

a) روزگار کے مناسب ذرائع کی فراہمی۔

b) مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں کام کے لیے یکساں تنخواہ

c) قوم کی دولت کی غیر مرکزیت

d) دولت کی منصفانہ تقسیم

e) معاشی عدم مساوات کا خاتمہ

f) کارکنوں کی صحت اور طاقت کا تحفظ

g) بچپن اور جوانی کو استحصال سے بچانا

3. دفعہ 41 مملکت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بے روزگاری، ضعیفی، بیماری، معذوری وغیرہ کی صورت میں کام، تعلیم اور عوامی امداد کے حق کو یقینی بنائے۔

4. دفعہ 42 نکات یہ بتانے کے لیے کہ مملکت خواتین کے لیے کام کی منصفانہ اور انسانی حالات اور زچگی سے متعلق ریلیف کا انتظام کرے گی۔

5. دفعہ 43 مملکت کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ تمام مزدوروں (زرعی، صنعتی یا دوسری صورت میں) کو ایک زندہ اجرت اور کام کی شرائط فراہم کرے جس سے زندگی کا ایک معقول معیار، تفریح سے بھر پور لطف اندوز ہو، سماجی اور ثقافتی مواقع ہوں۔

6. دفعہ 46 مملکت کو ایک طرف درج فہرست ذاتوں، درج فہرست قبائل اور دیگر کمزور طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے تعلیمی اور معاشی مفادات کو فروغ دینے اور دوسری طرف سماجی ناانصافی اور ہر قسم کے استحصال سے بچانے کا پابند بناتا ہے۔

7. دفعہ 47 مملکت پر زور دیتا ہے کہ وہ لوگوں کی غذائیت اور معیار زندگی کو بلند کرے اور صحت عامہ کی بہتری کے لیے۔

گاندھیائی اصول GANDHIAN PRINCIPLES

گاندھیائی نظریہ کو رہنمایانہ اصولوں کے کئی دفعات میں شامل کیا گیا ہے۔ گاندھیائی اصول ہندوستان میں مثالی حکمرانی کو فروغ دینے میں معاون ہیں۔ ان کی عکاسی دفعہ 40,43,46,47,48,48A اور 49 میں ہوتی ہے۔

1. دفعہ 40 دیہی پنچایتوں کی تنظیم کا حوالہ دیتا ہے اور انہیں مناسب اختیارات فراہم کرتا ہے تا کہ وہ خود مختار حکومت کی اکائیوں کے طور پر کام کر سکیں۔

2. دفعہ 43 انفرادی یا کوآپریٹو بنیادوں پر کاٹیج انڈسٹریز کے فروغ کا حوالہ دیتا ہے۔

3. دفعہ 46 مملکت کو ہدایت دیتا ہے کہ کمزور طبقات کے تعلیمی اور معاشی مفادات کو خصوصی طور پر فروغ دے۔

4. دفعہ 47 مملکت کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ نشہ آور مشروبات اور منشیات کی ممانعت کے لیے کوشش کرے۔

5. دفعہ 48 مملکت کو زراعت اور مویشی پالن کو جدید اور سائنسی خطوط پر منظّم کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اس میں گائے، بچھڑے اور دوسرے پالے گئے مویشیوں کو ذبح کرنے کی ممانعت پر بھی زور دیا گیا ہے۔

آزادانہ ودانشورانہ اصول Liberal-Intellectual Principles

یہ اصول بنیادی تعلیم، یکساں سول کوڈ، آزاد عدلیہ اور بین الاقوامی امن کی فراہمی سے متعلق ہیں۔ ان میں دستور کی دفعات 44، 45، 50 اور 51 شامل ہیں۔

1. دفعہ 44 مملکت کو پورے ملک میں یکساں سول کوڈ لانے کی ہدایت کرتا ہے۔

2. دفعہ 45 تجویز کرتا ہے کہ مملکت 14 سال سے کم عمر کے تمام بچوں کے لیے مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے گی۔ آئین (86 ترمیم) ایکٹ، 2002 نے آرٹیکل 45 میں درج ذیل الفاظ کو تبدیل کیا: ریاست تمام بچوں کے لیے ابتدائی بچپن کی دیکھ بھال اور تعلیم فراہم کرنے کی کوشش کرے گی جب تک کہ وہ چھ سال کی عمر مکمل نہ کرلیں۔

3. دفعہ 50 میں کہا گیا ہے کہ ریاست عدلیہ کو ایگزیکٹو سے الگ کرنے کے لیے اقدامات کرے گی۔

4. دفعہ 48A ریاست کو ماحولیات، جنگلات اور جنگلی حیات کے تحفظ اور تحفظ کی ہدایت کرتا ہے۔

5. دفعہ 49 ریاست کو قومی اہمیت کی یادگاروں، مقامات اور اشیاء کی حفاظت کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

6. دفعہ 51 مملکت کو تصور کرتا ہے a) بین الاقوامی امن اور سلامتی کو فروغ دینے کے لئے؛ b) قوموں کے درمیان منصفانہ اور باوقار تعلقات برقرار رکھنا؛ c) بین الاقوامی قانون اور معاہدے کی ذمہ داریوں کے احترام کو فروغ دینا؛ اور d) ثالثی کے ذریعے بین الاقوامی تنازعات کے حل کی حوصلہ افزائی کرنا۔

اضافی اصول Additional Principles

1976 اور 1978 کے آئین (42ویں اور 44ویں) ترمیمی ایکٹ کے تحت رہنمایانہ اصولوں کی فہرست میں کچھ اور دفعات شامل کیے گئے۔ جب کہ آئین (42) ترمیمی ایکٹ میں آرٹیکل 39A، 43A اور 48A شامل کیا گیا۔ آئین (44) ترمیمی ایکٹ، جس میں آرٹیکل 38A شامل ہے۔ وہ مندرجہ ذیل پر مشتمل ہیں:

1. غریبوں کو مفت قانونی امداد کی فراہمی (آرٹیکل 39A)

2. صنعت کے انتظام میں کارکنوں کی شرکت کو یقینی بنانا (آرٹیکل 43A)

3. ماحولیات کا تحفظ اور بہتری اور جنگلات کی فراوانی (آرٹیکل 48A)

4. بچوں کی نشو ونما کے لیے مناسب مواقع کی فراہمی (آرٹیکل 38A)

رہنمایانہ اصولوں کا نفاذ IMPLEMENTATION OF DIRECTIVE PRINCIPLES

1. زمینداری کا خاتمہ اور زمینی اصلاحات۔ مرکزی اور ریاستی حکومتوں نے دیہی علاقوں میں زمین کے انتہائی ارتکاز کو دور کرنے کے لیے ایسے قوانین بنائے ہیں۔ زمینداری کے خاتمے کے ایکٹ اور اسی طرح کے دیگر اقدامات کو دستور کے 9ویں شیڈول میں شامل کیا گیا ہے تاکہ انہیں عدالتی نظر ثانی سے تحفظ فراہم کیا جا سکے۔

2. منصوبہ بندی کرنا۔ منصوبہ بندی کمیشن ایک منصوبہ بند حکمت عملی کے ذریعے ملک کی ترقی کے واضح مقصد کے ساتھ قائم کیا گیا تھا جو لوگوں کو سماجی اور معاشی انصاف بھی فراہم کرے گا۔ 12 پانچ سالہ منصوبوں پر عمل کیا گیا ہے۔ اب پلاننگ کمیشن کی جگہ NITI آیوگ (National Institute for Transforming India) کو پالیسی تھنک ٹینک کے طور پر لے لیا گیا ہے۔

3. معاشرے کے کمزور طبقات کے مفادات کا خصوصی تحفظ۔ ایس سی، ایس ٹی اور بی سی کے لیے سرکاری ملازمتوں اور تعلیمی اداروں میں نشستوں میں ریزرویشن۔ SCs اور STs کو مقننہ میں اور BCs اور خواتین کو بلدیاتی اداروں میں تحفظات فراہم کیے گئے ہیں۔ ایس سی، ایس ٹی، بی سی، خواتین اور اقلیتوں کی بہبود کی نگرانی کے لیے خصوصی کمیشن قائم کیے گئے ہیں۔ ریاست نے خواتین اور بچوں کے حقوق اور مفادات کے تحفظ اور ان کے استحصال کو روکنے کے لیے کئی قوانین بنائے ہیں۔

4. زراعت اور حیوانات کی ترقی۔ زراعت کو بہتر زرعی سامان، بیج کھاد اور آبپاشی کی سہولیات فراہم کر کے جدید بنایا گیا ہے۔ مویشی پالنا کو جدید اور سائنسی خطوط پر منظم کرنے کے لیے بھی مختلف اقدامات کیے گئے ہیں۔

5. چھوٹے پیمانے اور کاٹیج انڈسٹریز کی حوصلہ افزائی۔ کاٹیج انڈسٹریز کے فروغ کے لیے آل انڈیا کھادی اینڈ ولیج انڈسٹریز بورڈ، سلک بورڈ، آل انڈیا ہینڈی کرافٹس بورڈ، آل انڈیا ہینڈلوم بورڈ، دی کوئر بورڈ اور کئی دیگر بورڈ اس مقصد کے لیے قائم کیے گئے ہیں۔

6. لیبر ویلفیئر قانون سازی۔ صنعتی تنازعات کا ایکٹ (1947)، فیکٹریز ایکٹ 1948، کم از کم اجرت ایکٹ 1948، مائنز ایکٹ 1952، میٹرنٹی بینیفٹ ایکٹ 1961، چائلڈ لیبر پروہیبیشن اینڈ ریگولیشن ایکٹ (1986) مزدوروں کے مفادات کے تحفظ کے لیے نافذ کیا گیا ہے۔ صنعتوں کے انتظام میں مزدوروں کی شرکت کو یقینی بنایا گیا ہے۔

7. معیار زندگی کو بلند کرنے کی طرف قدم۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام، انٹیگریٹڈ رورل ڈیولپمنٹ پروگرام، نیشنل رورل ایمپلائمنٹ پروگرام (جسے اب مہاتما گاندھی نیشنل رورل ایمپلائمنٹ گارنٹی پروگرام (2006) کہا جاتا ہے)، روزگار کے بہتر مواقع حاصل کرنے کے لیے خود روزگار پروگرام شروع کیے گئے ہیں۔

8. مفت اور لازمی تعلیم۔ 86 ویں دستوری ترمیم کے ذریعے، ہندوستانی مملکت نے آرٹیکل 45 میں موجود رہنمایانہ اصولوں کو حق تعلیم کو، 6 سے 14 سال کی عمر کے بچوں کا بنیادی حق تشکیل دے کر نافذ کیا ہے۔ ابتدائی چائلڈ ہڈ کی دیکھ بھال اور بچوں کے لیے تعلیم جب تک کہ وہ چھ سال کی عمر مکمل نہ کرلیں۔

9. پنچایت راج کو دستوری حیثیت۔ 73 ویں دستوری ترمیمی ایکٹ (1993) نے دستوری حیثیت اور تحفظ فراہم کیا ہے جس میں یکساں تین درجے پنچایت راج نظام کو حقیقت میں بدلنے کے لیے گاندھی جی کے خود انحصار گاؤں کے خواب کو حقیقت میں بدل دیا گیا ہے۔

10. پنچ شیل اور غیر جانبداری۔ آرٹیکل 51 کی طرف سے دی گئی ہدایات کے تحت عمل کرتے ہوئے، حکومت نے ہندوستانی خارجہ پالیسی کی بنیادی خصوصیات کے طور پر پنچ شیل اور غیر جانب داری کو اپنایا ہے۔

تنقید

آئیور جیننگز، پروفیسر سری نواسن، جی این۔ جوشی، پروفیسر کے ٹی شاہ، کے سی Wheare اور دیگر نامور مصنفین نے مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ کو کھوکھلے وعدوں کے طور پر سمجھا، دفعات اور پختہ قراردادوں کی نمائش کی جو حقیقت میں محض سجاوٹی ہیں۔ Ivor Jennings نے نشاندہی کی کہ ان اصولوں میں کوئی یکساں نظریہ نہیں ہے۔ انہوں نے دستور میں ان کا ذکر کرنے کے حق پر سوال اٹھایا۔ پروفیسر کے ٹی شاہ نے انہیں بینک کی طرف سے اپنی سہولت کے مطابق ادا کیے جانے والے چیک کے طور پر بیان کیا۔ نصیر الدین احمد نے تنقید کی کہ یہ اصول نئے سال کی خواہشات کی طرح ہیں جن کی اگلے دن خلاف ورزی کی جاتی ہے۔

خلاصہ

لہٰذا، اگر ہم قانون سازی اور بہت سی سماجی بہبود کی پالیسیوں کو دیکھیں تو یہ کوششیں، بلاشبہ، متاثر کن معلوم ہوتی ہیں۔ عوامی فلاح و بہبود کا شاید ہی کوئی شعبہ ایسا ہوگا جس کا احاطہ نہ کیا گیا ہو۔ تاہم، رہنمایانہ اصولوں کا نفاذ سست رہا ہے اور معاشی، سماجی اور سیاسی ناانصافیوں کو دور کرنے کا مطلوبہ اثر نہیں دکھایا ہے۔ مزید برآں، 1991 کے بعد سے چنے جانے والے جدید لبرل معاشی ترقی کے ماڈل کو دیکھتے ہوئے، دولت کو چند ہاتھوں میں مرتکز کرنے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے اور مملکت کی جانب سے رہنمایانہ اصولوں کو نافذ کرنے کے لیے مداخلت کرنے کی کوشش کی دفتری نظم وضبط کے نام پر حوصلہ شکنی کی جارہی ہے۔

مملکت کے بنیادی حقوق اور رہنمایانہ اصولوں کے درمیان تعلق

بنیادی حقوق اور رہنمایانہ اصول دونوں ایک دوسرے کے لیے اعزازی اور اضافی ہیں۔ کوئی بھی جمہوری سیاسی نظام جمہوریت کی سیاسی، شہری اور سماجی و اقتصادی جہتوں کو فراہم کیے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ پہلے بنیادی حقوق اور رہنمایانہ اصول بعد میں

تشکیل دیتے ہیں۔ بنیادی حقوق بنیادی طور پر افراد کے حقوق کا تحفظ کرتے ہیں جبکہ رہنمایانہ اصول پورے معاشرے کی فلاح کو یقینی بناتے ہیں۔ دراصل، بنیادی حقوق حکومت کو کچھ کام کرنے سے روکتے ہیں جبکہ رہنمایانہ اصول حکومت کو کچھ کام کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اس لیے بعض اوقات، جب حکومت رہنمایانہ اصولوں کو نافذ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، تو یہ شہریوں کے بنیادی حقوق سے متصادم ہوسکتی ہیں۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوا جب حکومت نے زمینداری نظام کو ختم کرنے کے لیے قانون منظور کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان اقدامات کی مخالفت اس بنیاد پر کی گئی کہ انہوں نے جائیداد کے حق کی خلاف ورزی کی جو کہ 44ویں ترمیم (1978) تک بنیادی حق تھا۔ تاہم، سماجی ضروریات کو ذہن میں رکھتے ہوئے جو انفرادی مفادات سے زیادہ ہیں، تحریک نے دستوری اصولوں کو نافذ کرنے کے لیے آئین میں ترمیم کی۔ جس کی وجہ سے ایک طویل قانونی جنگ چھڑ گئی۔ عاملہ اور عدلیہ نے الگ الگ حیثیت کا حامل بن گئی۔

چمپک ڈورارا جن کیس (L 195) میں، سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ رہنمایانہ اصولوں کو بنیادی حقوق کے مطابق ہونا چاہیے اور اس کے ذیلی ادارے کے طور پر چلنا چاہیے۔ کورٹ نے یہ بھی کہا کہ پارلیمنٹ آئینی ترمیمی ایکٹ (آرٹیکل 348 کے مطابق) بنا کر بنیادی حقوق میں ترمیم کرسکتی ہے۔ اس کے نتیجے میں، پارلیمنٹ نے پہلا ترمیمی ایکٹ (1951)، چوتھا ترمیمی ایکٹ (1955) اور ساتواں ترمیمی ایکٹ بنایا۔ ترمیمی ایکٹ (1964) کچھ ہدایتی اصولوں کو نافذ کرنے کے لیے۔ لیکن، گولکناتھ کیس (1967) میں سپریم کورٹ نے کہا کہ بنیادی حقوق میں رہنمایانہ اصولوں کے نفاذ کے لیے ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ عدالت نے اس اعتراض کو مسترد کر دیا اور دفعہ 13 کے دائرہ کار کو محدود کر دیا۔ دفعہ 13 یہ حکم دے کر کہ آرٹیکل میں قانون کا لفظ شامل کیا گیا۔ آرٹیکل 368 کے تحت منظور شدہ آئینی ترمیمی قانون کو اپنے حدود میں شامل نہیں کرے گا۔ پارلیمنٹ نے اس فیصلے پر ردعمل ظاہر کیا اور 24ویں ترمیم (1971) اور 25ویں ترمیم (1971) کو نافذ کیا۔ 24ویں ترمیمی ایکٹ نے اعلان کیا کہ پارلیمنٹ کو آئینی ترمیمی ایکٹ نافذ کر کے کسی بھی بنیادی حقوق کو چھیننے کا اختیار حاصل ہے۔ 25ویں ترمیمی ایکٹ میں ایک نیا آرٹیکل 31C شامل کیا گیا تا کہ بنیادی حقوق سوشلسٹ ڈائریکٹو کے اصولوں کو نافذ کرنے اور عدالتوں کی مداخلت (جوڈیشل ریویو) کو روکنے کے راستے میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔

فیصلہ کی بنیادی ساخت

کیسوانند بھارتی کیس (1973) میں، سپریم کورٹ نے کہا کہ پارلیمنٹ کو آئین کے کسی بھی حصے میں ترمیم کرنے کا اختیار ہے جس میں بنیادی حقوق بھی شامل ہیں آئین کی بنیادی خصوصیات کو متاثر کیے بغیر اور قرار دیا کہ عدالتی جائزہ بنیادی خصوصیات میں سے ایک ہے۔

1. اس نے یہ فیصلہ دیا کہ بنیادی حقوق پارلیمنٹ کے ترمیمی اختیارات سے باہر ہیں، کو ختم کر دیا گیا۔
2. آئین (چوبیسویں ترمیم) ایکٹ، 1971 (پارلیمنٹ کو آئین کے کسی بھی حصے میں ترمیم کرنے کا اختیار دینا) درست تھا۔

3. آرٹیکل 368، جیسا کہ ترمیم کیا گیا، درست تھا لیکن اس نے پارلیمنٹ کو 'بنیادی ڈھانچہ 'یا" آئین کے فریم ورک' کو تبدیل کرنے کا اختیار نہیں دیا۔ اس طرح، کیسوانند بھارتی کیس میں، سپریم کورٹ نے بنیادی ساخت کو وضع کیا۔

42ویں اور 44ویں ترامیم

بعدازیں، 42ویں ترمیمی ایکٹ (1976) نے آرٹیکل 31C کے دائرہ کار کو بڑھایا جس میں اس کے تحفظ میں کسی بھی رہنمایانہ اصولوں (صرف سوشلسٹ اصولوں کو نہیں) کو نافذ کرنے کے لیے کوئی بھی قانون شامل ہے۔ دوسرے لفظوں میں، 42ویں ترمیمی ایکٹ نے آرٹیکل 14، 19 اور 13 کے ذریعے دیے گئے بنیادی حقوق پر رہنمایانہ اصولوں کو قانونی بالادستی عطا کی، تاہم، منروا ملز کیس میں سپریم کورٹ نے اس توسیع کو غیر آئینی اور ناجائز قرار دیا تھا۔ (1980)۔ اس کا مطلب ہے کہ آرٹیکل 14 اور آرٹیکل 19 کے ذریعے دیئے گئے بنیادی حقوق کو آرٹیکل 39(b) اور 39(C) میں بیان کردہ رہنمایانہ اصولوں کے ذیلی نوعیت کے طور پر قبول کیا گیا ہے۔ آرٹیکل 31 (حق ملکیت) کو 44ویں آئینی ترمیمی ایکٹ (1978) کے ذریعے ختم کر دیا گیا۔

حتمی حیثیت یہ ہے کہ پارلیمنٹ بنیادی حقوق میں ترمیم کر سکتی ہے تاکہ رہنمایانہ اصولوں کو نافذ کیا جاسکے، جب تک کہ ترمیم آئین کے بنیادی ڈھانچے کو نقصان یا تباہ نہ کرے۔ منروا ملز کیس (1980) میں سپریم کورٹ نے واضح طور پر کہا کہ ہندوستانی آئین بنیادی حقوق اور رہنمایانہ اصولوں کے درمیان توازن کی بنیاد پر قائم ہے۔ دوسرے پر مطلق فوقیت دینا آئین کی ہم آہنگی کو خراب کرنا ہے۔

بنیادی حقوق اور مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصولوں میں فرق

بنیادی حقوق مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصول ہندوستانی آئین کی دو اہم خصوصیات ہیں۔ دونوں سماجی نقطہ نظر سے اہم ہیں۔ وہ ذیل میں ایک دوسرے سے مختلف تھے:

1. بنیادی حقوق قانونی نوعیت کے ہیں اور آئین کے حصہ III میں آرٹیکل 12 سے 35 تک پھیلے ہوئے ہیں۔	1. مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصول سماجی نوعیت کے ہیں اور ہندوستانی آئین کے حصہ IV میں آرٹیکل 36 سے 51 تک موجود ہیں۔
2. انہیں آئین کی طرف سے ضمانت دی گئی ہے۔	2. دستور/آئین کے ذریعہ ان کی ضمانت نہیں ہے۔
3. یہ ریاستی سرگرمیوں کے دائرے کو محدود کرتے ہیں اور فرد پر بھی معقول پابندیاں عائد کرتے ہیں۔	3. یہ مملکتی سرگرمیوں کی وسعت کو بڑھاتے ہیں اور لوگوں کے معاشی اور سماجی مفادات کا تحفظ کرتے ہیں۔
4. یہ انفرادی طور پر مبنی ہیں۔	4. وہ سماجی بہبود پر مبنی ہیں۔

.5	یہ حقوق اپنی لازمی نوعیت کی وجہ سے دوسرے کو کسی کے حقوق میں مداخلت کی اجازت نہیں دیتے۔	.5	یہ اصول ضروری نہیں ہیں کیونکہ وہ کسی شخص کو عدالت میں درخواست دائر کرنے کا حق نہیں دیتے۔
.6	یہ حقوق ہندوستان کو بدلنے میں مدد کرتے ہیں۔	.6	یہ مملکت کو ہندوستان میں سماجی اور اقتصادی جمہوریت حاصل کرنے کے قابل بناتے ہیں۔
.7	یہ حقوق شہریوں کو عطا کیے گئے ہیں۔	.7	وہ بڑے پیمانے پر معاشرے کے لیے ہیں۔
.8	بنیادی حقوق ریاستہائے متحدہ کے آئین کے مطابق ہیں۔	.8	یہ اصول آئرلینڈ کے آئین کے مرہون منت ہیں۔
.9	یہ ریاستہائے متحدہ کے آئین میں فراہم کردہ پروٹو ٹائپ حقوق ہیں۔	.9	یہ بڑی حد تک گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 میں فراہم کردہ انسٹرومنٹ آف انسٹرکشن کی نقل ہیں۔
.10	یہ الگ الگ قانون سازی کے بغیر قابل نفاذ ہیں۔	.10	متعلقہ قانون سازی کرکے ہی ان پر عمل درآمد کیا جاسکتا ہے۔
.11	یہ حقوق ہندوستانی آئین کے حصہ III میں آرٹیکل 12 سے 35 تک شامل ہیں۔	.11	یہ آرٹیکل 36 سے 51 تک ہندوستانی آئین کے حصہ IV میں شامل ہیں۔

خلاصہ:

ہندوستان دستور رآئین کے حصہ IV کے تحت آرٹیکل 36 تا 51 مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصولوں سے متعلق ہیں۔ آئین مملکتی پالیسی کے کچھ رہنمایانہ اصول مرتب کرتا ہے، جو کہ قابل انصاف نہیں، لیکن 'ملک کی حکمرانی میں بنیادی' ہیں، اور مملکت کا فرض ہے کہ وہ قوانین بنانے میں ان اصولوں پر عمل کرے۔ ان کی ہدایت اس طرح کی گئی ہے کہ مملکت ایک فلاحی مملکت کے لیے کوشش کرے گی جہاں سماجی، معاشی اور سیاسی انصاف ساتھ ساتھ چل سکے اور شہریوں کی اجتماعی ترقی ہو۔ وہ عدم مساوات کو کم کرکے پائیدار ترقی کو یقینی بناتے ہیں۔ وہ ملک کے ماحول کے تحفظ کے لیے پالیسیاں بنانے کی بھی ہدایت کرتے ہیں۔ یہ اصول وسائل اور مواقع کی مساوی تقسیم کو فروغ دیتے ہیں جس سے غربت اور امتیاز جیسی سماجی برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے۔

ماڈل امتحان کے سوالات:

I. مندرجہ ذیل سوالات کے ہر ایک کا جواب 30 سطور میں دیں۔

1. مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصولوں پر ایک نوٹ لکھیں؟
2. مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصولوں کی خصوصیات پر تبادلہ خیال کریں؟

II. **مندرجہ ذیل سوالات کے ہر ایک کا جواب 15 سطور میں دیں۔**

1. گاندھیائی اصولوں پر مختصراً لکھیں؟
2. کیسوانند بھارتی بمقابلہ ریاست کیرالہ کیس (1973) پر مختصراً لکھیں؟
3. سوشلسٹ اصولوں پر بحث کریں؟
4. آرٹیکل-39

III صحیح جواب کا انتخاب کیجئے۔

Q1. مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصولوں (DPSP) سے اس ملک کے دستور لیے گئے ہیں؟ (   )

(a) ہسپانوی آئین

(b) برطانوی آئین

(c) جرمن آئین

(d) آئرش آئین

Q2. ہندوستانی آئین کا کون سا حصہ مملکتی پالیسی کے رہنمایانہ اصولوں سے متعلق ہے؟ (   )

(a) حصہ XI   (b) حصہ III

(c) حصہ چہارم   (d) حصہ VII

Q3. ہندوستان کے آئین کا آرٹیکل 44 کس چیز کی بات کرتا ہے؟ (   )

(a) عدلیہ کی ایگزیکٹو سے علیحدگی۔   (b) ماحولیات کا تحفظ اور بہتری۔

(c) کوآپریٹو سوسائٹیز کا فروغ۔   (d) شہریوں کے لیے یکساں سول کوڈ۔

Q4. ہندوستانی آئین کا کون سا آرٹیکل بین الاقوامی امن اور سلامتی کے فروغ کی بات کرتا ہے؟ (   )

(a) آرٹیکل 43   (b) آرٹیکل 51

(c) آرٹیکل 47   (d) آرٹیکل 55

Q5. ہندوستان کے آئین کا آرٹیکل 50 کس چیز کی بات کرتا ہے؟ (   )

(a) فلاحی ریاست کے تصور کو فروغ دینا۔   (b) ماحولیات کا تحفظ اور بہتری۔

(c) عدلیہ کی ایگزیکٹو سے علیحدگی۔   (d) زراعت اور جانور پالنے کی تنظیم۔

بنیادی فرائض FUNDAMENTAL DUTIES

تعارف INTRODUCTION

بنیادی فرائض ہندوستانی آئین کی ایک نمایاں خصوصیت ہیں۔ وہ ہمارے آئین میں آرٹیکل 51A کے ذریعے آئین (42ویں ترمیم) ایکٹ، 1976 کے ذریعے شامل کیے گئے ہیں۔

انڈین نیشنل کانگریس نے ایمرجنسی (77-1975) کے دوران اپنے سینئر لیڈر سوارن سنگھ کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کی تاکہ چند تبدیلیوں پر غور کیا جائے گا، جن میں بنیادی فرائض کو شامل کرنا بھی شامل تھا۔

کمیٹی نے ہندوستانی آئین میں شامل کیے جانے والے چند بنیادی فرائض کی تجویز دی۔ مرکزی حکومت نے انہیں آئین (42ویں ترمیم) بل میں متعارف کرائے گئے بہت سے مشوروں کو قبول کیا۔ یہ بل، بعد میں آئین (42ویں ترمیم) ایکٹ، 1976 کے تحت ایک ایکٹ یعنی قانون بن گیا۔ اس ترمیم میں آرٹیکل 51A کی شکل میں دس بنیادی فرائض شامل تھے۔ یہ بنیادی فرائض 3 جنوری 1977 سے پورے ملک میں نافذ العمل ہوئے۔ لیکن اب 11 فرائض ہیں۔ 11ویں فرض کو آئینی ترمیمی ایکٹ 2002 کے ذریعے شامل کیا گیا تھا۔ وہ درج ذیل ہیں:

1. آئین کی پاسداری کرنا، اس کے نظریات اور اداروں، قومی پرچم اور قومی ترانے کا احترام کرنا:
2. ان عظیم نظریات کی پاسداری اور ان کی پیروی کرنا جنہوں نے ہماری قومی جدوجہد آزادی کو تحریک دی۔
3. ہندوستان کی خودمختاری، سالمیت اور اتحاد کو برقرار رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا؛
4. ملک کا دفاع کرنا اور جب ایسا کرنے کے لیے کہا جائے تو قومی خدمت کرنا؛
5. مذہبی، لسانی، علاقائی یا طبقاتی تنوع سے بالاتر ہوکر ہندوستان کے لوگوں کے درمیان ہم آہنگی اور مشترکہ بھائی چارے کے جذبے کو فروغ دینا؛ خواتین کے وقار کے لیے توہین آمیز طرز عمل کو ترک کرنا؛
6. ہماری جامع ثقافت کے بھرپور ورثے کی قدر اور تحفظ کرنا؛
7. جنگلات، جھیلوں، دریاؤں اور جنگلی حیات سمیت قدرتی ماحول کی حفاظت اور بہتری کے لیے، اور جانداروں کے لیے ہمدردی کرنا؛
8. سائنسی مزاج، انسان دوستی اور تحقیقات اور اصلاح کے جذبے کو فروغ دینا؛
9. عوامی املاک کی حفاظت اور تشدد کو ترک کرنا؛ اور
10. انفرادی اور اجتماعی سرگرمیوں کے تمام شعبوں میں سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرنا، تاکہ قوم مسلسل کوششوں اور کامیابیوں کی بلندیوں پر پہنچ جائے۔

11. چھ سے چودہ سال کی عمر کے درمیان کے اپنے بچے کو تعلیم کے مواقع فراہم کرنا۔

بنیادی فرائض کی اہمیت

بنیادی فرائض کا مقصد ہندوستانی شہریوں کو سماجی طور پر باشعور اور ذمہ دار بنانا ہے۔ یہ فرائض 1948 میں اقوام متحدہ کی تنظیم کے ذریعہ اختیار کردہ انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ کے مطابق ہیں۔

کچھ مصنفین نے مذکورہ بالا بنیادی فرائض کو وسیع پیمانے پر تین زمروں میں تقسیم کیا ہے۔ فرائض کی پہلی قسم سے مراد اپنے آئین، آئینی قانون اور جمہوری اداروں کے مقاصد کا احترام کرنا ہے۔ فرائض کی دوسری قسم لوگوں کے درمیان بھائی چارے اور تعاون جیسے معاملات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس میں تنوع میں اتحاد، علاقائی، فرقہ وارانہ اور ذات پات پر مبنی رجحانات سے بچنا بھی شامل ہے۔ فرائض کی تیسری قسم عوامی املاک کی حفاظت اور تشدد سے بچنا ہے۔ سائنسی مزاج اور توہمات کو دور کرنے جیسے کچھ پہلو بھی اس زمرے میں شامل کئے گئے ہیں۔

اگرچہ ججوں کے لیے ان فرائض کو صحیح معنوں میں نافذ کرنا براہ راست ممکن نہ ہو، لیکن مختلف آئینی دفعات کی تشریح میں ان فرائض کو مکمل طور پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ شہریوں کے بنیادی فرائض پر جسٹس ورما کمیٹی (1998) نے کچھ بنیادی فرائض کے نفاذ کے لیے قانونی دفعات کے وجود کی نشاندہی کی۔ وہ ہیں

1. نیشنل آنر ایکٹ (1971) کی توہین کی روک تھام
2. شہری حقوق کا تحفظ ایکٹ، 1955
3. معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان دشمنی کو فروغ دینے کے خلاف مختلف فوجداری قوانین موجود ہیں۔
4. جنگلی حیات (تحفظ) ایکٹ 1972
5. دی فارسٹ (کنزرویشن) ایکٹ آف 1980۔

جیسا کہ ورما کمیٹی نے تجویز کیا ہے، شہریوں کے بنیادی فرائض اور شہریت کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں معلومات کے وسیع تر پھیلاؤ اور زیادہ سے زیادہ بیداری پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے اور اس کے لیے ایک پرامن، ملک گیر اور بڑے پیمانے پر مبنی تحریک کی جہت کو اپنانا چاہیے۔

خلاصہ

بنیادی فرائض آئین کے حصہ A-IV میں آرٹیکل 51-A میں بیان کیے گئے ہیں۔ 1976 میں آئین میں بنیادی فرائض شامل کیے گئے تھے کیونکہ حکومت نے محسوس کیا تھا کہ جمہوریت میں توازن برقرار رکھنا ضروری ہے۔ یہ تمام شہریوں پر اخلاقی ذمہ

داریاں ہیں کہ وہ سلیت، اتحاد اور خوشحالی کو فروغ دیں۔ وہ ملک دشمن اور سماج دشمن سرگرمیوں پر نظر رکھیں۔

بنیادی حقوق کے برعکس یہ جائز نہیں ہیں اور انہیں عدالت میں نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ اس بات کو لے کر کافی تنقید ہو رہی ہے۔ تاہم، پارلیمنٹ ان میں سے کسی کو پورا کرنے میں ناکامی پر جرمانہ یا سزا کے نفاذ کا بندوبست کر سکتی ہے۔

ماڈل امتحان کے سوالات:

I. مندرجہ ذیل سوالات کے ہر ایک کا جواب 30 سطور میں دیں۔

1. ہندوستانی آئین کے بنیادی فرائض پر ایک نوٹ لکھیں؟

II. مندرجہ ذیل سوالات کے ہر ایک کا جواب 15 سطور میں دیں۔

1. سورنا سنگھ کمیٹی پر مختصراً لکھیں؟
2. بنیادی فرائض کی اہمیت بیان کریں؟

III۔ صحیح جواب کا انتخاب کیجئے۔

1. بنیادی فرائض ہندوستانی آئین کے کس حصے میں ہیں؟

a) حصہ III　　b) حصہ IV

c) حصہ IV A　　d) حصہ IV B

2. بنیادی فرائض کس آئینی ترمیمی ایکٹ کے ذریعے شامل کیے گئے؟

a) 41 ویں CAA　　b) 42 ویں CAA

c) 43 ویں CAA　　d) 44 ویں CAA

3. سورنا سنگھ کمیٹی نے کتنے بنیادی فرائض تجویز کیے؟

a) 8　　b) 9　　c) 10　　d) 11

4. 42 ویں آئینی ترمیم ایکٹ 1976 کے ذریعے کتنے بنیادی فرائض شامل کیے گئے؟

a) 8　　b) 9　　c) 10　　d) 11

5. 86 ویں آئینی ترمیم ایکٹ، 2002 کے ذریعے مندرجہ ذیل بنیادی فرائض میں سے کون سا شامل کیا گیا تھا۔

a) ٹیکس ادا کرنے کی ڈیوٹی　　b) ووٹ ڈالنے کا فرض

c) سائنسی مزاج، انسانیت پرستی کو فروغ دینے کا فرض

d) 6 سے 14 سال کے درمیان اپنے بچے کو تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کا فرض

13

13۔ ہندوستانی وفاقی نظام
INDIAN FEDERAL SYSTEM

مقاصد

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد، آپ کو قابل ہونا چاہیے:

وفاقی نظام کے مقاصد درج ذیل ہیں:

☆ مرکز اور ریاستوں دونوں کو خودمختار اختیارات فراہم کرنا۔

☆ ملک کے اتحاد کی حفاظت اور فروغ کے لیے، ایک ہی وقت میں علاقائی تنوع کو مطابقت کرنا۔

☆ محرک قوتیں یا فیڈریشنوں کی ہنگامی صورتحال کا عمل۔

☆ وفاقی حکومت کی خصوصیات

☆ وفاقی طاقت کی ترقی کے عوامل

☆ وفاقی حکومت کی خوبیاں اور خامیاں

☆ فیڈریشن اور کنفیڈریشن کے درمیان فرق

☆ انڈیا فیڈریشن میں مقابلہ کی وجوہات

تعارف Introduction

جغرافیائی تقسیم کی بنیاد پر جدید حکومتوں کو اختیارات کی وحدانی اور وفاقی شکل میں درجہ بندی کیا جاتا ہے۔ وفاقی حکومت دوہری حکومت ہے۔ لفظ 'وفاقی' لاطینی لفظ 'Foedus' سے ماخوذ ہے جس کا مطلب 'معاہدہ' ہے۔

اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:-

وفاق' متواتر متعدد مملکتوں کے اکٹھے ہونے سے بنتا ہے، یعنی جغرافیائی طور پر قریبی ریاستیں، جو اتحاد کی بجائے اتحاد کی خواہش رکھتی ہیں۔ یہ قوتوں کو ضم یا منتشر کرنے کے نتیجے میں وجود میں آ سکتا ہے۔ آزاد ریاستیں ہاتھ ملانے پر راضی ہوسکتی ہیں اور اس طرح ایک وفاق کو تشکیل دیا جا سکتا ہے۔

حکومت کی وفاقی شکل میں مرکز اور ریاستی حکومتوں کو آئینی درجہ دیا جاتا ہے۔ ایک وفاق میں، مرکز اور ریاستی حکومتیں دونوں

اپنے اپنے اختیارات رکھتی ہیں، اپنے دائرہ اختیار کے مختص شدہ دائروں میں ہم آہنگ اور خودمختار حکام ہیں۔ اختیارات کی تقسیم کے ذریعے قومی مفادات اور ریاستوں کے مفادات میں مصالحت ہو جاتی ہے۔

تحریک دینے والی قوتیں یا وفاقوں کی ہنگامی صورتحال کا عمل۔

چند مملکتوں نے بیرونی طاقتوں کے خطرے اور دوسری مملکتوں کی جارحیت کی وجہ سے اکٹھے ہونے کا فیصلہ کیا۔ سوئٹزرلینڈ (1848 میں)، کینیڈا، آسٹریلیا نے بیرونی خطرات کے خوف سے فیڈریشن یا وفاق بنائی۔

فیڈریشن کی ہنگامی صورتحال کا ایک اور اہم عنصر قومیت کا احساس، مشترکہ مقصد، مشترکہ ثقافت اور مشترکہ ورثے سے تعلق کا احساس ہے۔

وفاقی حکومت کی خصوصیات

(1) آئین کی بالادستی۔ ایک وفاق میں آئین کی بالادستی ہوتی ہے۔ پورا وفاقی ڈھانچہ آئین کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے۔ مرکزی اور ریاستی حکومتیں دونوں آئین کے ماتحت ہیں۔ وہ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

(2) تحریری اور ٹھوس آئین۔ وفاق کے تمام آئین تحریری اور ٹھوس ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آئین میں ترمیم کے عمل کو جان بوجھ کر مشکل بنایا گیا ہے تاکہ کسی بھی حکومت کا موقف بری طرح متاثر نہ ہو۔ آئین کی دفعات میں مرکزی یا ریاستی حکومتیں اکیلے آسانی سے ترمیم نہیں کرسکتیں۔

(3) دو قسم کی حکومتیں۔ ایک وفاقی حکومت حکومتوں کے دو سیٹوں پر مشتمل ہوتی ہے- ایک مرکزی اور دوسری ریاستوں میں۔ مرکز اور ریاستی حکومتیں دونوں ایک ہی ملک کی جغرافیائی حدود میں موجود ہیں۔

(4) اختیارات کی تقسیم۔ ایک وفاقی حکومت میں، اختیارات مرکز اور ریاستوں کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں۔ عام طور پر وہ کام جو پورے وفاق سے متعلق ہوتے ہیں وفاقی حکومت کو دیے جاتے ہیں اور علاقائی اہمیت کے افعال وفاق کی اکائیوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اختیارات کی تقسیم پر تنازعات سے بچنے کے لیے آئین میں اختیارات کی تقسیم کی اسکیم کو شامل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اختیارات کی تقسیم کے لیے مختلف طریقے اپنائے گئے ہیں۔ سب سے پہلے مرکز کے اختیارات بیان کیے گئے ہیں اور باقی ریاستوں پر چھوڑ دیے گئے ہیں، مثال کے طور پر امریکہ۔ دوسرا ریاستوں کے اختیارات کا تذکرہ کیا گیا ہے، جبکہ باقی کو مرکز پر چھوڑ دیا گیا ہے، مثال کے طور پر، کینیڈا۔ تیسرا دونوں حکومتوں کے اختیارات کا ذکر ہے، مثلاً ہندوستان۔

(5) آزاد عدلیہ۔ وفاقی حکومت کا مطلب ایک آزاد عدلیہ کا وجود ہے جو مرکز اور اکائیوں کے ساتھ ساتھ خود اکائیوں کے درمیان تنازعات کو حل کرتی ہے۔ عدلیہ آئین کی محافظ اور حتمی ترجمان کے طور پر کام کرتی ہے۔ یہ دیکھنا عدلیہ کا فرض ہے کہ مرکز اور

ریاستیں آئین کی مقرر کردہ حدود میں کام کریں۔ اگر کسی ایک کا عمل آئین کی شقوں سے متصادم ہو تو عدلیہ انہیں ultra vires قرار دیتی ہے۔

(6) دو ایوانی مقنّنہ کا وجود۔ وفاقی حکومت کا مطلب دو ایوانی مقنّنہ کا وجود ہے۔ عام طور پر ایوان زیریں لوگوں کو نمائندگی دیتا ہے جبکہ ایوان بالا ریاستوں کو نمائندگی دیتا ہے۔

(7) دوہری شہریت۔ کچھ وفاقی حکومتیں دوہری شہریت فراہم کرتی ہیں۔ اس کا مطلب ہے، ایک فیڈریشن میں رہنے والے لوگ دو شہریت استعمال کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے انہیں ان صوبوں کی شہریت ملے گی جن میں وہ رہ رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ قوم کی شہریت بھی حاصل کر سکیں گے۔ مثال کے طور پر، امریکہ اور سوئٹزرلینڈ دونوں میں شہری دوہری شہریت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ تاہم، ہندوستان میں تمام شہریوں کے پاس صرف ایک قومی شہریت ہے۔

دستور ساز اسمبلی میں غور وخوض DELIBERATIONS IN THE CONSTITUENT ASSEMBLY

ہندوستانی آئین کے دستور سازوں کی خواہش تھی کہ ایک مضبوط، قابل عمل اور موثر قومی ریاست فراہم کی جائے تا کہ انشقاق پسند اور مرکز گریز قوتوں کو روکا جاسکے اور ترقی کی ایک وسیع بنیاد کو متاثر کیا جاسکے۔ اس سلسلے میں متعدد اراکین نے قیمتی تجاویز پیش کیں۔ مثال کے طور پر، شیام پرساد مکھرجی نے ہمارے ملک کی تاریخی نوعیت کی وجہ سے وفاقی اسکیم میں ایک مضبوط مرکز کے لیے زبردستی بحث کی۔

ڈاکٹر بی آر، امبیڈکر نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 کے تحت بنائے گئے مضبوط متحدہ مرکز کے حامی تھے تا کہ ہندوستان قوموں کی برادری میں اپنا سر اونچا کرنے کے قابل ہو سکے۔ T.T. کرشناماچاریہ نے اظہار کیا کہ وفاقی خصوصیت اور وحدت کے ساتھ ایک طاقتور مرکز۔ قومی اتحاد کو برقرار رکھنے اور ہندوستانی سماج میں موجود خلل انگیز رجحانات کو روکنے کے لیے وفاق کی ضرورت تھی۔ کے ایم منشی نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا۔

انہوں نے کہا کہ ہندوستان میں اکائیاں خودمختار ریاستیں نہیں تھیں جیسے اٹھارویں صدی میں امریکی ریاستیں مل کر ایک فیڈریشن بنائی تھیں۔ امبیڈکر نے اپنی اختتامی تقریر میں ہندوستانی آئین کے وفاقی کردار کا فصاحت سے ذکر کیا۔ وفاق کا بنیادی اصول یہ ہے کہ قانون سازی اور انتظامی اختیار مرکز اور ریاستوں کے درمیان مرکز کے بنائے ہوئے قانون کے ذریعہ نہیں بلکہ خود آئین کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ ہمارے آئین کے تحت ریاستیں کسی بھی طرح سے اپنے لئے مرکز پر منحصر نہیں ہیں۔ قانون سازی یا ایگزیکٹو اتھارٹی کے۔ اس معاملے میں مرکز اور ریاستیں برابر ہیں، وفاقیت کا سب سے بڑا نشان... قانون سازی اور انتظامی اتھارٹی کی تقسیم مرکز اور اکائیوں کے درمیان آئین کے ذریعے ہے۔ یہ اصول ہے۔ ہمارے آئین میں شامل ہے۔ اس میں کوئی غلطی نہیں ہو سکتی۔ وفاقیت کو شکست دینے والی مرکزیت کی تبدیلی اس لیے غلط تھی۔"

دستور ساز اسمبلی کے چیئر مین ڈاکٹر راجندر پرساد نے اس طرح ہندوستانی آئین کی بنیادی وفاقی خصوصیت کی وضاحت کی۔ "اگر ہمارے آئین کی تمام دفعات اچھی طرح سے ہیں تو ہمارے ذہن کی ہم آہنگی کو پریشان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ریاست کے مختلف اعضاء کے درمیان انتظامیہ اور اختیارات کی تقسیم کا تعلق اس بات کے درمیان ہے کہ کیا دفعات تھیں اور ہندوستانی ریاستیں پہلے کیا تھیں۔ وہ اب کم وبیش ایک ہی بنیاد پر ہیں اور جیسے جیسے وقت گزرتا ہے، جو کچھ بھی تھوڑا سا فرق اب بھی موجود ہے وہ ختم ہو جائے گا۔"

قدیم جمہوریتوں سے وحدانی وفاقی، سامراجی آزادی کے ذریعے تاریخی منتقلی کے مندرجہ بالا پس منظر میں، ہم یقینی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستانی آئین ایک وفاقی آئین ہے جتنا کہ یہ مرکز اور ریاستوں پر مشتمل دوہری سیاست قائم کرتا ہے جس میں ہر ایک کو اپنے اپنے دائرے میں اختیارات اور ذمہ داریاں عطا کئے گئے ہیں۔ اس کی وفاقی سکیم ایک منفرد ہے کیونکہ یہ وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق وحدانی بھی ہوسکتی ہے اور وفاقی بھی۔ عام اوقات میں اسے وفاقی نظام کے طور پر کام کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ لیکن جنگ یا ہنگامی صورتحال یا دفاع کے وقت، اسے اس طرح سے کام کرنے کے لیے بنایا گیا ہے جیسے یہ ایک وحدانی نظام ہو۔ ہندوستانی وفاق سختی یا قانون پسندی کی خرابیوں کا شکار نہیں ہے۔ یہ ایک لچکدار اور موافقت پذیر وفاق ہے۔ اکیلی عدلیہ، اکیلی شہریت، بنیادی قوانین میں یکسانیت، ایک مشترکہ آل انڈین سروس کمیشن وغیرہ اس کی کچھ خاص اور امتیازی خصوصیات ہیں۔ یہ عمل میں وفاقی اور ضرورت کے لحاظ سے وحدانی ہے۔

آئینی دفعات CONSTITUTIONAL PROVISIONS

اگرچہ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی نے ہندوستان کی مخصوص ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ایک نئی قسم کی وفاقیت فراہم کی ہے، لیکن آئینی الفاظ میں وفاق، وفاقیت یا وفاق جیسے تاثرات کی نمایاں غیر موجودگی نے آئینی ماہرین کو "وفاقی" کی اصطلاح کی مناسبت پر شک کرنے کا باعث بنا ہے۔ ہندوستان کا آئین اس خاصیت نے انہیں متاثر کیا کہ وہ ہندوستانی آئین کو مختلف ناموں سے لیبل کریں یعنی نیم وفاقی، وحدانی، مرکزیت پسند وغیرہ۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے ان تاریخی دباؤ، تناؤ اور حالات کو نظر انداز کر دیا ہے جن کے تحت ہندوستانی آئین تشکیل دیا گیا تھا۔ انہوں نے آئین کی صرف مرکزیت پر مبنی دفعات کا تصور کیا ہے جیسے صدر کے ہنگامی اختیارات، آئین میں ترمیم کرنے کا پارلیمنٹ کا اختیار (آرٹیکل 368)، واحد شہریت، مربوط عدلیہ وغیرہ۔ تاہم، ایچ ایم سیروائی نے کہا کہ فیڈریشن کا اصول نہ تو کوئی افسانہ ہے اور نہ ہی ہندوستانی آئین میں اس کو ختم کیا گیا ہے اور آئین میں فیڈریشن کا اصول غالب ہے۔

فیڈریشن ہمارے آئین کی ایک بنیادی خصوصیت ہے جس میں یونین آف انڈیا آرٹیکل 1 اور آرٹیکل 2 سے 4 میں طے شدہ علاقائی حدود کے اندر مستقل اور ناقابل تنسیخ ہے اور آرٹیکل 2 تا 4 کے ذریعہ بنائے گئے ایک مستقل وجود کے ساتھ اس کی حدود کو

ہندوستان کی پارلیمنٹ تشکیل دے کر تبدیل کر سکتی ہے۔ نئی ریاستیں اور ان کی سرحدیں نہ کہ خود مختاری۔ جیسا کہ ہندوستان کا آئین مستقل ہے اور خود کو تباہ کرنے والا نہیں ہے، لہذا ہندوستان کا اتحاد نا قابل تنسیخ ہے۔ لیکن خود کو تباہ کرنے والے لفظ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آئین تبدیل کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس کا مطلب تبدیلی کے عمل کے لیے باہمی اور مشترکہ مقصد ہے۔

مرکز اور ریاست کے درمیان تسلسل کے ساتھ اپنے لوگوں کی سماجی، اقتصادی اور ثقافتی ترقی کو فروغ دینا اور ہندوستانیوں کے درمیان بھائی چارہ پیدا کرنا۔ مرکز اور ریاست دونوں کوآپریٹو اور کوآرڈینیٹ ادارے ہیں جن کی آزادی اور باہمی انحصار ہے۔ انہیں ہندوستان کے لوگوں کو سماجی، اقتصادی اور سیاسی انصاف فراہم کرنے کے لیے باہمی مطابقت، احترام، افہام و تفہیم اور رہائش کے ساتھ اپنی اپنی طاقت کا استعمال کرنا چاہیے۔

آئین سازوں نے 'وفاقی' کے اظہار کا استعمال کیے بغیر واضح طور پر ہندوستان کے لیے فیڈریشن کا ایک نیا ماڈیول پیش کیا تا کہ ماضی کے اعصاب کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے ہندوستان کی مخصوص ضروریات کو پورا کیا جا سکے جو مستقبل کی ترقی اور فروغ کی مضبوط بنیاد رکھتے ہیں۔ K.C Wheare کی تجویز کردہ وفاقی خصوصیات ہندوستانی سیاست پر لاگو ہوتی ہیں۔ یہ الف) تحریری آئین، ب) آئین کی بالادستی، ج) واحد عدلیہ وغیرہ سے متعلق ہیں۔ تاہم، پروفیسر ساویر نے ایک وسیع تشریح پیش کی کہ ہندوستان نے وفاقی آئین کو کس طرح اپنایا۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح "برصغیر ہند ایک اور علاقہ تھا جس کے حجم، آبادی، علاقائی (بشمول لسانی) اختلافات اور مواصلاتی مسائل کی وجہ سے ایک واضح وفاقی صورت حال پیش کی گئی، اگر کئی الگ الگ اقوام کا امکان نہیں"۔

ہندوستانی وفاق کی مخصوص خصوصیات

ہندوستانی وفاقی نظام قانون سازی کے اختیارات کی تقسیم کے منفرد انداز پر عمل پیرا ہے۔ آئین کے ساتویں شیڈول میں قانون سازی کے تمام آرٹیکلس تین فہرستوں میں درج ہیں۔ ایک مرکزی فہرست دوسری ریاستی فہرست ہے۔ قانون سازی کے بقایا اختیارات پارلیمنٹ کے پاس ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مشترکہ فہرست بھی ہے۔ یہ ٹھوس نوعیت اور قانون پسندی کی طاقت کو کم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اگرچہ ہمارا آئین واضح طور پر کینیڈین آئین کی طرح ذیلی اختیارات کی فراہمی کے لیے فراہم نہیں کرتا، لیکن ذیلی طاقت کے اصول کو قانون سازی کے مکمل اختیارات کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ ان دو عناصر، ہم آہنگی کی فہرست اور ذیلی طاقتوں نے ہندوستانی وفاقی نظام میں کافی لچک پیدا کی ہے۔ ریاستوں کو ہندوستانی وفاق کو کوآپریٹو فیڈریشن میں تبدیل کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ اس سلسلے میں ہم ہندوستانی وفاق کی فراق نوعیت کی خصوصیات کا حوالہ دے سکتے ہیں۔

1) ہندوستانی وفاق میں دوہری سیاست ہے لیکن واحد شہریت ہے۔

2) انتظامی اختیارات کے باہمی وفود کی گنجائش ہے۔ ہندوستان کا صدر ریاست کی حکومت کی رضامندی سے، ریاستی حکومت یا اس

کے افسران کو کسی ایسے معاملے کے سلسلے میں مشروط یا غیر مشروط طور پر کام دے سکتا ہے جس میں مرکز کے عاملانہ اختیارات میں توسیع ہوتی ہے (آرٹیکل 258)۔ اسی طرح، ایک ریاست کی حکومت ریاست کو سپرد کرنے کی مجاز ہے، حکومت ہند کی رضامندی سے اس حکومت یا اس کے افسر (آرٹیکل 258اے) کو ریاست کو انتظامی طاقت سونپنے کا اختیار ہے۔

3) باہمی تعاون کی بنیاد پر مرکز اور ریاستوں کے درمیان مالیاتی اختیارات کو مطابقت کرنے کا انتظام ہے۔

a) دواؤں اور بیت الخلا کی تیاریوں پر سٹیمپ ڈیوٹی اور ایکسائز ڈیوٹی سے حاصل ہونے والی آمدنی جیسا کہ مرکزی فہرست میں بیان کیا گیا ہے اور پارلیمنٹ کے قانون کے تحت عائد کیا گیا ہے ریاست کو تفویض کیا جاتا ہے۔ (آرٹیکل 268)۔

b) مرکزی حکومت کچھ علاقوں میں جانشینی اور اسٹامپ ڈیوٹی لگانے اور وصول کرنے کی مجاز ہے جیسا کہ آئین میں بیان کیا گیا ہے اور ایسی کوئی بھی خالص آمدنی ریاست کو تفویض کی جاتی ہے اور ان میں تقسیم کی جاتی ہے۔ (مقالات 269)۔

c) انکم ٹیکس، زرعی آمدنی کے علاوہ، مرکزی حکومت کی طرف سے لگایا اور جمع کیا جاتا ہے لیکن اسے مرکز اور ریاستوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے (آرٹیکل 270)۔

d) پارلیمنٹ یہ فراہم کرنے کی مجاز ہے کہ ایکسائز ڈیوٹی کی خالص آمدنی کا پورا یا کوئی حصہ (دواؤں یا بیت الخلا کی تیاریوں کے فرائض کے علاوہ) ریاستوں میں پارلیمنٹ کے طے کردہ اصولوں کے مطابق تقسیم کیا جائے گا (آرٹیکل 272))۔

e) مرکز اور ریاستوں کے درمیان محصولات کے وسائل کی تقسیم کے بارے میں تجاویز دینے کے لیے فنانس کمیشن کے لیے ایک انتظام ہے (آرٹیکل 280)

4) ہندوستان کا آئین عوامی خدمات کے دوہرے نظام کو برقرار نہیں رکھتا ہے۔ آل انڈیا سروسز کے ممبران اگرچہ یونین کے ذریعہ مقرر کیے گئے ہیں مرکز یا ریاستی حکومتوں کے تحت ملازم ہو سکتے ہیں۔

5) ہندوستانی آئین کے تحت عدالتی نظام متحد اور مربوط ہے۔ اگرچہ انصاف کی انتظامیہ ریاست کا موضوع ہے، ہائی کورٹ کے ججوں کی تقرری اور ان کی برطرفی یونین کے ذریعے کی جاتی ہے۔

6) ہندوستان کا آئین صدر جمہوریہ ہند کو غیر قانونی نوعیت کے تنازعات کے تصفیہ اور ریاستوں کے درمیان تعاون اور ہم آہنگی کے تعلقات قائم کرنے کے لیے بین ریاستی کونسل قائم کرنے کا اختیار دیتا ہے۔

7) ہندوستانی آئین کی مندرجہ بالا خاص خصوصیات مرکز اور ریاستوں کے درمیان تعاون کی روح پر مشتمل ہیں۔ یہ خصوصیات کوآپریٹو وفاقیت کے جدید تصور کی مثال ہیں۔

تاہم، یہ ایک عام علم ہے کہ ہندوستانی وفاق میں کچھ خصوصیات بھی ہیں جنہیں 'غیر وفاقی' کہا جا سکتا ہے اور جو ایک مضبوط مرکز کی طرف جھکنے کے لیے سونپی گئی ہیں۔ یہ خصوصیات سیاست کو مخالف سمتوں میں لے جاتی ہیں، اور وفاقی ریاست کے تعلقات میں

مختلف قسم کے علاقائی، ثقافتی، سیاسی، مالی اور سماجی تناؤ کو جنم دیتی ہیں۔ ان کا تعلق درج ذیل سے ہے۔

1) پارلیمنٹ غیر معمولی حالات میں ریاستی فہرست پر قوانین بنا سکتی ہے جیسا کہ آرٹیکل 249 اور 253 میں فراہم کیا گیا ہے۔ عام حالات میں بھی وہ ریاستوں کی کونسل کی درخواست پر 2/3 اکثریت کی قرارداد کی تائید سے پارلیمنٹ کے آرٹیکل 249 کے تحت ایسے قوانین بنا سکتی ہے۔ قبولیت ایک عارضی مدت کے لیے ریاستی فہرست میں شامل کسی بھی معاملے پر قانون بنا سکتی ہے۔ آرٹیکل 252 کے تحت پارلیمنٹ، دو یا دو سے زیادہ ریاستوں کی مقنّنہ کی درخواست پر، ریاستی فہرست میں کسی بھی معاملے پر قانون سازی کر سکتی ہے۔ مزید برآں، پارلیمنٹ کسی بھی بین الاقوامی معاہدے کو نافذ کرنے کے لیے ہندوستان کی سرزمین کے پورے یا کسی بھی حصے کے لیے قانون بنا سکتی ہے۔ آخر میں، پارلیمنٹ ایمرجنسی کے دوران ریاستی فہرست کے معاملات پر قانون بنا سکتی ہے۔

2) آرٹیکل 155 ' ہندوستان کا صدر ریاستی گورنروں کی تقرری کرتا ہے، آرٹیکل 156 ' گورنرز صدر کی خوشنودی کے دوران عہدہ پر رہتے ہیں۔

3) پارلیمنٹ قانون سازی کے ذریعہ a) ایک نئی ریاست تشکیل دے سکتی ہے b) کسی بھی ریاست کے رقبے میں تبدیلی، اضافہ یا کمی کر سکتی ہے (آرٹیکل 2 اور 3)۔

4) ریاستی مقنّنہ میں کچھ بل متعارف کرانے کے لیے صدر کی سابقہ منظوری ضروری ہے۔ (آرٹیکل (2)254)

5) مرکزی حکومت مالیاتی کمیشن اور قومی منصوبہ بندی کمیشن کے ذریعہ طے شدہ ریاستوں کو امداد میں گرانٹ جاری کرتی ہے۔

6) ایمرجنسی کے دوران وفاقی سیاست آرٹیکل 352، 356 اور 360 کے تحت ایک وحدانی نظام میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

7) آئین مرکز کو اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنے انتظامی اختیارات کے استعمال کے سلسلے میں ریاستوں کو ہدایات جاری کرے۔ خاص طور پر مرکز کے پاس ریاستوں کے آرٹیکل 256 اور 257 کو انتظامی ہدایات جاری کرنے کا اختیار ہے۔

مندرجہ بالا تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ ہندوستانی وفاق فطرت میں باہمی عمل ہے، وہاں وہی اصول ہیں جو کو باہمی وفاق کی نفی کرتے ہیں۔ چونکہ ہندوستان میں مذہبی، علاقائی، ثقافتی، مالی، سماجی، سیاسی، نسلی معاملات میں وسیع تنوع ہے، اس لیے ریاستوں پر مرکز کے تسلط کا ہر امکان موجود ہے۔ ایسا غلبہ جمہوریت اور خاص طور پر شراکتی جمہوریت کی نفی کرتا ہے۔ شراکتی جمہوریت، یہ یاد رکھا جا سکتا ہے، باہمی وفاق کا ہمنوا ہے۔ دونوں عناصر ایک قسم کی اجتماعی ثقافت کو جنم دیں گے۔ باہمی وفاق ایک مشترکہ کلچر کو بھی یقینی بنائے گی۔ زیادہ مخصوص ہونے کے لیے، باہمی وفاق اور جامع ثقافت ایک دوسرے کے ہمنوا ہیں۔

باہمی وفاق، اس لیے، تمام مرکز۔ ریاستوں میں مقابلہ جات اور تمام علاقائی، ثقافتی اور نسلی تنازعات کے لیے ایک علاج ہے۔ یہ اختیارات کی بجائے افعال کی وفاقیت ہے، اور قومی اور ریاستی حکومتوں کے درمیان تعاون کی مشق سے نشان زد ہے۔ یہ ایک

مخصوص پروگرام کے بجائے ایک عمومی نقطہ نظر ہے۔ یہ اس مفروضے پر مبنی ہے کہ قومی اور ریاستی حکومتیں مشترکہ مقصد میں شراکت دار ہیں۔

عوام کی عمومی بہبود کے حصول کے لیے۔ یہ ایک فیڈریشن کے مختلف اجزاء کے درمیان کم از کم رگڑ کا تصور کرتا ہے۔ اس لیے ایک تعاون پر مبنی وفاقی کلچر پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے تا کہ انفرادی خودمختاری اور اشترا کی جذبہ ایک دوسرے کی تکمیل کا باعث بنے۔

ہندوستانی وفاق میں مسابقت کی وجوہات

1. قوم سے وفاداری میں کٹاؤ: ہندوستان کی تحریک آزادی کے دوران جس قوم سے وفاداری کا تصور پیدا ہوا تھا وہ واضح طور پر کمزور ہو گیا ہے۔ یہ اس حقیقت کی وجہ سے ہے کہ ہندوستان جس کا آغاز 'باہمی تعاون پر مبنی وفاقیت' کے تصور سے ہوا تھا، ایک منتشر وفاقیت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ حالیہ برسوں میں علاقائی جماعتوں نے علاقائی اور قومی سیاسی معاملات میں نمایاں مقام حاصل کیا ہے۔ وہ اپنے ذیلی یا صوبائی مفادات کے حصول کے لیے مرکز میں مخلوط حکومتوں پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں یا ان پر دباؤ ڈالتے رہے ہیں۔
2. مرکزی اداروں کا کٹاؤ: ہندوستانی وفاق میں تصادم کی دوسری وجہ مرکزی اداروں کا زوال ہے۔ متعدد مرکزی ادارے جیسے کہ پارلیمنٹ، آل انڈیا سروسز اور مرکزی ایجنسیاں جیسے یونین پبلک سروس کمیشن اور نیشنل پلاننگ کمیشن۔ کئی مواقع پر ریاستوں کے معاملات میں مرکز کی مداخلت جیسے صدر راج نافذ کرنا، ریاستوں کو اعتماد میں لیے بغیر ریاستی گورنروں کے طور پر سیاست دانوں کی تقرری، اور ریاستی قانون ساز اسمبلیوں سے راجیہ سبھا کی رکنیت کے لیے پارٹی کی جانب سے نامزدگی وغیرہ نے ریاست کو ختم کر دیا ہے۔ مرکزی حکومت کی اخلاقی اتھارٹی اور وفاقی ڈھانچے کی قانونی حیثیت کو متاثر کیا۔
3. آل انڈیا سروسز: آل انڈیا سروسز میں کام کرنے والے اہلکاروں کے ساتھ ریاستی حکومتیں اکثر ناروا سلوک کرتی تھیں ماضی کی پچھلی دو دہائیوں کے دوران، پوری معروضیت، انصاف پسندی کے ساتھ کام کیا۔ کچھ ایماندار سرکاری ملازمین، ریاستی حکومتوں میں سے کچھ کا شکار ہوئے ہیں۔ نیز مختلف حکومتوں میں مختلف سطحوں پر نظم ونسق کے اصولوں میں گراوٹ دیکھنے میں آئی۔ اس لیے مرکزی اور ریاستی انتظامیہ کے کٹاؤ نے ہندوستان کی وفاقیت کے بندھن کو کمزور کر دیا ہے۔
4. قومی منصوبہ بندی کمیشن کا ضرورت سے زیادہ کردار: ابتدائی سالوں میں قومی منصوبہ بندی کمیشن نے ایک قابل قدر کردار ادا کیا اور ہر طرف سے تعریف حاصل کی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا کردار متنازعہ اور پیچیدہ ہو گیا کیونکہ اس نے پارلیمنٹ اور یونین کونسل آف منسٹرز کی قراردادوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ ریاستوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی تجاویز اور دیگر مالیاتی ذمہ داریوں کی منظوری کے لیے اس کے رحم وکرم پر انحصار کریں۔ چونکہ یہ ایک ماورائے آئین ادارہ ہے اور جیسا کہ اس کی سربراہی

وزیراعظم کر رہے تھے، اس نے تمام قائم کردہ قواعد وضوابط کو پیچھے چھوڑ دیا اور بہت سی ریاستوں کے مفادات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہاں سیاسی طور پر غالب گروپوں کو مزید گرانٹ الاٹ کر کے امتیازی سلوک شروع کیا۔

5. آرٹیکل 356 کا غلط استعمال: آرٹیکل 356 کو آئین، امن وامان اور ملکی سلامتی کے لیے خطرہ بننے والی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے آئین میں شامل کیا گیا تھا۔ اس کی ابتداء کا پتہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 کے سیکشن 93 سے لگایا جا سکتا ہے۔ آئین ساز اسمبلی کے کئی ممبران جیسے کے ٹی شاہ، ایچ وی کامتھ، اور ایچ این کنزرو نے آرٹیکل 356 کے غلط استعمال کے بارے میں اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ مرکز کو ریاست کے معاملات میں معمولی بہانے سے مداخلت کرنے کے قابل بنائے گا۔ آرٹیکل 356 اب تک 110 بار استعمال کیا جا چکا ہے اور کئی سیاسی جماعتی مقاصد کے لیے غلط استعمال کیا جا چکا ہے۔ ایسی مثالیں تھیں جہاں آرٹیکل کا اطلاق کیا گیا تھا a) مرکز میں اقتدار میں پارٹی کے مفاد کو پورا کرنے کے لئے اسمبلیوں کو معطل اور تحلیل کرنا، b) اسمبلی کو معطل یا تحلیل کیے بغیر صدر راج کو جاری رکھنا، c) اس کے امکان کو تلاش کیے بغیر۔ ایک متبادل حکومت کا قیام، d) بغیر انتباہ کے صدر راج نافذ کرنا اور وزارت میں اسمبلی کا اعتماد حاصل کرنے کے معاملے کے بارے میں گورنر کے ضمنی جائزے کی بنیاد پر۔ جسٹس ایچ آر کرشنا ائیر نے کہا کہ آرٹیکل 356 سب سے زیادہ بدسلوکی اور بدنامی والی دفعہ ہے۔

خلاصہ

ہندوستانی وفاقی سیاست نے نہرو دور کے دوران مختلف مسائل پر ریاستوں کے نقطہ نظر کو مدنظر رکھنے کے لیے جمہوری خطوط پر کافی حد تک کام کیا۔ تاہم، ہندوستانی وفاقی سیاست ہندوستانی ریاستوں کی تنظیم نو کے لیے کئی سماجی، ثقافتی اور لسانی مطالبات کے لیے موافق تھی۔ خود حکمرانی کا نظریہ ایک محدود حد تک کام کی قومیت اور قانون سازی کے اختیار کے لحاظ سے دیا گیا تھا۔

لیکن 1977-1966 اور 1984-1980 کے درمیانی عرصے میں۔ وزیراعظم اندرا گاندھی نے اپنے والد کے بالکل برعکس ذاتی سیاست کی پیروی کی اور اس کی سرپرستی کی' جس کے نتیجے میں وزیراعظم کی سیاست میں اضافہ ہوا۔ اس پالیسی کے تحت، کانگریس کی حکمرانی والی ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ وزیراعظم کے ذریعہ نامزد کیے گئے تھے اور سابق وزیراعظم ان کے اعتماد کے دوران عہدے پر رہے۔ پارلیمانی جمہوریت کی بنیادی روح سے انحراف نے حکمرانی کی مختلف سطحوں پر فیصلہ سازی (حکمرانی) کو مزید مرکزیت دی۔ اس مدت کے گورنروں نے ریاستی سیاست میں (خاص طور پر معلق اسمبلیوں کے دور میں) مرکز کے ایجنٹ کے طور پر متعصّبانہ کردار ادا کرنا شروع کیا۔

بعد میں آنے والے وزرائے اعظم، یا تو واحد اکثریتی حکومتوں کی سربراہی کر رہے ہیں یا اتحادی حکومتوں کی قیادت میں وزارتوں نے بھی یہی پالیسی اپنائی ہے۔ آئین میں حد سے زیادہ خلاف ورزی کی گئی۔ آرٹیکل 356، جس نے تقریباً تمام ریاستوں کو

ایک سو سے زیادہ مرتبہ استعمال کیا ہے، اس رجحان کی واضح مثال ہے۔ کچھ آئینی ماہرین نے ریمارکس دیئے کہ حکمرانوں نے ہندوستانی جمہوری اور وفاقی سیاست کو ملک میں طبقاتی تقسیم کو برقرار رکھنے کے لیے ایک آلہ تصور کیا۔ اس لیے عوام پر مبنی ترقیاتی حکمت عملی کے ذریعے ان کے خیالات کو موڑنے کی اشد ضرورت ہے۔

مزید یہ کہ تعاون پر مبنی اور متوازن آزاد وفاقی سیاست کے کام کرنے کے لیے ایک مضبوط مرکز اور ریاستوں دونوں کی فوری ضرورت ہے۔ تب ہی مرکز اور ریاستوں کے درمیان کوئی مقابلہ نہیں ہوگا۔ نیز، ہندوستانی فیڈریشن مثبت، عقلی طور پر متعلقہ اور کم بنیادوں پر چلائی جائے گی۔

نمونہ سوالات

I. مندرجہ ذیل سوالات کے ہر ایک کا جواب 30 سطور میں دیں۔

1۔ ہندوستانی وفاقی نظام کی نوعیت کی وضاحت کریں؟

2۔ ہندوستانی آئین کی وحدتی خصوصیات پر بحث کریں؟

II. مندرجہ ذیل سوالات کے ہر ایک کا جواب 15 سطور میں دیں۔

1۔ ریاستی فہرست کے بارے میں مختصراً لکھیں؟

2۔ دوزمرہ پر مختصر طور پر لکھیں؟

III۔ صحیح جواب کا انتخاب کیجئے۔

1. کس آرٹیکل کے مطابق صدر قومی ایمرجنسی نافذ کر سکتے ہیں۔

(A) 356 (B) 360 (C) 352 (D) مندرجہ بالا میں سے کوئی نہیں

2. ہندوستان میں کتنی بار مالیاتی ایمرجنسی نافذ کی گئی۔

(A) ایک (B) دو (C) تین (D) کبھی نہیں لگایا گیا۔

3. کس عمل کو ہندوستان میں وفاقیت کا آغاز سمجھا جاتا ہے؟

(A) 1784 پٹز انڈیا ایکٹ (B) 1781 ترمیمی ایکٹ

(C) 1773 ریگولیٹنگ ایکٹ (D) مندرجہ بالا میں سے کوئی نہیں۔

4. ہندوستان میں کون سی عدالت اعلیٰ ترین عدالتی ادارہ ہے؟

(A) سپریم کورٹ (B) ہائی کورٹ (C) ڈسٹرکٹ کورٹ (D) میونسپل کورٹ

5. کس آرٹیکل کے مطابق ہندوستان کا کمپٹرولر اور آڈیٹر جنرل مقرر کیا گیا؟

(A) 72 (B) 78 (C) 148 (D) 324

14

14۔ مرکزی عاملہ

THE UNION EXECUTIVE

صدر – نائب صدر
وزیر اعظم
صدر

مقاصد

اس سبق کا مقصد ہندوستان کے صدر، نائب صدر، یونین کونسل آف منسٹرس اور وزیر اعظم کے اختیارات اور افعال کی وضاحت کرنا ہے۔

تعارف

آرٹیکل 52 سے 78 تک ہندوستانی آئین کا حصہ V مرکزی عاملہ کے معاملات سے متعلق ہے۔مرکزی عاملہ کا صدر، نائب صدراوروزیراعظم کی سربراہی میں یونین کونسل آف منسٹرز پر مشتمل ہے۔

صدر برائے نام عاملہ کا سربراہ ہوتا ہے۔

نائب صدر بہ اعتبار عہدہ راجیہ سبھا کے چیئر مین ہوتے ہیں۔

یونین کونسل آف منسٹرس میں کابینہ کے وزراء، وزرائے مملکت اور نائب وزراء شامل ہیں۔

وزیر اعظم یونین کونسل آف منسٹرز کے قائد ہیں۔

وزیر اعظم سمیت تمام وزراء کا تقرر صدر کرتے ہیں۔

صدر–اہلیت:

ہندوستانی آئین کا آرٹیکل 58 صدر کے لیے درج ذیل اہلیت سے متعلق ہے۔

A) ہندوستان کا شہری ہو

B) 35 (پینتیس) سال عمر مکمل ہو

C) ایوان کے رکن کے طور پر انتخاب کے لیے اہل ہو۔

D) حکومت ہند یا کسی ریاستی یا مقامی یا دیگر اتھارٹی کے تحت منافع کا کوئی عہدہ نہیں رکھنا چاہئے۔لیکن موجودہ صدر یا نائب صدر یا کسی بھی ریاست کا گورنر یا مرکزی یا ریاست کا کوئی وزیر صدر کے انتخاب کے لیے نااہل نہیں ہوتا ہے۔

صدر کے انتخاب کا عمل:

صدر کا انتخاب ایک الیکٹورل کالج کے ذریعہ متناسب نمائندگی کے نظام کے مطابق واحد منتقلی ووٹ کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

الیکٹورل کالج پر مشتمل ہے:

A) پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے منتخب اراکین۔

B) ریاستوں کی قانون ساز اسمبلیوں کے منتخب اراکین۔

C) دہلی اور پڈوچیری کے مرکز کے زیر انتظام علاقوں کی قانون ساز اسمبلیوں کے منتخب اراکین۔

الیکشن کا طریقہ کار:

صدر کا انتخاب الیکٹورل کالج کے ذریعے کیا جاتا ہے جس میں مرکزی مقنّنہ اور ریاستی قانون ساز اسمبلیوں کے منتخب اراکین شامل ہوتے ہیں۔قومی راجدھانی دہلی اور پڈوچیری کے منتخب اراکین نے بھی صدارتی انتخاب میں اپنا ووٹ استعمال کیا۔صدر کا انتخاب الیکٹورل کالج کے ممبران متناسب نمائندگی کے طریقہ کار کے مطابق واحد منتقلی ووٹ کے ذریعے کرتے ہیں۔انتخابات میں ووٹنگ خفیہ رائے شماری کے ذریعے ہوتی ہے۔آیئے الیکشن کے تفصیلی طریقہ کار سے معلومات حاصل کرتے ہیں۔ایم ایل اے کے ووٹ کی قیمت اسمبلی سے نکالی جاتی ہے۔اس طرح حاصل ہونے والے جز کو 1000 سے تقسیم کیا جاتا ہے۔نصف یا اس سے زیادہ کے حصوں کو ایک کے طور پر شمار کیا جانا جاتا ہے اور جز میں شامل کیا جاتا ہے۔اگر نصف سے کم ہو تو اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔یہ مندرجہ ذیل کے طور پر دکھایا جاسکتا ہے:

ایم ایل اے کے ووٹ کی قدر = $\dfrac{\text{ریاست کی آخری مردم شماری آبادی}}{\text{اسمبلی کے منتخب اراکین کی کل تعداد}}$

مثال کے طور پر: ریاست کی آبادی = 1, 00, 00, 000

اسمبلی کے منتخب ارکان = 100

ہر ووٹ کی قدر = $\dfrac{1,00,00,000 + 1,000}{100} = 100$

ایم پی اے کے ووٹ کی قدر = تمام اسمبلی ممبران کی کل مالیت / پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے منتخب اراکین کی کل تعداد

مثلاً: پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے منتخب اراکین = 750

ایم ایل اے کے ووٹوں کی کل قدر = 50,000

ایم پی اے کے ووٹ کی قدر = 50, 000 = 663
750

اس لیے ایک ایم پی کے ووٹ کی قدر = 67

امیدوار بننے کے لیے الیکشن جیتنے کے لیے ووٹوں کا کوٹہ حاصل کرنا چاہیے۔کوٹہ کا فیصلہ درست ووٹوں کی کل تعداد کو منتخب ہونے والے ممبران کی تعداد سے تقسیم کر کے اور ایک حصہ کا اضافہ کر کے کیا جاتا ہے۔اس عہدہ پر منتخب ہونے کے لیے ووٹوں کا مقررہ کوٹہ حاصل کرنا ضروری ہے۔کم سے کم ووٹ حاصل کرنے والے امیدوار کو ہٹانے اور اس کا ووٹ دوسرے کو منتقل کرنے کا طریقہ کار اس وقت تک عمل میں لایا جاتا ہے جب تک کہ ایک امیدوار کوٹہ نہیں مل جاتا، اگر اس پہلی گنتی میں کوئی امیدوار جیت نہیں پاتا تو اس پر عمل کیا جاتا ہے۔صدر کے انتخاب کو تنگ سیاسی سوچ سے بالاتر رکھنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

عہدہ کی معیاد

دستور ہند کے آرٹیکل 56 صدر کے عہدہ کی معیاد سے متعلق ہے۔صدر عہدہ سنبھالنے کی تاریخ سے پانچ سال (5 سال) کی معیاد کے لیے عہدہ پر رہیں گے۔صدر نائب صدر کو خط لکھ کر مدت سے پہلے استعفیٰ دے سکتا ہے۔

مواخذہ:

دستور ہند کے آرٹیکل 61 صدر کے مواخذے سے متعلق ہے۔ہندوستانی صدر کو آئین کی خلاف ورزی کی بنیاد پر پارلیمنٹ ممبران کے مواخذے کے ذریعے عہدے سے ہٹایا جاسکتا ہے۔پارلیمنٹ کے عدالتی عمل کے ذریعے صدر کی برطرفی کو مواخذہ کہا جاتا ہے۔اب تک کسی صدر کو مواخذے کے ذریعے نہیں ہٹایا گیا۔

صدارتی جانشینی:

اگر صدر کا عہدہ کسی بھی وجہ سے خالی ہو جاتا ہے جیسے کہ استعفیٰ، برطرفی، موت وغیرہ، ہندوستان کا نائب صدر قائم مقام صدر بن جاتا ہے۔وہ چھ ماہ سے زیادہ صدر کے فرائض سرانجام نہیں دے سکتا۔چھ ماہ کے اندر صدر کے دفتر کے انتخابات کرائے جاتے ہیں۔

عہدہ کا حلف:

دستور ہند کے کا آرٹیکل 60 صدر کے عہدے کے حلف سے متعلق ہے۔صدر ہندوستان کے چیف جسٹس کی موجودگی میں اور ان کی غیر موجودگی میں ہندوستان کی سپریم کورٹ کے سینئر ترین جج کی موجودگی میں اپنے عہدے کا حلف اٹھاتا ہے۔حلف اٹھاتے ہوئے یہ وعدہ کرتے ہیں وہ اپنے فرائض سرانجام دیں گے اور خود کو عوام کی خدمت اور فلاح و بہبود کے لیے وقف کریں گے۔

تنخواہ اور مراعات:

صدر 1000 روپے کی مراعات کا حقدار ہے۔ماہانہ اور دیگر الاؤنسز کے لیے -/5,00,000 (روپے پانچ لاکھ)۔

صدر کے اختیارات اور افعال:

ہندوستان کا صدر ہندوستانی جمہوریہ کا آئینی سربراہ ہوتا ہے۔صدر کے پاس بہت سے اختیارات اور افعال ہیں جنہیں ہندوستانی آئین کے آرٹیکل 53 میں عاملانہ اختیارات کہا گیا ہے۔جیسا کہ ہم نے پارلیمانی طرز حکومت کو اپنایا ہے صدر وزیر اعظم کی سربراہی میں یونین کونسل کے مشورے پر اپنے اختیارات استعمال کرتا ہے۔

آئین میں کہیں بھی صدر کے اختیارات کی درجہ بندی نہیں کی گئی ہے۔سہولت کی خاطر انہیں دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

یعنی:

1. عمومی طاقتیں۔
2. ہنگامی اختیارات

عام اختیارات:

صدر کے عام اختیارات کو چھ (6) اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

یعنی

A) عاملانہ اختیارات

B) قانون سازی کے اختیارات

C) مالیاتی اختیارات

D) عدالتی اختیارات

E) فوجی اختیارات

F) سفارتی اختیارات

A) عاملانہ اختیارات

ہندوستانی آئین کا آرٹیکل 53 کہتا ہے کہ مرکز کے تمام عاملانہ اختیارات صدر کے ہاتھ میں ہوں گے اور وہ راست یا اس کے ماتحت افسران کے ذریعے استعمال کریں گے۔صدر کئی اعلیٰ سطحی تقرریاں کرتے ہیں جیسے وزرائے اعظم، یونین کونسل، ریاستی گورنر، سپریم اور ہائی کورٹس کے جج، قانونی کمیشن کے چیئرمین اور ممبران، یونین پبلک سروس کمیشن (UPSC)، اٹارنی جنرل آف انڈیا، چیف الیکشن۔کمشنر آف انڈیا شامل ہیں۔

عام طور پر صدر یہ تمام تقرریاں وزیر اعظم کی سربراہی میں مرکزی وزراء کی کونسل کے مشورے پر کرتا ہے۔

B) قانون سازی کے اختیارات:

حالاں کہ صدر جمہوریہ پارلیمنٹ کے کسی ایوان کے رکن نہیں ہوتے۔انہیں پارلیمنٹ کا اٹوٹ حصہ سمجھا جاتا ہے۔صدر پارلیمنٹ کے ایوانوں کو طلب اور معطل کرسکتا ہے۔اس کے پاس لوک سبھا کو تحلیل کرنے کا اختیار ہے۔وہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس طلب کرسکتا ہے۔وہ سائنس، آرٹس، ادب اور سماجی خدمات کے شعبوں سے بارہ (12) اراکین کو راجیہ سبھا کے لیے نامزد کرتا ہے۔وہ پارلیمنٹ سے خطاب کرسکتا ہے۔جب پارلیمنٹ کا اجلاس نہ ہوتو وہ آرڈیننس جاری کرسکتا ہے۔منی بل صرف لوک سبھا میں اور صدر کی پیشگی رضامندی سے پیش کیا جاسکتا ہے۔پارلیمنٹ سے منظور شدہ بل صرف ایک قانون بن جاتا ہے جسے صدر کی منظوری مل جاتی ہے۔وہ پارلیمنٹ کے ایوانوں میں پیغامات بھیج سکتا ہے۔

C) مالی اختیارات

مالیاتی بل صدر کی پیشگی اجازت سے پارلیمنٹ میں پیش کیا جاتا ہے۔بجٹ صدر کی طرف سے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔وہ وقتاً فوقتاً ایک مالیاتی کمیشن تشکیل دیتا ہے۔وہ فنانس کمیشن، کمپٹر ولر اینڈ آڈیٹر جنرل آف انڈیا اور یونین پبلک سروس کمیشن وغیرہ کی رپورٹوں کو غور اور منظوری کے لیے پارلیمنٹ کو بھیجتا ہے۔

D) عدالتی اختیارات:

صدر ہند، سپریم اور ہائی کورٹس کے ججوں کا تقرر کرتا ہے۔اسے معافی، مہلت، مہلت یا سزاؤں میں معافی دینے یا کسی بھی عہدے پر سزا یافتہ کسی بھی شخص کی سزا کو کم کرنے کے عمل کو معطل کرنے کا اختیار ہے۔

E) فوجی اختیارات:

صدر دفاعی افواج کے سپریم کمانڈر ہوتے ہیں۔اس حیثیت میں وہ دوسرے ممالک کے ساتھ جنگ، معاہدے یا امن کا اعلان کرسکتا ہے۔

G) سفارتی اختیارات:

صدر بیرونی ممالک میں سفیروں کی تقرری کرتا ہے۔وہ دوسرے ممالک کے ساتھ معاہدوں اور معاہدوں کو پارلیمنٹ کی توثیق سے مشروط کرتا ہے۔وہ بین الاقوامی معاملات میں ہماری قوم کی نمائندگی کرتا ہے۔

ہنگامی اختیارات

آرٹیکل 352 سے 360 صدر کے ہنگامی اختیارات سے متعلق ہیں۔صدر کو تین قسم کے ہنگامی اختیارات استعمال کرنے کا اختیار حاصل ہے۔وہ ہیں:

A) قومی ایمرجنسی صورتحال (آرٹیکل-352)

B) ریاستی ایمرجنسی یا صدر راج (آرٹیکل-356)

C) مالیاتی ایمرجنسی (آرٹیکل-360)

A) قومی ایمرجنسی صورتحال (آرٹیکل-352)

اگر صدر اس بات سے مطمئن ہے کہ ملک یا اس کے علاقے کے کسی حصے میں سنگین ایمرجنسی موجود ہے اور اسے جنگ یا ابدی جارحیت یا مسلح بغاوت کا خطرہ ہے تو وہ یونین کونسل آف منسٹرز کے تحریری مشورے پر قومی ایمرجنسی نافذ کر سکتا ہے۔اس طرح کے اعلان کو پارلیمنٹ سے ایک ماہ کے اندر اندر ہر ایوان میں موجود اور ووٹنگ کے 2/3 ارکان کی اکثریت کے ساتھ منظور کرنا ہوگا۔

یہ اعلان چھ ماہ کے لیے نافذ العمل ہوگا۔پارلیمنٹ کی منظوری سے اسے مزید چھ ماہ تک بڑھایا جا سکتا ہے۔

قومی ایمرجنسی کے دوران یونین پارلیمنٹ کو ریاستی فہرست کے آرٹیکل پر قانون بنانے کا اختیار حاصل ہے۔آرٹیکل 20 اور 21 کے علاوہ تمام بنیادی حقوق صدر معطل کر دیں گے۔اب تک اس ایمرجنسی کا تین (3) بار اعلان کیا جا چکا ہے۔1962، 1965 اور 1971 میں جنگ کی وجہ سے اور 1975 میں اندرونی خلفشار کی وجہ سے۔

B) ریاستی ایمرجنسی یا صدر کا اصول (آرٹیکل-356)

اگر کوئی بھی ریاستی حکومت آئین کی دفعات کے مطابق کام نہیں کرتی ہے تو آرٹیکل 356 کے مطابق صدر راج کا اعلان کیا جا سکتا ہے۔اسے ریاستی ایمرجنسی یا آئینی ایمرجنسی بھی کہا جاتا ہے۔اس دوران ریاستی نظم ونسق مرکزی حکومت کے ذریعے انجام دیا جائے گا۔ریاستی اسمبلی معطل یا تحلیل ہو سکتی ہے۔

اس ہنگامی اعلان کی پارلیمنٹ سے دو ماہ کے اندر منظوری دی جائے گی۔1950 سے لے کر اب تک 110 سے زیادہ بار

صدارتی راج کا اعلان کیا جا چکا ہے۔

C) مالیاتی ایمرجنسی (آرٹیکل-360)

اگر ملک میں مالیاتی استحکام کو بڑا خطرہ ہو تو آرٹیکل 360 کے مطابق مالیاتی ایمرجنسی کا اعلان کر سکتے ہیں۔اس دوران سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس سمیت تمام ملازمین کی تنخواہوں میں کچھ حد تک کمی کی جا سکتی ہے۔ مرکزی حکومت کو مالی معاملات پر مکمل اختیارات حاصل ہیں۔ ہندوستان میں آج تک مالیاتی ایمرجنسی کا اعلان نہیں کیا گیا ہے۔

جیسا کہ ہمارے پاس پارلیمانی طرز حکومت ہے اس کے دو سربراہ ہیں۔یعنی مملکت رقوم کا سربراہ اور حکومت کا سربراہ۔آئین کے آرٹیکل 74 کے مطابق صدر (جو قوم کا سربراہ ہے) وزیراعظم کی سربراہی میں یونین کونسل آف منسٹرز کے مشورے کے مطابق کام کرنے کا پابند ہے۔

اصل اختیارات وزیراعظم کی سربراہی میں وزراء کی کونسل استعمال کرتی ہے جو حکومت کے سربراہ کے طور پر کام کرتی ہے۔

اسے آئینی اقدار اور پارلیمانی جمہوریت کے کنونشنز کا بھی تحفظ کرنا ہے۔

ہندوستان کے پہلے صدر بابو راجندر پرساد تھے اور موجودہ اور 15 ویں صدر دروپدی مرمو ہیں۔

نائب صدر THE VICE - PRESIDENT

تعارف:

آرٹیکل 71-63 ہندوستان کے نائب صدر سے متعلق ہیں۔امریکی آئین کی طرز پر ہندوستانی آئین نائب صدر کا عہدہ بھی فراہم کرتا ہے۔آرٹیکل 63 کہتا ہے کہ ایک نائب صدر بھی ہوگا۔

نائب صدر–اہلیت:

اسے ہندوستان کا شہری ہونا چاہیے۔35 سال سے زیادہ عمر اور کوئی بھی منافع بخش عہدہ نہیں رکھنا چاہئے اور اس کے پاس وہ تمام قابلیت ہونی چاہئے جو راجیہ سبھا کا رکن بننے کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔

نائب صدر کا انتخاب:

نائب صدر کا انتخاب پارلیمنٹ کے تمام اراکین بالواسطہ طور پر کرتے ہیں۔

عہدہ کی معیاد:

نائب صدر کی میعاد 5 سال ہوتی ہے۔ وہ صدر کو خط لکھ کر مدت سے پہلے استعفیٰ دے سکتا ہے۔

تنخواہ:

آئین نائب صدر کی کوئی تنخواہ فراہم نہیں کرتا۔تاہم نائب صدر راجیہ سبھا کے بہ اعتبار عہدہ چیئر مین ہوتے ہیں۔اس حیثیت کے مطابق انہیں ماہانہ 4 لاکھ روپے تنخواہ دیگر سہولیات کے ساتھ ملتی ہے۔

برطرفی

نائب صدر کو راجیہ سبھا کے ممبران 2 / 3 اکثریت کے ساتھ ممبران کی طرف سے منظور کردہ قرارداد کی بنیاد پر برطرف کیا جاسکتا ہے۔البتہ لوک سبھا کے ارکان کو اس کی حمایت کرنی چاہیے۔

نائب صدر کے اختیارات اور افعال:

ہندوستانی آئین نے نائب صدر کو کوئی خاص اختیارات نہیں دیئے ہیں۔تاہم وہ دو اہم کام انجام دیتا ہے۔

1. نائب صدر، راجیہ سبھا کا چیئر مین ہوتا ہے۔وہ راجیہ سبھا کے اجلاسوں کی صدارت کرتا ہے۔اس حیثیت میں اسے صرف تنخواہ ملتی ہے۔
2. نائب صدر، صدر کی عارضی غیر موجودگی میں صدر کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔اگر صدر کا عہدہ کسی بھی وجہ سے خالی ہو جائے جیسے موت، استعفیٰ، برطرفی وغیرہ، نائب صدر، صدر کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔

تاہم وہ چھ ماہ سے زیادہ صدر کے فرائض سرانجام نہیں دے سکتے۔ چھ ماہ کے اندر صدر کے عہدے کے لیے انتخابات کرائے جائیں۔

اس طرح، ہندوستان کے نائب صدر راجیہ سبھا کے چیئر مین کے طور پر کام کرتے ہوئے مرکزی پارلیمنٹ کے قانون سازی کے عمل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔اگرچہ آئین نے انہیں کوئی خاص اختیارات نہیں دیے ہیں لیکن نائب صدر کا عہدہ ایک بڑا وقار کا حامل عہدہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ایس رادھا کرشنن، وینکٹ رمن، کے آر۔ نارائنن، وینکیا نائیڈو وغیرہ نے اس عہدہ کا سب سے زیادہ احترام کیا ہے۔

پہلے نائب صدر ایس رادھا کرشنن تھے اور موجودہ نائب صدر جگدیپ دھنکھر ہیں۔

وزیراعظم THE PRIME MINISTER

تعارف:

جیسا کہ ہم نے ہندوستان میں پارلیمانی طرز حکومت کو اپنایا ہے اس کے دو سربراہ ہیں۔یعنی ریاست کا سربراہ اور حکومت کا سربراہ۔ ریاست کا سربراہ صدر ہے اور حکومت کا سربراہ وزیر اعظم ہے۔ وزیر اعظم یونین کونسل آف منسٹرز کے پائلٹ ہیں۔مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرنا بہت ضروری ہے جن کے ساتھ وزیر اعظم اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ اس طرح، یہ سبق دو پہلوؤں سے متعلق ہے، یعنی یونین کونسل آف منسٹرس اور وزیر اعظم ہند۔

یونین کونسل آف منسٹرس کمپوزیشن:

ہندوستانی آئین کا آرٹیکل 74 کہتا ہے کہ وزیر اعظم کے ساتھ وزیر کی کونسل ہوگی جو صدر کو اپنے اختیارات سے لطف اندوز ہونے میں مشورہ دے گی۔ وزیر اعظم سمیت تمام وزراء کا تقرر صدر کرتا ہے۔ وزیر بننے کی بنیادی اہلیت یہ ہے۔

1) اسے ہندوستان کا شہری ہونا چاہیے۔

2) اس کے پاس پارلیمنٹ کے کسی بھی ایوان میں رکنیت ہونی چاہیے۔

معیاد اور برطرفی

وزیر اعظم سمیت تمام وزراء آئینی طور پر صدر کی خوشنودی کے دوران عہدہ جاری رکھتے ہیں لیکن عملی طور پر اور اصل میں وہ عہدہ اس وقت تک جاری رکھتے ہیں جب تک انہیں لوک سبھا میں اکثریت حاصل ہے۔ ہندوستانی آئین نے وزراء کی کوئی درجہ بندی فراہم نہیں کی لیکن وزراء کی تین قسمیں ہیں:

1. کابینہ کے وزراء
2. وزرائے مملکت
3. نائب وزراء

اس کے علاوہ وزیر اعظم کی طرف سے پارلیمانی سیکرٹری بھی ہو سکتے ہیں۔

1. کابینہ کے وزراء:

سب سے اہم محکمے جیسے کہ داخلہ، دفاع، خزانہ، زراعت، ریلوے وغیرہ ان وزراء کو دیے گئے ہیں۔ ان وزراء کے پاس انتظامیہ میں کافی تجربہ اور استعداد ہونی چاہیے۔ کابینہ کے وزراء کو اپنے محکموں کے حوالے سے فیصلہ سازی کے اختیارات میں آزادی حاصل ہے۔ وہ حکومت کی فیصلہ سازی کی پالیسی اور تمام اہم معاملات میں وزیر اعظم کے ساتھ بات چیت میں حصہ لیتے ہیں۔

2. ریاست کے وزراء: یہ وزراء عام طور پر کابینہ کے وزراء کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ بعض اوقات بعض وزراء کو قلمدان کی آزادانہ ذمہ داری دی جا سکتی ہے۔

3. نائب وزراء: نائب وزراء کو کابینہ کے وزراء کے ماتحت کام کرنا ہوتا ہے۔ وہ کابینہ کے اجلاسوں میں حصہ نہیں لیتے۔ انہیں کوئی آزادانہ اختیارات حاصل نہیں ہیں۔

یونین کونسل آف منسٹرز کے اختیارات اور افعال:

1. یونین کونسل آف منسٹرز ملک میں انتظامیہ کی ذمہ دار ہیں۔
2. وہ مرکزی حکومت کی مختلف پالیسیوں اور پروگراموں کو نافذ کرتے ہیں۔
3. آرڈیننس صدر صرف یونین کونسل آف منسٹرز کے مشورے پر جاری کرتے ہیں۔
4. وہ مختلف محکموں کے انتظام کے ذمہ دار ہیں۔
5. وزراء کی کونسل ملک میں امن و امان کی ذمہ دار ہے۔
6. قومی مسائل جیسے اقتصادی، تعلیمی، ثقافتی، سماجی اور دیگر معاملات وزراء کے ذریعہ محفوظ ہیں۔
7. کابینہ ملک کے دفاع کی ذمہ دار ہے۔
8. بجٹ تیار کرتے ہیں اور اسے لوک سبھا میں پیش کرتے ہیں۔
9. یونین کونسل آف منسٹرز کے زیر کنٹرول ملکی علاقے میں مالی معاملات طے ہوتے ہیں۔
10. کونسل جوڈیشل ریویو یا نظر ثانی کے اختیار سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔
11. وہ ملک میں تمام طبقات کی فلاح و بہبود کے لیے مختلف اصول وضوابط بناتے ہیں۔
12. وہ ملک کے تمام طبقات کی ہمہ جہت ترقی کے لیے مختلف منصوبے بناتے ہیں۔
13. وہ بیرونی ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات برقرار رکھتے ہیں اور خارجہ پالیسیوں کو وزراء کے ذریعہ نافذ کیا جاتا ہے۔

اس طرح یونین کونسل آف منسٹرز ملک کے نظم و نسق میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ عملی طور پر کل انتظامی امور صرف وزراء ہی انجام دیں گے۔

ہندوستان کے وزیر اعظم: THE PRIME MINISTER OF INDIA:

وزیر اعظم مرکزی حکومت کے حقیقی سربراہ ہیں۔ وزیر اعظم 'امریکی صدر کی طرح بہت سے اختیارات کا حامل ہوتا ہے۔ اسے ''ستاروں کے درمیان چاند'' کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔ پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو تھے اور وزیر اعظم نریندر دامودھر داس مودی ہیں۔

تقرر

آرٹیکل-75 (1) کہتا ہے کہ وزیر اعظم کا تقرر صدر کے ذریعہ کیا جائے گا عام طور پر لوک سبھا کے انتخابات کے بعد صدر

اکثریتی پارٹی کے رہنما کو حکومت بنانے کی دعوت دیتا ہے اور اسے وزیر اعظم کے طور پر تقرر کرتا ہے۔لیکن اگر کسی جماعت کو کافی اکثریت حاصل نہ ہو تو صدر کسی کو بھی وزیر اعظم مقرر کرسکتا ہے جو اس کی رائے سے حکومت بنا سکتا ہے۔

اہلیت:

آئین کے مطابق ہندوستانی پارلیمنٹ کے کسی بھی ایوان کے رکن کو وزیر اعظم بنایا جاسکتا ہے۔لیکن عملی طور پر بہتر ہے کہ وزیر اعظم کا تعلق صرف لوک سبھا سے ہو۔اب تک تمام وزرائے اعظم سوائے 1966 میں اندرا گاندھی، 1996 میں دیوا گوڑا اور 2004 میں من موہن سنگھ لوک سبھا سے تعلق رکھتے تھے۔

اگر وزیر اعظم کے پاس پارلیمنٹ کے کسی بھی ایوان کی رکنیت نہیں ہے تو اسے عہدہ سنبھالنے کی تاریخ سے چھ ماہ کے اندر پارلیمنٹ کے کسی بھی ایوان کے لیے منتخب ہونا ہوگا۔

معیاد اور برطرفی

آئین کے آرٹیکل 75(2) کے مطابق وزیر اعظم اور ان کی وزراء کونسل صدر کی خوشنودی کے دوران عہدہ پر کام جاری رکھیں گے لیکن عملی طور پر وہ اس وقت تک عہدہ پر برقرار رہ سکتے ہیں جب تک کہ انہیں صدر کی حمایت اور اعتماد حاصل ہو۔

وزیر اعظم کے اختیارات اور افعال:

ہندوستانی آئین نے وزیر اعظم کو کوئی خاص اختیارات اور افعال فراہم نہیں کیے ہیں۔لیکن عملی طور پر وہ بہت سے اختیارات اور افعال استعمال کرتا ہے جو درج ذیل ہیں:

حکومت کی تشکیل:

وزیر اعظم' وزارت کی تشکیل کرتے ہیں۔تمام یونین کونسلز کا تقرر صدر وزیر اعظم کے مشورے پر کرتے ہیں۔وزیر اعظم اپنی مرضی کے مطابق وزراء کا انتخاب کرنے میں بالکل آزاد ہیں۔وہ وزراء کو تبدیل کر سکتے ہیں اور وہ کسی بھی وزیر سے استعفیٰ مانگ سکتا ہے۔لہٰذا، وزیر اعظم مرکز کی سطح پر حکومت بنانے اور حکومت گرانے کا اختیار رکھتا ہے۔

قلمدانوں کی تقسیم:

وزارت کی تشکیل کے بعد وزیر اعظم اپنے وزراء کو قلمدان تفویض کرتے ہیں۔وہ وزراء کے قلمدان بدل سکتے ہیں۔

کابینہ کے رہنما:

وزیر اعظم پارلیمنٹ میں اکثریتی پارٹی کا قائد ہوتا ہے۔اس حیثیت میں وہ اپنی پارٹی کی پالیسیوں اور وعدوں کو عملی جامہ

پہناتے ہیں۔ وہ پارلیمنٹ میں پارٹی ممبران کی نگرانی کرتا ہے۔

پارلیمنٹ اور اکثریتی پارٹی میں قیادت:

وزیراعظم پارلیمنٹ میں اکثریتی پارٹی کا قائد ہوتا ہے۔ اس حیثیت میں، وہ اپنی پارٹی کی پالیسیوں اور وعدوں کو نافذ کرتا ہے۔ وہ پارلیمنٹ میں پارٹی ممبران کو کنٹرول کرتا ہے۔

صدر اور پارلیمنٹ کے درمیان رابطہ:

وزیراعظم پارلیمنٹ کے تمام فیصلوں سے صدر کو آگاہ کرتا ہے۔ وہ صدر کے پیغامات سے پارلیمنٹ کو بھی آگاہ کرتا ہے۔

صدر اور کابینہ کے وزراء کے درمیان رابطہ:

وزیراعظم کابینہ کے فیصلوں سے صدر کو آگاہ کرتے ہیں۔ وہ صدر کے پیغامات کابینہ کے وزراء تک بھی پہنچاتے ہیں۔

لوک سبھا کا قائد:

وزیراعظم کو لوک سبھا کا قائد مانا جاتا ہے۔ اس صلاحیت میں وہ لوک سبھا اور راجیہ سبھا کی میٹنگوں میں حصہ لیتا ہے۔

قوم کا قائد:

وزیراعظم قوم کا قائد ہوتا ہے۔ اس حیثیت میں وہ ملک کے مختلف مقامات کا دورہ کرتے ہیں اور لوگوں کے مسائل حل کرتے ہیں۔

خارجہ پالیسی ساز:

وزیراعظم قوم کی خارجہ پالیسی کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ دوسرے ممالک کے ساتھ دوستانہ تعلقات کا دارومدار وزیراعظم کی شخصیت اور کارکردگی پر ہوتا ہے۔

جواہر لال نہرو نے غیر جانبداریت کی پالیسی کے بنیادی بانی کے طور پر اہم کردار ادا کیا۔

اس طرح وزیراعظم حکومت میں سب سے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وزیراعظم کا کردار بالآخر ان کے تجربے، صلاحیت، خلوص، لگن، کارکردگی، شخصیت، ان کے وزراء کے معیار، لوک سبھا، ان کے وزراء، پارٹی اور سرکاری ملازمین کی حمایت پر منحصر ہے۔

خلاصہ: SUMMARY

صدرمملکت کا برائے نام سربراہ ہوتا ہے۔

وہ آئینی سربراہ ہیں۔

وہ ہندوستان کے پہلے شہری ہیں۔

آرٹیکل 53 کے مطابق مرکزی حکومت کے تمام انتظامی اختیارات اس کے پاس ہیں۔

صدر کا انتخاب ایک الیکٹورل کالج کے ذریعے کیا جاتا ہے جس میں پارلیمنٹ کے منتخب اراکین اور ریاستی قانون ساز اسمبلیوں کے منتخب اراکین بشمول دہلی اور پڈوچیری کی قانون ساز اسمبلیوں کے منتخب اراکین شامل ہوتے ہیں۔

ان کے ہنگامی اختیارات تین طرح کے ہوتے ہیں۔ وہ ہیں

A. قومی ایمرجنسی (آرٹیکل-362)۔ یہ اب تک تین بار جنگ کی وجہ سے اور ایک بار اندرونی خلفشار کی وجہ سے اعلان کیا جاچکا ہے۔

B. صدر راج یا ریاستی ایمرجنسی (آرٹیکل-352)۔110 سے زیادہ بار، اس کا اعلان کیا جاچکا ہے۔

C. مالیاتی ایمرجنسی (آرٹیکل-360)۔ابھی تک اس کا اعلان نہیں کیا گیا ہے۔

وزیراعظم کے اختیارات اور افعال:

1. حکومت تشکیل دیتی ہے۔
2. پورٹ فولیوز کی تقسیم
3. کابینہ کا رہنما
4. پارلیمنٹ اور اکثریتی پارٹی میں قیادت۔
5. صدر اور پارلیمنٹ کے درمیان رابطہ کی کڑی
6. صدر اور کابینہ کے وزراء کے درمیان رابطہ کی کڑی۔
7. لوک سبھا کا قائد۔
8. قوم کا قائد
9. خارجہ پالیسی ساز۔

پہلے وزیراعظم جواہر لال نہرو تھے اور موجودہ وزیراعظم نریندر دامودھر داس مودی ہیں۔

اپنے پیش رفت کی جانچ کیجئے:

1. الیکٹورل کالج کے ممبران کون ہیں؟

جواب: الیکٹورل کالج کے اراکین ہوتے ہیں: پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے منتخب اراکین، ریاستی قانون ساز اسمبلیوں کے منتخب اراکین۔ دہلی اور پڈوچیری کی قانون ساز اسمبلیوں کے منتخب اراکین۔

2. صدر کے کسی بھی تین عاملانہ اختیارات کا ذکر کریں۔

جواب: آرٹیکل-53 کے مطابق مرکزی عاملانہ اختیارات صدر کے ہاتھ میں ہوں گے اور وہ راست یا اس کے ماتحت افسران کے ذریعہ استعمال کریں گے۔ صدر کئی تقرریاں کرتا ہے۔ ان میں سے کچھ وزیر اعظم، یونین کونسل آف منسٹرز، ریاستی گورنرز، سپریم اور ہائی کورٹس کے ججز، قانونی کمیشنوں کے چیئرمین اور ممبران، الیکشن کمیشن، الیکشن کمشنرز، یونین پبلک سروس کمیشن وغیرہ ہیں۔

3. قومی ایمرجنسی کے اثرات لکھیں۔

جواب: قومی ایمرجنسی کے دوران یونین پارلیمنٹ کو ریاستی فہرست کے موضوعات پر قانون بنانے کا اختیار حاصل ہے۔ آرٹیکل 20 اور 21 کے علاوہ تمام بنیادی حقوق صدر معطل کر دیں گے۔ اب تک اس ایمرجنسی کا تین اعلان کیا جا چکا ہے۔ 1962، 1965 اور 1971 میں جنگ کی وجہ سے اور 1975 میں اندرونی خلفشار کی وجہ سے۔

4. نائب صدر کے افعال تحریر کریں۔

جواب: ہندوستانی آئین نے نائب صدر کو کوئی خاص اختیارات نہیں دیئے گئے ہیں۔ تاہم وہ دو اہم کام انجام دیتا ہے۔ وہ راجیہ سبھا کے چیئرمین ہوتا۔ وہ راجیہ سبھا کے اجلاسوں کی صدارت کرتا ہے۔ وہ صدر کی عارضی غیر موجودگی میں صدر کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے۔

5. یونین کونسل آف منسٹرز کی تنظیم تحریر کریں۔

جواب: وزیر کی تین قسمیں ہیں، یعنی کابینہ کے وزیر، وزرائے مملکت اور نائب وزیر۔

6. وزیر اعظم کی تقرری کیسے کی جاتی ہے؟

جواب: آرٹیکل-75(1) کہتا ہے کہ وزیر اعظم کا تقرر صدر کے ذریعہ عام طور پر لوک سبھا کے انتخابات کے بعد کیا جائے گا، صدر اکثریتی پارٹی کے لیڈر کو حکومت بنانے کے لیے مدعو کرتا ہے اور اسے وزیر اعظم مقرر کرتا ہے۔ لیکن اگر کسی پارٹی کو خاطر خواہ اکثریت حاصل نہ ہو تو صدر کسی کو بھی وزیر اعظم مقرر کر سکتا ہے جو ان کی رائے میں حکومت بنا سکے۔

7. وزیر اعظم کے اختیارات اور افعال کی وضاحت کریں۔

جواب: وزیر اعظم حکومت کا سربراہ ہوتا ہے۔ وہ حکومت بناتا ہے۔ وہ وزراء کو قلمدان تفویض کرتا ہے۔ وہ کابینہ، پارٹی اور پارلیمنٹ کے سربراہ ہیں۔ وہ قوم کے رہنما اور خارجہ پالیسی بنانے والے ہیں۔

امتحانی سوالات کا نمونہ

8 نشانات کے سوالات۔

1. ہندوستان کے صدر کے اختیارات اور افعال کیا ہیں؟
2. صدر کے ہنگامی اختیارات کا جائزہ لیں۔
3. وزیر اعظم کے اختیارات اور افعال کی وضاحت کریں۔

4 نشانات کے سوالات:

1. ہندوستان کے صدر کے انتخاب کے طریقہ کار کی وضاحت کریں۔
2. ہندوستان کے صدر کے قانون سازی کے اختیارات لکھیں۔
3. ہندوستان کے صدر کے اختیارات پر ایک نوٹ لکھیں۔
4. ہندوستان کے نائب صدر کے اختیارات پر بحث کریں۔
5. وزیر اعظم کی تقرری کیسے کی جاتی ہے؟

2 نشانات کے سوالات

1. ہندوستانی صدر کا انتخاب کس کے ذریعے ہوتا ہے؟
2. ہندوستان کے صدر کے طور پر کام کرنے والے چار افراد کے نام بتائیے۔
3. ہندوستان کے صدر کا ان کے عہدہ سے مواخذہ کیسے کیا جاتا ہے؟
4. مرکزی حکومت میں کتنے قسم کے وزراء ہوتے ہیں؟ ان کے زمروں کی شناخت کریں۔
5. صدر جمہوریہ ہند نے آرٹیکل 352 کو کتنی بار اور کس تناظر میں استعمال کیا؟
6. مرکزی حکومت میں وزراء کی اقسام کا ذکر کریں۔

1 نشان کے سوالات

1. ہندوستانی پارلیمنٹ کا اٹوٹ انگ کون ہے؟ (   )

A) صدر　B) وزیر اعظم

C) نائب صدر　D) لوک سبھا اسپیکر۔

2. ہندوستانی پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس کی صدارت کون کرتا ہے؟ ( )

A) صدر B) نائب صدر

C) وزیراعظم D) لوک سبھا اسپیکر

3. پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس کون طلب کرے گا؟ ( )

A) لوک سبھا اسپیکر B) صدر

C) نائب صدر D) وزیراعظم

4. نائب صدر کا انتخاب کس کے ذریعے ہوتا ہے؟ ( )

A) وزیر داخلہ B) تمام پارلیمنٹ ممبران

C) راجیہ سبھا ممبران D) صدر

5. ہندوستانی مسلح افواج کا سپریم کمانڈر کون ہے؟ ( )

A) صدر B) نائب صدر

C) وزیراعظم D) ہندوستان کا وزیر دفاع

6. ہندوستان کا پہلا وزیراعظم کون تھا؟ ( )

A) جواہر لعل نہرو B) لال بہادر شاستری۔

C) اندرا گاندھی D) راجیو گاندھی

/☆☆/

15

15۔ مرکزی مقنّنہ

UNION LEGISLATURE

مقاصد

اس باب کو پڑھنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ؛

☆ ہندوستانی پارلیمانی نظام کی نوعیت کو سمجھیں۔

☆ ہندوستانی پارلیمنٹ کی ساخت بیان کریں۔ راجیہ سبھا اور لوک سبھا

☆ پارلیمنٹ کے مختص کردہ کے افعال کی وضاحت کریں۔

☆ حکومت کے ہموار کام کرنے میں پارلیمانی کمیٹیوں کی اہمیت کا جائزہ لیں۔

تعارف

ہندوستانی حکومت پارلیمانی طرز حکومت کی پیروی کرتی ہے۔ اسے حکومت کا Westminster ماڈل بھی کہا جاتا ہے۔ آئین کے حصہ V میں آرٹیکل 79 تا 122 مرکز کی سطح پر پارلیمنٹ کی تنظیم، ساخت، میعاد، افسران کے طریقہ کار، مراعات، اختیارات اور اسی طرح سے متعلق ہے۔ یہ ملک کا سب سے بڑا قانون ساز ادارہ ہے۔ ہندوستانی آئین کے وضع کرنے والوں نے جمہوریت کے اصولوں کو فروغ دینے کے لیے حکومت کی ایک پارلیمانی شکل اختیار کی جیسے فیصلہ سازی کے عمل میں لوگوں کی شرکت، عاملہ کی جوابدہی۔

آرٹیکل 79 کے مطابق پارلیمنٹ ملک کے صدر، ریاستوں کی کونسل پر مشتمل ہے جسے راجیہ سبھا بھی کہا جاتا ہے اور عوام کا ایوان جسے لوک سبھا بھی کہا جاتا ہے۔

پارلیمنٹ = لوک سبھا + راجیہ سبھا + رکن۔

ایوان کی ساخت

ہندوستان کی پارلیمنٹ دو ایوانوں کی قانون سازی ہے جس کا مطلب ہے کہ بیٹھ کر اجلاس کرنا' پارلیمنٹ کے دو ایوانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

ریاستوں کی کونسل (ایوان بالا) (راجیہ سبھا)

ایوان زیریں (لوک سبھا)

راجیہ سبھا کی تشکیل

یہ پارلیمنٹ کا ایوان بالا (دوسرا ایوان یا بزرگوں کا ایوان) ہے۔ یہ ہندوستانی یونین کی ریاستوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ راجیہ سبھا ارکان کے دوطبقوں پر مشتمل ہے یعنی ریاستوں اور مرکز کے زیرانتظام علاقوں کے نامزد ارکان اور نمائندے (براہ راست منتخب)۔ آئین یہ فراہم کرتا ہے کہ راجیہ سبھا 250 ارکان پر مشتمل ہوگی، جن میں سے 238 ' ریاستوں کے نمائندے ہوں گے اور 12 ممبران صدر کے ذریعے ایسے افراد میں سے نامزد ہوں گے جو ادب، سائنس، آرٹ اور سماجی خدمات جیسے معاملات کے حوالے سے خصوصی علم یا عملی تجربہ رکھتے ہوں۔ اور ریاستوں اور یونین ٹیریٹریز کے 238 نمائندوں سے زیادہ نہیں۔

ہندوستان کے نائب صدر راجیہ سبھا کے بہ اعتبار عہدہ چیئرمین ہوں گے۔ وہ راجیہ سبھا کے اجلاس کی صدارت کرتے ہیں۔ ایوان اپنے اراکین میں سے ایک ڈپٹی چیئرمین کا انتخاب بھی کرتا ہے۔

انتخاب Election

راجیہ سبھا میں ریاستوں اور مرکز کے زیرانتظام علاقوں کے نمائندوں کا انتخاب بالواسطہ انتخاب کے طریقہ کار سے ہوتا ہے۔ ہر ریاست اور تین مرکز کے زیرانتظام علاقوں (دہلی، پڈوچیری، اور جموں وکشمیر) کے نمائندوں کا انتخاب اس ریاست کی قانون ساز اسمبلی کے منتخب اراکین اور اس یونین ٹریٹری کے لیے الیکٹورل کالج کے اراکین کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ واحد منتقلی ووٹ کے ذریعہ متناسب نمائندگی کے نظام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ صدر جمہوریہ ہند کی طرف سے نامزد کردہ 12 ارکان میں سے جن کے پاس ادب، سائنس، آرٹ اور سماجی خدمات کا خاص علم جغرافیائی تجربہ ہے۔

میعاد

راجیہ سبھا مستقل ایوان ہے اور لوک سبھا کی طرح تحلیل کے تابع نہیں ہے۔ تاہم، اس کے ارکان کا ایک تہائی دو سال میں ریٹائر ہو جاتا ہے۔ راجیہ سبھا کے اراکین کا انتخاب ریاستی قانون ساز اسمبلیوں کے منتخب اراکین کے ذریعہ چھ سال کی مدت کے لیے، متناسب نمائندگی کے نظام کے مطابق واحد منتقلی ووٹ کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ راجیہ سبھا میں درج فہرست ذاتوں اور قبائل کے لیے کوئی نشستیں محفوظ نہیں ہیں۔

چیئرمین کے عہدے سے برطرفی

ہندوستان کے نائب صدر راجیہ سبھا کے بہ اعتبار عہدہ چیئرمین ہیں۔ راجیہ سبھا کے چیئرمین کی معیاد عام طور پر پانچ سال پر ختم ہوتی ہے۔ کونسل کے تمام اس وقت کے ارکان کی اکثریت سے منظور شدہ کونسل کی قرارداد کے ذریعے چیئرمین کو اس کے عہدے سے

برطرف کیا جاسکتا ہے، جسے لوک سبھا نے سادہ اکثریت سے منظور کرنا ہے۔ لیکن ایسی قرارداد چیئر مین کو کم از کم 14 دن کا نوٹس دے کر ہی پیش کی جاسکتی ہے۔

اہلیت:

راجیہ سبھا کے ممبر کے لیے کچھ اہلیتیں ہیں۔ وہ ہیں

1. اسے ہندوستانی شہری ہونا چاہیے۔
2. عمر 30 سال سے کم نہیں ہونی چاہیے۔
3. منتخب یا پارلیمانی حلقے کے لیے رجسٹرڈ ہونا ضروری ہے۔
4. پارلیمنٹ کی طرف سے متعین کردہ تمام اہلیتوں کا ہونا ضروری ہے۔

کورم Quorum

کل اراکین میں سے 1/10 اجلاس منعقد کرنے کے لیے حاضر ہوں گے، پریزائیڈنگ افسر ایوان میں کورم کو مدنظر رکھتے ہوئے اجلاس منعقد کرے گا۔ کسی خاص دن کورم نہ ہونے کی صورت میں وہ اجلاس کو تھوڑی دیر کے لیے یا اگلے دن کے لیے ملتوی کرسکتا ہے۔

راجیہ سبھا کے چیئر مین

ہندوستانی آئین کے آرٹیکل 89 کے مطابق، ہندوستان کا نائب صدر راجیہ سبھا کا باضابطہ چیئر مین ہوتا ہے۔ وہ ایوان کا رکن نہیں ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ کے اراکین اسے ہر پانچ سال کے لیے راجیہ سبھا کے چیئر مین کے طور پر نہیں بلکہ ہندوستان کے نائب صدر کے طور پر منتخب کرتے ہیں۔

راجیہ سبھا کے چیئر مین کے اختیارات اور افعال

i) چیئر مین راجیہ سبھا کی میٹنگوں کی صدارت کرتے ہیں۔ وہ نظم وضبط، وقار اور خوبصورتی کے ساتھ اجلاس کا انعقاد کرتا ہے۔

ii) وہ اقتدار اور اپوزیشن میں موجود پارٹی کے ارکان کو ایوان میں مختلف بلوں کو پیش کرنے اور ان پر بحث کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

iii) وہ راجیہ سبھا کے ڈپٹی چیئر مین کے عہدہ کا انتخاب کرتا ہے۔

iv) وہ مختلف بلوں پر ووٹنگ کرواتے ہیں اور نتائج کا اعلان کرتا ہے جب بھی کسی بل کو قبول کرنے میں پابند ہوتا ہے تو وہ بل کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے اپنے کاسٹنگ ووٹ کا اظہار کرتا ہے۔

v) وہ راجیہ سبھا کے چیئرمین کی حیثیت سے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں حصہ لیتے ہیں۔

vi) وہ اجلاسوں کے انعقاد کے لیے وائس چیئرمین کے پینل کا اعلان کرتا ہے۔

vii) وہ ایوان میں قواعد کی خلاف ورزی کے معاملات کی جانچ کرتا ہے۔

لوک سبھا کی تشکیل

لوک سبھا' پارلیمنٹ کا ایوان زیریں ہے۔ اسے پارلیمنٹ کا مقبول ایوان بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے اراکین راست عوام کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔ لوک سبھا کو عوام کے نمائندوں کے طور پر بھی جانا جاتا ہے۔ لوک سبھا کے زیادہ سے زیادہ 552 ارکان مقرر کئے گئے ہیں، جس میں سے 530 ریاستوں کے نمائندے ہوں گے اور 20 یا مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے نمائندے ہوں گے۔ لوک سبھا کا اسپیکر ایوان کی صدارت کرتا ہے۔ اسپیکر کا انتخاب اس کے اراکین میں سے ایوان میں موجود اراکین اور ووٹنگ کی سادہ اکثریت سے کیا جاتا ہے۔ اس کے اراکین میں سے ایک ڈپٹی اسپیکر کا انتخاب بھی کیا جاتا ہے جو اسپیکر کی ایوان سے غیر حاضری کی صورت میں بطور اسپیکر کام کرے گا۔

الیکشن

لوک سبھا کے نمائندے راست مختلف ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے باضابطہ ووٹروں کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔ اراکین کے انتخاب کے لیے راست انتخاب، بالغ رائے دہی، واحد رکن حلقہ اور خفیہ ووٹنگ کا اصول اپنایا جاتا ہے۔ یونین کے زیر انتظام علاقوں کے نمائندوں کا انتخاب پارلیمنٹ کے ذریعہ قانون کے ذریعہ طے شدہ طریقے سے کیا جاتا ہے۔ مختلف ریاستوں اور ایک ہی ریاست کے مختلف حلقوں کے حوالے سے نمائندگی کی یکسانیت کو یقینی بنانے کے لئے، ہر ریاست کو علاقائی حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

میعاد

آرٹیکل 83 کے مطابق لوک سبھا کی میعاد پانچ سال ہے۔ لوک سبھا کی میعاد 1976 میں 42 ویں ترمیمی ایکٹ کے ذریعے چھ سال کی گئی تھی۔ پھر 1978 میں 44 ویں ترمیمی ایکٹ کے ذریعے اس دورانیہ کو گھٹا کر پانچ سال کر دیا گیا۔ لہذا، فی الحال لوک سبھا کی مدت پانچ سال ہے۔ صدر وزیر اعظم کے مشورے پر لوک سبھا کو اس کی مدت سے پہلے تحلیل کر دے گا۔ قومی ایمرجنسی کے دوران لوک سبھا کی مدت ایک سال تک بڑھائی جا سکتی ہے۔ یہ توسیع ایک وقت میں صرف چھ ماہ کی مدت کے لیے کی جا سکتی ہے اور اسے وقتاً فوقتاً بڑھایا جا سکتا ہے اور اس طرح کی توسیع ایمرجنسی کے اعلان کے کام بند ہونے کے بعد چھ ماہ کی مدت سے زیادہ جاری نہیں رہ سکتی۔

اہلیتیں

لوک سبھا کے ارکان کے لیے کچھ اہلیتیں ہیں۔ وہ ہیں

1. اسکا ہندوستان کا شہری ہونا ضروری ہے۔
2. اس کی عمر 25 سال مکمل ہونی چاہیے۔
3. پارلیمانی حلقے کے لیے بطور ووٹر رجسٹر ہونا ضروری ہے۔
4. اس کے پاس ایسی دیگر اہلیتیں ہونی چاہئیں جو پارلیمنٹ کے ذریعہ متعین کی جائیں۔

کورم

کورم کا مطلب ہے کہ لوک سبھا کے اجلاس کے انعقاد کے لیے کم از کم حاضری ضروری ہے۔ کورم کل رکنیت کا 1/10 واں مقرر ہے۔ اسپیکر اس بات کا تعین کرتا ہے کہ آیا اجلاس کے انعقاد کے لیے کسی خاص دن کورم ہے یا نہیں۔

لوک سبھا کے اسپیکر

اسپیکر لوک سبھا' پریذائیڈنگ آفیسر ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اس کے اجلاسوں کی صدارت کرتا ہے بلکہ اس کے کام کی بھی نگرانی کرتا ہے۔ ہندوستان میں اسپیکر کا عہدہ برطانوی پارلیمنٹ سے ماخوذ ہے۔ آئین کے آرٹیکل 93 کے مطابق عوام کا ایوان ہر عام انتخابات کے بعد لوک سبھا کی پوری معیاد کے لیے اپنے اراکین میں سے اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کا انتخاب کرتے ہیں۔ اسپیکر کے طور پر منتخب ہونے والے شخص کا لوک سبھا کا رکن ہونا ضروری ہے۔ لوک سبھا کا اسپیکر عام طور پر 5 سال کی میعاد کے لیے اپنا عہدہ رکھتا ہے۔ ایوان کی تحلیل کے بعد بھی اسپیکر اپنے عہدہ پر موجود رہتے ہیں۔ نئے سپیکر کے انتخاب تک وہ اپنے عہدے پر فائز رہیں گے۔

لوک سبھا اسپیکر کے اختیارات اور افعال

لوک سبھا کے اسپیکر کے اختیارات اور افعال درج ذیل ہیں:

i) لوک سبھا کا اسپیکر ایوان میں کارروائی کرتا ہے، اور فیصلہ کرتا ہے کہ آیا کوئی بل' منی بل ہے یا نہیں۔

ii) لوک سبھا کا اسپیکر ایوان میں نظم وضبط اور شائستگی کو برقرار رکھتا ہے اور کسی رکن کو معطل کرنے کے بعد قانون کے احترام کے ساتھ غیر منظّم سلوک کے لئے سزا دے سکتا ہے۔

iii) لوک سبھا کا اسپیکر قواعد کے مطابق مختلف قسم کی تحریکوں اور قراردادوں جیسے تحریک عدم اعتماد، تحریک التواء، تحریک مذمت اور وجہ بتاؤ نوٹس کو منتقل کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔

iv) سپیکر اجلاس کے دوران بحث کے لیے اٹھائے جانے والے ایجنڈے کا فیصلہ کرتا ہے۔ سپیکر کے انتخاب کی تاریخ صدر مملکت

طے کرتے ہیں۔

v) مزید، ایوان کے اراکین کی طرف سے کیئے گئے تمام تبصرے اور تقاریر سپیکر کو بھیجی جاتی ہیں۔

vi) اسپیکر ہندوستانی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس کی صدارت بھی کرتا ہے۔

vii) راجیہ سبھا (ریاستوں کی کونسل) میں اسپیکر کا ہم منصب اس کا صدر نشین ہوتا ہے۔ ہندوستان کے نائب صدر راجیہ سبھا کے سابق صدر ہیں۔فوقیت کے اعتبار سے، لوک سبھا کے اسپیکر چیف جسٹس آف انڈیا کے ساتھ چھٹے نمبر پر ہیں۔

viii) اسپیکر ایوان کو جوابدہ ہے۔ سپیکر اور ڈپٹی سپیکر دونوں کو ارکان کی اکثریت کی طرف سے منظور کردہ قرارداد کے ذریعے برطرف کیا جاسکتا ہے۔ لوک سبھا اسپیکر کا انتخاب صدر کے ذریعہ نامزدگی کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے۔

ix) منظور شدہ تمام بلوں پر غور کرنے کے لیے اسپیکر کے دستخط کی ضرورت ہوتی ہے۔

x) tie ہونے کی صورت میں اسپیکر کے پاس کاسٹنگ ووٹ بھی ہوتا ہے۔ پریزائیڈنگ آفیسر کے لیے یہ رواج ہے کہ وہ کاسٹنگ ووٹ کا استعمال اس طرح کرے کہ حیثیت برقرار رہے۔

پارلیمنٹ کے اجلاس

آرٹیکل 85 صدر پر آئینی ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے ہر ایوان کو ایسے وقفوں پر بلائے کہ اس کی ایک اجلاس میں آخری نشست اور اگلے اجلاس میں اس کی پہلی نشست کے لیے مقرر کردہ تاریخ کے درمیان چھ ماہ کا وقفہ نہ ہو۔اس لیے پارلیمنٹ کا سال میں کم از کم دو بار اجلاس ہونا چاہیے۔ صدر کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں سے کسی ایک کو طلب کرنے یا منسوخ کرنے کا اختیار ہے۔

پارلیمنٹ کا اجلاس عام طور پر ایک سال میں تین اجلاسوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جو کہ یہ ہیں:

1. بجٹ سیشن (فروری-مئی)
2. مانسون سیشن (جولائی-ستمبر) اور
3. سرمائی اجلاس (نومبر-دسمبر)

اختیارات اور افعال

ہندوستان کا پارلیمنٹ ایک عظیم قانون ساز ادارہ ہے جو ہندوستان میں عام لوگوں کے مقاصد اور خواہشات کی عکاسی کرتا ہے۔ ہندوستانی آئین میں حصہ V کا باب II ہندوستان کی پارلیمنٹ کے اختیارات اور افعال کو شمار کرتا ہے۔ پارلیمنٹ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور ہندوستانی سیاسی اور انتظامی نظام میں اس کا کثیر العمل کردار ہے۔ ہندوستان کی پارلیمنٹ دو ایوانوں والی مقننہ

ہے۔ یہ دو ایوانوں راجیہ سبھا اور لوک سبھا اور صدر جمہوریہ ہند پر مشتمل ہے۔ پارلیمنٹ اپنے دونوں ایوانوں کی مدد سے قانون سازی کرتی ہے۔ پارلیمنٹ سے منظور شدہ اور صدر کے منظور شدہ قوانین پورے ملک میں نافذ ہوتے ہیں۔

پارلیمنٹ کے اختیارات اور افعال کو درج ذیل سرخیوں میں درجہ بندی کیا جاسکتا ہے۔

1) قانون سازی کے اختیارات

(2) عاملانہ اختیارات

(3) مالی اختیارات

(4) آئینی اختیارات

(5) عدالتی اختیارات

(6) انتخابی اختیارات

(7) دیگر اختیارات

قانون سازی کے اختیارات اور افعال

ہمارے آئین کے تمام آرٹیکل یا دفعات ریاستی، مرکزی اور مشترکہ فہرستوں تقسیم ہیں۔ مشترکہ فہرست میں پارلیمانی قانون ریاستی قانون سازی کے قانون سے زیادہ ہے۔ آئین کو درج ذیل حالات میں ریاستی مقنّنہ کے حوالے سے قانون بنانے کے اختیارات بھی حاصل ہیں:

(i) جب راجیہ سبھا اس اثر کے لیے ایک قرارداد منظور کرتی ہے۔

(ii) جب قومی ایمرجنسی چل رہی ہو۔

(iii) جب دو یا زیادہ ریاستیں پارلیمنٹ سے ایسا کرنے کی درخواست کرتی ہیں۔

(iv) جب ضروری ہو کہ بین الاقوامی معاہدوں، اگریمنٹس اور کنونشنوں کو نافذ کیا جائے۔

(v) جب صدر راج نافذ ہو۔

(vi) پارلیمنٹ کی بنیادی ذمہ داری ملک کی حکمرانی کے لیے قوانین بنانا ہے۔

عاملانہ اختیارات اور افعال

ہندوستان میں سیاسی عاملہ پارلیمنٹ کا ایک حصہ ہے۔ پارلیمنٹ پروسیجرل آلات جیسے وقفہ سوال، وقفہ صفر، کالنگ موشن، تحریک التواء، آدھے گھنٹے کی بحث وغیرہ کے ذریعے عاملہ پر نگرانی رکھتی ہے۔ مختلف سیاسی جماعتوں کے اراکین پارلیمانی کمیٹیوں کے

لیے منتخب/ نامزد ہوتے ہیں۔ ان کمیٹیوں کے ذریعے پارلیمنٹ حکومت پر نگرانی کرتی ہے۔ پارلیمنٹ کی جانب سے قائم کردہ وزارتی یقین دہانیوں پر کمیٹی اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کرتی ہے کہ وزارتوں کی طرف سے پارلیمنٹ کو کی گئی یقین دہانیوں کو پورا کیا جائے۔ آئین کے آرٹیکل 75 میں کہا گیا ہے کہ وزراء کی کونسل اس وقت تک عہدہ پر رہتی ہے جب تک اسے لوک سبھا کا اعتماد حاصل ہو۔ وزراء انفرادی اور اجتماعی طور پر لوک سبھا کے ذمہ دار ہیں۔ لوک سبھا میں عدم اعتماد کی تحریک پاس کر کے وزراء کی کونسل کو ہٹا سکتی ہے۔

(i) صدر کے افتتاحی خطاب پر شکریہ کی تحریک پاس نہ کر کے۔

(ii) منی بل کو مسترد کر کے

(iii) مذمتی تحریک یا تحریک التواء پاس کر کے

(iv) cut motion پاس کر کے

(v) ایک اہم مسئلے پر حکومت کو شکست دے کر

پارلیمنٹ مندرجہ ذیل طریقوں سے عاملہ پر نگرانی کا استعمال کرتی ہے:

تحریک عدم اعتماد: یہ با اختیار ہے جس کا مطلب ہے کہ جب پارلیمنٹ عدم اعتماد کا ووٹ پاس کرتی ہے تو حکومت یا ایگزیکٹو تحلیل ہو جاتی ہے۔

تحریک التواء: یہ ایوان کی توجہ مبذول کرانے کے لیے پیش کی گئی ہے تا کہ فوری عوامی اہمیت کے محدود معاملے پر توجہ دی جا سکے۔ پارلیمنٹ میں اسے ایک غیر معمولی ٹول سمجھا جاتا ہے کیونکہ عام کاروبار متاثر ہوتا ہے۔

مذمت کی تحریک: پارلیمنٹ میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ وہ مخصوص پالیسیوں اور اقدامات کے لئے وزراء کی کونسل سے سختی سے نامنظور ہوں۔ اسے کسی فرد یا وزراء کے گروپ یا وزراء کی پوری کونسل کے خلاف پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ اپوزیشن پارٹی کی طرف سے پیش کی جاتی ہے اور ایک بار جاری ہونے کے بعد حکومت کو ایوان کا اعتماد حاصل کرنا چاہیے۔ یہ تحریک عدم اعتماد کی طرح ہے سوائے اس کے کہ جب مذمتی تحریک منظور ہو جائے تو وزراء کی کونسل کو اپنے عہدے سے استعفیٰ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اہم پارلیمانی اصطلاحات:

1. وقفہ سوال

پارلیمانی اجلاس کے دوران، دن کا کام عام طور پر وقفہ سوالات کے گھنٹہ سے شروع ہوتا ہے۔ وزراء ارکان پارلیمنٹ کے سوالات کے جوابات دیں۔

2. وقفہ صفر:

وقفہ صفر' وقفہ سوال کے گھنٹے کے بعد آتا ہے اور یہ دوپہر سے شروع ہوتا ہے اور اس کا دورانیہ ایک گھنٹہ ہے (دوپہر 12 بجے

سے 1 بجے تک)۔ وقفہ صفر کے دوران عوامی اہمیت کے مختلف مسائل پیشگی اطلاع کے بغیر اٹھائے جاتے ہیں۔

3. **Prorogue**:

Prorogue کا مطلب ہے پارلیمنٹ کے اجلاس کا اختتام۔ ہندوستان کے صدر کے پاس ایسا کرنے کا اختیار ہے۔

4. تحلیل:

تحلیل کرنے کا مطلب پارلیمنٹ کی کاروائی کو ختم کرنا ہے۔ صدر کے پاس یہ کرنے کا اختیار ہے۔

5. کورم:

یہ کسی مقنّنہ کے ارکان کی کم ازکم تعداد ہے جو کارروائی کو درست بنانے کے لیے موجود ہونا ضروری ہے۔ پارلیمنٹ کی صورت میں کسی بھی ایوان کا کورم ایوان کے کل ارکان کی تعداد کا دسواں حصہ ہوگا۔

6. بل:

قانون سازی کی تجویز کا مسودہ مناسب طور پر پیش کیا جاتا ہے جس سے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے منظور ہونے اور صدر کی منظوری کے بعد بل بن جاتا ہے۔

7. بجٹ:

ایک مالی سال کے سلسلے میں حکومت ہند کی تخمینی وصولیوں اور اخراجات کا سالانہ مالیاتی بیان۔

خلاصہ

پارلیمنٹ یا مرکزی مقنّنہ ہندوستان کا عظیم قانون ساز ادارہ ہے۔ یہ اس عقیدے کی علامت سمجھا جاتا ہے جو ہندوستان کے لوگ جمہوریت کے اصولوں میں رکھتے ہیں۔ نئے آئین کے تحت پہلے عام انتخابات 52-1951 کے دوران ہوئے اور پہلی منتخب پارلیمنٹ اپریل 1952 میں وجود میں آئی۔ پارلیمنٹ کو بہت زیادہ فرائض اور ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔ یہ ایک اہم ادارہ ہے جس کے ذریعے عاملہ کے ظلم وستم کو روکا جاسکتا ہے تاکہ عاملہ کی کارکردگی کا مسلسل جائزہ لیا جاسکے۔ عاملہ، پارلیمنٹ کو جوابدہ ہے۔ قانون بننے کے لیے اس بل کو پارلیمنٹ سے منظور کرنا ہوگا۔ لوک سبھا میں مساوی نمائندگی کو یقینی بنانے کے لیے اس ریاست کی آبادی کی بنیاد پر کل انتخابی اراکین کی تقسیم کی جاتی ہے۔ راجیہ سبھا ایوان کے طور پر کام کرتی ہے اور چیلنجوں سے نمٹنے میں لوک سبھا کی مدد کرتی ہے۔ اس سے مفادات کے مختلف طبقات کو نمائندگی فراہم کرنے میں مدد ملتی ہے۔

امتحانی سوالات کا نمونہ

I. **مندرجہ ذیل سوالات کے ہر ایک کا جواب 30 سطور میں دیں۔**

1. لوک سبھا کے اسپیکر کے اختیارات اور افعال کی وضاحت کریں؟

2. ہندوستانی پارلیمنٹ کے اختیارات اور افعال پر ایک نوٹ لکھیں؟

II. مندرجہ ذیل سوالات کے ہر ایک کا جواب 15 سطور میں دیں۔

1. پارلیمنٹ کے عاملانہ اختیارات کیا ہیں؟

2. راجیہ سبھا کے چیئر مین کے اختیارات اور افعال کی وضاحت کریں؟

3. پبلک اکاؤنٹس کمیٹی پر مختصراً لکھیں؟

4. کورم پر مختصراً لکھیں؟

III۔ صحیح جواب کا انتخاب کیجئے۔

1) ہندوستان کی پارلیمنٹ ______ پر مشتمل ہے:

(A) لوک سبھا اور راجیہ سبھا

(B) لوک سبھا اور راجیہ سبھا اور صدر

(C) لوک سبھا، راجیہ سبھا، صدر اور وزیر اعظم

(D) لوک سبھا، راجیہ سبھا اور وزراء کی کونسل

2) لوک سبھا کے ممبران کی زیادہ سے زیادہ تعداد کتنی ہوسکتی ہے؟

(A) 545 (B) 550 (C) 552 (D) 560

3) پارلیمنٹ کے دو اجلاسوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ وقت کا فرق کتنا ہے؟

(A) 3ماہ (B) 6ماہ (C) 9ماہ (D) 12ماہ

4) مندرجہ ذیل میں سے کون سا آرٹیکل منی بل کی وضاحت کرتا ہے؟

(A) آرٹیکل110 (B) آرٹیکل111

(C) آرٹیکل112 (D) آرٹیکل113

5) ہندوستان کی پارلیمنٹ نے مندرجہ ذیل ممالک میں سے کس سے پارلیمانی نظام آئین کو اپنایا ہے؟

(A) USA (B) UK (C) جاپان (D) فرانس

☆☆☆☆

16

16۔ عدالت عظمیٰ
THE SUPREME COURT

مقاصد

اس باب کا مطالعہ کرنے کے بعد، آپ یہ سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے کہ

☆ عدلیہ کی آزادی کا مفہوم؛

☆ ہمارے حقوق کے تحفظ میں ہندوستانی عدلیہ کا کردار؛

☆ آئین کی تشریح میں عدلیہ کا کردار؛ اور

☆ ہندوستان کی عدلیہ اور پارلیمنٹ کے درمیان تعلق۔

تعارف Introduction

اکثر، عدالتوں کو افراد یا نجی فریقوں کے درمیان تنازعات میں صرف ثالث کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ لیکن عدلیہ کچھ سیاسی کام بھی کرتی ہے۔ عدلیہ حکومت کا ایک اہم ادارہ ہوتا ہے۔ ہندوستان کی عدالت عظمیٰ یا سپریم کورٹ درحقیقت دنیا کی طاقتور ترین عدالتوں میں سے ایک ہے۔ 1950 سے ہی عدلیہ نے آئین کی وضاحت اور تحفظ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس باب میں آپ عدلیہ کے کردار اور اہمیت کا مطالعہ کریں گے۔ بنیادی حقوق کے باب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ہمارے حقوق کے تحفظ کے لیے عدلیہ بہت ضروری ہے۔

عدالت عظمیٰ / سپریم کورٹ THE SUPREME COURT

سپریم کورٹ آف انڈیا کی ابتداء 1773 پارٹ V کے ریگولیٹنگ ایکٹ سے ماخوذ ہے ہندوستانی آئین کے آرٹیکل 124 سے 147 سپریم کورٹ کی تشکیل، اختیارات اور افعال سے متعلق ہیں۔ نئی دہلی میں واقع سپریم کورٹ ہندوستان کی اعلیٰ ترین عدالتی اتھارٹی ہے۔ درحقیقت سپریم کورٹ آف انڈیا دنیا کی سب سے طاقتور عدالتوں میں سے ایک ہے جو 28 جنوری 1950 کو وجود میں آئی تھی۔

سپریم کورٹ کی تشکیل

ہری لال جے کانیا' سپریم کورٹ آف انڈیا کے پہلے چیف جسٹس تھے۔ آئین نے اصل میں ایک سپریم کورٹ کا تصور کیا ہے جس میں ایک چیف جسٹس اور سات دیگر ججس ہوں گے۔ اس وقت سپریم کورٹ ایک چیف جسٹس اور 24 ججز پر مشتمل ہے۔ رنجن گوگوئی موجودہ (2018) کے چیف جسٹس آف انڈیا ہیں۔

تقرری اور اہلیت

ہندوستانی آئین کے مطابق، صدر ہندوستان کے چیف جسٹس [CJI] کا تقرر کرتے ہیں۔ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کے ایسے ججوں کی مشاورت سے جو صدر مناسب سمجھیں۔ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے دیگر ججوں کا تقرر صدر CJI سے مشاورت کے بعد کرتے ہیں۔ 1999 سے، ججوں کی تقرری صرف سپریم کورٹ کے کالجیم کی سفارشات پر صدر کے ذریعے کی جا رہی ہے۔ یہ ایک ٹیم ہے جس کی سربراہی CJI اور عدالت کے چار سب سے سینئر ایسوسی ایٹ جج کرتے ہیں۔ اس کی سفارشات صدر پر لازم ہوتی ہیں۔ اس طرح عدلیہ میں تقرری کے معاملات میں سپریم کورٹ اور وزراء کی کونسل کا اہم کردار ہے۔

ججوں کی تقرری کے لیے اعلیٰ کم از کم اہلیت کا تعین کیا گیا ہے۔ سپریم کورٹ کے جج کے طور پر تقرری کے لیے اہل ہونے والے شخص کو ہندوستان کا شہری ہونا چاہیے اور درج ذیل شرائط میں سے ایک کو پورا کرنا چاہیے:

a) ہائی کورٹ کے جج کے طور پر کم از کم پانچ سال ہونا ضروری ہے، یا

b) کم از کم دس سال ہائی کورٹ کا وکیل ہونا ضروری ہے۔ یا

c) صدر کی رائے میں ایک ممتاز قانون کا ماہر ہونا چاہیے۔

میعاد

ایک بار تقرری کے بعد، چیف جسٹس آف انڈیا اور سپریم کورٹ کے دیگر جج 65 سال کی عمر تک اپنے عہدے پر فائز رہتے ہیں۔ ایک جج اپنی مدت ختم ہونے سے پہلے رضاکارانہ طور پر استعفیٰ دے سکتا ہے۔ تاہم سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے جج کو ثابت شدہ بد سلوکی یا نااہلی کی بنیاد پر ہٹایا جا سکتا ہے۔

صدر' سپریم کورٹ کے ججوں کو آئین میں وضع کردہ 'مواخذے' کے طریقہ کار کے ذریعے بھی برطرف کر سکتا ہے۔ طریقہ کار کے مطابق، پارلیمنٹ کے ہر ایوان کو ایک قرارداد منظور کرنی ہوگی جس کی حمایت 2/3 اراکین موجود اور ووٹنگ کرتے ہیں۔ ایسی ہی مثال تھی، سپریم کورٹ کے جسٹس وی رامسوامی کا 1991 میں استعفیٰ، ان کے ذریعہ سرکاری عہدے کے غلط استعمال کی ایک کمیٹی کی رپورٹ اور اس کے بعد پارلیمنٹ میں مواخذے کے طریقہ کار کے بعد کیا گیا۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سپریم کورٹ کے ججوں کا تقرر

صدر کے ذریعے ہوتا ہے، وہ صرف 'اچھے رویے' پر ہی عہدہ رکھتے ہیں۔ تاہم، عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد جج کسی بھی عدالت میں پریکٹس نہیں کر سکتے۔

تنخواہیں

سپریم کورٹ کے ججوں کو اتنی تنخواہیں دی جاتی ہیں جو کہ پارلیمنٹ وقتاً فوقتاً طے کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں، ججوں کی تنخواہوں اور دیگر الاؤنسز کو پارلیمنٹ اور ریاستی مقنّنہ کے ذریعے ووٹ نہیں دیا جاسکتا۔ ان کی آزادی، کارکردگی اور غیر جانبداری کو محفوظ بنانے کے لیے ان کو اعلیٰ مقام پر رکھا گیا ہے۔

ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججز (تنخواہیں اور سروس کی شرائط) ترمیمی بل 2017 کے مطابق چیف جسٹس آف انڈیا کی تنخواہ 2.8 لاکھ روپے ماہانہ ہے۔ سپریم کورٹ کے ججز اور ہائی کورٹس کے چیف جسٹسوں کی تنخواہ 2.50 لاکھ روپے ماہانہ ہے۔ ہائی کورٹ کے ججز کی ماہانہ تنخواہ 2.25 لاکھ روپئے تنخواہ کے علاوہ، ہر جج کرایہ کے بغیر سرکاری رہائش کا حقدار ہے۔ سپریم کورٹ کے انتظامی اخراجات، ججوں کی تنخواہیں اور الاؤنسز ہندوستان کے کنسولیڈیٹیڈ فنڈ سے دیے جاتے ہیں۔

مراعات اور استثنیٰ

ججوں کو سیاسی تنازعات سے دور رکھنے کے لیے، آئین انہیں اپنی سرکاری حیثیت میں کیے گئے فیصلوں اور اقدامات کے خلاف تنقید سے استثنیٰ دیتا ہے۔ سپریم کورٹ ان لوگوں کے خلاف توہین عدالت کی کارروائی شروع کرنے کا اختیار رکھتی ہے جو اپنے سرکاری فرائض کی انجام دہی میں ججوں کو محرکات سے منسوب کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ پارلیمنٹ بھی مواخذے کے طریقہ کار کے علاوہ ججوں کے طرز عمل پر بحث نہیں کرسکتی۔

سپریم کورٹ کے اختیارات اور کام

ہندوستان کی سپریم کورٹ دنیا کی طاقتور عدالتوں میں سے ایک ہے۔ آرٹیکل 141 یہ فراہم کرتا ہے کہ سپریم کورٹ کے ذریعہ وضع کردہ قانون ہندوستان کی حدود میں تمام عدالتوں پر پابند ہوگا۔ ہندوستان کے آئین کے مطابق سپریم کورٹ کے اختیارات کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ اس طرح کام کرتا ہے: i] ایک وفاقی عدالت؛ ii] اپیل کی عدالت؛ iii] آئین کا محافظ۔ ان تمام اختیارات کی وضاحت سپریم کورٹ کے پاس موجود مختلف دائرہ اختیار کے ذریعے کی گئی ہے۔

سپریم کورٹ کے تین قسم کے عدالتی اختیار ہیں، یعنی 1) اولین 2) اپیل 3) مشاورتی۔ ایک وفاقی عدالت [ایک فیصلہ کنندہ] اور آئین کے محافظ [ترجمان] کے طور پر اس کے کردار کو عدالت کے پاس موجود اولین اور اپیل کے عدالتی اختیار کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔ آیئے ان میں سے ہر ایک عدالتی اختیار کے بارے میں تفصیل سے جانیں۔

اولین عدالتی اختیار

اولین عدالتی اختیار کا مطلب ہے ایسے تمام مقدمات سپریم کورٹ میں شروع ہوتے ہیں۔صرف اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس طرح کے مقدمات کسی اور عدالت میں شروع نہیں کیے جاسکتے۔آئین کے آرٹیکل 131 کے تحت، سپریم کورٹ کو اصل عدالتی اختیار، سب سے پہلے، ایک وفاقی عدالت کے طور پر حاصل ہے۔اس کے اولین عدالتی اختیار میں آنے والے مقدمات یا تنازعات یہ ہیں:

(i) ایک طرف حکومت ہند اور دوسری طرف ایک یا زیادہ ریاستوں کے درمیان تنازعات۔

(ii) حکومت ہند اور ایک طرف ایک یا زیادہ ریاستوں کے درمیان تنازعات اور دوسری طرف ایک سے زیادہ ریاستوں کے درمیان۔

(iii) دو یا زیادہ ریاستوں کے درمیان تنازعات۔

اس طرح، یہ مرکز اور ریاستوں کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کے حتمی حل کے لیے ثالث کا کام کرتا ہے۔تاہم اس طرح کے تنازعات میں قانون کے کچھ سوالات ضرور شامل ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر، ہندوستان میں دو ریاستوں کے درمیان یا دیگر قدرتی وسائل کی تقسیم کا تنازعہ براہ راست سپریم کورٹ میں اس کے اولین عدالتی اختیار کے استعمال کے تحت لایا جاسکتا ہے۔

اپیل سننے کا عدالتی اختیار APPELLATE JURISDICTION

اس کا مطلب یہ ہے کہ شہری اور فوجداری دونوں صورتوں میں ہائی کورٹ کے کسی بھی فیصلے، حکم نامے یا حتمی حکم کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کرسکتا ہے۔اگر تنازعہ کے فریقین میں سے کوئی ایک ہائی کورٹ کے فیصلے سے مطمئن نہیں ہے تو کوئی سپریم کورٹ جا کر اپیل دائر کرسکتا ہے۔اس کے بعد سپریم کورٹ اس کیس اور اس میں شامل قانونی مسائل پر دوبارہ غور کرے گی۔سپریم کورٹ اپیل کی آخری عدالت ہے۔

سپریم کورٹ ہندوستان کی تمام عدالتوں کی اپیلوں کی سماعت کرتی ہے اور اس کے پاس دیوانی، فوجداری اور آئینی مقدمات میں اپیل کا وسیع عدالت اختیار ہے۔جائیداد، شادی، رقم، معاہدہ اور خدمت وغیرہ سے متعلق تنازعات کو دیوانی مقدمات کہا جاتا ہے۔فوجداری مقدمات میں، اگر نچلی عدالت نے کسی شخص کو موت کی سزا سنائی ہے تو ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں اپیل کی جاسکتی ہے۔آئینی مقدمات میں اپیلوں کا مطلب ہے آئین کی مختلف تشریحات سے پیدا ہونے والے مقدمات، بنیادی طور پر بنیادی حقوق سے متعلق۔ایسے آئینی معاملات میں سپریم کورٹ میں اپیل صرف اسی صورت میں کی جاسکتی ہے جب کوئی ہائی کورٹ اس بات کی تصدیق کرے کہ تنازعہ کے معاملے میں قانون کا ایک اہم سوال شامل ہے۔اگر ہائی کورٹ سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کے لیے فٹنس کے سٹیفکیٹ سے انکار کرتی ہے، تو سپریم کورٹ اپنا خصوصی اپیلٹ عدالتی اختیار استعمال کرسکتی ہے اور کسی بھی فیصلے، حکم نامے کی سزا یا حکم سے کسی بھی معاملے یا کسی عدالت کی طرف سے منظور شدہ یا بنائے گئے ٹریبونل معاملے میں خصوصی چھٹی کی اپیل منظور کرسکتی ہے۔

مشاورتی عدالتی اختیار

سپریم کورٹ آف انڈیا کے پاس مشاورتی عدالتی اختیار بھی ہے۔آئین کے آرٹیکل 143 کے تحت صدر جمہوریہ کسی بھی ایسے معاملے کو جو عوامی اہمیت کا حامل ہو یا جس میں آئین کی تشریح شامل ہو، مشورہ کے لیے سپریم کورٹ سے رجوع کر سکتے ہیں۔تاہم صدر اس طرح کے مشورے کو قبول کرنے کے پابند نہیں ہیں۔پھر سپریم کورٹ کے مشاورتی اختیارات کا کیا فائدہ؟ افادیت دوہری ہے سب سے پہلے، یہ حکومت کو کسی اہم معاملے پر کارروائی کرنے سے پہلے قانونی رائے حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ بعد میں غیر ضروری قانونی چارہ جوئی کو روک سکتا ہے۔دوم، سپریم کورٹ کے مشورے کی بنیاد پر، حکومت اپنی کارروائی یا قانون سازی میں مناسب تبدیلیاں کرسکتی ہے۔اس طرح، سپریم کورٹ سے مشاورتی رائے حاصل کرنے کا عمل صدر کو اہم مسئلے پر صحیح فیصلے پر پہنچنے میں مدد کرتا ہے۔

ریکارڈ کی عدالت

اولین، اپیل اور مشاورتی عدالتی اختیار کے علاوہ، سپریم کورٹ آف انڈیا 'ایک کورٹ آف ریکارڈ بھی ہے۔سپریم کورٹ کے تمام فیصلوں اور کارروائیوں کو چند متفرق اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔آئین کا آرٹیکل 129 سپریم کو بطور ریکارڈ اور آرکائیو رکھتا ہے۔ اس کے تمام فیصلوں اور عدالتی تجاویز کو ملک کی تمام عدالتوں میں نظیر کے طور پر نقل کیا جاتا ہے۔ریکارڈ کی عدالت کے طور پر، سپریم کورٹ کو توہین عدالت کے الزام میں افراد کو سزا دینے کا اختیار حاصل ہے۔

امتحانی سوالات کا نمونہ

1. سپریم کورٹ آف انڈیا کے اولین عدالتی اختیار کے بارے میں لکھیں؟
2. اپیل کے عدالتی اختیار کی وضاحت کریں؟
6. سپریم کورٹ آف انڈیا کے مشاورتی فیصلے پر ایک نوٹ لکھیں؟
4. کورٹ آف ریکارڈ پر ایک نوٹ لکھیں؟
5. سپریم کورٹ کے ججوں کی تقرری اور اہلیت پر بحث کریں؟
6. سپریم کورٹ کے ججوں کی میعاد کے بارے میں لکھیں؟
7. سپریم کورٹ کے ججوں کی تنخواہوں کے بارے میں لکھیں؟
8. سپریم کورٹ کے ججوں کے مراعات اور استثنیٰ پر بحث کریں؟

صحیح جواب کا انتخاب کیجئے:

1. سپریم کورٹ آف انڈیا_______________میں واقع ہے۔

نئی دہلی/کلکتہ/ممبئی۔

2. سپریم کورٹ آف انڈیا____________کو وجود میں آیا۔

26 جنوری 1950 / 28 جنوری 1950 / 26 نومبر 1949۔

3. __________سپریم کورٹ آف انڈیا کے پہلے چیف جسٹس تھے۔

ہری لال جے کنیا/ ایم پتنجلی ساستری/ پی بی گجیندر گڈکر۔

4. __________ہندوستان کے موجودہ چیف جسٹس ہیں۔

جگدیش سنگھ کھیہر/ دھنجیا وائی چندر چوڑ/ شرد اروند بوبڑے۔

5. ہندوستان کے چیف جسٹس اور سپریم کورٹ کے دیگر جج عہدہ پر فائز________اس عمر تک فائز رہتے ہیں۔

65 /70 /60 سال تک

6. چیف جسٹس آف انڈیا کی تنخواہ ان کے روپے ماہانہ____________

2,80,000/- 2,50,000/- 2,30,000/-

7. آئین کا آرٹیکل__________سپریم کورٹ کو عدالت بناتا ہے۔

آرٹیکل 129 / آرٹیکل 139 / آرٹیکل 226۔

17

17- ریاستی عاملہ
STATE EXECUTIVE

مقاصد

اس سبق کا مطالعہ کرنے کے بعد، آپ اس قابل ہو جائیں گے۔

☆ گورنر کی تقرری کا طریقہ یاد رکھیں؛

☆ گورنر کی اہلیت، مدت اور مراعات کی وضاحت کریں؛

☆ گورنر کے اختیارات کی وضاحت کریں، بشمول اس کے صوابدیدی اختیارات؛

☆ گورنر کے کردار اور عہدے کا اندازہ لگانا؛

☆ وزیر اعلی کے انتخاب/تقرری کو یاد کریں؛

☆ وزراء کی کونسل کی تقرری اور اسے کیسے تشکیل دیا جاتا ہے کی وضاحت کریں؛

☆ وزیر اعلی اور وزراء کی کونسل کے اختیارات اور افعال کی وضاحت کریں؛

تعارف

ہندوستانی آئین مرکز اور ریاستوں دونوں میں عاملہ کا پارلیمانی نظام فراہم کرتا ہے۔ آرٹیکل 153 کہتا ہے کہ ہر ریاست کے لیے ایک گورنر ہوگا۔ آئین (7ویں ترمیم) 1956 ایک ہی شخص کو دو یا دو سے زیادہ ریاستوں کا گورنر مقرر کرنا بھی ممکن بناتا ہے۔ گورنر ریاست کا آئینی سربراہ ہے اور وزیر اعلیٰ کی سربراہی میں ریاستی وزراء کی کونسل کے مشورے پر کام کرتا ہے۔ ریاستی عاملہ ریاستی حکومت کا وہ حصہ ہے جو قانون کو نافذ کرتی ہے اور ریاست کی انتظامیہ کی ذمہ دار ہوتا ہے۔ گورنر ہندوستان کی کسی ریاست کا آئینی سربراہ ہوتا ہے جس کے پاس ریاستی سطح پر اسی طرح کے اختیارات اور افعال ہوتے ہیں جو مرکزی سطح پر ہندوستان کے صدر کے ہوتے ہیں۔ گورنر ریاستوں میں موجود ہیں، جبکہ لیفٹیننٹ گورنرز اور منتظمین' مرکز کے زیر انتظام علاقے دہلی اور پڈوچیری اور دیگر مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں موجود ہیں۔ آئین ایک وفاقی ڈھانچہ فراہم کرتا ہے اور اس لیے یہ حیثیت ان کی اپنی حکومتوں کو فراہم کی جاتی ہے۔ پہلے سے شروع ہونے والا پارلیمانی نظام ریاستوں میں موجود ہے۔ ریاستی سطح پر، عام طور پر مرکزی طرز پر عمل کرتے ہوئے، گورنر، صدر کی طرح، ایک برائے نام سربراہ کے طور پر کام کرتا ہے اور اصل اختیارات وزیر اعلیٰ کی سربراہی میں وزراء کی کونسل کے ذریعہ استعمال کیے

جاتے ہیں۔ ریاستی سطح پر وزراء کی کونسل کے اراکین بھی اجتماعی اور انفرادی طور پر ریاستی مقننہ کے ایوان زیریں کے سامنے اپنی کوتاہی اور اختیارات کے لیے ذمہ دار ہیں۔

گورنر کی تقرری

گورنر، ہر ریاست کے عاملہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ اسے صدر ہند، وزیر اعظم کی سربراہی میں وزراء کی مرکزی کونسل کے مشورے پر مقرر کرتا ہے جو کہ متعلقہ ریاست کے وزیر اعلی سے مشورہ کیا جاتا تھا۔ گورنر کو منتخب کیا جاتا تھا لیکن یہ محسوس کیا گیا تھا کہ اس سے وزیر اعلیٰ کے ساتھ مسئلہ ہو سکتا ہے، جس سے ریاستی انتظامیہ کے کام کاج پر اثر پڑے گا، اس کے علاوہ ایسی فراہمی پارلیمانی جمہوریت میں تضاد ہے۔ اس لیے دستور ساز اسمبلی میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ گورنر کو صدر کے ذریعے نامزد کیا جائے۔ روایتی طور پر کسی شخص کو اپنی ریاست کا گورنر نہیں بنایا جانا چاہیے۔ پہلے ایسے افراد جو عوامی زندگی میں سیاست کی انتظامیہ اور آرٹ میں ممتاز تھے، اپنی دیانتداری کے لیے جانے جاتے تھے، انہیں اس عہدے پر تعینات کیے جاتے تھے لیکن گزشتہ دو دہائیوں میں ہمارا تجربہ بتاتا ہے کہ اعلیٰ اصولوں کو شامل نہیں کیا گیا، اکثر ایسے افراد ملتے ہیں جو اس عہدے پر نا کام رہے ہیں۔ اب سیاسی طور پر اس عہدے کے لیے منتخب کیا جارہا ہے۔ آئین کے حصہ VI میں آرٹیکل 153 سے 167 ریاستی عاملہ سے متعلق ہیں۔ ریاستی عاملہ ان پر مشتمل ہے:

1. گورنر
2. وزیر اعلیٰ
3. وزراء کی کونسل
4. ریاست کے ایڈووکیٹ جنرل
5. غیر سیاسی مستقل عاملہ-سول سرونٹ

اہلیت

ریاست کا گورنر ہندوستان کے صدر کے ذریعہ مقرر کیا جاتا ہے۔ آئین میں کسی شخص کی بطور گورنر تقرری کے لیے صرف دو اہلیتیں رکھی گئی ہیں۔ یہ ہیں: آرٹیکل 158-157 کے مطابق۔

1. اسے ہندوستان کا شہری ہونا چاہیے۔
2. اسے 35 سال کی عمر پوری کرنی چاہیے تھی۔
3. اسے گورنر کے طور پر معیاد کے دوران کوئی منافع بخش عہدہ نہیں رکھنا چاہیے۔

گورنر کے عہدے کی معیاد

آرٹیکل 156 کے مطابق:

(i) گورنر صدر کی مرضی سے عہدہ سنبھالے گا۔

(ii) گورنر اپنے عہدے سے استعفیٰ دے سکتا ہے۔ دوسری صورت میں، گورنر اپنے عہدہ سنبھالنے کی تاریخ سے 5 سال کی مدت تک عہدہ پر رہے گا۔ اس وقت تنخواہ کے لحاظ سے ریاست کے گورنر کو 350,000 ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔
تنخواہ وصول کرنے کے علاوہ، گورنر کرایہ سے پاک سرکاری رہائش، مفت سہولیات اور نقل وحمل کے مراعات دستیاب ہیں۔

گورنر کے اختیارات اور افعال

گورنر کے پاس عاملانہ، قانون سازی، مالی اور عدالتی اختیارات ہوتے ہیں جو کم وبیش ہندوستان کے صدر کے مشابہ ہوتے ہیں۔ تاہم، اس کے پاس صدر کی طرح کوئی سفارتی، فوجی یا ہنگامی اختیارات نہیں ہوتے۔ گورنر کے اختیارات اور افعال کا مطالعہ درج ذیل عنوانات سے کیا جاسکتا ہے۔

1. عاملانہ اختیارات
2. قانون سازی کے اختیارات
3. مالی اختیارات
4. عدالتی اختیارات۔

عاملانہ اختیارات

گورنر کے عاملانہ اختیارات اور افعال یہ ہیں:

1. ریاستی حکومت کے تمام عاملانہ اقدامات باضابطہ طور پر گورنر کے نام پر کیے جاتے ہیں۔
2. وہ اس طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے قواعد بنا سکتا ہے جس میں اس کے نام پر بنائے گئے اور ان پر عمل درآمد کرنے والے آرڈرز اور دیگر آلات کی توثیق کی جائے گی۔
3. وہ وزیر اعلیٰ اور دیگر وزرا کا تقرر کرتا ہے۔ وہ اس کی خوشنودی کے ساتھ عہدہ پر رہتے ہیں۔ چھتیس گڑھ، جھارکھنڈ، مدھیہ پردیش اور اڈیشہ کی ریاستوں میں ایک قبائلی بہبود کا وزیر ہونا چاہیے جس کا تقرر اس نے کیا ہو۔
4. وہ ریاست کا ایڈووکیٹ جنرل مقرر کرتا ہے اور اس کے معاوضے کا تعین کرتا ہے۔ ایڈووکیٹ جنرل گورنر کی خوشنودی کے دوران عہدے پر فائز ہوتے ہیں۔
5. وہ ریاستی الیکشن کمشنر کا تقرر کرتا ہے اور اس کی سروس کی شرائط اور عہدے کی مدت کا تعین کرتا ہے۔ تاہم، ریاستی الیکشن کمشنر کو ہائی کورٹ کے جج کے طور پر صرف اسی طرح اور اسی بنیادوں پر ہٹایا جاسکتا ہے۔
6. وہ ریاستی پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین اور اراکین کا تقرر کرتا ہے۔ تاہم، انہیں صرف صدر ہی ہٹا سکتے ہیں نہ کہ گورنر۔
7. وہ ریاست کے امور کے انتظام سے متعلق کوئی بھی معلومات اور وزیر اعلیٰ سے قانون سازی کے لیے تجاویز مانگ سکتا ہے۔
8. وہ صدر کو ریاست میں آئینی ایمرجنسی لگانے کی سفارش کرسکتا ہے۔ ریاست میں صدر کے راج کے دوران، گورنر کو صدر کے ایجنٹ کے طور پر وسیع عاملانہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

9. وہ ریاست میں یونیورسٹیوں کے چانسلر کے طور پر کام کرتا ہے۔ وہ ریاست میں یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز کا تقرر بھی کرتا ہے۔

قانون سازی کے اختیارات

گورنر ریاستی مقنّنہ کا ایک لازمی حصہ ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے، اس کے پاس درج ذیل قانون سازی کے اختیارات اور افعال ہیں:

1. وہ ریاستی مقنّنہ کو طلب یا منسوخ کر سکتا ہے اور ریاستی قانون ساز اسمبلی کو تحلیل کر سکتا ہے۔
2. وہ ہر عام انتخابات اور ہر سال کے پہلے اجلاس کے بعد پہلے اجلاس کے آغاز پر ریاستی مقنّنہ سے خطاب کر سکتا ہے۔
3. وہ مقنّنہ میں زیر التواء بل کے حوالے سے یا دوسری صورت میں ریاستی مقنّنہ کے ایوان یا ایوانوں کو پیغامات بھیج سکتا ہے۔
4. وہ ریاستی قانون ساز اسمبلی کے کسی بھی رکن کو اس کی کارروائی کی صدارت کے لیے مقرر کر سکتا ہے جب اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر دونوں کے عہدے خالی ہوں۔ اسی طرح، وہ ریاستی قانون ساز کونسل کے کسی بھی رکن کو اس کی کارروائی کی صدارت کے لیے مقرر کر سکتا ہے جب چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین دونوں کے عہدے خالی ہوں۔
5. وہ ریاستی قانون ساز کونسل کے ارکان کا چھٹا حصہ ایسے افراد میں سے نامزد کرتا ہے جن کے پاس ادب، سائنس، آرٹ، کوآپریٹو موومنٹ اور سماجی خدمت میں خصوصی علم یا عملی تجربہ رکھتے ہوں۔
6. وہ اینگلو انڈین کمیونٹی سے ریاستی قانون ساز اسمبلی کے لیے ایک رکن کو نامزد کر سکتا ہے۔
7. وہ ریاستی مقنّنہ کے ارکان کی نااہلی کے سوال پر الیکشن کمیشن کی مشاورت سے فیصلہ کرتا ہے۔

مالی اختیارات وافعال

گورنر کے مالی اختیارات اور افعال یہ ہیں:

1. گورنر کے نام سے ہی سالانہ مالیاتی بیان (ریاستی بجٹ) ریاستی مقنّنہ کے سامنے رکھا جاتا ہے۔
2. منی بل ریاستی مقنّنہ میں صرف اس کی پیشگی سفارش سے پیش کیے جاسکتے ہیں۔
3. اس کی سفارش کے علاوہ گرانٹ کا کوئی مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔
4. وہ کسی بھی غیر متوقع اخراجات کو پورا کرنے کے لیے ریاست کے ہنگامی فنڈ سے پیش قدمی کر سکتا ہے۔
5. وہ پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کی مالی حالت کا جائزہ لینے کے لیے ہر پانچ سال میں ایک مالیاتی کمیشن تشکیل دیتا ہے۔

عدالتی اختیارات

گورنر کے عدالتی اختیارات اور افعال یہ ہیں:

1. وہ معافی، مہلت، اور سزا مہلت یا معافی دے سکتا ہے یا کسی ایسے شخص کی سزا کو معطل، معاف اور کم کر سکتا ہے جو کسی ایسے

معاملے سے متعلق کسی قانون کے خلاف کسی جرم کا مرتکب ہوا ہو جس میں ریاست کے انتظامی اختیارات میں توسیع ہو۔

2. متعلقہ ریاستی ہائی کورٹ کے ججوں کی تقرری کرتے وقت صدر سے مشورہ کیا جاتا ہے۔

3. وہ ریاستی ہائی کورٹ کے مشورے سے ضلعی ججوں کی تقرری، تعیناتیاں اور ترقیاں کرتا ہے۔

4. وہ ریاستی ہائی کورٹ اور اسٹیٹ پبلک سروس کمیشن کے مشورے سے ریاست کی عدالتی خدمات میں (ضلعی ججوں کے علاوہ) افراد کو بھی تعینات کرتا ہے۔

ہنگامی اختیارات

گورنر کا بطور صدر بیرونی جارحیت یا مسلح بغاوت سے نمٹنے کے لیے ہنگامی صورت حال میں کوئی کردار یا اختیارات نہیں ہیں جب تک کہ آرٹیکل 160، 356 اور 357 کے تحت صدر کی طرف سے خصوصی طور پر اجازت نہ دی جائے۔

گورنر کا موقف اور رول

آئین کے مطابق ریاست میں ایک وزراء کی کونسل ہوگی جس کا سربراہ وزیر اعلیٰ ہوگا تاکہ وہ گورنر کو اس کے کاموں کی انجام دہی میں مدد اور مشورہ دے، سوائے اس کے کہ جب آئین کے مطابق وہ اپنی صوابدید پر کام کرے۔ جب چیف منسٹر کو ریاستی مقنّنہ میں اکثریت کا اعتماد حاصل ہوتا ہے، تو گورنر کی اپنے صوابدیدی اختیارات کو استعمال کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔ ایسے میں ریاستی انتظامیہ کا اصل سربراہ وزیر اعلیٰ ہوتا ہے اور گورنر آئینی سربراہ ہوتا ہے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں گورنر کا دوہرا رول ہے۔ ریاست کے آئینی سربراہ کے طور پر، وہ وزراء کی کونسل کے مشورے پر کام کرتا ہے اور مرکزی حکومت کے ایجنٹ کے طور پر بھی کام کرتا ہے۔ گورنر اور وزیر اعلیٰ کے تعلقات ریاست کے سیاسی اور آئینی حالات سے متاثر ہوتے ہیں۔ عام حالات میں، گورنر ریاست کا رسمی سربراہ ہوتا ہے، لیکن صدر راج کے دوران وہ مرکز کا ایجنٹ بن جاتا ہے اور ریاستی انتظامیہ کا کنٹرول سنبھال لیتا ہے۔ آئین کی روح کو ذہن میں رکھتے ہوئے، گورنر، ایک لحاظ سے، مرکزی حکومت کی ''آنکھ اور کان'' ہے اور جیسا کہ وہ مرکز کی طرف سے مقرر، برطرف یا تبدیل کیا جاتا ہے، وہ آئین کے تابع رہتا ہے۔ مرکز کے ساتھ ساتھ وہاں کی پارٹی اقتدار میں ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ گورنر کا کام صرف امپائر کا نہیں ہوگا کہ وہ یہ دیکھے کہ یہ کھیل آئینی دفعات کی روح کے مطابق کھیلا جائے۔

آئینی ماہرین کے مطابق تین حوالوں سے گورنر کا کردار یعنی ایمرجنسی کے اعلان کے لیے صدر کو سفارش کرنا۔ کسی بھی پارٹی کو واضح اکثریت نہ ملنے کی صورت میں وزیر اعلیٰ کا تقرر اور بین جماعتی انحراف کی صورت میں وزیر اعلیٰ کی تقدیر کا فیصلہ کرنا بہت متنازعہ ہو گیا ہے۔ بہت سی ریاستوں میں کثیر الجماعتی وزارتوں کے نتیجے میں سیاسی معیارات اور طرز عمل میں گراوٹ، پارٹی دشمنیاں، سیاسی انحراف اور سیاسی پارٹیوں کی تقسیم ان تنازعات کی جڑ رہی ہے۔

وزیر اعلیٰ CHIEF MINISTER

آئین کے ذریعہ فراہم کردہ پارلیمانی نظام حکومت کی اسکیم میں، گورنر برائے نام ایگزیکٹو اتھارٹی (de jure

(executive ہےاور وزیر اعلیٰ حقیقی عاملہ (de facto executive) ہے۔ دوسرے لفظوں میں گورنر ریاست کا سربراہ ہوتا ہے جبکہ وزیر اعلیٰ حکومت کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس طرح ریاستی سطح پر وزیر اعلیٰ کا عہدہ مرکز میں وزیر اعظم کے عہدے کے مماثل ہوتا ہے۔

وزیر اعلیٰ کی تقرری

آئین میں وزیر اعلیٰ کے انتخاب اور تقرری کا کوئی خاص طریقہ کار موجود نہیں ہے۔ آرٹیکل 164 صرف یہ کہتا ہے کہ وزیر اعلیٰ کا تقرر گورنر کرے گا۔ تاہم، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گورنر کسی کو وزیر اعلیٰ مقرر کرنے کے لیے آزاد ہے۔ پارلیمانی نظام حکومت کی روایت کے مطابق گورنر کو ریاستی قانون ساز اسمبلی میں اکثریتی پارٹی کے لیڈر کو وزیر اعلیٰ مقرر کرنا ہوتا ہے۔

لیکن، جب کسی بھی پارٹی کو اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل نہ ہو تو گورنر وزیر اعلیٰ کے انتخاب اور تقرری میں اپنی ذاتی صوابدید استعمال کر سکتا ہے۔ ایسی صورت حال میں، گورنر عام طور پر اسمبلی میں سب سے بڑی پارٹی یا اتحاد کے لیڈر کو وزیر اعلیٰ مقرر کرتے ہیں اور اس سے ایک ماہ کے اندر ایوان میں اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے لیے کہتے ہیں۔

آئین یہ تقاضا نہیں کرتا کہ وزیر اعلیٰ کے عہدے پر تعینات ہونے سے پہلے کسی شخص کو قانون ساز اسمبلی میں اپنی اکثریت ثابت کرنی ہوگی۔ گورنر پہلے اسے وزیر اعلیٰ کے طور پر مقرر کر سکتا ہے اور پھر اسے ایک معقول مدت کے اندر قانون ساز اسمبلی میں اپنی اکثریت ثابت کرنے کے لیے کہہ سکتا ہے۔ متعدد معاملات میں ایسا ہی کیا گیا ہے۔

ایک شخص جو ریاستی مقنّنہ کا رکن نہیں ہے، چھ ماہ کے لیے وزیر اعلیٰ کے طور پر مقرر کیا جا سکتا ہے، اس وقت کے اندر، اسے ریاستی مقنّنہ کے لیے منتخب کیا جانا چاہیے، جس میں ناکام ہونے کی صورت میں وہ وزیر اعلیٰ کا عہدہ ختم کر دیتا ہے۔

آئین کے مطابق وزیر اعلیٰ ریاستی مقنّنہ کے دونوں ایوانوں میں سے کسی کا رکن ہو سکتا ہے۔ عام طور پر، وزرائے اعلیٰ کا انتخاب ایوان زیریں (قانون ساز اسمبلی) سے کیا جاتا ہے، لیکن، متعدد مواقع پر، ایوان بالا (قانون ساز کونسل) کے ایک رکن کو بھی وزیر اعلیٰ کے طور پر مقرر کیا گیا ہے۔

گورنر کی مدد اور مشورہ دینے کے لیے وزراء کی کونسل

1. وزراء کی ایک کونسل ہوگی جس کا سربراہ وزیر اعلیٰ ہوگا تاکہ گورنر کو اس کے کاموں کی انجام دہی میں مدد اور مشورہ دے، سوائے اس کے جہاں تک اسے اپنی صوابدید کے مطابق اپنے افعال کو انجام دینے کی ضرورت ہو۔
2. اگر کوئی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی معاملہ گورنر کی صوابدید میں آتا ہے یا نہیں، تو گورنر کا فیصلہ حتمی ہوگا، اور گورنر کی طرف سے کی گئی کسی بھی چیز کی صداقت پر اس بنیاد پر سوال نہیں کیا جائے گا کہ اسے کرنا چاہیے یا نہیں اس کی صوابدید میں کام کیا ہے۔
3. وزراء کی طرف سے گورنر کو دیے گئے مشورے کی کسی عدالت میں پوچھ گچھ نہیں کی جائے گی۔

حلف، معیاد اور تنخواہ

وزیر اعلیٰ اپنے عہدہ پر فائز ہونے سے پہلے، گورنر، وزیر اعلیٰ کو عہدے اور رازداری کا حلف دلاتے ہیں۔ اپنے عہدے کے

حلف میں، وزیر اعلیٰ حلف اٹھاتے ہیں:

1. ہندوستان کے آئین پر سچا ایمان اور وفاداری رکھنا۔
2. ہندوستان کی خود مختاری اور سالمیت کو برقرار رکھنا۔
3. اپنے عہدہ کے فرائض کو ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ ادا کرنا، اور
4. آئین اور قانون کے مطابق ہر طرح کے لوگوں کے ساتھ بلا خوف وخطر، بغیر کسی بغض وعداوت کے کام کرنا۔

اپنی رازداری کے حلف میں، وزیر اعلیٰ حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ راست یا بالواسطہ طور پر کسی بھی شخص (افراد) سے کوئی ایسا معاملہ نہیں بتائے گا یا ظاہر نہیں کرے گا جو ان کے زیر غور لایا گیا ہو یا انہیں بطور وزیر مملکت جانا جاتا ہو سوائے اس کے کہ اس کے لیے ضروری ہو۔ اس طرح ایک وزیر کے طور پر اپنے فرائض کی ادائیگی کریں گے۔

وزیر اعلیٰ کی میعاد مقرر نہیں ہے اور وہ گورنر کی خوشنودی سے عہدہ پر رہتے ہیں۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گورنر انہیں کسی بھی وقت برطرف کر سکتا ہے۔ اسے گورنر اس وقت تک برطرف نہیں کر سکتا جب تک کہ اسے قانون ساز اسمبلی میں اکثریت کی حمایت حاصل ہو۔ لیکن، اگر وہ اسمبلی کا اعتماد کھو دیتا ہے، تو اسے مستعفی ہو جانا ہو گا یا گورنر اسے برخاست کر سکتا ہے۔

وزیر اعلیٰ کی تنخواہ اور الاؤنس کا تعین ریاستی مقنّنہ کرتی ہے۔

تنخواہ اور الاؤنسز کے علاوہ جو ریاستی مقنّنہ کے رکن کو قابل ادائیگی ہیں، اسے ایک اضافی الاؤنس، مفت رہائش، سفری الاؤنس، طبی سہولیات وغیرہ ملتے ہیں۔

وزراء کی تقرری

وزیر اعلیٰ کا تقرر گورنر کرتا ہے۔ دیگر وزراء کا تقرر گورنر چیف منسٹر کے مشورے پر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ گورنر صرف ان لوگوں کو وزیر بنا سکتا ہے جن کی سفارش وزیر اعلیٰ کرتے ہیں۔ لیکن، چھتیس گڑھ، جھارکھنڈ، مدھیہ پردیش اور اڈیشہ میں قبائلی بہبود کا وزیر ہونا چاہیے۔ اصل میں، یہ انتظام بہار، مدھیہ پردیش اور اڈیشہ پر لاگو تھا۔ 2006 کے 94 ویں ترمیمی ایکٹ نے بہار کو قبائلی بہبود کے وزیر رکھنے کی ذمہ داری سے آزاد کر دیا کیونکہ اب بہار میں کوئی درج فہرست علاقے نہیں ہیں اور درج فہرست قبائل کی آبادی کا حصہ بہت کم ہے۔ اسی ترمیم نے چھتیس گڑھ اور جھارکھنڈ کی نو تشکیل شدہ ریاستوں تک بھی مذکورہ شق کو بڑھا دیا گیا ہے۔

عام طور پر، ریاستی مقنّنہ کے اراکین، یا تو قانون ساز اسمبلی یا قانون ساز کونسل، کو وزیر کے طور پر مقرر کیا جاتا ہے۔ ایک شخص جو ریاستی مقنّنہ کے کسی بھی ایوان کا رکن نہیں ہے اسے بھی وزیر بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن، چھ ماہ کے اندر، اسے ریاستی مقنّنہ کے کسی بھی ایوان کا رکن بننا چاہیے (یا تو انتخاب کے ذریعے یا نامزدگی کے ذریعے)، بصورت دیگر، وہ وزیر نہیں رہے گا۔

ایک وزیر جو ریاستی مقنّنہ کے ایک ایوان کا رکن ہے اسے بولنے اور دوسرے ایوان کی کارروائی میں حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔ لیکن، وہ صرف اس ایوان میں ووٹ دے سکتا ہے جس کا وہ رکن ہو۔

وزراء کا حلف اور تنخواہ

وزیر کے عہدہ پر فائز ہونے سے قبل، گورنر اسے عہدے اور راز داری کا حلف دلاتا ہے۔ اپنے عہدے کے حلف میں، وزیر حلف اٹھاتا ہے:

1. ہندوستان کے آئین پر سچا ایمان اور وفاداری رکھنا۔
2. ہندوستان کی خود مختاری اور سالمیت کو برقرار رکھنا۔
3. اپنے عہدہ کے فرائض کو ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ ادا کرنا، اور
4. آئین اور قانون کے مطابق ہر طرح کے لوگوں کے ساتھ بلا خوف وخطر، بغیر کسی بغض وعداوت کے کام کرنا۔

اپنی راز داری کے حلف میں، وزیر حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ راست یا بالواسطہ طور پر کسی بھی شخص (افراد) سے کوئی ایسا معاملہ نہیں بتائے گا یا ظاہر نہیں کرے گا جو ان کے زیر غور لایا گیا ہو یا انہیں بطور وزیر مملکت جانا جاتا ہو سوائے اس کے کہ اس کے لیے ضروری ہو۔ اس طرح ایک وزیر کے طور پر اپنے فرائض کی ادائیگی کریں گے۔

وزراء کی تنخواہوں اور الاؤنسز کا تعین ریاستی مقنّنہ وقتاً فوقتاً کرتی ہے۔ ایک وزیر کو تنخواہ اور الاؤنسز ملتے ہیں جو ریاستی مقنّنہ کے رکن کو قابل ادائیگی ہیں۔ مزید برآں، اسے ایک اضافی الاؤنس (اس کے عہدے کے مطابق)، مفت رہائش، سفری الاؤنس، طبی سہولیات وغیرہ ملتے ہیں۔

وزیر اعلیٰ کے اختیارات اور افعال

وزیر اعلیٰ اپنی ریاست کے وزراء کی کونسل کا سربراہ ہوتا ہے۔ وزیر اعلیٰ کا آئینی عہدہ کم وبیش وزیر اعظم سے مشابہ ہوتا ہے۔

وزیر اعلیٰ ریاست کے نظم ونسق میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وزیر اعلیٰ کے اختیارات اور افعال ہیں۔

(a) وزیر اعلیٰ ریاستی حکومت کا حقیقی سربراہ ہوتا ہے۔ وزیر اعلیٰ کے مشورے پر گورنر وزراء کو مقرر کرتے ہیں۔ وزیروں کو قلمدان وزیر اعلیٰ کے مشورے پر گورنر کے ذریعہ مختص کیے جاتے ہیں۔

(b) وزیر اعلیٰ وزراء کی کونسل/ کابینہ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہیں۔ وہ مختلف وزراء کے کام کاج کو مربوط کرتا ہے۔ وہ کابینہ/ وزراء کی کونسل کے کام کاج کی رہنمائی کرتا ہے۔

(c) ریاستی حکومت کے قوانین اور پالیسیاں بنانے میں وزیر اعلیٰ کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ بل اس کی منظوری سے ریاستی مقنّنہ میں پیش کیے جاتے ہیں۔ وہ ریاستی مقنّنہ کے اندر اور باہر اپنی حکومت کی پالیسیوں کے ترجمان اعلیٰ ہوتے ہیں۔

(d) آئین یہ فراہم کرتا ہے کہ وزیر اعلیٰ ریاست کے انتظامیہ اور امور سے متعلق وزراء کی کونسل/ کابینہ کے تمام فیصلوں اور قانون سازی کی تجاویز کے بارے میں گورنر کو آگاہ کرے گا۔

(e) اگر گورنر کی ضرورت ہو تو وزیر اعلیٰ کسی بھی معاملے کو وزراء کی کونسل میں غور کے لیے پیش کرتا ہے جس پر کسی وزیر نے فیصلہ کیا ہو لیکن جس پر کابینہ نے غور یا منظوری نہ دی ہو۔

(f) وزیراعلیٰ کابینہ اور گورنر کے درمیان رابطے کا واحد ذریعہ ہے۔ گورنر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کابینہ/ وزراء کی کونسل کے فیصلوں کے بارے میں وزیراعلیٰ کو آگاہ کرے۔

اس طرح یہ واضح ہے کہ اصل اختیار وزیراعلیٰ کی سربراہی میں وزراء کونسل کے پاس ہے۔ ریاست کا حقیقی عاملہ وزراء کی کونسل/ کابینہ ہے جس کی سربراہی وزیراعلیٰ کرتا ہے۔

وزیراعلیٰ کے ساتھ گورنر کے تعلقات

آئین کی درج ذیل دفعات گورنر اور وزیراعلیٰ کے درمیان تعلقات سے متعلق ہیں:

1. آرٹیکل 163: وزراء کی ایک کونسل ہوگی جس کا سربراہ وزیراعلیٰ ہوگا جو گورنر کو اس کے فرائض کی انجام دہی میں مدد اور مشورہ دے گا، سوائے اس کے جہاں تک اسے اپنے فرض یا ان میں سے کسی کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو۔

2. آرٹیکل 164:

(a) وزیراعلیٰ کا تقرر گورنر کے ذریعے کیا جائے گا اور دیگر وزراء کا تقرر وزیراعلیٰ کے مشورے پر کیا جائے گا۔

(b) وزراء گورنر کی خوشنودی تک عہدہ سنبھالیں گے۔ اور

(c) وزراء کی کونسل ریاست کی قانون ساز اسمبلی کو اجتماعی طور پر ذمہ دار ہوگی۔

3. آرٹیکل 167: یہ وزیراعلی کا فرض ہوگا:

(a) ریاست کے گورنر کو ریاست کے امور کے انتظام سے متعلق وزراء کی کونسل کے تمام فیصلوں اور قانون سازی کی تجاویز سے آگاہ کرے؛

(b) ریاست کے امور کے انتظام سے متعلق ایسی معلومات فراہم کرنا اور قانون سازی کے لیے تجاویز پیش کرنا جیسا کہ گورنر طلب کر سکتا ہے۔ اور

(c) اگر گورنر اس کا تقاضا کرے تو کوئی بھی ایسا معاملہ جس پر کسی وزیر نے فیصلہ کیا ہو لیکن کونسل نے اس پر غور نہ کیا ہو تو اسے وزراء کی کونسل کے سامنے پیش کرنا ہوگا۔

وزراء کی ذمہ داری

اجتماعی ذمہ داری

پارلیمانی نظام حکومت کا بنیادی اصول اجتماعی ذمہ داری کا اصول ہے۔ آرٹیکل 164 واضح طور پر کہتا ہے کہ وزراء کی کونسل ریاست کی قانون ساز اسمبلی کو اجتماعی طور پر ذمہ دار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام وزراء قانون ساز اسمبلی کے لیے اپنی تمام تر غلطیوں اور کوتاہیوں کے لیے مشترکہ ذمہ داری کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ ایک ٹیم کے طور پر کام کرتے ہیں اور ایک ساتھ تیرتے یا ڈوبتے ہیں۔ جب قانون ساز اسمبلی وزراء کی کونسل کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پاس کرتی ہے تو تمام وزراء کو مستعفی ہونا پڑتا ہے، بشمول وہ وزراء جو قانون ساز کونسل سے ہوتے ہیں۔ متبادل طور پر، وزراء کی کونسل گورنر کو اس بنیاد پر قانون ساز اسمبلی کو تحلیل کرنے کا

مشورہ دے سکتی ہے کہ ایوان رائے دہندوں کے خیالات کی وفاداری سے نمائندگی نہیں کرتا اور نئے انتخابات کا مطالبہ کرتا ہے۔ گورنر وزراء کی کونسل کو پابند نہیں کر سکتا، جس نے قانون ساز اسمبلی کا اعتماد کھو دیا ہے۔

انفرادی ذمہ داری

آرٹیکل 164 میں انفرادی ذمہ داری کا اصول بھی شامل ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ وزراء گورنر کی خوشنودی کی وجہ سے عہدے پر فائز ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ گورنر کسی وزیر کو ایسے وقت میں ہٹا سکتا ہے جب وزراء کی کونسل کو قانون ساز اسمبلی کا اعتماد حاصل ہو۔ لیکن، گورنر وزیراعلیٰ کے مشورے پر ہی کسی وزیر کو ہٹا سکتا ہے۔ اختلاف رائے یا کسی وزیر کی کارکردگی سے عدم اطمینان کی صورت میں، وزیراعلیٰ اس سے استعفیٰ دینے کے لیے کہہ سکتا ہے یا گورنر کو اسے برطرف کرنے کا مشورہ دے سکتا ہے۔ اس طاقت کو استعمال کر کے وزیراعلیٰ اجتماعی ذمہ داری کی حکمرانی کو یقینی بنا سکتے ہیں۔

خلاصہ

گورنر ریاست کا آئینی سربراہ ہوتا ہے۔ عملی طور پر حکومت کا حقیقی سربراہ وزیراعلیٰ ہوتا ہے۔ وزیراعلیٰ کا تقرر گورنر کرتا ہے۔ ہندوستان کا آئین ایک وفاقی حکومت فراہم کرتا ہے، جس میں مرکز اور اس کی اکائیوں، یعنی ریاستوں کے لیے الگ الگ انتظامی نظام موجود ہیں۔ یہ آئین کے حصہ IV میں ریاستی حکومت کے لیے یکساں ڈھانچہ پیش کرتا ہے، جو تمام ریاستوں پر نافذ العمل ہوتا ہے۔

ریاستوں میں طرز حکمرانی کا انداز وہی ہے جو مرکز کے لیے ہوتا ہے، یعنی پارلیمانی نظام، عاملانہ سربراہ ایک آئینی حکمران ہوتا ہے جسے ریاستی مقننہ کے ذمہ دار وزراء کے مشورے کے مطابق کام کرنا ہوتا ہے۔ آئین کے تحت ریاست کا انتظامی اختیار گورنر کو حاصل ہے۔ ریاست کی حکومت ان کے نام پر چلتی ہے۔

ریاستی سطح پر عاملہ کو مرکزی طرز پر بنایا گیا ہے۔ یہ گورنر، وزراء کی کونسل اور وزیراعلیٰ پر مشتمل ہے۔

نمونہ امتحانی سوالات

سوال 1۔ گورنر کی تقرری کیسے کی جاتی ہے؟

سوال 2۔ گورنر کون سے اختیارات استعمال کرتے ہیں؟

سوال 3۔ کیا گورنر کے پاس کوئی صوابدیدی اختیارات ہیں؟ اس کے صوابدیدی اختیارات کا ذکر کریں؟

سوال 4۔ گورنر کا عہدہ اور کردار کیا ہے؟

سوال 5۔ ریاست میں وزراء کی کونسل کیسے بنتی ہے؟

سوال 6۔ وزیراعلیٰ کے فرائض کی وضاحت کریں؟

سوال 7۔ گورنر کے وزیراعلیٰ کے ساتھ تعلقات کی وضاحت کریں؟

☆☆☆

18

18۔ ریاستی مقنّنہ

STATE LEGISLASTURE

مقاصد

☆ اس سبق کا مطالعہ کرنے کے بعد، آپ قابل ہو جائیں گے

☆ ودھان سبھا اور ودھان پریشد کی ساخت کی وضاحت کریں؛

☆ ریاستی قانون ساز اسمبلی اور کونسل کے اختیارات اور افعال کی وضاحت کریں۔

☆ ریاستی مقنّنہ کے پریزائیڈنگ افسران کی ذمہ داریوں کی فہرست بنائیں

☆ دونوں ایوانوں کے درمیان تعلقات کا جائزہ لیں؛ اور

☆ ریاستی مقنّنہ کی اہمیت کا اندازہ لگائیں۔

تعارف

ریاستی مقنّنہ ریاست کے سیاسی نظام میں ایک اہم اور مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ آئین کے حصہ VI میں آرٹیکل 168 تا 212 ریاستی مقنّنہ کی تنظیم، تشکیل، معیاد، عہدے، طریقہ کار، مراعات، اختیارات سے متعلق ہیں۔ اگرچہ یہ پارلیمنٹ سے ملتے جلتے ہیں، لیکن کچھ مختلف بھی ہیں۔

ریاستی مقنّنہ کی تنظیم

ریاستی مقننہ کی تشکیل

زیادہ تر ریاستوں میں، مقنّنہ گورنر اور قانون ساز اسمبلی (ودھان سبھا) پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ان ریاستوں میں یک ایوانی مقنّنہ ہے۔ چند ریاستوں میں، گورنر کے علاوہ قانون ساز اسمبلی کے دو ایوان ہیں، قانون ساز اسمبلی (ودھان سبھا) اور قانون ساز کونسل (ودھان پریشد)۔ جہاں دو ایوان ہوں، دو ایوانی مقنّنہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اگر کسی ریاست میں دو ایوانی مقنّنہ ہے تو، قانون ساز اسمبلی یا ودھان سبھا ایوان زیریں ہے جبکہ قانون ساز کونسل یا ودھان پریشد ایوان بالا ہے۔ قانون ساز اسمبلی کو عوامی چیمبر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قانون ساز کونسل سے زیادہ طاقتور ہے۔

ہندوستان کا آئین یہ فراہم کرتا ہے کہ ایک قانون ساز اسمبلی میں 500 سے زیادہ اور 60 سے کم اراکین نہیں ہو سکتے۔ دوسرے لفظوں میں، مختلف ریاستوں کی قانون ساز اسمبلیوں کے ارکان کی تعداد 60 سے 500 کے درمیان ہوتی ہے۔ تلنگانہ ریاست کی قانون ساز اسمبلی کی موجودہ تعداد 119 ہے۔

قانون ساز اسمبلی میں کچھ نشستیں درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل کے لیے مخصوص ہیں۔ اگر کسی ریاست کے گورنر کو لگتا ہے کہ اینگلو انڈین کمیونٹی کے اراکین کو قانون ساز اسمبلی میں مناسب نمائندگی نہیں دی گئی ہے، تو وہ اس کے لیے ایک رکن کو نامزد کر سکتا ہے۔ علاقائی حلقے قانون ساز اسمبلی کے انتخاب کے مقصد کے لیے، ہر ریاست کو کئی ایک رکنی علاقائی حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

قانون ساز اسمبلی (ودھان سبھا)

ہر ریاست میں ایک قانون ساز اسمبلی (ودھان سبھا) ہوتی ہے۔ یہ ریاست کے عوام کی نمائندگی کرتی ہے۔ ودھان سبھا کے ارکان کا انتخاب راست لوگوں کے ذریعہ عام بالغ رائے دہی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ وہ ریاست میں ووٹر کے طور پر رجسٹرڈ تمام بالغ شہریوں کے ذریعہ راست منتخب ہوتے ہیں۔ تمام مرد اور خواتین جن کی عمر 18 سال یا اس سے زیادہ ہے ووٹر لسٹ میں شامل ہونے کے اہل ہوتے ہیں۔ وہ ریاستی اسمبلی کے اراکین کو منتخب کرنے کے لیے ووٹ دیتے ہیں۔ اراکین کا انتخاب علاقائی حلقوں سے کیا جاتا ہے۔ ہر ریاست کو منتخب ہونے والے اراکین کی تعداد کے طور پر (سنگل ممبر) حلقوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ لوک سبھا کے معاملے میں، مخصوص تعداد میں سیٹیں درج فہرست ذاتوں کے لیے مخصوص ہیں، اور کچھ ریاستوں میں درج فہرست قبائل کے لیے بھی۔ یہ ریاست میں ان کمزور طبقات کی آبادی پر منحصر ہے۔

ودھان سبھا کا رکن بننے کے لیے ایک شخص کو:

1. ہندوستان کے شہری ہونا چاہیے؛
2. 25 سال کی عمر کو پہنچ چکا ہو؛
3. اس کا نام ووٹر لسٹ میں ہونا ضروری ہے۔
4. منافع بخش کوئی عہدہ نہیں رکھنا چاہیے یعنی؛
5. سرکاری ملازم نہیں ہونا چاہیے۔

ودھان سبھا کی میعاد پانچ سال ہوتی ہے، لیکن گورنر، وزیر اعلیٰ کے مشورے پر اپنی میعاد پوری ہونے سے پہلے اسے تحلیل کر سکتے ہیں۔ آئین کے آرٹیکل 356 کے تحت اعلان کردہ آئینی ایمرجنسی کی صورت میں صدر اسے تحلیل کر سکتا ہے۔

قومی ایمرجنسی کے اعلان کی صورت میں (آرٹیکل 352 کے تحت) پارلیمنٹ قانون ساز اسمبلیوں کی میعاد میں ایک وقت میں ایک سال سے زیادہ کی توسیع کر سکتی ہے۔

قانون ساز کونسل (ودھان پریشد)

ودھان پریشد ریاستی مقننہ کا ایوان بالا ہوتا ہے۔ یہ کئی ریاست میں موجود نہیں ہے۔ بہت کم ریاستوں میں دو ایوانوں والی مقنّنہ ہے جس کا مطلب ہے کہ دو ایوانی مقنّنہ ہیں۔ اس وقت پانچ ریاستیں یعنی اتر پردیش، بہار، کرناٹک، مہاراشٹر اور جموں وکشمیر میں ودھان پریشد ہے جبکہ باقی 23 ریاستوں میں ایک ایوان ہے، یعنی ودھان سبھا۔ قانون ساز کونسلیں برطانوی دور کی میراث ہیں۔ پارلیمنٹ ایسی ریاست میں ودھان پریشد تشکیل دے سکتی ہے جہاں یہ موجود نہیں ہے، اگر ریاست کی قانون ساز اسمبلی کی کل رکنیت کی اکثریت سے اور کم از کم دو تہائی اکثریت سے اس سلسلے میں ایک قرارداد پاس کرتی ہے۔ اسمبلی کے اراکین حاضر ہوتے ہیں اور ووٹ دیتے ہیں اور قرارداد کو پارلیمنٹ بھیجتے ہیں۔ اسی طرح، اگر کسی ریاست کی کونسل ہے اور اسمبلی اسے ختم کرنا چاہتی ہے، تو وہ اتنی ہی اکثریت سے قرارداد منظور کر کے پارلیمنٹ کو بھیج سکتی ہے۔ اس صورتحال میں پارلیمنٹ متعلقہ قانون ساز کونسل کو ختم کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس کے مطابق پنجاب، تمل ناڈو اور مغربی بنگال کی کونسلیں ختم کر دی گئیں۔

آئین کے مطابق، کسی ریاست کی ودھان پریشد میں اراکین کی کل تعداد ودھان سبھا کے اراکین کی کل تعداد کے ایک تہائی سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے لیکن یہ تعداد 40 سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ جموں وکشمیر اس سے مستثنیٰ ہے جہاں ودھان پریشد کے 36 ارکان ہیں۔

قانون ساز کونسل کا رکن بننے کے لیے متعلقہ شخص کو ہونا چاہیے۔

1. ہندوستان کا شہری ہونا:
2. 30 سال کی عمر کو پہنچ چکا ہے؛
3. ریاست میں رجسٹرڈ ووٹر بنیں؛
4. منافع کا کوئی عہدہ نہ رکھیں۔

ودھان پریشد جزوی طور پر منتخب اور جزوی طور پر نامزد ہوتی ہے۔ زیادہ تر اراکین بالواسطہ طور پر متناسب نمائندگی کے اصول کے مطابق واحد منتقلی قابل ووٹ نظام کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔ اراکین کی مختلف قسمیں مختلف مفادات کی نمائندگی کرتی ہیں۔

قانون ساز کونسل کی تشکیل حسب ذیل ہے:

1. کونسل کے ایک تہائی اراکین کا انتخاب ودھان سبھا کے اراکین کرتے ہیں۔
2. ودھان پریشد کے ایک تہائی ارکان ریاست میں بلدیات، ڈسٹرکٹ بورڈز اور دیگر بلدیاتی اداروں کے ارکان پر مشتمل ووٹر کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔
3. 1/12 اراکین ریاست میں گریجویٹوں پر مشتمل ووٹر کے ذریعے منتخب کیے جاتے ہیں جن کی مدت تین سال ہوتی ہے۔
4. 1/12 اراکین ریاست کے اندر تعلیمی اداروں کے اساتذہ پر مشتمل ووٹر کے ذریعے منتخب کیا جاتا ہے جو کسی ثانوی اسکول سے کم نہ ہوں جو کم از کم تین سال کا تدریسی تجربہ رکھتے ہوں۔

5. بقیہ، یعنی تقریباً چھٹا حصہ گورنران لوگوں میں سے نامزد کرتا ہے جو ادب، سائنس، فنون، کوآپریٹو موومنٹ اور سماجی خدمت کے شعبے میں خصوصی معلومات رکھتے ہوں۔

راجیہ سبھا کی طرح ودھان پریشد ایک مستقل ایوان ہے۔ یہ کبھی تحلیل نہیں ہوتا۔ اس کے ارکان کی مدت کار 6 سال ہے۔ اس کے ایک تہائی ارکان ہر دو سال بعد سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ سبکدوش ہونے والے ارکان دوبارہ انتخاب کے اہل ہوتے ہیں۔ استعفیٰ یا موت سے خالی ہونے کی صورت میں ایسے اراکین کی مدت ملازمت کی بقیہ مدت کے لیے ضمنی انتخاب کرایا جاتا ہے۔

حلف یا توثیق

ریاستی مقنّنہ کے کسی بھی ایوان کے ہر رکن کو، ایوان میں اپنی نشست سنبھالنے سے پہلے، گورنر یا اس مقصد کے لیے اس کے ذریعہ مقرر کردہ کسی فرد کے سامنے حلف یا توثیق کرنا اور اس کی رکنیت دینی ہوگی۔

اس حلف میں، ریاستی مقنّنہ کا رکن حلف اٹھاتا ہے:

(a) ہندوستان کے آئین پر سچا ایمان اور وفاداری رکھنا؛

(b) ہندوستان کی خودمختاری اور سالمیت کو برقرار رکھنا۔ اور

(c) اپنے عہدہ کے فرائض کو ایمانداری سے ادا کرنا۔

جب تک کوئی رکن حلف نہیں اٹھاتا، وہ ووٹ نہیں دے سکتا اور ایوان کی کارروائی میں حصہ نہیں لے سکتا اور ریاستی مقنّنہ کی مراعات اور استثنیٰ کا اہل نہیں بنتا۔

کوئی شخص ایوان میں بطور رکن بیٹھنے یا ووٹ دینے والے ہر دن کے لیے 500 روپے کے جرمانے کا ذمہ دار ہے:

(a) مقررہ حلف لینے سے پہلے؛ یا

(b) جب وہ جانتا ہے کہ وہ اہل نہیں ہے یا وہ اس کی رکنیت کے لیے نااہل ہے؛ یا

(c) جب وہ جانتا ہے کہ پارلیمنٹ یا ریاستی مقنّنہ کے بنائے گئے کسی قانون کی وجہ سے اسے ایوان میں بیٹھنے یا ووٹ دینے سے منع کیا گیا ہے۔

ریاستی مقنّنہ کے ممبران ایسی تنخواہیں اور الاؤنسز وصول کرنے کے حقدار ہیں جو وقتاً فوقتاً ریاستی مقنّنہ کے ذریعے طے کی جاتی ہیں۔

ریاستی مقنّنہ کے اختیارات اور افعال

قانون سازی کے اختیارات

ریاستی مقنّنہ کے اختیارات اور افعال، چاہے یک ایوانی ہوں یا دو ایوانی، تقریباً وہی ہیں جو مرکز اور ریاستوں کے درمیان طاقت کی تقسیم پر مبنی مرکزی پارلیمنٹ کے ہیں۔ ہندوستانی آئین کے وفاقی ڈھانچے کی وجہ سے، ریاستی مقنّنہ کو لامحدود اختیار حاصل نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں، اختیارات مرکز اور ریاست کے درمیان مرکزی فہرست، ریاستی فہرست اور مشترکہ فہرست کی بنیاد

پر تقسیم ہوتے ہیں۔آیئے درج ذیل عنوانات کے تحت ریاستی مقنّنہ کے اختیارات کا مطالعہ کریں:

قانون سازی کے اختیارات

قانون سازی ریاستی مقنّنہ کا بنیادی کام ہے۔ یہ ریاستی فہرست میں شامل 66 مضامین پر قانون بناتا ہے۔اسے کنکرنٹ لسٹ میں مذکور موضوعات پر قانون بنانے کا حق بھی ہے لیکن اسے اسی موضوع پر پارلیمنٹ کے بنائے گئے کسی قانون سے متصادم نہیں ہونا چاہیے۔تضاد کی صورت میں مرکزی حکومت کا بنایا ہوا قانون غالب رہتا ہے۔

قانون سازی کا طریقہ کار وہی ہے جو پارلیمنٹ میں عام بلوں (نان منی بلز) اور منی بلز دونوں کے معاملے اختیار کیا جاتا ہے۔ ریاستی مقنّنہ کی طرف سے منظور کیا گیا ہر بل (ایک ایوان اگر یک ایوانی اور دونوں ایوان اگر دو رکنی ہوں) گورنر کو اس کی منظوری کے لیے بھیجا جاتا ہے، جس کے بعد یہ قانون بن جاتا ہے۔

مالیاتی طاقتیں

ریاست کے مالی معاملات ریاستی مقنّنہ کے مکمل کنٹرول میں ہوتے ہیں کیونکہ مقنّنہ کی منظوری کے بغیر کوئی بھی خرچ نہیں کیا جا سکتا۔جیسا کہ مرکزی پارلیمنٹ کے معاملے میں وضاحت کی گئی ہے، منی بل صرف ایوان زیریں یعنی قانون ساز اسمبلی میں پیش کیا جا سکتا ہے اور وہ بھی گورنر کی پیشگی اجازت سے۔ چونکہ ہندوستان کی 23 ریاستوں میں صرف قانون ساز اسمبلی ہے، اس لیے بل کی منظوری کے بعد اسے گورنر کے یہاں منظوری کے لیے بھیجا جاتا ہے جس کے پاس رضامندی دینے کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہوتا۔اگر مقنّنہ دو ایوانوں پر مشتمل ہے اور اس کی ایک قانون ساز کونسل بھی ہے تو اسمبلی کے ذریعہ منظور شدہ بل کونسل کو بھیجا جاتا ہے۔مرکز میں راجیہ سبھا کی طرح، ریاستی قانون ساز کونسل کے پاس بھی محدود اختیارات ہیں اور بل کو 14 دنوں کے اندر ایوان زیریں میں واپس کرنا ہوتا ہے۔کونسل کی سفارشات اگر کوئی ہیں تو اسمبلی کے لیے پابند نہیں ہیں۔دونوں صورتوں میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بل دونوں ایوانوں سے پاس ہو چکا ہے اور دستخط کے لیے ان کے گورنر کو بھیجا جاتا ہے۔

عاملانہ نگرانی

پارلیمانی طرز حکومت کی ایک خاص خصوصیت کے طور پر، ریاستی مقنّنہ وزیر اعلیٰ کی سربراہی میں وزراء کی کونسل پر بھی نگرانی رکھتی ہے۔سوال پوچھنا، تحریک التواء، توجہ دلانے کی تحریک، تحریک عدم اعتماد وغیرہ عاملانہ نگرانی رکھنے کے کچھ طریقے ہیں۔ایمرجنسی جیسی صورت حال پیدا ہونے کی صورت میں، ریاستی اسمبلی کسی بھی فرد یا وزیر کی پوری کونسل کو ان کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ دے کر ہٹا سکتی ہے۔

انتخابی افعال

ودھان سبھا کے منتخب ارکان ہندوستان کے صدر کے انتخاب میں حصہ لیتے ہیں۔

آئینی افعال

ہندوستانی آئین میں ترمیم کے طریقہ کار کے بارے میں آپ پہلے ہی پڑھ چکے ہیں۔ پارلیمنٹ سے خصوصی اکثریت سے منظور ہونے کے بعد آئین کے کچھ حصوں کو کم از کم نصف ریاستوں کی ریاستی مقنّنہ سے توثیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم، ریاستی مقنّنہ میں آئینی ترمیم شروع نہیں کی جاسکتی۔

اسمبلی اور کونسل کے درمیان تعلقات

ریاستی مقنّنہ' قانون ساز اسمبلی اور قانون ساز کونسل پر مشتمل ہوتی ہے۔ اگرچہ دونوں ایوان عوامی نمائندہ اسمبلی اور کونسل سے زیادہ اختیارات رکھتے ہیں۔ ان دونوں ایوانوں کے درمیان تعلق کو درج ذیل طریقے سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

A) اسمبلی ایک بل پیش کرسکتی ہے اور اسے کونسل کی منظوری کے لیے بھیج سکتی ہے۔ کونسل اور عام بل کو 4 ماہ تک اپنے پاس رکھ کر جواب بھیج سکتے ہیں۔

B) منی بل کی صورت میں ریاستی اسمبلی کونسل کو تجویز بھیجتی ہے لیکن کونسل 14 دنوں کے اندر منی بل واپس بھیجنے میں ناکام ہوتی ہے' بل منظور کرلیا جاتا ہے۔

اسی طرح' ریاستی مقنّنہ کے دونوں ایوانوں کے افعال باہمی تعاون کے ساتھ یکجہتی کے ساتھ ہوتے ہیں اگر ایک ہی سیاسی جماعت کو دونوں ایوانوں میں اکثریت حاصل ہو تو ان دونوں ایوانوں کے درمیان تصادم کی کچھ مثالیں بھی موجود ہیں۔

خلاصہ

ریاستی مقنّنہ' ہندوستان کی کچھ ریاستوں میں قانون ساز اسمبلی اور قانون ساز کونسل پر مشتمل ہیں۔ جہاں ریاستی اسمبلی کے اراکین راست عوام کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں، قانون ساز کونسل کے اراکین کا انتخاب مختلف گروہوں جیسے اساتذہ، گریجویٹ، مقامی خود حکومتی اداروں کے اراکین، ریاستی مقنّنہ کے اراکین اور گورنر کے نامزد کردہ اراکین کے ذریعہ کئے جاتے ہیں۔ ریاستی مقنّنہ کی معیاد مقررہ ہوتی ہے اور اس طرح قانون ساز کونسل کے اراکین کی میعاد 6 سال ہوتی ہے اور اراکین اسمبلی کی میعاد پانچ سال ہوتی ہے۔ ریاستی مقنّنہ مختلف افعال انجام دیتی ہے جیسے کہ عاملانہ، مالیاتی افعال پر قانونی افعال کا کنٹرول مفہوم ترمیمی افعال الیکٹرول فنکشنز اور ہندوستان میں متفرق تقریب صرف 7 ریاستیں ہیں جو آندھرا پردیش، جموں کشمیر، بہار، جموں کشمیر، کرناٹک، مہاراشٹر، تلنگانہ اور اتر پردیش میں ریاستی قانون ساز کونسل کے ساتھ دو ایوانوں والی مقنّنہ ہے۔

ماڈل سوالات

1. ودھان سبھا (قانون ساز اسمبلی) کی تشکیل کی وضاحت کریں۔
2. ریاستی مقنّنہ کے اختیارات اور افعال کی وضاحت کریں۔
3. ریاستی مقنّنہ کے اختیارات کی حدود کا ذکر کریں۔

19

19۔ عدالتیں، ماتحت عدالتیں

COURTS AND SUBORDINATE COURTS

مقاصد

اس سبق کا مطالعہ کرنے کے بعد، آپ اس قابل ہوجائیں گے کہ

☆ ہائی کورٹس کی تشکیل اور تنظیم کی وضاحت کریں؛

☆ ہائی کورٹس کے اختیارات اور دائرہ اختیار کی وضاحت کریں؛

☆ بنیادی حقوق کے محافظ کے طور پر ہائی کورٹس کے کردار کی تعریف کریں۔ اور

☆ ماتحت یا نچلی عدالتوں کے کام کی وضاحت کریں۔

تعارف

آئین نے ریاستی سطح پر اعلیٰ عدلیہ کے طور پر ہائی کورٹ یعنی عدالت عالیہ کا انتظام فراہم کرتا ہے۔ ہندوستان کے آئین کے حصہ VI کے باب V میں ہائی کورٹ کی تنظیم اور افعال سے متعلق دفعات شامل ہیں۔ آرٹیکل 125 کے ذریعہ کہا گیا ہے کہ ''ہر ریاست کے لئے ایک ہائی کورٹ ہوگا''، ہندوستان کی ہر ریاست میں ایک ہائی کورٹ ہے اور ان عدالتوں کو آئینی حیثیت حاصل ہے۔

ہائی کورٹس ہندوستانی عدلیہ کا حصہ ہے، اور سپریم کورٹ کی نگرانی، رہنمائی اور کنٹرول کے تحت کام کرتا ہے۔ ریاست کی اعلیٰ ترین عدالت کے طور پر، ہائی کورٹ ریاست میں ماتحت عدالتوں کی نگرانی کرتا ہے۔ ہائی کورٹس بنیادی طور پر اپیل کی عدالتیں ہیں۔ یہ عدالتیں ضلعی سطح پر کام کرنے والی متعدد ماتحت عدالتوں کی اپیلوں کی سماعت کرتی ہیں۔ ججوں کی تقرری، ان کی اہلیت اور ماتحت عدالتوں کے کام کا نظام متعلقہ ریاست کی ہائی کورٹ کے راست کنٹرول اور نگرانی میں ہے۔ اس سبق میں آپ ریاستی ہائی کورٹس کے بارے میں پڑھیں گے۔ آپ کو ماتحت عدالتوں کا بھی اندازہ ہوجائے گا، بشمول ڈسٹرکٹ اور سیشن کورٹس۔

ریاستی ہائی کورٹس: The State High Courts:

اس وقت 28 ریاستوں اور 8 مرکزی زیر انتظام علاقوں کے لیے 25 ہائی کورٹس ہیں۔ ہائی کورٹس ریاستی سطح پر اعلیٰ ترین

عدالتیں ہیں، لیکن مربوط ہندوستانی عدلیہ کا حصہ ہونے کی وجہ سے وہ سپریم کورٹ کی نگرانی، ہدایت اور کنٹرول کے تحت کام کرتی ہیں۔

تشکیل Composition:

ہر ریاست کے لیے ایک ہائی کورٹ ہے۔ تاہم، ایک مشترکہ ہائی کورٹ ایک یا دو سے زیادہ ریاستوں کیلئے بھی ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر، پنجاب اور ہریانہ کی ریاستیں اور چندی گڑھ کی حکومت کے مرکزی زیر انتظام علاقے کے ڈھانچے میں چندی گڑھ میں ایک مشترکہ ہائی کورٹ ہے۔ اسی طرح، گوہاٹی کا ہائی کورٹ 7 شمال مشرقی ریاستوں آسام، ناگالینڈ، منی پور، میگھالیہ، میزورم، تریپورہ اور اروناچل پردیش کے لیے ہے۔ دہلی اگرچہ ریاست نہیں ہے مگر اس کا اپنا الگ ہائی کورٹ ہے۔ ہر ہائی کورٹ میں چیف جسٹس اور کئی جج ہوتے ہیں۔ ججوں کی تعداد ایک ریاست سے دوسری ریاست میں مختلف ہوتی ہیں۔ ہر ہائی کورٹ کے ججوں کی تعداد کا تعین صدر کرتے ہیں۔

ہائی کورٹس کے ججوں کا تقرر ہندوستان کے صدر کرتے ہیں۔ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی تقرری کرتے وقت صدر کو سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور متعلقہ ریاست کے گورنر سے مشورہ کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے ججوں کی تقرری کرتے وقت، صدر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس، ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور متعلقہ ریاست کے گورنر سے مشورہ کرتے ہیں۔ صدر کے ذریعے ججوں کا ایک ہائی کورٹ سے دوسری ہائی کورٹ میں تبادلہ کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ ہائی کورٹ کے ججوں کی تقرریوں اور تبادلوں کے سلسلے میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سے مشاورت صدر کے لیے بھی واجب اور پابند ہے۔ جب کہ صدر کی آئینی حیثیت برقرار ہے، ججوں کا اصل انتخاب سپریم کورٹ کے سینئر ججوں کی ایک ٹیم کرتی ہے، جس کی سربراہی چیف جسٹس آف انڈیا کرتے ہیں، 1993 کے فیصلے کے مطابق جسے سپریم کورٹ نے 1999 میں نافذ کیا تھا۔ جس کو سپریم کورٹ کا کالجیم کہا جاتا ہے۔ اس کی سفارشات سننا صدر پر لازم ہیں۔

اہلیت، میعاد اور ججوں کی برطرفی Qualifications, Tenure and Removal of the Judges

ہائی کورٹ کے جج کے طور پر تعینات ہونے کے لیے، متعلقہ شخص کو درج ذیل قابلیت کا حامل ہونا چاہیے:

(i) وہ ہندوستان کا شہری ہونا چاہیے۔

(ii) اسے کم از کم دس سال تک ضلعی سطح پر یا اس سے نیچے کا عدالتی عہدہ رکھنا چاہیے۔

یا

اسے کم از کم دس سال بغیر وقفے کے مسلسل ایک یا زیادہ ہائی کورٹس میں وکیل رہنا چاہیے۔

ایک مرتبہ ہائی کورٹ کے جج مقرر ہونے کے بعد 62 سال کی عمر تک پہنچنے پر اپنے عہدے پر فائز رہتے ہیں۔ ملازمت سے

سبکدوشی کے بعد، انہیں سپریم کورٹ کا جج مقرر کیا جا سکتا ہے یا وہ سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے علاوہ کسی اور ہائی کورٹ میں جس میں انہوں نے بطور جج خدمات انجام دیں، میں بطور وکیل پریکٹس کر سکتے ہیں۔

ہائی کورٹ کے جج کو 62 سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے صرف نا اہلی یا غلط رویہ ثابت ہونے کی بنیاد پر برطرف کیا جا سکتا ہے، اگر پارلیمنٹ کے دونوں ایوان اپنی کل رکنیت کی اکثریت سے اور ایک ہی اجلاس میں ہر ایوان میں الگ الگ طور پر حاضر ہونے اور ووٹ دینے والے ارکان کی دو تہائی اکثریت سے قرارداد منظور کرتے ہوئے ہائی کورٹ کے جج کو برطرف کیا جا سکتا ہے۔ ایسی قرارداد صدر کو پیش کی جاتی ہے، جو اس کے بعد متعلقہ جج کو ہٹایا جا سکتا ہے۔ یہ طریقہ کار سپریم کورٹ کے ججوں کو ہٹانے جیسا ہے۔

ہائی کورٹ کے اختیارات اور عدالتی اختیار Powers and Jurisdiction of the High Court

ہائی کورٹس کو ان مقدمات کی سماعت اور فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے جو راست اس میں لائے جاتے ہیں۔ اس اختیار کو حقیق عدالتی اختیار کہا جاتا ہے۔ جب ہائی کورٹ نچلی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل کی سماعت کرتی ہے تو اسے اپیل سننے کا دائرہ اختیار کہا جاتا ہے۔ ہائی کورٹ زیادہ تر اپیل کی عدالت ہوتی ہے۔ نچلی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف دیوانی اور فوجداری دونوں مقدمات میں اپیلیں اس کے پاس لائی جاتی ہیں۔

ابتدائی اختیار سماعت Original Jurisdiction

ہائی کورٹس کا ابتدائی اختیار سماعت بہت محدود ہے۔ بنیادی حقوق کی مبینہ خلاف ورزی کے مقدمات ہائی کورٹس یا سپریم کورٹ میں شروع کیے جا سکتے ہیں۔ ہائی کورٹس کو عوام کے بنیادی حقوق کی بحالی کے لیے احکامات جاری کرنے کا اختیار ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ان احکامات کو رٹ کہتے ہیں۔

رٹ جاری کرنے کا اختیار: آپ نے بنیادی حقوق کے سبق میں 'آئینی حکمت عملیوں کا حق' میں پڑھا ہے کہ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے رٹ جاری کر سکتے ہیں کہ ریاست یا کسی اور طرح سے لوگوں کے حقوق کی خلاف ورزی نہ ہو۔ آئین نے خاص طور پر ہائی کورٹس کو 'کچھ رٹ جاری کرنے' کا اختیار دیا ہے۔ یہ عدالتیں متعلقہ ریاست کی حکومت سمیت کسی بھی شخص یا اتھارٹی کو 'رٹ' جاری کر سکتی ہیں (جو عدالت کی پابند ہدایات ہیں)۔ لوگوں کے حقوق کے نفاذ کے لیے Habeas، کارپس، مینڈیمس، ممانعت، کوو وارنٹو، اور سرٹیوریری (سبق 6 میں بیان کیا گیا ہے) کی نوعیت میں تحریریں۔ یہ اختیار ہائی کورٹ کے ابتدائی سماعت اختیار میں استعمال کیا جاتا ہے، اور یہ سپریم کورٹ کے مماثل اختیار کے لیے توہین آمیز نہیں ہے۔

ایک ہائی کورٹ اپنے ابتدائی اختیار سماعت میں الیکشن پٹیشن کی سماعت کر سکتا ہے، جس میں ممبر پارلیمنٹ یا ریاستی قانون ساز اسمبلی کے انتخاب کو چیلنج کیا گیا ہو۔ یہ کسی رکن کے انتخاب کو ایک طرف رکھ سکتا ہے اگر اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے انتخاب میں

بدعنوان ذرائع کا استعمال کیا ہے۔تمام نچلی عدالتیں ریاست میں ہائی کورٹ کے سپرنٹنڈنس کنٹرول اور رہنمائی کے تحت کام کرتی ہیں۔

ہائی کورٹس فوجداری مقدمات میں سیشن عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت اور فیصلہ کرتی ہیں۔ایک ملزم جو سیشن عدالت سے مجرم پایا جاتا ہے، اور اسے سزا سنائی جاتی ہے، وہ سیشن عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کرسکتا ہے۔بعض اوقات ریاست بھی سزا میں اضافے کے لیے سیشن کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل کرسکتی ہے۔ہائی کورٹ سیشن کورٹ کے فیصلے کو قبول کرسکتی ہے، یا اس میں ردوبدل کرسکتی ہے اور سزا میں اضافہ یا کم کرسکتی ہے، یا سزا کی نوعیت کو تبدیل کرسکتی ہے، یا کسی ملزم کو بری کرسکتی ہے۔تاہم، اگر کسی ملزم کو سیشن عدالت کی طرف سے سزائے موت سنائی جاتی ہے، تو اس شخص کو پھانسی دینے سے پہلے ہائی کورٹ کی طرف سے سزا کی تصدیق ہونی چاہیے۔اگر ملزم سزائے موت کے خلاف اپیل دائر نہیں کرتا ہے تب بھی ریاست اسے تصدیق کے لیے ہائی کورٹ سے رجوع کرتی ہے۔

ہائی کورٹ میں مقدمات کی منتقلی Transfer of Cases to the High Court

اگر ہائی کورٹ اس بات سے مطمئن ہے کہ ماتحت عدالت میں زیر التوا مقدمہ میں آئین کی تشریح کے حوالے سے قانون کا ایک اہم سوال شامل ہے، تو ہائی کورٹ ایسے مقدمات کو نچلی عدالت سے واپس لے سکتا ہے۔مقدمہ کی جانچ کرنے کے بعد، ہائی کورٹ یا تو اسے خود نمٹا سکتا ہے، یا مقدمہ کو نمٹانے کے لیے ہدایات کے ساتھ اسے نچلی عدالت میں واپس بھیج سکتا ہے۔

ماتحت عدالتوں کی نگرانی Superintendence of Subordinate Courts

ایک ہائی کورٹ کو عدالتی اور انتظامی نوعیت کے تمام معاملات میں تمام ماتحت عدالتوں پر نگرانی اور کنٹرول کا حق حاصل ہوتا ہے۔نگرانی کے اپنے اختیار کے استعمال میں، ہائی کورٹ نچلی عدالتوں سے کوئی بھی معلومات طلب کرسکتا ہے۔ان عدالتوں کی پریکٹس اور کارروائیوں کو منظّم کرنے کے لیے عام اصول ترتیب اور جاری کرسکتے ہیں اور اصول تجویز کرسکتے ہیں؛ اور یہ وقتاً فوقتاً ایسی ہدایات جاری کرسکتا ہے، جیسا کہ اسے ضروری سمجھا جاسکتا ہے۔یہ ماتحت عدالتوں کے افسران کی تقرری، تنزلی، پروموشن اور چھٹی سے متعلق قواعد وضوابط بھی بنا سکتا ہے۔

ریکارڈ رکھنے کا کورٹ Court of Record

ہائی کورٹ بھی سپریم کورٹ کی طرح ریکارڈ کی عدالت ہے۔کسی ریاست میں ماتحت عدالتیں ہائی کورٹ کے فیصلوں پر عمل کرنے کی پابند ہوتی ہیں جنہیں مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ایک ہائی کورٹ کو اس کی توہین یا بے عزتی پر سزا دینے کا اختیار بھی ہے۔

ماتحت عدالتیں Subordinate Courts

ہائی کورٹ کے تحت، عدالتوں کی ایک درجہ بندی ہوتی ہے جسے ہندوستانی آئین میں ماتحت عدالتوں کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ عدالتیں ریاستی حکومت کے نفاذ کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں، اس لیے ان کا نام اور عہدہ ریاست کے لحاظ سے مختلف ہے۔ تاہم، تنظیمی ڈھانچے کے لحاظ سے وسیع پیمانے پر یکسانیت کی حامل بھی ہیں۔

ریاست کو اضلاع میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر ضلع میں ایک ضلعی عدالت ہے جس میں ضلع میں اپیل کنندہ کا عدالتی اختیار ہے۔ ضلعی عدالتوں کے تحت، نچلی عدالتیں ہیں جیسے کہ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ کورٹ، ذیلی عدالت، منصف مجسٹریٹ کورٹ، II کلاس کے خصوصی جوڈیشل مجسٹریٹ کی عدالت، I کلاس کے خصوصی جوڈیشل مجسٹریٹ کی عدالت، خصوصی منصف مجسٹریٹ کی عدالت فیکٹریز ایکٹ اور لیبر قوانین وغیرہ۔ ماتحت عدالتوں کے اعلی درجے کے نیچے پنچایت عدالتیں ہیں (نیا پنچایت، گرام پنچایت، پنچایت عدالت وغیرہ)۔ تاہم، ان کو فوجداری عدالتوں کے سماعت کے اختیار کے تحت عدالتوں کے طور پر نہیں سمجھا جاتا ہے۔

ضلعی عدالت کا اصولی کام ماتحت عدالتوں میں اپیلوں کی سماعت کرنا ہے۔ تاہم، عدالتیں خصوصی حیثیت کے تحت اصل معاملات کا بھی نوٹس لے سکتی ہیں، مثال کے طور پر ہندوستانی جانشینی ایکٹ، گارڈین ایکٹ، گارڈین ایکٹ اور وارڈز ایکٹ اور لینڈ ایکوزیشن ایکٹ۔

آئین ماتحت عدلیہ کی آزادی کو یقینی بناتا ہے۔ ضلعی عدالتوں میں تقرریاں گورنر ہائی کورٹ کے مشورے سے کرتا ہے۔ تقرری کے لیے اہل ہونے والے شخص کو یا تو وکیل ہونا چاہیے یا سات سال کی وکالت کا تجربہ ہونا چاہیے، یا مرکزی یا ریاست کی خدمت میں عہدیدار ہونا چاہیے۔ کسی ریاست کی عدالتی خدمات میں ضلعی ججوں کے علاوہ دیگر افراد کی تقرری گورنر ہائی کورٹ اور اسٹیٹ پبلک سروس کمیشن کے ساتھ مشاورت کے بعد اس کی جانب سے بنائے گئے قواعد کے مطابق کرتی ہے۔

ہائی کورٹ ضلعی عدالتوں اور ان کے ماتحت عدالتوں پر ریاستی عدالتی خدمات سے تعلق رکھنے والے تمام افراد کی تقرریاں، ترقیاں اور چھٹی دینے جیسے معاملات میں نگرانی کا اختیار استعمال کرتا ہے۔

امتحانی سوالات

1. ہائی کورٹ کی تشکیل کی وضاحت کریں۔
2. ہائی کورٹ کے جج کو عہدے سے کیسے ہٹایا جاسکتا ہے؟
3. ہائی کورٹ کے اصل دائرہ اختیار کی وضاحت کریں۔
4. ہائی کورٹ کے اپیلٹ دائرہ اختیار کی وضاحت کریں۔
5. ضلع میں ماتحت عدالتیں کیسے منظم ہوتی ہیں؟
6. کس طرح سے دیوانی عدالتوں کے اختیارات اور افعال ضلع میں فوجداری عدالتوں سے مختلف ہیں؟

20

20۔ مقامی، خود اختیاری حکومتیں
LOCAL SELF-GOVERNMENTS

مقاصد

اس باب کو پڑھنے کے بعد، آپ کو قابل ہونا چاہیے کہ

☆ ہندوستان میں مقامی خود اختیاری حکومتوں (LSG) کے ارتقاء کو جانیں؛

☆ ہندوستان کے دیہی اور شہری علاقوں میں LSG کی ساخت اور کام کی وضاحت کریں؛

☆ LSG کی وسعت اور اختیارات میں تبدیلیوں کی وضاحت کریں۔

تعارف

ہندوستان میں سیاسی اختیار حکمرانی کی تین عمودی اکائیاں یعنی مرکزی حکومت، ریاستی حکومت اور مقامی حکومت کے ذریعہ مشترک ہے۔ مقامی حکومت میں دیہات میں پنچایتی راج ادارے (PRIs) اور شہروں میں میونسپل یا میٹرو پولیٹن کونسلیں شامل ہوتی ہیں۔ یہ مقامی خود اختیاری حکمرانی کے ادارے (LSG) کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ 73 ویں اور 74 ویں آئینی ترامیم نے مقامی خودمختاری کا دائرہ وسیع کر دیا ہے۔

ہندوستان میں دیہی خود اختیاری حکومت کا تاریخی پس منظر

پنچایتی راج، اگرچہ مختلف شکلوں میں تھا، اس کی طویل تاریخ قدیم دور سے موجود ہے جب دیہی برادریوں نے اپنے معاملات خود سنبھالنے کے لیے اداروں کو منظّم کیا تھا۔ مغل دور میں گاؤں کی خودمختاری نمایاں تھی، اس لیے مقامی برادریوں پر مغل دور کا اثر بہت کم تھا۔ لیکن دیہی خود حکومت کا باقاعدہ ڈھانچہ 1882 میں رپن کی قرارداد کے مطابق متعارف کرایا گیا تھا۔ اس کا بنیادی مقصد نوآبادیاتی انتظامیہ کو مقامی ہندوستانی اشرافیہ کی ادارہ جاتی حمایت فراہم کرنا تھا۔ ہندوستان میں عصری مقامی خودمختاری کو برطانوی دور کے بجائے انگریزوں کے متعارف کرائے گئے نظام کے تسلسل کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ بلدیاتی اداروں سے متعلق کئی صوبائی ایکٹ

منظور کیے گئے، اور انہوں نے دیگر صوبائی اور مرکزی قانون سازی کے لیے ایک فریم ورک فراہم کیا۔ دیہی علاقوں میں مقامی خود اختیاری حکومت جسے گاؤں کی پنچایت کے نام سے جانا جاتا ہے، 1907 میں رائل کمیشن آف ڈی سینٹرلائزیشن کی سفارشات کے مطابق دیہاتوں میں قائم کیا گیا تھا۔ گاؤں کی پنچایتیں لوکل بورڈ کے نہیں بلکہ ڈپٹی کمشنر کے کنٹرول میں رکھا جاتا تھا۔ گاؤں کی پنچایت کو کچھ عدالتی اور انتظامی اختیارات حاصل تھے۔ یہ اراضی کے مقدمات اور خصوصی گرانٹس کے ایک حصے کا بھی حقدار تھا۔

دیہی خود اختیاری حکومت بل (رورل سیلف گورنمنٹ بل) 1925، جو کہ 9 رکنی ولیج اتھارٹی کے لیے فراہم کرتا ہے جو کہ محدود بالغ حق رائے دہی کی بنیاد پر منتخب کیا جاتا ہے۔ ایک کامیاب گاؤں کی اتھارٹی کو زیادہ طاقت دی جاتی تھی۔ ایک پنچایت میں ایک سے زیادہ گاؤں شامل ہوسکتے تھے۔ اس کو کچھ ضلعی سطح کے امور تفویض کئے جاتے جیسے پانی کی فراہمی، طبی امداد اور صفائی ستھرائی۔ واحد رکن گاؤں کی اتھارٹی بھی قائم کر سکتا جہاں گاؤں کی تنظیم کی کوئی تسلیم شدہ شکل موجود نہ ہو۔

آزادی کے بعد ہندوستان میں پنچایتی راج (1950-1992)

آزادی کے حصول کے ابتدائی سالوں میں، حکومت نے کمیونٹی ڈویلپمنٹ اور قومی وسیع خدمات کے پروگراموں کے ذریعہ گاؤں کے معاشرے کی ترقی کے لیے ایک آلہ متعارف کرانے کی کوشش کی۔ ان پروگراموں نے بڑی تعداد میں سرکاری ملازمین جیسے کہ بلاک ڈیولپمنٹ آفیسرز (BDOs) اور ولیج لیول ورکرز (VLWs) کے عہدہ رائج کیے۔ لیکن کمیونٹی ڈویلپمنٹ پروگراموں کے نتائج تسلی بخش نہیں تھے۔

آزادی کے بعد ہندوستان میں پنچایتی راج انسٹی ٹیوٹ کو متعارف کرانے کا پہلا اقدام جنوری 1957 میں کے گیا تھا۔ اس وقت منصوبہ بندی کمیشن نے منصوبہ بندی کے منصوبوں پر ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ اس کمیٹی کو مہتا کمیٹی کے نام سے جانا جاتا تھا جس کا نام اس کے چیئرمین بلونت رائے جی مہتا کے نام پر رکھا گیا تھا۔ مہتا کمیٹی کا مقصد تھا:

i) کمیونٹی پروجیکٹس اور نیشنل ایکسٹینشن سروس کے مناسب نفاذ کے لیے گاؤں کی پنچایتوں اور اعلیٰ سطح کی مقبول تنظیموں کے درمیان ممکنہ روابط کے بارے میں ایک رپورٹ دینا۔

ii) ضلعی انتظامیہ کی تنظیم کے مراحل کا پہلے سے تعین کرنا۔ اس سے جمہوری اداروں کو اضلاع یا ذیلی ڈویژنوں کی مکمل عمومی انتظامیہ اور ترقی کرنے میں مدد ملے گی۔

بلونت رائے مہتا کمیٹی نے ملک گیر سروے کیا اور مشاہدہ کیا کہ کمیونٹی پروجیکٹس اور نیشنل ایکسٹینشن سروسز میں عوام کی شراکت میں کمی دیکھی گئی۔ انہوں نے بھی ایڈہاک طریقے سے کام کیا۔ اس کمی کو دور کرنے کے لیے، بلونت رائے مہتا کمیٹی نے دیہاتوں میں جمہوری اداروں کے قیام کی سفارش پیش کی۔ بلونت رائے مہتا کمیٹی کی رپورٹ میں یہ بھی سفارش کی گئی تھی کہ گاؤں کی پنچایتوں کو کافی اختیار اور مالیہ مختص کیا جانا شامل تھا۔ تاہم، گاؤں کی پنچایتوں کو خصوصی ترقیاتی اسکیموں کو نافذ کرنے میں ریاستی حکومت کے ایجنٹ کے

طور پر سمجھا جاتا تھا۔ بلونت رائے مہتا کمیٹی کی رپورٹ میں مقامی ترقی کے لیے ریاست کی وضع کردہ اور ریاستی سرپرستی والی اسکیم کو نافذ کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ کمیٹی نے نے تجویز کیا کہ بلدیاتی اداروں کے کام تمام پہلوؤں میں زراعت کی ترقی کا احاطہ کرتا ہے۔ مویشیوں اور مقامی صنعتوں کی بہتری، صحت عامہ، فلاحی امور، پرائمری اسکولوں کا نظم ونسق اور اعداد وشمار کو جمع اور دیکھ بھال، اور ریاستی حکومت کے ایک ایجنٹ کے طور پر کام کرتے ہوئے ترقی کی خصوصی اسکیموں کو انجام دینا وغیرہ۔ ریاست کی مقامی اداروں کے ساتھ مزید تعلق کے لئے کمیٹی نے حکومت کے ضرورت سے زیادہ کنٹرول کی بھی حمایت کی۔

بلونت رائے مہتا کمیٹی نے کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگراموں اور توسیعی خدمات کے پروگراموں کی کمی کو پورا کرنے کے لیے ''جمہوری غیر مرکزیت'' کے اقدامات کی سفارش کی۔ کمیٹی نے تجویز پیش کی کہ ترقی کا اختیار درمیانی سطح یعنی پنچایت سمیتی میں ہونا چاہیے۔ مہتا کمیٹی کی رپورٹ نے VLWs یا گرام سیوکوں کو پنچایت سمیتی اور گاؤں کی سطح کی پنچایت کے درمیان ایک کڑی کے طور پر بنایا ہے۔ مہتا کمیٹی کی رپورٹ پورے ہندوستان میں پی آر آئی کی توسیع کی بنیاد بنی۔ مہتا کمیٹی کی رپورٹ کی سفارش کے بعد، ہندوستان میں پہلی گاؤں پنچایت کا انتخاب 1957 میں راجستھان کے ناگور ضلع میں ہوا تھا۔ تاہم، PRIs، جیسا کہ بلونت رائے مہتا کمیٹی کی رپورٹ کے ذریعے قائم کیا گیا تھا، اپنے اراکین کے اندر گروہ بندی، دیہات میں جھگڑے اور بدعنوانی کا شکار ہوئے۔ PRIs کے انتخابات میں تاخیر ہوئی اور 1970 کی دہائی کے دوسرے نصف تک PRIs کی نااہلی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

اس طرح بلونت رائے مہتا کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں قائم پی آر آئی کے کام کاج کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے 1970 کی دہائی میں جنتا کی قیادت والی مرکزی حکومت نے اشوک مہتا کمیٹی کا تقرر کیا۔ اس کمیٹی کا مقصد ہندوستان میں PRIs کے کام کاج کا جائزہ لینا اور ان کی بہتری کے لیے اقدامات کی سفارش پیش کرنا تھا۔ تاہم، اشوک مہتا کمیٹی نے ترقی کے بجائے کمیونکیشن کے طریقہ کار پر زیادہ زور دیا۔ کمیٹی نے کچھ نئی تجاویز بھی دی ہیں جیسے کہ سیاسی جماعتوں کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دینا اور خواتین کو پی آر آئی میں حصہ لینے کے قابل بنانا۔ اس نے تین درجے پنچایتی راج نظام کو دو سطحی نظام سے تبدیل کرنے کی بھی سفارش کی، ضلعی سطح پر ضلع پریشد، اور اس کے نیچے منڈل پنچایت جس میں 15000 سے 20000 تک کی آبادی والے دیہاتوں کے ایک گروپ کا احاطہ کیا گیا۔ تاہم، اشوک مہتا رپورٹ 1980 میں جنتا پارٹی کی حکومت کے خاتمے اور کانگریس کی حکومت کے قیام کے بعد زیادہ تر ریاستوں میں نافذ نہیں کیا گیا۔ غیر کانگریس پارٹیوں کی حکومت والی کچھ ریاستیں جیسے کرناٹک، مغربی بنگال اور آندھرا پردیش نے PRIs کو فعال کرنے کے لیے عمل شروع کیا۔ آخر کار، اشوک مہتا کمیٹی کی رپورٹ کی سفارشات کو 1990 کی دہائی میں کانگریس حکومت نے غور کیا تھا۔

ان سفارشات کو 73 ویں اور 74 ویں آئینی ترامیم میں کچھ ترامیم کے ساتھ شامل کیا گیا تھا۔ 24 اپریل 1993 ہندوستان میں پنچایتی راج کی تاریخ کا ایک اہم دن ہے۔ اس دن پنچایتی راج اداروں کو آئینی درجہ دینے کے لیے آئین (73 ویں ترمیم)

ایکٹ، 1992 نافذ ہوا۔ 74ویں آئینی ترمیمی ایکٹ نے ہندوستان میں غیر مرکزیت اور شہری حکمرانی کے عمل میں ایک نیا رجحان شروع کیا۔ 74ویں ترمیمی ایکٹ، 1992، یکم رجون، 1993 کو نافذ ہوا۔ اگلے ذیلی حصے میں، آپ 73ویں اور 74ویں آئینی ترمیمی ایکٹ کی خصوصیات سے متعلق جانیں گے۔

73ویں آئینی ترمیمی ایکٹ، 1992

73ویں ترمیم ملک میں مزید جمہوریت سازی، پسماندہ گروہوں کو بااختیار بنانے اور پنچایتوں کے افعال کار کو بہتر بنانے کے لیے فراہم کرتی ہے۔ 74ویں ترمیم شہری علاقوں میں میونسپلٹی یا بلدیہ کے بارے میں اسی طرح کے رہنما خطوط فراہم کرتی ہے۔ ان ترمیمی ایکٹ نے تمام ریاستوں کو پنچایتوں اور شہری اداروں کی منتقلی سے متعلق اپنی پالیسیاں بنانے کے لیے ایک فریم ورک اور رہنما خطوط فراہم کیے ہیں۔ تمام ریاستوں سے پنچایتوں سے متعلق دفعات میں تبدیلی کرنے کو کہا گیا تھا۔

73ویں آئینی (ترمیمی) ایکٹ کی اہم خصوصیات یہ ہیں:

a) 20 لاکھ سے زیادہ آبادی والی تمام ریاستوں کے لیے گاؤں، بلاک (درمیانی سطح) اور ضلعی سطحوں پر پنچایتی راج کا تین سطحی نظام۔

b) پنچایت کے انتخابات باقاعدگی سے ہر پانچ سال میں کرائے جائیں اور پنچایت تحلیل ہونے کے بعد چھ ماہ کے اندر انتخابات کرائے جائیں۔

c) درج فہرست ذاتوں، درج فہرست قبائل، او بی سی، خواتین (33%) اور عام نشستوں کے لیے نشستوں کا ریزرویشن:

d) پنچایتوں کے مالی اختیارات کے بارے میں سفارشات پیش کرنے کے لیے ریاستی مالیاتی کمیشن کا تقرر کرنا: اور

e) مجموعی طور پر ضلع کے لیے ترقیاتی منصوبہ تیار کرنے کے لیے ضلعی منصوبہ بندی کمیٹی تشکیل دینا۔

73ویں آئینی ترمیمی ایکٹ کا مقصد گاؤں کی پنچایتوں کو خود اختیار حکمرانی، اقتصادی ترقی اور سماجی انصاف کے ادارے کے طور پر ترقی دینے کے اختیارات دینا تھا۔ اس مقصد کے لیے کمیٹی نے پنچایتوں کو 29 موضوعات پر اسکیموں کو نافذ کرنے کی ذمہ داری تفویض کی ہے۔

گیارہویں شیڈول میں 29 موضوعات شامل ہیں جن میں زراعت، زمینی اصلاحات، معمولی آبپاشی، دیہی انفراسٹرکچر، غربت کا خاتمہ، خواتین اور بچوں کی ترقی، کمزور طبقات کی فلاح و بہبود اور پرائمری، سیکنڈری اور غیر رسمی تعلیم شامل ہیں۔ ان موضوعات کو آئین کے گیارہویں شیڈول میں درج کیا گیا ہے۔ اس ایکٹ کے مطابق، پنچایتوں کو ریاستی مقننہ کے ذریعہ قانون سازی کرنے کا اختیار حاصل ہے اور ریاستی حکومت' ریاست کے کنسولیڈیٹڈ فنڈز سے گرانٹ ان ایڈ جاری کر سکتی ہے۔

پنچایتیں (شیڈولڈ ایریاز میں توسیع) ایکٹ، 1996 پنچایت (شیڈولڈ ایریاز میں توسیع) ایکٹ، 1996 کی دفعات 24 دسمبر 1996 کو نافذ ہوئیں۔ یہ ایکٹ پنچایتوں کو ہندوستان کی 8 ریاستوں کے قبائلی علاقوں تک توسیع دیتا ہے، یعنی، آندھرا پردیش، بہار۔ گجرات، ہماچل پردیش، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، اڈیشہ اور راجستھان۔ اس کا ارادہ قبائلی معاشرے کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ قدرتی وسائل پر اپنے روایتی حقوق کے تحفظ اور سلامتی کے لیے راہ ہموار کر سکے۔ ریاستی حکومتوں کو ایک سال کی میعاد ختم ہونے سے پہلے یعنی 23 دسمبر 1997 کو ایکٹ کی دفعات کے مطابق اپنی قانون سازی کرنے کی ضرورت تھی۔

شہری مقامی خود اختیاری حکومت (اربن لوکل سیلف - گورنمنٹ)

74 ویں ترمیم کی منظوری تک، شہری حکومتوں کی پانچ اقسام موجود تھیں- میونسپل کارپوریشنز، میونسپل کونسلز، ٹاؤن ایریا کمیٹیاں، نوٹیفائیڈ ایریا کمیٹیاں اور کنٹونمنٹ بورڈز۔ مدراس میں سب سے پہلے میونسپل کارپوریشن 1687 میں قائم ہوا تھا۔ اس کے بعد 1762 میں بمبئی اور کلکتہ میں قائم ہوا۔ لارڈ مایو کی 1870 کی قرارداد نے بلدیات (میونسپلٹیوں) میں ایک منتخب صدر کے تعارف کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ مقامی حکمرانی کے اداروں کی موجودہ شکل اور ڈھانچہ 18 مئی 1882 کو لارڈ رپن کی مقامی خود حکومت سے متعلق پیش کی گئی قرارداد کی وجہ سے ہے۔ 1870 تک برطانوی ہندوستان میں تقریباً 200 بلدیات تھیں۔

74 ویں آئینی ترمیم (1992): شہری مقامی خود اختیاری حکومت کے مجالس

حکومت ہند نے 1992 میں دستور میں 74 واں ترمیمی ایکٹ شہری حکمرانی کے اداروں کو مزید نمائندہ، جوابدہ، موثر اور شفاف بنانے کے لیے منظور کیا۔ 74 ویں آئینی ترمیمی ایکٹ کو دیہی شہری تعلقات کمیٹی کی سفارش کی بنیاد پر نافذ کیا گیا تھا۔ 74 ویں آئینی ترمیمی ایکٹ کی منظوری سے پہلے، شہری حکمرانی کے پانچ قسم کے ادارے تھے۔ اس ترمیم نے پانچ شہری اداروں کو تین کے ساتھ بدل دیا - دیہی سے شہری کلسٹرز میں منتقلی کے علاقوں کے لیے نگر پنچایتیں، چھوٹی شہری بستیوں میں میونسپل کونسلز، اور بڑے شہری علاقے میں میونسپل کارپوریشنز۔ شہر میں کس قسم کا شہری ادارہ متعارف کرانا ہے، یہ فیصلہ ریاستی حکومت لیتی ہے۔ تین لاکھ سے زیادہ آبادی والے میونسپل علاقوں میں بلدیات کے علاوہ وارڈ کمیٹیاں بھی ہوں گی۔ یہ شہری حکمرانی کو دو درجے کا نظام بناتا ہے۔

بلدیاتی اداروں میں شامل ہونا- انتخابی وارڈز سے منتخب نمائندے؛ لوک سبھا اور ریاستی قانون ساز اسمبلیوں کے ممبران جو مکمل یا جزوی طور پر متعلقہ میونسپل ایریا کا احاطہ کرتے ہیں۔ ریاستوں کی کونسل اور ریاستی قانون ساز کونسل کے ارکان جو میونسپل ایریا میں ووٹر کے طور پر رجسٹرڈ ہیں۔ میونسپل حکام کی کمیٹیوں کے چیئرپرسن؛ کوئی بھی شخص جو میونسپل ایڈمنسٹریشن میں خصوصی علم یا تجربہ رکھتا ہو وہ کونسل میں ووٹ دینے کے حق رکھتا ہے۔

بلدی اداروں میں سماج کے کمزور طبقات کیلئے نشستیں- SCsOBCs، اور خواتین کے لیے مخصوص ہیں۔ خواتین کے لیے

مخصوص نشستوں کا فیصد 33 ہے۔ تین لاکھ سے زیادہ آبادی پر محیط میونسپل علاقوں کے لیے جو وارڈ کمیٹیاں موجود ہیں ان میں ارکان شامل ہوتے ہیں جنہیں وارڈ کونسلر یا کارپوریشن کے ذریعے نامزد کیا جاتا ہے۔ میونسپلٹی/بلدیہ کی میعاد پانچ سال ہے؛ اگر اسے تحلیل یا ختم کر دیا جاتا ہے، تو انہیں سننے کا حق ہے۔ بلدیات کو ختم کرنے یا تحلیل کرنے کے چھ ماہ کے اندر انتخابات کرائے جائیں۔ لوکل سیلف گورنمنٹس 74 ویں ترمیم کے بارہویں شیڈول میں 18 آئٹمز شامل ہیں جن کا ذکر ذیل میں کیا گیا ہے۔

1) شہری منصوبہ بندی، بشمول ٹاؤن پلاننگ 2) زمین کے استعمال اور عمارتوں کی تعمیر کا ضابطہ 3) اقتصادی اور سماجی ترقی کے لیے منصوبہ بندی 4) سڑکیں اور پل 5) گھریلو، صنعتی اور تجارتی مقاصد کے لیے پانی کی فراہمی 6) صحت عامہ، صفائی ستھرائی کا تحفظ اور ٹھوس فضلہ کا انتظام 7) فائر سروسز 8) شہری جنگلات، ماحولیات کا تحفظ، اور ماحولیاتی پہلوؤں کا فروغ 9) معاشرے کے کمزور طبقوں کے مفادات کا تحفظ، بشمول معذور اور ذہنی معذور 10) سلم آبادیوں میں بہتری اور ان کی ترقی 11) شہری غربت کا خاتمہ 12) شہری سہولیات کی فراہمی جیسے پارکس، باغات، کھیل کے میدان 13) ثقافتی، تعلیمی اور بلدیہ کو خوبصورت بنانے پہلوؤں کا فروغ 14) قبرستان کیلئے اراضی، شمشان گھاٹ، شمشان گھاٹ اور الیکٹرک شمشان 15) کیٹل پاؤنڈ: ممنوعہ جانوروں کے ذبح کی روک تھام۔ 16) پیدائش اور اموات کا اندراج 17) عوامی سہولیات بشمول اسٹریٹ لائٹنگ، پارکنگ لاٹس، بس اسٹاپ اور عوامی سہولتیں 18) مذبح خانوں اور دباغت خانجہ کا ضابطہ۔

ریاستی حکومتوں کو ان ٹیکسوں، ڈیوٹیوں، ٹولوں اور فیسوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے جو میونسپل اداروں کے ذریعہ عائد کیے جاتے ہیں اور ان کو دی جانے والی گرانٹ ان ایڈ کا بھی فیصلہ کرنے کا اختیار ہے۔ ایک ریاستی حکومت کو ہر پانچ سال میں ایک مالیاتی کمیشن کا تقرر کرنا ہے۔ ریاستی مالیاتی کمیشن ریاستی ٹیکسوں، ڈیوٹیوں، ٹولوں اور فیسوں کو ریاستی حکومت، میونسپلٹیز اور میونسپلٹیوں کے درمیان تقسیم کرنے کے اصولوں سے متعلق سفارشات دینے والا ہے۔ ریاستی مالیاتی کمیشن ریاست کے کنسولیڈیٹڈ فنڈ سے دی جانے والی گرانٹ ان ایڈ کے اصول کی بھی سفارش کرتا ہے۔

میونسپل فنانس

میونسپل اداروں کے لیے ٹیکس کی کوئی الگ فہرست نہیں ہے۔ یہ متعلقہ ریاستی حکومتوں کی صوابدید کے تحت آتا ہے۔ میونسپل آمدنی بنیادی طور پر درج ذیل اقسام کی ہوتی ہے۔

1. ٹیکس ریونیو: شہری مقامی حکومت کی طرف سے لگائے جانے والے بڑے ٹیکس مندرجہ ذیل ہیں:

i) جائیداد پر ٹیکس بشمول پانی کی فراہمی کے لیے سروس چارجز

ii) تحفظ، نکاسی آب، روشنی اور کچرے کو ٹھکانے لگانے؛

iii) پیشوں پر ٹیکس:

(iv گاڑیوں پرٹیکس (موٹرگاڑیوں کے علاوہ)۔میونسپل کارپوریشنز کے ٹیکس کا دائرہ وسیع ہے۔میونسپل کارپوریشنوں کو ریاستی ایکٹ میں مقرر کردہ حدود کے اندر ٹیکس لگانے یا بڑھانے کا اختیار حاصل ہے۔ پراپرٹی ٹیکس ایسے ٹیکس کی ایک مثال ہے۔ پراپرٹی ٹیکس ان ریاستوں میں میونسپل اداروں کے لیے آمدنی کا سب سے بڑا واحد ذریعہ ہے جہاں آکٹرائی کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ کرائے کی قیمت کی بنیاد پر عمارتوں اورزمینوں پر پراپرٹی ٹیکس لگایا جاتا ہے۔

2. محصول چنگی OCTROI

کسی مقامی علاقے میں سامان کی کھپت یا فروخت کے لیے داخلے پر ٹیکس کو اوکٹروئی یا محصول چنگی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آکٹروئی سب سے زیادہ روایتی ٹیکس ہے اور مقامی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ یہ شہری بلدیاتی اداروں کی کل آمدنی کا تقریباً 60 سے 80 فیصد بنتا ہے جہاں اسے نافذ کیا گیا ہے۔ گڈ اینڈ سروسز ٹیکس کے تحت آکٹرائے کو ایک ہی ٹیکس سے بدل دیا گیا ہے جو کہ یکم جولائی 2017 سے ہندوستان میں نافذ العمل ہوا ہے۔

3. غیر ٹیکس ریونیو

میونسپل ایکٹ لائسنس کے اجراء کے لیے فراہم کرتا ہے۔ ہر مقامی اتھارٹی فیس وصول کرنے اور فراہم کردہ خدمات کے لیے بااختیار ہے۔ یہ عوامی سہولیات، پارکنگ، کھیل کے میدان کے لیے داخلے کی فیس، سوئمنگ پول وغیرہ کے لیے صارف کی فیس کو تبدیل کرسکتا ہے۔

4. گرانٹس ان ایڈ

میونسپل فنانس کا ایک اہم عنصر گرانٹس ان ایڈ ہے۔ گرانٹس کی دو قسمیں ہیں: ایک جنرل پرپز گرانٹ (GPG) اور ایک مخصوص مقصد گرانٹ (SPG)۔ سابقہ بلدیاتی اداروں کے معمول کے کاموں کو انجام دینے کے لیے ان کی آمدنی میں اضافہ کرتا ہے۔ مؤخر الذکر کو مخصوص مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جیسے، مہنگائی کی وجہ سے اجرت کے بلوں میں اضافہ، تعلیمی گرانٹس، صحت عامہ، سڑکوں کی دیکھ بھال، وغیرہ۔ گرانٹس ایڈ ہاک اور صوابدیدی نوعیت کے ہوتے ہیں۔

5. قرضے

میونسپل باڈیز لوکل اتھارٹیز لون ایکٹ (1914) کے تحت ریاستی حکومت اور دیگر ایجنسیوں سے قرض لے سکتی ہیں۔ وہ ترقیاتی سرگرمیوں اور قرض کی ادائیگی کے لیے قرض لے سکتے ہیں۔ یہ قرضے اس کے لیے ہو سکتے ہیں:

i) تعمیرات:ii) قلت یا قحط کے دوران امداد اور امدادی کاموں کی فراہمی؛ iii) کسی بھی وباء کا پھیلنا؛ iv) زمین کا حصول؛ v) بقایا قرضوں کی ادائیگی۔

74 ویں ترمیم کے بعد بارہویں شیڈول میں اٹھارہ فنکشنز کے اضافے کے بعد بلدیاتی اداروں کی فعال ذمہ داریاں بڑھ گئی

ہیں۔ وہ شہری سہولیات کی فراہمی کے علاوہ مقامی ترقی کے منصوبوں کی تیاری اور ترقیاتی منصوبوں کے نفاذ میں حصہ لیتے ہیں۔ چونکہ ان کے کام کے دائرے میں اضافہ ہوا ہے تو اضافی مالی مختص کی ضرورت ہے۔

6. گڈ اینڈ سروس ٹیکس (جی ایس ٹی)

جی ایس ٹی ایک واحد بالواسطہ ٹیکس ہے جو پورے ملک کے لیے اشیاء اور خدمات پر لگایا جاتا ہے۔ جی ایس ٹی ایک متحد مشترکہ بازار کے لیے بھی لگایا جاتا ہے۔ یہ تیرہ سال کے بعد یکم جولائی 2017 کو نافذ ہوا جب کہ بالواسطہ ٹیکسوں پر کیلکر ٹاسک فورس کی رپورٹ میں 2003 میں پہلی بار اس پر بحث کی گئی تھی۔ یہ اشیاء اور خدمات کی فراہمی پر ایک واحد ٹیکس ہے، جو کہ مینوفیکچرر سے صارف تک ہے۔ جی ایس ٹی کے ذریعے بالواسطہ ٹیکس کی شرحیں اور ڈھانچہ پورے ملک میں عام ہیں۔ یہ فرض کیا جاتا ہے کہ کاروبار کرنے کے لین دین کے اخراجات میں کمی بالآخر تجارت اور صنعت کے لیے بہتر مسابقت کا باعث بنے گی۔ تاہم، کچھ اشیاء پر، جی ایس ٹی کے منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں کیونکہ ٹیکس کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔

سوالات

1) انگریزوں کے دور میں اور اس سے پہلے پنچایتی راج کی نوعیت میں فرق کی وضاحت کریں؟
2) بلونت رائے مہتا کمیٹی کیوں قائم کی گئی اور اس کی سفارشات کیا تھیں؟
3) پسماندہ گروہوں کے حوالے سے 73 ویں ترمیمی ایکٹ کی اہم خصوصیات کی نشاندہی کریں؟
4) گرام پنچایت کی ساخت کیا ہے؟
5) مقامی خود اختیاری کے شہری اداروں کی نشاندہی کریں جو 74 ویں آئینی ترمیم سے پہلے اور بعد میں موجود تھے؟ میونسپل آمدنی کی اقسام کی شناخت کریں؟

21

21۔ دستوری مجالس / باڈیز
CONSTITUTIONAL BODIES

مقاصد

اس سبق کو پڑھنے کے بعد، آپ کو قابل ہونا چاہیے کہ:

☆ جمہوری سیاست میں انتخابی (الیکشن) کمیشن کی اہمیت کی وضاحت کریں۔

☆ الیکشن کمیشن کی تشکیل، اختیارات اور افعال کی وضاحت کریں۔

☆ الیکشن کمیشن کے رہنما اصول بیان کریں۔

☆ انتخابات کے انعقاد میں الیکشن کمیشن کی کارکردگی کا جائزہ لیں۔

تعارف

قابل بقاء جمہوریت کا دارومدار صحت مند انتخابی نظام اور آزادانہ اور منصفانہ انتخابات پر میں مضمر ہے۔ انتخابات عوام کو ایسے نمائندوں کو منتخب کرنے کے قابل بناتے ہیں جو انہیں ایک ذمہ دار اور ذمہ دار حکومت فراہم کریں۔ شہری اپنا ووٹ ذمہ داری کے ساتھ اسی وقت ڈالیں گے جب انتخابات آزادانہ، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ طریقے سے ہوں گے۔ اس لیے انتخابات ایک غیر جانبدار اور خودمختار ادارے یعنی انتخابی (الیکشن) کمیشن کے ذریعہ کرائے جائیں۔ الیکشن کمیشن آف انڈیا (ECI) کو اس کے افعال و کارکردگی میں خودمختاری اور آئینی تحفظ دیا جانا چاہیے۔

ملک میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کو یقینی بنانے کے مقصد سے، ہندوستان کے آئین نے ہندوستان میں ایک مستقل اور آزاد الیکشن کمیشن کی راہ فراہم کی ہے۔ حصہ 15 کے آرٹیکل 324 میں الیکشن کمیشن کی تشکیل، اختیارات اور افعال کا ذکر موجود ہے۔ اس کے مطابق پارلیمنٹ، ریاستی مقنّنہ، صدر جمہوریہ ہند کے عہدہ اور نائب صدر جمہوریہ ہند کے عہدہ کے انتخابات کی نگرانی، ہدایت اور نگرانی کا اختیار الیکشن کمیشن کے پاس ہوگا۔ اس طرح، الیکشن کمیشن اس لحاظ سے ایک کل ہند دارہ ہے کہ یہ مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں دونوں کے لیے مشترکہ ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ الیکشن کمیشن کا ریاستوں میں پنچایتوں اور بلدیات کے انتخابات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اس کے لیے ہندوستان کا آئین ایک علیحدہ ریاستی الیکشن کمیشن فراہم کرتا ہے۔

انتخابی کمیشن کی تشکیل

ہندوستانی آئین کے آرٹیکل 324 کے تحت الیکشن کمیشن آف انڈیا کو لوک سبھا اور ریاستی قانون ساز اسمبلیوں کے انتخابات کے انعقاد کی نگرانی، ہدایت اور کنٹرول کا اختیار حاصل ہے۔آئین میں کمیشن کی تشکیل کیلئے درج ذیل حوالے دیے گئے ہیں کہ الیکشن کمیشن ایک چیف الیکشن کمشنر اور دیگر الیکشن کمشنرز کی اک بڑی تعداد پر مشتمل ہوگا۔

1. چیف الیکشن کمشنر اور دیگر الیکشن کمشنرز کی تقرری صدر یونین کونسل کے مشورے پر کرے گی۔
2. جب کوئی دوسرا الیکشن کمشنر ایسا مقرر کیا جاتا ہے تب چیف الیکشن کمشنر الیکشن کمیشن کے چیئرمین کے طور پر کام کرے گا۔
3. صدر الیکشن کمیشن کے ساتھ مشاورت کے بعد ایسے علاقائی کمشنروں کی تقرری بھی کر سکتے ہیں جنہیں وہ الیکشن کمیشن کی مدد کے لیے ضروری سمجھیں۔
4. الیکشن کمشنروں اور علاقائی کمشنروں کی خدمات کی شرائط اور میعاد کا تعین صدر کرے گا۔

الیکشن کمیشن کے 1950 میں اپنے قیام سے لے کر 15 اکتوبر 1989 تک، الیکشن کمیشن نے چیف الیکشن کمشنر پر مشتمل ایک رکنی ادارہ کے طور پر کام کیا۔ 1989 میں، صدر نے ووٹ ڈالنے کی عمر 21 سے کم کر کے 18 سال کرنے کی وجہ سے الیکشن کمیشن کے بڑھتے ہوئے کام سے نمٹنے کے لیے مزید دو الیکشن کمشنرز کا تقرر کیا گیا۔اس کے بعد الیکشن کمیشن نے ایک کثیر رکنی ادارے کے طور پر کام کیا جو تین الیکشن کمشنروں پر مشتمل تھا۔تاہم جنوری 1990 میں الیکشن کمشنرز کے دو عہدے ختم کر دیے گئے اور الیکشن کمیشن کو پہلے والی پوزیشن پر واپس لایا گیا۔اکتوبر 1993 میں ایک بار پھر صدر نے دو اور الیکشن کمشنرز کا تقرر کیا۔تب سے لے کر آج تک الیکشن کمیشن ایک کثیر رکنی ادارے کے طور پر کام کر رہا ہے جو تین الیکشن کمشنروں پر مشتمل ہے۔

چیف الیکشن کمشنر اور دیگر دو الیکشن کمشنرز کو مساوی اختیارات حاصل ہیں۔ چیف الیکشن کمشنر اور/ یا دو دیگر الیکشن کمشنرز کے درمیان اختلاف کی صورت میں، معاملے کا فیصلہ کمیشن اکثریتی ووٹ سے کرتا ہے۔ چیف الیکشن کمشنر الیکشن کمیشن کے اجلاسوں کی صدارت کریں گے۔

کمشنروں کی تقرری اور میعاد

صدر یونین کونسل آف منسٹرز کے مشورے پر چیف الیکشن کمشنر اور دیگر الیکشن کمشنرز کا تقرر کرتے ہیں۔ان کی میعاد 6 سال، یا 65 سال کی عمر تک، جو بھی پہلے ہو۔وہ اسی حیثیت سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور انہیں مساوی تنخواہ، الاؤنسز اور دیگر مراعات ملتی ہیں

جو کہ سپریم کورٹ آف انڈیا کے ججوں کے لیے دستیاب ہیں۔ الیکشن کمیشن کی آزادی کو یقینی بنانے کے لیے یہ شرط رکھی گئی ہے کہ چیف الیکشن کمشنر کو اس کے عہدے سے ہٹایا نہیں جائے گا سوائے سپریم کورٹ کے جج کی طرح اور اسی طرح کی بنیادوں پر۔ چیف الیکشن کمشنر کی سفارش کے علاوہ دیگر الیکشن کمشنرز کو عہدے سے نہیں ہٹایا جا سکتا۔

انتخابی کمیشن کے رہنما اصول

الیکشن کمیشن نے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کو یقینی بنانے کے لیے بہتر حکمرانی کے کچھ رہنما اصول وضع کیے گئے ہیں:

1. آئین میں درج اقدار کو برقرار رکھنا جیسے مساوی، یکسانی، غیر جانبدار۔ آزاد؛ اور انتخابی نظم ونسق پر نگرانی، ہدایت اور کنٹرول میں قانون کی حکمرانی؛
2. صداقت، آزادی، انصاف پسندی، شفافیت کے اعلیٰ ترین معیار کے ساتھ ساتھ سلیت، احتساب، خودمختاری اور پیشہ ورانہ مہارت سے انتخابات کروانا۔
3. تمام اہل شہریوں کی انتخابی عمل میں شمولیت کو یقینی بنانے کے لیے ایک جامع، ووٹر مرکوز اور ووٹر دوست ماحول فراہم کرنا۔
4. انتخابی عمل کے مفاد میں سیاسی جماعتوں اور تمام اسٹیک ہولڈرز کے ساتھ مشغول ہونا؛
5. انتخابی عمل اور انتخابی نظم ونسق کے بارے میں اسٹیک ہولڈرز یعنی ووٹروں، سیاسی جماعتوں، انتخابی کارکنوں، امیدواروں اور بڑے پیمانے پر لوگوں کے درمیان آگاہی کو فروغ دینا۔ اور اس ملک کے انتخابی نظام پر اعتماد اور اعتماد کو بڑھانا اور مضبوط کرنا؛
6. انتخابی خدمات کی موثر اور پیشہ ورانہ فراہمی کے لیے انسانی وسائل کو تیار کرنا؛
7. انتخابی عمل کے ہموار انعقاد کے لیے معیاری انفراسٹرکچر تیار کرنا۔
8. انتخابی عمل کے تمام شعبوں میں بہتری کے لیے ٹیکنالوجی کو اپنانا؛
9. وژن اور مشن کی عمدگی اور مجموعی احساس کے حصول کے لیے اختراعی طریقوں کو اپنانے کی کوشش کرنا؛
10. ملک کے انتخابی نظام میں عوام کے اعتماد اور اعتبار کو برقرار رکھنے اور اسے تقویت دے کر جمہوری اقدار کی تقویت میں اپنا حصہ ادا کرنا۔

اختیارات اور افعال

الیکشن کمیشن ایک مستقل اور خودمختار ادارہ ہے جسے ہندوستان کے آئین نے قائم کیا ہے۔ اس میں درج ذیل اختیارات اور افعال دیے گئے ہیں:

1. الیکشن کمیشن پارلیمنٹ کے حد بندی کمیشن ایکٹ کی بنیاد پر پورے ملک میں انتخابی حلقوں کے علاقوں کا تعین کرتا ہے۔

2. یہ انتخابی فہرستیں تیار کرتا ہے اور ہر عام انتخابات کے موقع پر ان پر نظرِ ثانی کرتا ہے۔

3. یہ انتخابی فہرستوں کو شائع کرتا ہے اور ان پر اعتراضات کی سماعت کرتا ہے۔

4. یہ انتخابات کی تاریخوں اور نظام الاوقات کو جاری کرتے ہیں اور کاغذات نامزدگی کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔

5. یہ سیاسی جماعتوں کو تسلیم کر کے شناخت فراہم کرتے ہیں اور انہیں انتخابی نشانات مختص کرتا ہے۔

6. یہ صدر اور نائب صدر کے عہدوں کے انتخابات کے انعقاد کے لیے وسیع انتظامات کرتا ہے۔

7. یہ مرکزی پارلیمنٹ اور ریاستی اسمبلیوں/ ریاستی قانون ساز کونسلوں کے انتخابات کراتی ہے۔

8. یہ انتخابات کے مقصد کے لیے سیاسی جماعتوں کا اندراج کرتا ہے اور ان کی انتخابی کارکردگی کی بنیاد پر انہیں قومی یا ریاستی جماعتوں کا درجہ دیتا ہے۔

9. یہ صدر یا گورنر سے انتخابات کے انعقاد کے لیے ضروری عملہ طلب کرنے کی درخواست کرتا ہے۔

10. یہ ریاستی الیکشن کمشنروں کی تقرری کے سلسلے میں صدر کو تجاویز دیتا ہے۔

11. یہ انتخابات کو آزادانہ اور منصفانہ انداز میں کرانے کے لیے انتخابی مبصرین اور اخراجات کے مبصرین کا تقرر کرتا ہے۔ یہ انتخابات کے اوقات میں سیاسی جماعتوں اور امیدواروں کی جانب سے کیے جانے والے اخراجات کی حدود کا بھی تعین کرتا ہے۔

12. یہ انتخاب کے دوران سیاسی جماعتوں، لوگوں، مدمقابلوں اور انتخابی عملے کے لیے ضابطہ اخلاق کا تعین کرتا ہے۔

13. یہ آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کو یقینی بنانے کے لیے پورے ملک میں انتخابات کی مشینری کی نگرانی کرتا ہے۔ یہ ووٹوں کی گنتی، نتائج کے اعلان اور انتخابات میں جیتنے والوں کو سرٹیفکیٹ جاری کرنے کی ذمہ داری بھی لیتا ہے۔

14. یہ پولیس، نیم فوجی دستوں اور دیگر فورسز کی مدد سے انتخابات میں دھاندلی، بوتھ پر قبضہ، تشدد اور دیگر بے ضابطگیوں سے بچنے کے لیے اقدامات کرتا ہے۔

15. یہ انتخابات کے وقت ریڈیو اور ٹی وی پر سیاسی جماعتوں کی پالیسیوں کی تشہیر کے لیے ایک فہرست تیار کرتا ہے۔

16. یہ ضمنی انتخابات اور وسط مدتی انتخابات کے انعقاد کے انتظامات بھی کرتا ہے۔

17. یہ صدر کو اراکین پارلیمنٹ کی نااہلی سے متعلق معاملات پر مشورہ دیتا ہے۔

18. یہ گورنر کو ریاستی مقننہ کے اراکین کی نااہلی سے متعلق معاملات پر مشورہ دیتا ہے۔

الیکشن کمیشن کی معاونت ڈپٹی الیکشن کمشنرز کرتے ہیں۔ وہ سول سروس سے نکالے جاتے ہیں اور کمیشن کے ذریعہ مدتی نظام کے ساتھ مقرر کیا جاتا ہے۔ کمیشن کے سیکرٹریٹ میں تعینات سیکرٹریوں، جوائنٹ سیکرٹریوں، ڈپٹی سیکرٹریوں اور انڈر سیکرٹریوں کے ذریعے ان کی مدد کی جاتی ہے۔

ریاستی سطح پر، الیکشن کمیشن کی مدد چیف الیکٹورل آفیسر کرتا ہے جسے چیف الیکشن کمشنر ریاستی حکومت کے مشورے سے مقرر کرتا ہے۔اس کے نیچے، ضلعی سطح پر، کلکٹر ڈسٹرکٹ ریٹرننگ آفیسر کے طور پر کام کرتا ہے۔وہ ضلع کے ہر حلقے کے لیے ایک ریٹرننگ افسر اور حلقے کے ہر پولنگ بوتھ کے لیے پریزائیڈنگ افسر مقرر کرتا ہے۔

الیکشن کمیشن کی خودمختاری

الیکشن کمیشن کی خودمختاری کو یقینی بنانے اور اس کے تحفظ کے لیے، ہندوستانی آئین میں درج ذیل دفعات شامل کی گئی ہیں:

1. چیف الیکشن کمشنر کو میعاد پر تحفظ فراہم کی جاتی ہے۔اسے ان کے عہدے سے برطرف نہیں جا سکتا سوائے اسی طریقے سے اور سپریم کورٹ کے جج کے طریقے کی بنیاد پر ہی برطرف کیا جا سکتا ہے۔دوسرے لفظوں میں، اسے صدر کے ذریعے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے 2/3 اکثریت کے ساتھ منظور شدہ قرارداد کی بنیاد پر عہدہ سے برطرف کیا جا سکتا ہے وہ بھی ایسی صورت میں کہ وہ بدسلوکی یا نااہلی کا قصوروار ثابت ہو۔اس طرح، وہ صدر کی خوشنودی تک اپنے عہدے پر فائز نہیں رہتا ہے، حالانکہ وہ ان کی طرف سے مقرر کیا جاتا ہے۔
2. چیف الیکشن کمشنر کی خدمات کی شرائط ان کی تقرری کے بعد ان کی عدم موافقت کے مطابق تبدیل نہیں کی جا سکتیں۔
3. چیف الیکشن کمشنر کی سفارش کے علاوہ کسی دوسرے الیکشن کمشنر یا علاقائی کمشنر کو عہدے سے نہیں ہٹایا جا سکتا۔

بجٹ اور اخراجات

الیکشن کمیشن ے پاس ایک آزاد بجٹ ہوتا ہے، جسے کمیشن اور مرکزی حکومت کی وزارت خزانہ کے درمیان براہ راست مشاورت سے حتمی شکل دی جاتی ہے۔مؤخر الذکر عام طور پر اپنے بجٹ کے لیے کمیشن کی سفارشات کو قبول کرتا ہے۔

تاہم، انتخابات کے حقیقی انعقاد پر ہونے والے بڑے اخراجات مرکز۔ریاست اور رمرکزی زیر انتظام علاقوں متعلقہ حلقہ جات کے بجٹ میں ظاہر ہوتے ہیں۔اگر انتخابات صرف پارلیمنٹ کے لیے ہو رہے ہیں تو اس کا خرچ مکمل طور پر مرکزی حکومت برداشت کرتی ہے جب کہ صرف ریاستی مقنّنہ کے لیے ہونے والے انتخابات کے لیے تمام اخراجات متعلقہ ریاست برداشت کرتی ہے۔پارلیمنٹ اور ریاستی مقنّنہ کے بیک وقت انتخابات ہونے کی صورت میں، اخراجات کو مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے درمیان یکساں طور پر تقسیم کیا جاتا ہے۔کیپٹل آلات کے لیے، انتخابی فہرستوں کی تیاری سے متعلق اخراجات اور ووٹرز کے شناختی کارڈ کی اسکیم کے لیے بھی، اخراجات کو برابر تقسیم کیا جاتا ہے۔

انتخابی اصلاحات

ہماری ہندوستانی جمہوریت کی ابتدائی دہائیوں میں سیاسی اشرافیہ نے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے تصور کو رضا کارانہ طور پر

قبول کیا اور ماڈل ضابطہ اخلاق (MCC) کی پیروی کی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی طبقے کی آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے عزم میں کمی آئی اور اس نے ضابطہ اخلاق کی دھجیاں اڑادیں۔ سیاسی عاملوں نے بدعنوان انتخابی طریقوں کا سہارا لینا شروع کردیا۔ بوتھ پر قبضہ، ووٹروں کی رشوت ستانی اور میڈیا کے ذریعہ ہیرا پھیری ووٹروں کو غیر اخلاقی طور پر متاثر کرنے کی تکنیک بن چکی تھی۔ چارج شیٹ والے مجرم، سرمایہ دار اور اسکام میں ملوث افراد انتخابی میدان میں آنے لگے۔ نتیجتاً، الیکشن کمیشن نے ہندوستان میں انتخابی نظام کو شفاف بنانے کے لیے متعدد انتخابی اصلاحات شروع کی ہیں۔ الیکشن کمیشن کی طرف سے اٹھائے گئے چند اہم اقدامات یہ ہیں:

i۔ الیکٹرانک ووٹنگ مشینیں

1989 میں، انتخابات میں الیکٹرانک ووٹنگ مشینوں (ای وی ایم) کے استعمال کی سہولت فراہم کرنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ ای وی ایم کا استعمال پہلی بار 1998 میں راجستھان، مدھیہ پردیش اور دہلی کی اسمبلیوں کے انتخابات میں منتخب حلقوں میں تجرباتی بنیادوں پر کیا گیا تھا۔ ای وی ایم ایس کا استعمال پہلی بار 1999 میں گوا اسمبلی کے عام انتخابات (پوری ریاست) میں کیا گیا تھا۔

ii۔ الیکٹرانک کا فوٹو شناختی کارڈ (EPIC)

الیکشن کمیشن کی جانب سے ووٹرز کے تصویری شناختی کارڈ کا استعمال یقینی طور پر انتخابی عمل کو آسان، ہموار اور تیز تر بنا رہا ہے۔ الیکشن کمیشن کی طرف سے 1993 میں ملک بھر میں ووٹروں کو تصویری شناختی کارڈ جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا تا کہ انتخابات میں بوگس ووٹنگ اور ووٹرز کی نقالی کو روکا جا سکے۔ ووٹر لسٹ رجسٹرڈ ووٹرز کو EPICS جاری کرنے کی بنیاد ہے۔

iii۔ مجرمانہ واقعات، اثاثوں وغیرہ کا اعلان۔ بذریعہ امیدوار

2003 میں، الیکشن کمیشن نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس میں ہر امیدوار کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ پارلیمنٹ یا ریاستی مقنّنہ کے لیے الیکشن لڑنے کے لیے اپنے کاغذات نامزدگی پر اپنے خلاف درج فوجداری مقدمات سے متعلق معلومات فراہم کرے۔ وہ قانونی طور پر بھی اپنی دولت اور تعلیمی قابلیت کا اعلان کرنے کا پابند ہے۔ حلف نامے میں کوئی غلط معلومات پیش کرنا انتخابی جرم ہے جس کی سزا چھ ماہ تک قید یا جرمانہ یا دونوں ہوسکتی ہے۔

iv۔ NOTA آپشن کا تعارف

سپریم کورٹ کی ہدایت کے مطابق، الیکشن کمیشن نے بیلٹ پیپرز/ای وی ایم ایس میں ''مندرجہ بالا میں سے کوئی نہیں'' (NOTA) کے آپشن کا انتظام کیا تا کہ پولنگ بوتھ پر آنے والے ووٹر کسی کو بھی ووٹ نہ دینے کا فیصلہ کریں۔ میدان میں، اپنے بیلٹ کی رازداری کو برقرار رکھتے ہوئے ایسے امیدواروں کو ووٹ نہ دینے کا اپنا حق استعمال کرنے کے قابل ہیں۔

NOTA کی فراہمی 2013 میں چھتیس گڑھ، مدھیہ پردیش، میزورم، دہلی اور راجستھان کی ریاستی قانون ساز اسمبلیوں کے

عام انتخابات کے بعد سے کیا گیا ہے اور 16 ویں لوک سبھا (2014) کے عام انتخابات کے ساتھ آندھرا پردیش، اروناچل پردیش، اڈیشہ اور سکم کی ریاستی قانون ساز اسمبلیوں کے عام انتخابات میں بھی جاری رہا۔

v۔ ووٹر کے قابل تصدیق پیپر آڈٹ ٹریل (VVPAT) کا تعارف

ووٹر ویریفایبل پیپر آڈٹ ٹریل ای وی ایم ایس کے ساتھ منسلک ایک آزاد نظام ہے جو ووٹرز کو اس بات کی تصدیق کرنے کی اجازت دیتا ہے کہ ان کے ووٹ حسب منشاء ڈالے گئے ہیں یا نہیں۔ جب ووٹ ڈالا جاتا ہے، ایک پرچی پرنٹ کی جاتی ہے اور سات سیکنڈ تک شفاف کھڑکی کے ذریعے سامنے رہتی ہے، جس میں امیدوار کا سیریل نمبر، نام اور نشان دکھایا جاتا ہے۔ اس کے بعد، رسید خود بخود کٹ جاتی ہے اور VVPAT کے مہر بند ڈراپ باکس میں گر جاتی ہے۔ یہ نظام ووٹر کو کاغذی رسید کی بنیاد پر اپنے ووٹ کو چیلنج کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

VVPATS کا استعمال پہلی بار 2013 میں ناگالینڈ کے نوکسن اسمبلی حلقہ کے ضمنی انتخابات میں ہوا تھا۔ اس کے بعد، VVPATS کو ریاستی قانون ساز اسمبلیوں کے ہر عام انتخابات کے دوران منتخب حلقوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ 2014 کے لوک سبھا انتخابات میں ملک کے 8 منتخب پارلیمانی حلقوں میں VVPATS کا استعمال کیا گیا تھا۔ وی وی پی اے ٹی کے ساتھ ای وی ایم ووٹنگ سسٹم کی درستگی اور شفافیت کو یقینی بناتے ہیں۔

الیکشن کمیشن: ایک جائزہ

سال 2019 تک، الیکشن کمیشن نے 17 مرتبہ لوک سبھا کے انتخابات کرائے ہیں۔ ریاستی قانون ساز اسمبلیوں کے انتخابات بھی اسی میعاد کے دوران زیادہ تعداد میں ہوئے۔ الیکشن کمیشن نے اب تک انتخابات کے انعقاد میں اپنی صداقت کو برقرار رکھا ہے، حالانکہ کبھی کبھار ایسی شکایات سامنے آتی رہی ہیں جو اس کی غیر جانبداری پر سوالیہ نشان لگاتی ہیں۔

ہندوستان میں ایک مستقل اور آزاد الیکشن کمیشن فراہم کیا جائے گا۔ دستور کے حصہ 15 کے آرٹیکل 324 میں الیکشن کمیشن کی تشکیل، اختیارات اور افعال کا ذکر موجود ہے۔ آئین کے مطابق پارلیمنٹ، ریاستی مقننہ، صدر جمہوریہ ہند کے عہدہ اور نائب صدر جمہوریہ ہند کے عہدہ کے انتخابات کی نگرانی، ہدایت اور کنٹرول کا اختیار الیکشن کمیشن کے پاس ہوگا۔ اس طرح، الیکشن کمیشن اس لحاظ سے ایک کل ہند ادارہ ہے کہ یہ مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں دونوں کے لیے مشترکہ ہے۔

1950 میں اپنے قیام کے بعد سے اور 15 اکتوبر 1989 تک، الیکشن کمیشن چیف الیکشن کمشنر پر مشتمل ایک رکنی ادارہ کے طور پر کام کرتا رہا ہے۔ 1989 میں، صدر نے ووٹ ڈالنے کی عمر 21 سے کم کر کے 18 سال کرنے کی وجہ سے الیکشن کمیشن کے بڑھتے ہوئے کام سے نمٹنے کے لیے مزید دو الیکشن کمشنرز کا تقرر کیا۔ اس کے بعد الیکشن کمیشن نے ایک کثیر رکنی ادارے کے طور پر کام کیا جو تین

الیکشن کمشنروں پر مشتمل تھا۔ تاہم جنوری 1990 میں الیکشن کمشنرز کے دوعہدے ختم کر دیے گئے اور الیکشن کمیشن کو پہلے والی پوزیشن پر واپس کر دیا گیا۔ اکتوبر 1993 میں ایک بار پھر صدر نے دواور الیکشن کمشنرز کا تقرر کیا۔ تب سے لے کر آج تک الیکشن کمیشن ایک کثیر رکنی ادارے کے طور پر کام کر رہا ہے جو تین الیکشن کمشنروں پر مشتمل ہے۔

چیف الیکشن کمشنر اور دیگر دو الیکشن کمشنرز کو مساوی اختیارات حاصل ہیں۔ چیف الیکشن کمشنر اور/ یا دو دیگر الیکشن کمشنرز کے درمیان اختلاف کی صورت میں، معاملے کا فیصلہ کمیشن اکثریتی ووٹ سے کرتا ہے۔ چیف الیکشن کمشنر الیکشن کمیشن کے اجلاسوں کی صدارت کریں گے۔

صدر یونین کونسل آف منسٹرز کے مشورے پر چیف الیکشن کمشنر اور الیکشن کمشنرز کا تقرر کرتے ہیں۔ ان کی میعاد چھ سال، یا 65 سال کی عمر تک ہوتی ہے۔ وہ اسی حیثیت سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور انہیں مساوی تنخواہ، الاؤنسز اور دیگر مراعات ملتی ہیں جو کہ سپریم کورٹ آف انڈیا کے ججوں کے لیے دستیاب ہیں۔ الیکشن کمیشن کی آزادی کو یقینی بنانے کے لیے یہ شرط رکھی گئی ہے کہ چیف الیکشن کمشنر کو ان کے عہدے سے برطرف نہیں جائے گا سوائے سپریم کورٹ کے جج کی طرح اور اسی طرح کی بنیادوں پر۔ چیف الیکشن کمشنر کی سفارش کے علاوہ دیگر الیکشن کمشنرز کو عہدے سے برطرف نہیں کیا جا سکتا۔

سال 2019 تک، الیکشن کمیشن نے سترہ مرتبہ لوک سبھا کے انتخابات کرائے ہیں۔ ریاستی قانون ساز اسمبلیوں کے انتخابات بھی اسی مدت کے دوران زیادہ تعداد میں ہوئے۔ حالیہ دنوں میں، الیکشن کمیشن پر ماڈل کوڈ آف کنڈکٹ (MCC) کی خلاف ورزی کے معاملے میں نرمی برتنے کا الزام لگایا گیا، خاص طور پر حکمران جماعت کی طرف سے۔ یہ اعلیٰ عہدیداروں کے تبادلے، ووٹر ویریفائیبل پیپر آڈٹ ٹریل (VVPAT) آڈٹ اور عام طور پر سیاسی گفتگو کو خراب کرنے کی وجہ سے بھی زیر بحث آیا ہے۔

اس طرح حالیہ دنوں میں ادارہ ''کریڈیبلٹی کے بحران'' کا شکار ہے۔ انتخابات جمہوریت کی بنیاد ہیں اور الیکشن کمیشن کی صداقت جمہوری جواز کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا، خود الیکشن کے محافظ کو اپنی خود مختاری کے تحفظ کے لیے فوری ادارہ جاتی تحفظات کی ضرورت ہے۔

مقاصد

اس یونٹ سے مطالعہ کرنے کے بعد، آپ کو قابل ہونا چاہیے کہ:

- ☆ مالیاتی کمیشن کی تشکیل کی وضاحت کریں۔
- ☆ مالیاتی کمیشن کے اختیارات اور افعال کی وضاحت کریں۔
- ☆ ایک مشاورتی ادارے کے طور پر اس کے کردار پر بحث کریں۔
- ☆ 15 مالیاتی کمیشنوں کی سفارشات کا تجزیہ کریں۔

☆ ریاستی مالیاتی کمیشن کے کردار کا اندازہ لگائیں۔

تعارف

اس یونٹ میں، ہم ہندوستان کے مالیاتی کمیشن کی ساخت اور تشکیل کے بارے میں جانیں گے۔ اس کے اختیارات اور افعال، اس کا مشاورتی کردار، اس کے اراکین کی اہلیت اور ان کی نااہلی کی وجوہات، اراکین کی تنخواہیں اور الاؤنسز کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ہم آج تک مقرر کیے گئے پندرہ مالیاتی کمیشنوں کی سفارشات کو بھی تفصیل سے جانیں گے۔ اس کے علاوہ، ہم ریاستی مالیاتی کمیشن اور اس کے کردار کے بارے میں مختصراً بات کریں گے۔ مالیاتی کمیشن یا وِتّہ آیوگ ہندوستان کی مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے درمیان مالی تعلقات کی وضاحت کرتا ہے۔

مالیاتی کمیشن کا تقرر ہر پانچ سال بعد ہوتا ہے اور اس میں ایک چیئرمین اور چار دیگر اراکین ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے آئین کا آرٹیکل 280 مالیاتی کمیشن کے قیام کے لیے فراہم کرتا ہے۔ اسے ہندوستان کے صدر ہر پانچویں سال یا اس سے پہلے کے وقت میں تشکیل دیتے ہیں اگر وہ ضروری سمجھیں۔ اس کے کاموں میں بنیادی طور پر مرکز اور ریاستوں کے درمیان اور خود ریاستوں کے درمیان ٹیکس محصولات کی تقسیم پر صدر کو سفارشات دینا شامل ہے۔

مالیاتی کمیشن کی تشکیل

مالیاتی کمیشن ایک کثیر رکنی ادارہ ہے اور پانچ ارکان پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک چیئرمین کے طور پر کام کرتا ہے اور باقی 4 ارکان فنانس کمیشن کے ممبر کے طور پر کام کرتے ہیں۔ وہ اس مدت کے لیے عہدے پر فائز رہتے ہیں جس کی وضاحت صدر نے اپنے حکم میں کی ہے۔

اراکین کی اہلیت

مالیاتی کمیشن کے ارکان کی اہلیت کا تعین کرنے کا اختیار آئین نے پارلیمنٹ کو دیا ہے۔ پارلیمنٹ کو ان کی تعداد کے انتخاب کا طریقہ کار طے کرنے کا بھی اختیار ہے۔ کمیشن کا چیئرمین ایسا شخص ہونا چاہیے جسے عوامی امور کا کافی تجربہ ہو۔ کمیشن کے دیگر چار اراکین کو درج ذیل زمروں میں سے منتخب اور مقرر کیا جانا چاہیے:

1. ہائی کورٹ کا جج یا وہ جو ایک کے طور پر تقرری کے لیے اہل ہو۔
2. ایسا شخص جسے حکومت کے مالیات اور کھاتوں کا خصوصی علم ہو۔
3. ایسا شخص جو مالی معاملات اور انتظامیہ میں وسیع تجربہ رکھتا ہو۔
4. ایسا شخص معاشیات کا خصوصی علم رکھتا تھا۔

5. اراکین کی تنخواہیں اورالاؤنسز

کمیشن کے ارکان کمیشن کو کل وقتی یا جز وقتی خدمات فراہم کریں گے، جیسا کہ صدر نے اپنے حکم میں واضح کیا ہے۔ ارکان کو مرکزی حکومت کی طرف سے بنائے گئے انتظامات کے مطابق تنخواہیں اورالاؤنسز ادا کیے جائیں گے۔

ارکان کے عہدہ کی میعاد

ہر رکن صدر کے حکم میں بیان کردہ معیاد تک عہدے پر رہے گا اور وہ دوبارہ تقرری کے اہل ہیں۔

کمیشن کے رکن ہونے سے نااہلی

رکن کو نااہل قرار دیا جاسکتا ہے اگر وہ شخص:

1. ذہنی طور پر غیر مستحکم؛ اور حسب ذیل
2. ایک غیر منقطع دیوالیہ؛
3. ایک غیر اخلاقی جرم کا مجرم قرار دیا گیا ہے؛
4. مالیاتی اور دیگر مفادات ایسے ہیں جو کمیشن کے ہموار کام میں رکاوٹ ہیں۔

فنانس کمیشن کے اختیارات اور افعال

اختیارات

کمیشن کو اپنا طریقہ کار طے کرنے کا اختیار ہے اور:

1. دیوانی طریقہ کار کوڈ کے مطابق اس کے پاس سول کورٹ کے تمام اختیارات ہیں۔
2. یہ کسی بھی گواہ کی حاضری کو طلب اور نافذ کرسکتا ہے یا کسی بھی شخص سے معلومات فراہم کرنے یا دستاویز پیش کرنے کے لیے کہہ سکتا ہے، جسے وہ متعلقہ سمجھے۔
3. یہ کسی بھی عدالت یا دفتر سے کسی بھی عوامی ریکارڈ یا دستاویز کی تیاری کا مطالبہ کرسکتا ہے۔
4. اسے ضابطہ فوجداری، 1898 کے سیکشن 480 اور 482 کے مقاصد کے لیے دیوانی عدالت سمجھا جائے گا۔

افعال

مالیاتی کمیشن کا تقرر اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ صدر جمہوریہ ہند کو درج ذیل امور کے حوالے سے سفارشات پیش کرے:

1۔ مرکز اور ریاستوں کے درمیان جمع کیے جانے والے ٹیکسوں کی تقسیم اور جمع کیے گئے ٹیکسوں میں ان کے متعلقہ حصص کی ریاستوں کے درمیان تقسیم۔

2. وہ اصول جو مرکز کی طرف سے ریاستوں کو دی جانے والی امداد کو کنٹرول کرنے چاہئیں (یعنی ہندوستان کے کنسولیڈیٹڈ فنڈ سے)۔

3. ریاستی مالیاتی کمیشن کی سفارشات کی بنیاد پر ریاست میں پنچایتوں اور میونسپلٹیوں کے وسائل کو پورا کرنے کے لیے ریاست کے کنسولیڈیٹڈ فنڈ کو مضبوط کرنے کے لیے ضروری اقدامات۔

4. کوئی دوسرا معاملہ/ معاملات جن کا حوالہ صدر مملکت کی طرف سے قوم کے مالیاتی مفاد کے لیے دیا جاتا ہے۔

مالیاتی کمیشن اپنی رپورٹ صدر مملکت کو پیش کرتا ہے اور وہ اسے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے سامنے ایک وضاحتی یادداشت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

مشاورتی کردار ADVISORY ROLE

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ فنانس کمیشن کی طرف سے جو سفارشات پیش کی جاتی ہیں وہ صرف ایڈوائزری یا مشاورتی نوعیت کی ہوتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ حکومت پر پابند نہیں ہوتیں۔ نتیجے کے طور پر، یہ مرکزی حکومت پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ آیا ریاستوں کو رقم دینے کے سلسلے میں مالیاتی کمیشن کی سفارشات پر عمل درآمد کرنا ہے۔

ہندوستان کے آئین میں یہ کہیں بھی درج نہیں کیا گیا ہے کہ مالیاتی کمیشن کی سفارشات حکومت ہند پر پابند ہوں گی یا ریاستوں کو وہ رقم وصول کرنے کا قانونی حق حاصل ہے جو انہیں مالیاتی کمیشن کے ذریعہ پیش کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ تاہم، یہ ذہن میں رکھنا ہوگا کہ ایک فنانس کمیشن ایک آئینی ادارہ ہے جس کے پاس نیم عدالتی اختیارات ہیں اور اس کے نتیجے میں، کمیشن کی طرف سے کی گئی سفارشات کو حکومت ہند کو مسترد نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ اس کی مضبوط وجوہات نہ ہوں۔

یونین پبلک سروس کمیشن

یونین پبلک سروس کمیشن (UPSC) ہندوستان میں بھرتی کرنے والی مرکزی ایجنسی ہے۔ یہ اس لحاظ سے ایک آزاد آئینی ادارہ ہے کہ اسے براہ راست آئین نے بنایا ہے۔ آئین کے حصہ XIV میں آرٹیکل 315 سے 323 میں UPSC کی تشکیل، آزادی، اختیارات اور افعال کے ساتھ ارکان کی تقرری اور برطرفی سے متعلق تفصیلی دفعات موجود ہیں۔

تشکیل

UPSC ایک چیئر مین اور دیگر ارکان پر مشتمل ہوتا ہے جن کا تقرر ہندوستان کے صدر کرتے ہیں۔ آئین نے کمیشن کے اختیارات کی وضاحت کیے بغیر معاملہ صدر کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، جو اس کی تشکیل کا تعین کرتا ہے۔ عام طور پر کمیشن 9 سے 11 ارکان پر مشتمل ہوتا ہے جس میں چیئر مین بھی شامل ہیں۔ مزید یہ کہ کمیشن کی رکنیت کے لیے کوئی اہلیت متعین نہیں ہے سوائے اس کے

کہ کمیشن کے ارکان میں سے نصف ایسے افراد ہوں جو کم از کم دس سال تک حکومت ہند کے تحت یا کسی ریاست کی حکومت کے تحت عہدہ پر فائز رہے ہوں۔ آئین صدر کو کمیشن کے چیئرمین اور دیگر ارکان کی خدمات کی شرائط کا تعین کرنے کا اختیار بھی دیتا ہے۔

کمیشن کے چیئرمین اور ارکان چھ سال کی مدت کے لیے یا 65 سال کی عمر تک پہنچنے تک، جو بھی پہلے ہو، عہدہ رکھتے ہیں۔ تاہم، وہ صدر کو اپنا استعفیٰ بھیج کر کسی بھی وقت اپنے عہدے چھوڑ سکتے ہیں۔ انہیں صدر کے ذریعہ ان کی میعاد ختم ہونے سے پہلے بھی ہٹایا جاسکتا ہے جیسا کہ آئین میں دیا گیا ہے۔

صدر مندرجہ ذیل دو صورتوں میں UPSC کے ممبران میں سے کسی ایک کو قائم مقام چیئرمین کے طور پر مقرر کر سکتا ہے۔

(a) جب چیئرمین کا عہدہ خالی ہو جائے؛ یا

(b) جب چیئرمین غیر حاضری یا کسی اور وجہ سے اپنے فرائض سرانجام دینے سے قاصر ہو۔

قائم مقام چیئرمین اس وقت تک کام کرتا ہے جب تک کہ چیئرمین کے طور پر مقرر کردہ کوئی شخص دفتر کے فرائض پر نہیں آتا یا جب تک چیئرمین اپنے فرائض دوبارہ شروع کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔

عہدہ سے برطرفی

صدر مندرجہ ذیل حالات میں UPSC کے چیئرمین یا کسی دوسرے رکن کو عہدہ سے برطرف کر سکتے ہیں:

(a) اگر اسے دیوالیہ قرار دیا جاتا ہے (یعنی دیوالیہ ہو گیا ہے)؛

(b) اگر وہ اپنی مدت ملازمت کے دوران، اپنے عہدہ کے فرائض سے باہر کسی با معاوضہ ملازمت میں مشغول ہوتا ہے۔ یا

(c) اگر وہ صدر کی رائے میں دماغ یا جسم کی کمزوری کی وجہ سے عہدے پر برقرار رہنے کے لیے نااہل ہے۔

ان کے علاوہ صدر یو پی ایس سی کے چیئرمین یا کسی دوسرے رکن کو بھی بدتمیزی کے لیے برطرف کر سکتا ہے۔ تاہم، اس معاملے میں، صدر کو معاملہ کی انکوائری کے لیے سپریم کورٹ سے رجوع کرنا ہوگا۔ اگر سپریم کورٹ، انکوائری کے بعد، ہٹانے کی وجہ کو برقرار رکھتی ہے اور ایسا مشورہ دیتی ہے، تو صدر چیئرمین یا کسی رکن کو ہٹا سکتا ہے۔ آئین کی دفعات کے تحت، اس سلسلے میں سپریم کورٹ کی طرف سے پیش کردہ مشورہ صدر پر لازم ہے۔ سپریم کورٹ کی طرف سے تحقیقات کے دوران صدر یو پی ایس سی کے چیئرمین یا رکن کو معطل کر سکتے ہیں۔

اس تناظر میں 'بدتمیزی' کی اصطلاح کی تعریف کرتے ہوئے، آئین کہتا ہے کہ یو پی ایس سی کے چیئرمین یا کسی دوسرے رکن کو بدسلوکی کا مجرم سمجھا جاتا ہے اگر وہ (a) حکومت ہند کی طرف سے کیے گئے کسی معاہدے میں دلچسپی رکھتا ہے یا اس میں دلچسپی رکھتا ہے۔ یا کسی ریاست کی حکومت، یا (b) اس طرح کے معاہدے یا معاہدے کے منافع میں یا اس سے حاصل ہونے والے کسی فائدے میں کسی بھی طرح سے حصہ لیتی ہے، بصورت دیگر ایک رکن کی حیثیت سے اور ایک مربوط کمپنی کے دیگر اراکین کے ساتھ مشترکہ طور پر۔

آزادی

آئین نے UPSC کے آزاد اور غیر جانبدارانہ کارکردگی کی حفاظت اور اسے یقینی بنانے کے لیے درج ذیل انتظامات کیے ہیں:

(a) یو پی ایس سی کے چیئر مین یا رکن کو صدر صرف اس طریقے سے اور آئین میں مذکور بنیادوں پر عہدے سے برطرف کر سکتا ہے۔ لہٰذا، وہ معیاد کی ضمانت سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

(b) چیئر مین یا رکن کی سروس کی شرائط، اگرچہ صدر کی طرف سے متعین کی جاتی ہے، لیکن ان کی تقرری کے بعد اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔

(c) یو پی ایس سی کے چیئر مین اور ارکان کی تنخواہوں، الاؤنسز اور پنشن سمیت پورے اخراجات ہندوستان کے کنسولیڈیٹیڈ فنڈ سے وصول کیے جاتے ہیں۔ اس طرح، وہ پارلیمنٹ کے ووٹ کے تابع نہیں ہیں۔

(d) UPSC کا چیئر مین (عہدہ چھوڑنے پر) حکومت ہند یا کسی ریاست میں مزید ملازمت کے لیے اہل نہیں ہے۔

(e) UPSC کا ممبر (عہدہ چھوڑنے پر) UPSC یا اسٹیٹ پبلک سروس کمیشن (SPSC) کے چیئر مین کے طور پر تقرری کا اہل ہے، لیکن حکومت ہند یا ریاست میں کسی اور ملازمت کے لیے نہیں۔

(f) UPSC کا چیئر مین یا رکن (اپنی پہلی میعاد پوری کرنے کے بعد) اس عہدہ پر دوبارہ تقرری کے لیے اہل نہیں ہے (یعنی دوسری مدت کے لیے اہل نہیں ہے)۔

افعال

UPSC مندرجہ ذیل کام انجام دیتا ہے:

(a) یہ مرکز کے زیر انتظام علاقوں کی کل ہند خدمات، مرکزی خدمات اور عوامی خدمات میں تقرریوں کے لیے امتحانات کا انعقاد کرتا ہے۔

(b) یہ ریاستوں کی مدد کرتا ہے (اگر دو یا دو سے زیادہ ریاستوں نے ایسا کرنے کی درخواست کی ہو) کسی ایسی خدمات کے لیے مشترکہ بھرتی کی اسکیموں کو بنانے اور چلانے میں جس کے لیے خصوصی اہلیت رکھنے والے امیدواروں کی ضرورت ہے۔

(c) یہ ریاست کے گورنر کی درخواست پر اور ہندوستان کے صدر کی منظوری سے ریاست کی تمام یا کسی بھی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔

(d) عملے کے انتظام سے متعلق درج ذیل امور پر مشورہ کیا جاتا ہے۔

(i) سول سروسز اور سول پوسٹوں کے لیے بھرتی کے طریقوں سے متعلق تمام امور پر۔

(ii) سول سروسز اور عہدوں پر تقرری کرنے اور ایک خدمت سے دوسری خدمت میں ترقیوں اور تبادلوں میں جن

اصولوں کی پیروی کی جائے گی۔

(iii) سول سروسز اور عہدوں پر تقرریوں کے لیے امیدواروں کی مناسبیت؛ ترقیوں اور ایک خدمت سے دوسری خدمت میں منتقلی کے لیے؛ اورتقرریاں بذریعہ ٹرانسفر یا ڈیپوٹیشن۔ متعلقہ محکمے ترقیوں کے لیے سفارشات پیش کرتے ہیں اور UPSC سے ان کی توثیق کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔

(iv) تمام تادیبی معاملات جو حکومت ہند کے تحت شہری حیثیت میں خدمات انجام دینے والے کسی فرد کو متاثر کرتے ہیں بشمول اس طرح کے معاملات سے متعلق یادداشتیں یا درخواستیں۔ یہ شامل ہیں:

- ☆ انکریمنٹ کو روکنا
- ☆ مذمت (شدید نامنظور)
- ☆ ترقیوں کو روکنا
- ☆ مالی نقصان کی بازیابی۔
- ☆ کم سروس یا رینک میں کمی (تخفیف)
- ☆ لازمی ریٹائرمنٹ سروس سے ہٹانا
- ☆ سروس سے برخاستگی"

(v) کسی سرکاری ملازم کی طرف سے اپنے سرکاری فرائض کی انجام دہی میں کی گئی کارروائیوں کے سلسلے میں اس کے خلاف قائم کی گئی قانونی کارروائیوں کا دفاع کرنے کے لیے کیے گئے قانونی اخراجات کی ادائیگی کا کوئی دعویٰ۔

(vi) حکومت ہند کے تحت خدمات انجام دینے کے دوران کسی شخص کو لگنے والی چوٹوں کے سلسلے میں پنشن کے ایوارڈ کا کوئی دعویٰ اور اس طرح کے کسی ایوارڈ کی رقم سے متعلق کوئی سوال۔

(vii) ایک سال سے زائد مدت کے لیے عارضی تقرریوں اور تقرریوں کو ریگولرائز کرنے کے جیسے معاملات۔

viii) سروس میں توسیع اور بعض ریٹائرڈ سرکاری ملازمین کی دوبارہ ملازمت سے متعلق معاملات۔

(ix) عملے کے انتظام سے متعلق کوئی اور معاملہ۔

سپریم کورٹ نے کہا ہے کہ اگر حکومت مذکورہ بالا معاملات میں UPSC سے مشورہ کرنے میں ناکام رہتی ہے، تو متاثرہ سرکاری ملازم کے پاس عدالت میں کوئی حکمت عملی نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں، عدالت نے کہا کہ UPSC کے ساتھ مشاورت میں کوئی بے ضابطگی یا مشاورت کے بغیر کام کرنا حکومت کے فیصلے کو باطل نہیں کرتا۔ اسی طرح، عدالت نے کہا کہ UPSC کے ذریعہ انتخاب امیدوار کو عہدے پر کوئی حق نہیں دیتا ہے۔ تاہم، حکومت کو منصفانہ اور من مانی یا بدتمیزی کے بغیر کام کرنا ہے۔

یونین کی خدمات سے متعلق اضافی کام پارلیمنٹ کے ذریعہ یو پی ایس سی کو دیا جاسکتا ہے۔ یہ کسی بھی اتھارٹی، کارپوریٹ باڈی یا عوامی ادارے کے عملے کے نظام کو UPSC کے دائرہ اختیار میں بھی رکھ سکتا ہے۔ لہذا یو پی ایس سی کے دائرہ اختیار کو پارلیمنٹ کے ذریعہ بنائے گئے ایکٹ کے ذریعہ بڑھایا جاسکتا ہے۔

UPSC ہر سال صدر کو اپنی کارکردگی پر ایک رپورٹ پیش کرتی ہے۔ صدر اس رپورٹ کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے سامنے رکھتا ہے، اس کے ساتھ ایک میمورنڈم کے ساتھ ان معاملات کی وضاحت کرتا ہے جہاں کمیشن کے مشورے کو قبول نہیں کیا گیا تھا اور اس طرح کی عدم قبولیت کی وجوہات۔ عدم قبولیت کے ایسے تمام معاملات کو مرکزی کابینہ کی تقرری کمیٹی کے ذریعہ منظور کیا جانا چاہئے۔ کسی انفرادی وزارت یا محکمہ کو UPSC کے مشورے کو مسترد کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

تاریخی پس منظر

درج فہرست ذاتوں کا سماجی اور معاشی موقف دستور سازوں کی فکر کو اجاگر کرتا ہے۔ درج فہرست ذاتوں کے لیے تحفظات فراہم کرنے کے لیے سماج کے اس طبقے کے سماجی، تعلیمی، اقتصادی اور خدمت کے مفاد کو فروغ دینے کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے تھے۔ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ تحفظات آئین کے آغاز پر ہی اس پر صحیح طریقے سے عمل درآمد کر رہے ہیں، آئین کے آرٹیکل 338 کے تحت ایک خصوصی عہدہ کی تقرری کے لیے درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل کے لیے فراہم کردہ تحفظات سے متعلق تمام معاملات کی چھان بین اور اس کے بارے میں صدر کو رپورٹ کرنے کے لیے فراہم کیا گیا ہے۔

اس فراہمی کی پیروی میں 18 نومبر 1950 کو پہلی بار کمشنر برائے درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل کے نام سے جانا جاتا ایک خصوصی افسر مقرر کیا گیا۔

یہ محسوس کیا گیا کہ درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل کے کمشنر کا دفتر ایس سی اور ایس ٹی ایس کو فراہم کردہ تحفظات کی نگرانی کے لیے کافی نہیں ہے۔ لہذا، اراکین پارلیمنٹ کی طرف سے اٹھنے والی آواز کی وجہ سے، آئین کے آرٹیکل 338 میں ترمیم کی تجویز پیش کی گئی (46 ویں ترمیم) سنگل ممبر سپیشل آفیسر کی جگہ کثیر رکنی نظام کے ذریعہ کی گئی۔

پہلا کمیشن برائے ایس سی اور ایس ٹی اگست 1978 کو وجود میں آیا۔ جو کیم دسمبر 1978 سے نافذ العمل ہے۔ شری بھولا پاسوان شاستری پہلے عہدے دار تھے۔

کمیشن برائے SCS اور STS اور آفس آف کمشنر برائے SCS اور STS کے کام 1992-03-11 تک ایک ساتھ موجود تھے۔

1978 کے کمیشن کے سیٹ اپ میں 1987 میں تبدیلی آئی اور اسے قومی کمیشن برائے درج فہرست ذات اور درج فہرست قبائل کا نام دیا گیا۔ یہ کمیشن قومی سطح کا مشاورتی ادارہ ہونے کے ناطے SCS / STs سے متعلق اہم پالیسی اور ترقیاتی امور پر مشیر کا

کردارادا کرتا ہے۔

قومی کمیشن برائے ایس سیز اور ایس ٹیز 65 ویں ترمیمی بل 1990 کے نتیجے میں وجود میں آیا جس کا 8.6.1990 کو مطلع کیا گیا تھا، اوراس کے تحت قواعد 3.11.1990 کو مطلع کیے گئے تھے۔قومی کمیشن برائے ایس سی ایس اور ایس ٹی ایک قانونی کمیشن کے طور پر 1992 میں ایس ایچ رامدھن کے پہلے چیئر پرسن کے ساتھ وجود میں آیا۔

2003 میں نافذ کی گئی آئین کی 89 ویں ترمیم میں، شیڈولڈ کاسٹ کے لیے علیحدہ قومی کمیشن اور شیڈولڈ ٹرائب کے لیے الگ قومی کمیشن بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ 19.02.2004 کو نافذ العمل ہوا۔

سابقہ قومی کمیشن برائے ایس سی ایس اور ایس ٹی کو ڈاکٹر من موہن سنگھ کی وزارت عظمیٰ کے دوران دو مختلف کمیشنوں میں تقسیم کیا گیا تھا جس کی اصل تقسیم کی تاریخ 1.12.2004 تھی۔

مندرجہ ذیل جدول 2004 سے NCSC کے چیئر پرسن کے سالوں اور عہدوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

سلسلہ نشان	سال	کمیشن کا چیئر پرسن
1.	2004 - 2007	سورج بھان
2.	2007 - 2010	بھوٹا سنگھ
3.	2010 - 2013	پی ایل پونیا
4.	2013 - 2016	پی ایل پونیا
5.	2017 سے تاحال	پروفیسر رام شنکر کتھاریہ

کمیشن کی تشکیل

کمیشن پر مشتمل ہے۔

a۔ ایک چیئر پرسن: کابینہ کے وزیر کی حیثیت سے لطف اندوز:

b۔ ایک نائب چیئر پرسن: کابینہ وزیر کی حیثیت سے لطف اندوز ہوں۔

c۔ تین ارکان کو وزیر مملکت کا درجہ حاصل ہے۔

ممبران اور چیئر پرسن کی تقرری

ممبران اور چیئر پرسن کا تقرر صدر اپنے ہاتھ اور مہر کے تحت وارنٹ کے ذریعے کرتے ہیں۔ ان کی سروس کی شرائط اور عہدے کی مدت کا تعین بھی صدر کرتے ہیں۔

میعاد

چیئرپرسن، وائس چیئرپرسن اور ممبران 3 سال تک اپنے عہدے پر فائز رہیں گے۔ان کی دوبارہ تقرری کی جاسکتی ہے۔

کمیشن کے افعال

کمیشن کے افعال، فرائض اور اختیارات کا تعین آئین کے آرٹیکل 338 کی شق (5)، (8) اور (9) میں کیا گیا ہے۔

شق (5): یہ کمیشن کا فرض ہوگا:-

a) اسکے تحت درج فہرست ذاتوں کے لیے فراہم کردہ تحفظات سے متعلق تمام معاملات کی چھان بین اور نگرانی کرنا یا فی الحال نافذ العمل یا حکومت کے کسی حکم کے تحت کسی دوسرے قانون کے تحت اور ایسے تحفظات کے کام کا جائزہ لینا؛

b) درج فہرست ذاتوں کے حقوق اور تحفظات سے محرومی کے حوالے سے مخصوص شکایات کی انکوائری کرنا؛

c) درج فہرست ذاتوں کی سماجی و اقتصادی ترقی کے منصوبہ بندی کے عمل میں حصہ لینا اور مشورہ دینا اور مرکز اور کسی بھی ریاست کے تحت ان کی ترقی کی پیش رفت کا جائزہ لینا؛

d) صدر کو سالانہ اور ایسے دیگر اوقات میں ان حفاظتی اقدامات کے کام کی رپورٹس پیش کرنا جو کمیشن مناسب سمجھے،؛

e) اس طرح کی رپورٹوں میں ان اقدامات کے بارے میں سفارشات پیش کرنا جو یونین یا کسی بھی ریاست کی طرف سے ان حفاظتی اقدامات کے مؤثر نفاذ کے لیے کیے جائیں اور درج فہرست ذاتوں کے تحفظ، بہبود اور سماجی و اقتصادی ترقی کے لیے دیگر اقدامات

f) درج فہرست ذاتوں کے تحفظ، فلاح و بہبود اور ترقی اور ترقی کے سلسلے میں اس طرح کے دیگر کاموں کو انجام دینا، جیسا کہ صدر، پارلیمنٹ کے بنائے گئے کسی بھی قانون کی دفعات کے تحت، قاعدے کے ذریعے بیان کرتا ہے۔

کمیشن کے اختیارات

شق (8)-کمیشن، ذیلی شق میں ذکر کردہ کسی بھی معاملے کی تحقیقات کے دوران کرے گا۔(a) یا ذیلی شق میں ذکر کردہ کسی شکایت کی انکوائری کرنا

شق (5) شق (b) کے پاس دیوانی عدالت کے تمام اختیارات ہیں جو مقدمہ چلائے اور خاص طور پر درج ذیل امور کے سلسلے میں، یعنی:-

a) ہندوستان کے کسی بھی حصے سے کسی بھی شخص کی طلب کرنا اور اسے نافذ کرنا اور حلف پر اس کی جانچ کرنا؛

b) کسی بھی دستاویزات کی دریافت ضرورت ہوتی ہے؛

c) حلف ناموں پر ثبوت وصول کرنا؛

d) کسی عدالت یا دفتر سے کوئی عوامی ریکارڈ یا اس کی کاپی طلب کرنا؛

e) گواہوں اور دستاویزات کی جانچ کے لیے کمیشن جاری کرنا؛

f) کوئی دوسرا معاملہ جس کا صدر قاعدے کے ذریعے تعین کرسکتا ہے۔

شق (9) - مرکز اور ہر ریاستی حکومت درج فہرست ذاتوں کو متاثر کرنے والے تمام بڑے پالیسی معاملات پر کمیشن سے مشورہ کرے گی۔

کمیشن کی رپورٹ

کمیشن صدر کو سالانہ رپورٹ پیش کرتا ہے۔ یہ جب بھی ضروری سمجھے رپورٹ پیش کرسکتا ہے۔

صدر کمیشن کی طرف سے کی گئی سفارشات پر کی گئی کارروائی کی وضاحت کرنے والے میمورنڈم کے ساتھ ایسی تمام رپورٹیں پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ میمورنڈم میں ایسی کسی بھی سفارش کو قبول نہ کرنے کی وجوہات بھی ہونی چاہئیں۔

صدر ریاستی حکومت سے متعلق کمیشن کی کسی بھی رپورٹ کو ریاستی گورنر کو بھی بھیج دیتے ہیں۔ گورنر اسے ریاستی مقنّنہ کے سامنے رکھتا ہے، اس کے ساتھ کمیشن کی سفارشات پر کی گئی کارروائی کی وضاحت کرتا ہے۔ میمورنڈم میں ایسی کسی بھی سفارش کو قبول نہ کرنے کی وجوہات بھی ہونی چاہئیں۔

کمیشن کے افعال

A۔ مثبت اثر:

انفرادی معاملات میں کمیشن کا راست مداخلت کا اثر

مظالم کی انفرادی شکایات اور سماجی اقتصادی ترقی کے شعبے اور خدمات میں درج فہرست ذاتوں کو دیے گئے تحفظات سے محرومی کا جائزہ لینا کمیشن کے مینڈیٹ کا ایک اہم حصہ ہے۔

سنگین مظالم کے 173 مقدمات میں کمیشن کی راست مداخلت کے نتیجے میں اور 61 مقامات کے دورے کے بعد 202 ایف آئی آر درج کی گئیں، 423 گرفتاریاں عمل میں آئیں اور 124 چارج شیٹ داخل کی گئیں۔ سال 16-2015 کے دوران متاثرین/متاثرین کے خاندانوں کو 3,60,00,410/- کے مالی معاوضے کی ادائیگی کو بھی یقینی بنایا گیا۔

سروس سے متعلق 247 دلچسپ معاملات میں کمیشن کی مداخلت کے نتیجے میں 619 افراد کی خدمات میں تقرری ہوئی، 15 افراد کی ہمدردی کی بنیاد پر تقرری ہوئی، 42 افراد کو ان کی طویل عرصے سے مسترد شدہ ترقیاں ملیں، 18 ریٹائرڈ افراد نے اپنی پنشن اور

دیگر پنشنری مراعات حاصل کیں، 8 افراد کو دوبارہ خدمات میں شامل کیا گیا/ معطلی منسوخ کر دی گئی، ہراساں کرنے کے 71 دیگر معاملات کو حل کیا گیا۔ ریگولر پنشن حاصل کرنے والے 18 افراد کے علاوہ سال 16-2015 کے دوران -/9,56,613 کے دیگر مالی فوائد بھی جاری کیے گئے۔

معاشی اور سماجی شعبے میں 248 دلچسپ انفرادی معاملات میں جہاں کمیشن نے راست مداخلت کی -/24,38,58,947 گزشتہ کئی سالوں کے اسکالرشپ کے طور پر 1710 طلباء کو جاری کیا گیا اور ساتھ ہی مزید 7 اداروں میں 35 طلباء کو پہلے ہی داخلہ دیا گیا۔ ان سے انکار کیا گیا، 72 طلباء نے تعلیمی قرضے، ڈگریاں، مارک شیٹس وغیرہ حاصل کیں جو کہ روکے گئے تھے اور ساتھ ہی -/5,99,316 کی مالی مدد، 71 افراد کو -/1,06,198 کے معاوضے کے ساتھ ان کی زمین کا قبضہ حاصل ہوا، 73 افراد نے وصول کیا۔ SC اسکیموں کے تحت -/39,78,481 - کے مالی فوائد کے ساتھ فائدہ، 8 انحصار کرنے والوں کو -/32,50,000 کی مالی امداد ملی اور سال 2015 کے دوران 44 افراد کو دیگر ریلیف ملے جیسے زمین/ پیٹرول پمپ کی زمین کی الاٹمنٹ وغیرہ

معمولی اثر

ایک دہائی سے زیادہ عرصہ تک کمیشن کے وجود کے باوجود درج فہرست ذاتوں (شیڈول کاسٹ) کے موقف میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ ایس سز کے خلاف مظالم بدستور جاری ہیں، ان میں سے زیادہ تر اب بھی اپنے حقوق سے واقف نہیں ہیں، ذات پات کی بنیاد پر امتیازی سلوک میں کمی نہیں آئی ہے، چھوت چھات کے واقعات جاری ہیں۔ مجموعی طور پر ایس سیز کی زندگیوں میں کوئی بہتری نہیں آئی۔

اس طرح کے معمولی اثرات میں بہت سے عوامل شامل ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں کمیشن کا کام فیلڈ وزٹ اور رپورٹس تک ہی محدود ہے۔ کوئی فالواپ ایکشن نہیں ہے۔ کمیشن کی سفارشات کی پابند نوعیت کا فقدان۔ کمیشن میں ناکافی عملہ اپنے فرائض سرانجام دینے میں دشواری کا باعث بنتا ہے۔ کوئی مستقل اہلکار نہیں ہے۔ ان میں سے زیادہ تر ڈیپوٹیشن پر تعینات ہیں۔ نتیجے کے طور پر، ہوسکتا ہے کہ انہیں کمیشن میں کام کرنے کے عزم کی ضرورت نہ ہو۔

نہ صرف عملے کی آسامیاں خالی ہیں بلکہ ممبران اور چیئرپرسن کے عہدے بھی خالی ہیں۔ حکومت اسامیوں کو جلد از جلد پر کرنے کے لیے اقدامات نہیں کر رہی ہے۔ کمیشن کے پاس اپنی مالی ضروریات کے لیے کوئی الگ بجٹ نہیں ہے۔ کمیشن کی سفارشات حکومت پر پابند نہیں ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے سرکاری محکموں/ PSUs نے NCSC کی سفارشات کے خلاف مختلف عدالتوں میں رٹ درخواستیں دائر کی ہیں۔ یہ انصاف کی حتمی فراہمی کو پیچیدہ اور تاخیر کا باعث بنتا ہے اور ساتھ ہی قانونی فیس کے ساتھ سرکاری خزانے پر بوجھ ڈالتا ہے۔ یہ ریاست کے مختلف ونگز کی عدالت میں ریاست کے خلاف لڑنے کی ایک روشن مثال ہے۔

کمیشن کے افعال کار کو بہتر بنانے کے لیے تجاویز

مندرجہ بالا کو مدنظر رکھتے ہوئے، NCSC نے اپنی 16-2015 کی سالانہ رپورٹ میں درج ذیل سفارشات کی تھیں۔

1. حکومت NCSC کی سفارشات کو پابند بنانے کے لیے تمام ضروری اقدامات کر سکتی ہے۔ کمیشن کو مناسب طور پر بااختیار بنایا جانا چاہئے تا کہ یہ مؤثر طریقے سے کام کر سکے اور اس کی نگرانی کر سکے کہ آئین کے تحت درج فہرست ذاتوں کے تحفظات کو مکمل طور پر نافذ کیا جائے۔
2. این سی ایس سی کو اس کے روزمرہ کے کام میں آزادی دی جائے اور اسے اپنے انتظامی، مالی اور قانونی معاملات کے بارے میں خود فیصلہ کرنے کی اجازت دی جائے اور اس کے بجٹ کا سماجی انصاف اور اختیارات کی وزارت کا حصہ بننے کے بجائے گرانٹس کے الگ مطالبے میں ایک الگ ہیڈ آف اکاؤنٹ کے تحت دیا جائے۔
3. کمیشن کے پاس یہ اختیار ہونا چاہیے کہ وہ مناسب پیشہ ورانہ اداروں کے ذریعے اپنے عملے کی ضروریات کا از سر نو جائزہ لے اور ضروری عہدوں کی تخلیق کے لیے محکمہ پرسونل اینڈ ٹریننگ اور محکمہ اخراجات کے ساتھ آزادانہ طور پر معاملہ اٹھائے۔
4. جانشینوں کی تقرری کا عمل خالی ہونے سے پہلے شروع ہو جانا چاہیے۔
5. فنڈز کی بلا تعطل فراہمی کے لیے کمیشن کو گرانٹس علحدہ فراہم کیا جائے۔
6. حکومت کو محکموں/PSUS کو حکم جاری کرنا چاہیے کہ وہ NCSC کی طرف سے دی گئی سفارشات کی سماعت کرنے والی عدالتوں سے رجوع نہ کریں۔ اگر محکموں/PSUs کو NCSC کی کسی بھی سفارش کو نافذ کرنے میں تحفظات یا مسائل ہیں، تو وہ مکمل حقائق کے ساتھ دوبارہ NCSC سے رجوع کر سکتے ہیں اور عدالتوں سے رجوع کرنے کے بجائے جائزہ لے سکتے ہیں۔

کمیشن کا قیام

منڈل کیس کے فیصلے (1992) میں، سپریم کورٹ نے مرکزی حکومت کو ہدایت دی کہ وہ ایک مستقل قانونی ادارہ تشکیل دے جو پسماندہ فہرست میں شہریوں کے کسی بھی طبقے کو شامل نہ کرنے، زیادہ شمولیت یا عدم شمولیت کی شکایات کا جائزہ لے۔ وارڈ کلاسز اسی کے مطابق 1993 میں نیشنل کمیشن فار بیک ورڈ کلاسز (NCBC) قائم کیا گیا تھا۔

بعد ازاں، 2018 کے 102 ویں ترمیمی ایکٹ نے کمیشن کو آئینی درجہ دیا۔ اس مقصد کے لیے، ترمیم نے آئین میں ایک نیا آرٹیکل 338-B شامل کیا۔ لہٰذا، کمیشن ایک قانونی ادارہ نہیں بلکہ ایک آئینی ادارہ بن گیا۔

مزید یہ کہ کمیشن کو تفویض کردہ افعال کے دائرہ کار کو بھی نئے نظام کے تحت توسیع دی گئی۔ یہ سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کے مفادات کو زیادہ مؤثر طریقے سے محفوظ کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں، نئے کمیشن کی آئینی حیثیت نیشنل

کمیشن فار شیڈیولڈ کاسٹ (NCSC) اور نیشنل کمیشن فار شیڈیولڈ ٹرائب (NCST) کے مساوی ہے۔

کمیشن ایک چیئر پرسن، ایک وائس چیئر پرسن اور تین دیگر ارکان پر مشتمل ہے۔ ان کا تقرر صدر اپنے مہر کے تحت وارنٹ کے ذریعے کرتے ہیں۔ ان کی سروس کی شرائط اور عہدے کی مدت کا تعین بھی صدر کرتے ہیں۔

کمیشن کے افعال

کمیشن کے افعال درج ذیل ہیں:

(a) سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کے لیے آئینی اور دیگر قانونی تحفظات سے متعلق تمام معاملات کی چھان بین اور نگرانی کرنا اور ان کے کام کا جائزہ لینا۔

(b) سماجی اور تعلیمی لحاظ سے پسماندہ طبقات کے حقوق اور تحفظات سے محرومی کے حوالے سے مخصوص شکایات کی انکوائری کرنا۔

(c) سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کی سماجی و اقتصادی ترقی میں حصہ لینا اور مشورہ دینا اور مرکز یا ریاست کے تحت ان کی ترقی کی پیش رفت کا جائزہ لینا۔

(d) صدر کو سالانہ اور ایسے دیگر اوقات میں پیش کرنا جو وہ مناسب سمجھے، ان حفاظتی اقدامات کے کام کی رپورٹس۔

(e) سماجی اور تعلیمی لحاظ سے پسماندہ طبقات کے تحفظ، بہبود اور سماجی و اقتصادی ترقی کے لیے ان حفاظتی اقدامات اور دیگر اقدامات کے موثر نفاذ کے لیے یونین یا ریاست کی طرف سے کیے جانے والے اقدامات کے بارے میں سفارشات پیش کرنا۔

(f) سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کے تحفظ، بہبود، ترقی اور ترقی کے سلسلے میں اس طرح کے دیگر کاموں کو انجام دینا جیسا کہ صدر بیان کرسکتا ہے۔

کمیشن کی رپورٹ

کمیشن، صدر کو سالانہ رپورٹ پیش کرتا ہے۔ یہ جب بھی ضروری سمجھے رپورٹ پیش کرسکتا ہے۔

صدر کمیشن کی طرف سے کی گئی سفارشات پر کی گئی کارروائی کی وضاحت کرنے والے میمورنڈم کے ساتھ ایسی تمام رپورٹیں پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ میمورنڈم میں ایسی کسی بھی سفارش کو قبول نہ کرنے کی وجوہات بھی ہونی چاہئیں۔

صدر ریاستی حکومت سے متعلق کمیشن کی کسی بھی رپورٹ کو ریاستی حکومت (اور ریاستی گورنر کو نہیں) بھیجتے ہیں۔ حکومت اسے ریاستی مقنّنہ کے سامنے رکھتے ہے، جس میں کمیشن کی سفارشات پر کی گئی کارروائی کی وضاحت کرنے والے ایک میمورنڈم کے ساتھ۔ میمورنڈم میں ایسی کسی بھی سفارش کو قبول نہ کرنے کی وجوہات بھی ہونی چاہئیں۔

کمیشن کے اختیارات

کمیشن کو اپنے طریقہ کار کو منظم کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

کمیشن کے پاس کسی بھی معاملے کی چھان بین کرتے وقت یا کسی شکایت کی انکوائری کرتے ہوئے، دیوانی عدالت میں مقدمہ چلانے کے تمام اختیارات ہوتے ہیں اور خاص طور پر درج ذیل امور کے سلسلے میں:

(a) ہندوستان کے کسی بھی حصے سے کسی بھی شخص کی حاضری کو طلب کرنا اور اسے نافذ کرنا اور حلف پر اس کی جانچ کرنا

(b) کسی بھی دستاویز کی دریافت کی ضرورت ہے۔

(c) حلف ناموں پر ثبوت وصول کرنا

(d) کسی بھی عدالت یا دفتر سے کوئی بھی عوامی ریکارڈ طلب کرنا

(e) گواہوں اور دستاویزات کی جانچ کے لیے سمن جاری کرنا

(f) کوئی دوسرا معاملہ جس کا تعین صدر کر سکتے ہیں۔

مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں کو سماجی اور تعلیمی طور پر پسماندہ طبقات کو متاثر کرنے والے تمام اہم پالیسی معاملات پر کمیشن سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

نمونہ امتحانی سوالات

I۔ درج ذیل سوال کا جواب 30 سطور میں دیجئے۔

1. یونین پبلک سروس کمیشن (UPSC) کے افعال کی وضاحت کریں۔

II۔ درج ذیل سوال کا جواب 15 سطور میں دیجئے۔

1. یونین پبلک سروس کمیشن (UPSC) کی آئینی دفعات پر تبادلہ خیال کریں۔
2. یونین پبلک سروس کمیشن (UPSC) کیا ہے؟ اس کی ترکیب کی وضاحت کریں۔

I۔ درج ذیل سوال کا جواب 30 سطور میں دیجئے۔

1. الیکشن کمیشن آف انڈیا کے اختیارات اور افعال کی وضاحت کریں۔

II درج ذیل سوال کا جواب 15 سطور میں دیجئے۔

1. الیکشن کمیشن کی تشکیل پر تبادلہ خیال کریں۔
2. NOTA کیا ہے؟ تعارف کی وجوہات بیان کریں۔
3. ہندوستانی ووٹنگ سسٹم میں VVPATs کے کردار کی وضاحت کریں۔

I۔ درج ذیل سوال کا جواب 30 سطور میں دیجئے۔

1. فنانس کمیشن کے افعال پر ایک مضمون لکھیں۔

II۔ درج ذیل سوال کا جواب 15 سطور میں دیجئے۔

1. مالیاتی کمیشن کے کردار پر مختصراً لکھیں۔

2. فنانس کمیشن کیا ہے؟ اس کی ترکیب کی وضاحت کریں۔

3. آرٹیکل 280

I۔ درج ذیل سوال کا جواب 30 سطور میں دیجئے۔

1. درج فہرست ذاتوں کے قومی کمیشن کے اختیارات اور کاموں کو بیان کریں۔

II درج ذیل سوال کا جواب 15 سطور میں دیجئے۔

1. درج فہرست ذاتوں کے لیے قومی کمیشن کیا ہے؟ اس کی ترکیب کی وضاحت کریں۔

2. قومی کمیشن برائے درج فہرست ذاتوں پر مختصراً لکھیں۔

I۔ درج ذیل سوال کا جواب 30 سطور میں دیجئے۔

1. قومی کمیشن برائے شیڈولڈ ٹرائب کے اختیارات اور افعال پر تبادلہ خیال کریں۔

II۔ درج ذیل سوال کا جواب 15 سطور میں دیجئے۔

1. قومی کمیشن برائے شیڈولڈ ٹرائب کی آئینی دفعات پر تبادلہ خیال کریں۔

2. نیشنل کمیشن برائے شیڈولڈ ٹرائب کیا ہے؟ اس کی ترکیب کی وضاحت کریں۔

I۔ درج ذیل سوال کا جواب 30 سطور میں دیجئے۔

1. قومی کمیشن برائے پسماندہ طبقات کے اختیارات اور افعال کو شمار کریں۔

II۔ درج ذیل سوال کا جواب 15 سطور میں دیجئے۔

1. پسماندہ طبقات کے لیے قومی کمیشن کیا ہے؟ اس کی ترکیب کی وضاحت کریں۔

آرٹیکل 338-B کو بیان کیجئے۔

صحیح جواب کا انتخاب کیجئے:

1. درج ذیل میں سے کون سا بیان یونین پبلک سروس کمیشن کے بارے میں درست نہیں ہے۔

a) یہ ایک آزاد آئینی ادارہ ہے۔

b) آئین کے آرٹیکل 318 سے 323 تک UPSC کے افعال اور اختیارات کا تصور کیا گیا ہے۔

c) یہ چیئرمین سمیت 9 سے 11 اراکین پر مشتمل ہے۔

d) کمیشن کے چیئرمین اور ممبران 6 سال یا 65 سال کی عمر تک میعاد کے لیے عہدہ رکھتے ہیں۔

2. **یونین پبلک سروس کمیشن کے ممبران اپنا استعفیٰ پیش کرتے ہیں۔**

a) یونین پبلک سروس کمیشن کا چیئرمین

b) سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کو

c) صدر کو

d) وزیر داخلہ کو

3. جو یونین پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین اور ممبران کا انتخاب کرتا ہے۔

a) وزیر داخلہ

b) صدر

c) پارلیمنٹ

d) سپریم کورٹ

4. **ہندوستان کا آئین آرٹیکل کے تحت ایک الیکشن کمشنر کا انتظام کرتا ہے۔**

a) 321 b) 322 c) 323 d) 324

5. **ہندوستان کے چیف الیکشن کمشنر کی میعاد کیا ہے؟**

a) پانچ سال

b) صدر کی خوشی کے دوران

c) چھ سال یا 65 سال کی عمر تک جو بھی پہلے ہو۔

d) پانچ سال یا 65 سال کی عمر تک جو بھی پہلے ہو۔

6. **چیف الیکشن کمشنر آف انڈیا کا تقرر کیا جاتا ہے۔**

a) لوک سبھا b) وزیر اعظم c) صدر d) چیف جسٹس

7. **الیکشن کمشنر کو برطرف کیا جا سکتا ہے۔**

a) چیف الیکشن کمشنر

b) وزیر اعظم

c) چیف الیکشن کمشنر کی سفارش پر صدر

d) چیف جسٹس آف انڈیا

8. صدر کے عہدہ کا انتخاب بذریعہ کروایا جاتا ہے۔

a) لوک سبھا کا اسپیکر b) وزیراعظم کا دفتر

c) پارلیمانی امور کا وزیر d) الیکشن کمیشن آف انڈیا

9. 15 ویں مالیاتی کمیشن کا چیئرمین کون ہیں؟

a) ڈاکٹر وائی وی ریڈی b) جی سی مرمو

ج) نند کشور سنگھ d) اروند مہتا

10. مرکز اور ریاست کے درمیان مالیات کی تقسیم درج ذیل میں سے کس کی سفارشات پر کی جاتی ہے؟

a) پلاننگ کمیشن b) پبلک اکاؤنٹس کمیٹی

c) مالیاتی کمیشن d) قومی ترقیاتی کونسل

11. مالیاتی کمیشن کے اہم افعال یہ ہیں۔

a) مرکزی ٹیکسوں میں ریاستوں کے حصے کا تعین کرنا اور مرکز کی طرف سے ریاستوں کو دی جانے والی مالی امداد کے اصولوں کا تعین کرنا

b) ریاستوں پر مالی کنٹرول

c) مرکزی پر مالی کنٹرول

d) مندرجہ بالا میں سے کوئی نہیں۔

12. .مندرجہ ذیل میں سے کون سا ہندوستان میں مالیاتی کمیشن کا کام نہیں ہے؟

a) انکم ٹیکس کی منتقلی b) ایکسائز ڈیوٹی کی منتقلی۔

c) امدادی امداد کا ایوارڈ d) تجارتی ٹیکس کی تقسیم

13. ہندوستان میں وفاقی مالیاتی کمیشن سے متعلق ہے۔

a) ریاستوں کے درمیان مالیات

b) ریاستوں اور مرکز کے درمیان مالیات

c) مرکز اور مقامی خود حکومتوں کے درمیان مالیات

d) مندرجہ بالا میں سے کوئی نہیں۔

14. قومی کمیشن برائے شیڈول کاسٹ ہندوستانی آئین کے تحت قائم کیا گیا تھا۔

a) آرٹیکل338 b) آرٹیکل250

c) آرٹیکل180 d) آرٹیکل142

15. **قومی کمیشن برائے درج فہرست ذات کا چیئرمین کون مقرر کرتا ہے؟**

a) صدر b) وزیراعظم

c) لوک سبھا اسپیکر d) اسپیکر

16. قومی کمیشن برائے درج فہرست ذات کا چیئرمین کون مقرر کرتا ہے؟

a) صدر b) وزیراعظم

c) لوک سبھا اسپیکر d) مندرجہ ذیل میں سے کوئی نہیں۔

17. **کس آئینی ترمیم میں درج فہرست ذاتوں کے لیے کمیشن کے قیام کی سفارش کی گئی ہے؟**

a) 41ویں آئینی ترمیم b) 65ویں آئینی ترمیم

c) 82ویں آئینی ترمیم d) 76ویں آئینی ترمیم

18. **قومی کمیشن برائے ایس سی کے کیا افعال ہیں؟**

a) SCs کے لیے قانونی تحفظات سے متعلق تمام معاملات کی چھان بین اور نگرانی کریں۔

b) صدر کو رپورٹیں پیش کریں۔

c) SCs کی سماجی و اقتصادی ترقی کی منصوبہ بندی کے عمل پر مشورہ۔

d) (d)مندرجہ بالا سبھی

19. **نیشنل شیڈول ٹرائب کمیشن کب قائم کیا گیا؟**

a) 1990 b) 1993

c) 1995 d) 2004

20. **ہندوستانی آئین کے آرٹیکل 330 سے 342 کا تعلق...**

a) آل انڈیا سروسز

b) الیکشن کمیشن

c) گاؤں کی پنچایتیں

d) لوک سبھا میں درج فہرست ذاتوں، درج فہرست قبائل کو تحفظات اور نمائندگی

.21 کس آئینی ترمیم میں درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل کے لیے کمیشن کے قیام کی سفارش کی گئی ہے؟

a) 41ویں آئینی ترمیم b) 65ویں آئینی ترمیم

c) 82ویں آئینی ترمیم d) 76ویں آئینی ترمیم

.22 قومی کمیشن برائے پسماندہ طبقات (NCBC) ہندوستانی آئین کے کس آرٹیکل کے تحت قائم کیا گیا تھا؟

a) آرٹیکل338B b) آرٹیکل342A

c) آرٹیکل338 d) آرٹیکل340

.23 NCBC سے متعلق معاملات کی چھان بین اور نگرانی کا ذمہ دار ہے۔

a) درج فہرست ذاتیں b) درج فہرست قبائل

c) پسماندہ طبقات d) اقلیتیں۔

.24 دیگر پسماندہ طبقے کے لیے قومی کمیشن اس وقت سے نافذ ہوا:

a) 1993 b) 1995

c) 1992 d) 2003

.25 قومی کمیشن برائے دیگر پسماندہ طبقے میں کتنے ارکان ہیں؟

a) 4 b) 6

c) 3 d) 8

.26 دیگر پسماندہ طبقے کے قومی کمیشن کے موجودہ چیئر مین کون ہیں؟

a) نجمہ ہبت اللہ b) P.L. پونیا

c) جسٹس سواتنتر کمار d) جسٹس وی ایشوریا۔

☆☆☆

22

22۔ ہندوستان میں سیاسی جماعتیں

POLITICAL PARTIES IN INDIA

مقاصد

ہندوستان میں سیاسی پارٹی نظام کی نوعیت کی تفہیم کیجئے۔

☆ آئی این سی اور بی جے پی جیسی قومی سیاسی جماعتوں کے بارے میں جانیں۔

☆ ہندوستان میں قومی اور علاقائی جماعتوں/پارٹیوں کی نشاندہی کریں۔

☆ ہندوستان میں سیاسی جماعتوں کی عملی کارکردگی کو سمجھنا۔

تعارف

سیاسی جماعتیں، ہر ملک کی سیاست میں ایک اہم رول ادا کرتی ہیں چاہے وہ جمہوری ہو یا غیر جمہوری۔ جدید دور میں امریکہ میں پہلی بار سیاسی جماعتیں منظّم ہوئیں، امریکہ شہریوں کو حق رائے دہی فراہم کرنے والا پہلا ملک تھا۔ اس کے بعد برطانیہ اور یورپ نے یونیورسل فرنچائز کو اپنایا۔ تیسری دنیا کے ممالک میں ہم سیاسی جماعتوں کو قومی تحریکوں کا حصہ تلاش کر سکتے ہیں۔

سیاسی جماعتوں کی درجہ بندی

سیاسی جماعتوں کو بنیادی طور پر دو زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ ہیں:

1. قومی جماعتیں/پارٹیاں
2. علاقائی جماعتیں/پارٹیاں

قومی جماعتیں/پارٹیاں

ہندوستان میں بہت سی قومی پارٹیاں ہیں لوک سبھا کے 2014 کے عام انتخابات کے بعد، ہندوستان کے الیکشن کمیشن نے 7 پارٹیوں کو قومی پارٹیوں کے طور پر تسلیم کیا۔ وہ یہ ہیں:

1. انڈین نیشنل کانگریس، INC
2. بی جے پی
3. سی پی آئی
4. CPM
5. نیشنل کانگریس پارٹی
6. آل انڈیا ترینامول کانگریس
7. بہوجن سماج پارٹی

مئی 2023 کے الیکشن کمیشن آف انڈیا کی تازہ ترین اشاعتوں کے مطابق، اس وقت 6 قومی جماعتیں، 54 ریاستی جماعتیں اور 2597 غیر تسلیم شدہ جماعتیں ہیں۔

حال ہی میں الیکشن کمیشن آف انڈیا نے چار ریاستوں دہلی، گوا، پنجاب اور گجرات میں عام آدمی پارٹی کی انتخابی کارکردگی کی بنیاد پر اسے قومی پارٹی کی حیثیت سے منظوری دی ہے۔

حال ہی میں الیکشن کمیشن آف انڈیا نے ترنمول کانگریس پارٹی، نیشنلسٹ کانگریس پارٹی اور دی کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کا قومی درجہ منسوخ کر دیا ہے۔

اگر کسی سیاسی پارٹی کو قومی پارٹی کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، تو اس کے لیے الیکشن کمیشن آف انڈیا کے کچھ طئے گئے اصول کی پیروی کرنی ہوگا جو معیارات درج ذیل ہیں:

1. ایک سیاسی جماعت جسے 4 یا اس سے زیادہ ریاستوں میں بطور ریاستی پارٹی تسلیم کیا گیا ہے۔ (یا)
2. کسی سیاسی پارٹی کے امیدوار گزشتہ لوک سبھا کے اسمبلی انتخابات میں کسی بھی چار یا اس سے زیادہ ریاستوں میں کل جائز ووٹوں کا کم از کم 6% حاصل کر سکتے ہیں۔
3. اور لوک سبھا انتخابات میں اس کے پاس کم از کم 4 ایم پی ہیں۔ (یا)
4. ایک سیاسی پارٹی نے لوک سبھا کی کل نشستوں میں سے کم از کم 3 نشستوں سے کم از کم 2% جیتی ہے۔

انڈین نیشنل کانگریس (INC)

سب سے قدیم اور قدیم ترین قومی پارٹی انڈین نیشنل کانگریس ہے جسے کانگریس پارٹی کے نام سے جانا جاتا ہے جس کا قیام 28 دسمبر 1885 کو بمبئی میں ہوا تھا، یہ ایک سیاسی جماعت نہیں تھی، صرف آزادی حاصل کرنا تھا لیکن بعد میں ہندوستان کی آزادی کے بعد ایک سیاسی جماعت بن کر ابھری۔ کانگریس پارٹی سیکولر پارٹی کے طور پر ابھری جو اگلے 20 سالوں تک ہندوستانی سیاست پر قائم

رہی۔ اپنے وجود کی طویل تاریخ میں اسے بہت سی تقسیموں کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ 1947 سے 1977 تک اقتدار میں رہی۔ 1978 میں یہ آخری بار پھر اقتدار میں رہی۔ دوبارہ اقتدار حاصل کیا اور 1980 سے 1989 اور 1991 سے 1996 تک ملک پر حکومت کی۔

کانگریس پارٹی کے پروگرام درج ذیل ہیں۔

1. صنعتی ترقی
2. زرعی اور آبپاشی کی ترقی
3. بینکوں کو قومیانہ
4. تعلیمی اصلاحات
5. کمزور طبقات کے حالات کو بہتر بنانا
6. خواتین کارکنوں کے حالات کو بہتر بنانا
7. خواتین کی حفاظت کی توسیع
8. تعلیم کے لیے 6% بجٹ مختص
9. کسانوں کے لیے الگ بجٹ
10. NYAY کے ذریعے 2020 تک غربت کا خاتمہ
11. جی ایس ٹی کا جائزہ لینا
12. .بل پر زور دے کر خواتین کو 33% ریزرویشن فراہم کرنا
13. انسداد بدعنوانی کے قوانین کا بغیر کسی امتیاز کے نفاذ

بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی)

بھارتیہ جنتا پارٹی کی ابتداء بھارتیہ جن سنگھ سے ہوئی جسے جن سنگھ کے نام سے جانا جاتا ہے اس کی بنیاد شیام پرساد مکھرجی نے 1951 میں رکھی تھی۔ 1977 میں وہ جنتا پارٹی میں ضم ہوگئی۔ 1977 میں جنتا پارٹی 3 سال بعد مرکز میں اقتدار میں آئی۔ 1980 میں اٹل بہاری واجپائی کی قیادت میں بھارتیہ جنتا پارٹی کے نام سے جانی جانے والی نئی پارٹی بھارتیہ جنا سنگھ فارمیڈا کے رہنما کو اقتدار میں لایا، جو اپنی تشکیل کے بعد سے ہندوستانی سیاست پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ یہ جماعت روز بروز ترقی کرتی جا رہی ہے۔ یہ 1998 سے 2004 تک مرکز میں برسر اقتدار رہی۔ لیکن 2004 میں اس کی طاقت ختم ہوگئی۔ 2014 میں مودی کی قیادت میں دوبارہ اقتدار میں آئی۔ 2014 سے اس نے بیشتر ریاستوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھایا۔

بی جے پی کی پالیسی اور پروگرام درج ذیل ہیں۔

1. آرٹیکل 370 کا خاتمہ۔
2. ایودھیا میں رام مندر کا قیام۔
3. آرٹیکل 356 کے غلط استعمال کی روک تھام۔
4. جموں وکشمیر کے آرٹیکل 35A کی منسوخی
5. ہندوستان میں سیکولرازم کو فروغ دینا۔
6. تعلیم اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی۔
7. ہموار انتظامیہ
8. سماجی انصاف فراہم کرنا
9. پورے ہندوستان کے لیے مشترکہ سول کوڈ کا نفاذ

کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (سی پی آئی)

ہندوستان کی دوسری قدیم ترین پارٹی کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا ہے۔اس پارٹی کا قیام ایم این رائے اور ایس اے ڈانگے 26 دسمبر 1925 کی طرف سے قائم کی گئی تھی۔اس پارٹی کا مقصد ہندوستانی سماج کی سماجی اور معاشی تعمیرنو ہے۔اپنے مقصد کے حصول کے لیے اس پارٹی نے ہندوستان میں کمیونسٹ تحریک کا آغاز کیا۔26 دسمبر کو ستی بھکتا کی طرف سے کانپور میں ایک کمیونسٹ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔اس کانفرنس میں انہوں نے قومی کمیونزم کے لیے بحث کی۔کانفرنس نے " کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا" کا نام دیا، یہ پارٹی سماج کے کمزور طبقات کو برقرار رکھنا چاہتی تھی۔اس جماعت نے ہندوستانی قومی تحریک میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

آزادی حاصل کرنے کے بعد اس پارٹی نے ہندوستان کے 1952، 1957 اور 1962 کے عام انتخابات میں حصہ لیا اس نے 1957 میں کچھ نشستیں حاصل کیں، اس نے کیرالہ میں مکمل اکثریت حاصل کی اور 6ویں لوک سبھا کے عام انتخابات سے حکومت بنائی اور آہستہ آہستہ اس کی طاقت میں کمی آتی گئی۔

کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کی پہلی تقسیم 1964 میں ہوئی، اس پارٹی کے ارکان کے درمیان کچھ مثالی نظریاتی اختلافات کی وجہ سے۔پھر یہ CPI اور CPI(M) کے طور پر تقسیم ہو گیا۔سی پی آئی نے انڈین نیشنل کانگریس کی حمایت میں کلیدی کردار ادا کیا۔اگر چہ اس کے پاس حکومت بنانے کے لیے اتنی طاقت نہیں ہے کہ اس کے پاس مغربی بنگال، کیرالہ، بہار، تلنگانہ اور آندھرا پردیش میں متعدد پارٹی کارکن ہیں۔حال ہی میں اس نے اپنی قومی حیثیت کھو دی ہے۔

سی پی آئی کی کچھ اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

1. مزدور طبقات کے مفادات کا تحفظ۔
2. جنس اور نسل سے قطع نظر مساوی کام کے لیے مساوی اجرت۔
3. زمین کی ملکیت کا خاتمہ اور تمام زمین کو عوامی استعمال میں ڈالنا۔
4. وراثت کو ختم کرنا۔
5. مسئلہ کشمیر کا حل۔
6. شمال مشرقی مسائل کو حل کرنا۔
7. انتخابی اصلاحات لانا۔
8. تیسرے محاذ کو مضبوط کرنا۔
9. نئی زمینی اصلاحات لانا۔

کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (میکسسٹ) سی پی آئی (ایم)

یہ سی پی آئی (ایم) کے نام سے مشہور تھا۔ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا میں تقسیم کے نتیجے میں اس کی تشکیل پچلا پلی سندرایا، جیوتی باسو، ای ایم ایس نمبودری پرساد نے کی تھی۔ یہ پارٹی 1964 میں اپنے قیام کے بعد سے مسلسل ترقی کر رہی ہے۔ اسے 1968 میں چارو مزومدار اور کانو سانیال نے ایک اور تقسیم کی۔ یہ 1977 سے 2011 تک مغربی بنگال میں اقتدار میں تھی۔ اس پارٹی کے ایک سینئر لیڈر سومناتھ چٹرجی 14ویں لوک سبھا کے اسپیکر تھے۔

سی پی آئی (ایم) کے کچھ نظریات درج ذیل ہیں:

1. جمہوری نظام کو مضبوط کرنا۔
2. کسانوں کی فلاح و بہبود کا تحفظ۔
3. ریاستوں کو خودمختاری فراہم کرنا۔
4. قانون ساز اداروں میں خواتین کے لیے 1/3 ریزرویشن کا نفاذ
5. SC، ST اور OBC کے لیے خانگی شعبہ میں نوکریوں اور تعلیم کا ریزرویشن۔
6. دفعہ IPC 499 کو دوبارہ ختم کرنا۔
7. اشیاء اور خدمات ٹیکس میں نظر ثانی کا مطالبہ۔
8. مزدوروں کو قانونی کم از کم اجرت۔
9. انتخابی اصلاحات لانا۔
10. زمینی اصلاحات کا مؤثر طریقے سے نفاذ۔

آل انڈیا ترنمول کانگریس (TMS)

ممتا بنرجی اور انڈین نیشنل کانگریس کے درمیان اختلافات کی وجہ سے ترنمول کانگریس کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی بنیاد یکم جنوری 1998 کو ممتا بنرجی نے رکھی تھی۔ اس پارٹی نے سال 2014 میں قومی پارٹی کا درجہ حاصل کیا کیونکہ یہ پانچ مختلف ریاستوں یعنی مغربی بنگال، منی پور، تریپورہ، آسام اور جھارکھنڈ سے 6% ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ اس وقت اس پارٹی کی لیڈر ممتا بنرجی مغربی بنگال کی وزیر اعلیٰ ہیں۔ انہوں نے بنگال میں "ماماتی مانش" کے نعرے کے ساتھ اپنے ویژن کا اعلان کیا ہے۔ مطلب مادر وطن اور لوگ۔ حال ہی میں اس نے اپنی قومی حیثیت کھودی ہے۔

ترنمول کانگریس کے چند نظریات درج ذیل ہیں:

1. کسانوں کو معاشی تحفظ فراہم کرنا
2. ہندوستان کو اس کی کثیر ثقافت اور اس کی روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک عالمی طاقت کے طور پر قائم کرنا
3. سماجی مساوات کو یقینی بنانا
4. قومیت، سیکولرازم، سوشلزم اور جمہوریت کے اصولوں پر عمل پیرا رہنا
5. ناخواندگی اور غربت کا خاتمہ

بہوجن سماج پارٹی (بی ایس پی)

بی ایس پی کا قیام 1985 میں کانشی رام نے کیا تھا۔ اس کا بنیادی مقصد مذہبی اقلیتوں کے ساتھ ایس سی، ایس ٹی اور او بی سی کا حوالہ دیتے ہوئے بہوجنوں کی نمائندگی کرنا ہے۔ یہ مہاتما جیوتیبا پھولے، چھترپتی شاہو جی مہاراج جیسے لیڈروں کی دبی دبی برادریوں کے تعاون کو تسلیم کرتا ہے۔ پارٹی کے بانی کانشی رام کا اکتوبر 2006 میں انتقال ہو گیا تھا۔ پھر مایاوتی جو پارٹی کی صدر ہیں نے پارٹی کی ساری سرگرمیاں سنبھال لیں وہ اتر پردیش کی وزیر اعلیٰ بن گئیں۔ اس پارٹی کچھ نظریات ہیں جیسے سماجی مساوات سیکولارزم سماجی انصاف خود کا احترام۔

جماعت کے چند مقاصد درج ذیل ہیں۔

1. بہوجنوں کے سماجی حالات کو بہتر بنانا۔
2. چھوت چھات کی ممانعت۔
3. انتظامیہ میں دلتوں کی شرکت۔

نیشنلسٹ کانگریس پارٹی (این سی پی)

این سی پی کی بنیاد 26 مئی 1999 کو سرد پوار، پی اے سنگما، طارق انور اور دیگر نے رکھی تھی۔ این سی پی کا بنیادی مرکز

مہاراشٹر اور میگھالیہ کی ریاستوں میں پایا جاتا تھا۔ اس نے 1999، 2004، 2009 اور 2014 میں راجیہ سبھا کے انتخابات میں کافی نشستیں حاصل کی ہیں۔ حال ہی میں اس نے اپنی قومی حیثیت کھو دی ہے۔

عام آدمی پارٹی (اے اے پی)

اس کی بنیاد نومبر 2012 میں اروند کیجریوال نے رکھی تھی۔ اس وقت یہ دہلی کی گورننگ پارٹی ہے۔ 10 اپریل 2023 کو الیکشن کمیشن آف انڈیا نے اسے باضابطہ طور پر نیشنل پارٹی کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔

علاقائی پارٹیاں

چونکہ ہندوستان ایک کثیر لسانی، کثیر مذہبی اور کثیر النسل ملک ہے اور اسی طرح ہندوستانی سیاسی نظام میں بہت سی قومی اور علاقائی جماعتیں ہیں۔ یہاں تک کہ قومی پارٹیاں بھی ہیں، ہندوستان میں علاقائی پارٹیوں کی ترقی میں کئی عوامل نے کردار ادا کیا ہے۔

اگر کسی پارٹی کو ریاستی/ علاقائی سیاسی پارٹی کے طور پر تسلیم کیا جانا ہے تو اس کی درج ذیل شرائط ہونی چاہئیں۔

1. اس جماعت کو ریاستی قانون ساز اسمبلی میں پولنگ میں ووٹوں کا 6% اور ریاستی قانون ساز اسمبلی کی 2 نشستیں بھی حاصل کرنی چاہیے۔ (یا)
2. لوک سبھا کے انتخابات میں ووٹوں کا 6% محفوظ ہو اور لوک سبھا میں ایک نشست پر کامیابی رکھنی چاہیے (یا)
3. ریاستی قانون ساز اسمبلی کی نشستوں کا 3% ہو۔

مئی 2023 کے الیکشن کمیشن آف انڈیا کے مطابق ملک میں 54 علاقائی پارٹیاں ہیں۔

ان میں سے کچھ ذیل میں درج ہیں:

1. دراویدا منیتر اکزگم (ڈی ایم کے)
2. تیلگو دیشم پارٹی (ٹی ڈی پی)
3. یوواجنا سرامیکا ریّتو کانگریس پارٹی (YSRCP)
4. تلنگانہ راشٹر اسمیتی (TRS)

دراویدا منیتر اکزگم (ڈی ایم کے)

ڈی ایم کے کو 1944 میں ای وی رامسوامی نائیکر جسے پیریار کے نام سے جانا جاتا ہے نے قائم کیا تھا۔ انا دورائی نے اس پارٹی سے نکل کر 17 ستمبر 1949 کو ایک نئی پارٹی ڈی ایم کے بنائی۔ ڈی ایم کے تمل ناڈو اور پانڈیچیری میں ایک عوامی پارٹی بن گئی۔ ڈی ایم کے 1972 میں ڈی ایم کے اور اے آئی اے ڈی ایم کے کے طور پر علیحدہ ہوگئی۔ ڈی ایم کے لیڈر کروناندھی کے آمرانہ

رجحانات کی مخالفت کرنے والوں نے خودکو اے آئی اے ڈی ایم کے بنالیا۔ دیگر بنیادی ادارے یعنی ڈی ایم کے میں رہے۔

فی الحال ڈی ایم کے تمل ناڈو میں ایک حکمران جماعت ہے جو غربت، ناخواندگی اور پچھڑے پن کو خاتمے کے لیے کام کررہی ہے۔

تلگو دیشم پارٹی (ٹی ڈی پی)

یہ آندھراپردیش اور تلنگانہ میں علاقائی پارٹی کا درجہ رکھتی ہے۔ اسے 1982 میں مشہور تیلگو فلم اسٹار نندا موری تارکا راما راؤ نے قائم کیا تھا۔ انہوں نے 1995 سے آندھراپردیش کی سیاست میں اہم کردار ادا کیا۔

ٹی ڈی پی کی کچھ پالیسیاں درج ذیل ہیں:

1. 2 روپے فی کلو چاول
2. خواتین پنشنرز کی عمر 65 سے 55 سال تک کم کرنا۔
3. نوجوانوں کے لیے 2 لاکھ روزگار کی یقین دہانی۔
4. پولاورم آبپاشی پروجیکٹ کی تکمیل۔

یووجنا سرامیکا رعیتّو کانگریس پارٹی (وائی ایس آرسی پی)

اسے 12 مارچ 2011 کو وائی ایس جگن موہن ریڈی نے قائم کیا۔ بہت ہی کم وقت میں یہ آندھراپردیش اور تلنگانہ میں ایک مقبول وعوامی پارٹی بن گئی۔ انہوں نے 2014 میں اے پی قانون ساز اسمبلی میں اپوزیشن کے طور پر کام کیا۔ آندھراپردیش میں 2019 کے عام انتخابات میں YSRCP نے حکومت بنائی اور جگن موہن ریڈی آندھراپردیش کے وزیر اعلیٰ بن گئے۔

YSRCP کی کچھ پالیسیاں حسب ذیل ہیں:

1. کسانوں کے لیے مفت بورویل۔
2. کسانوں کے لیے صفر سود قرضے۔
3. ڈواکرا خواتین کے وائی ایس آر آسرا اسکیم

تلنگانہ راشٹرا سمیتی (TRS)

اس کا قیام 27 اپریل 2001 کو کے چندر شیکھر راؤ نے علیحدہ تلنگانہ ریاست بنانے کے واحد ایجنڈے کے ساتھ کیا تھا اور حیدرآباد اس کی راجدھانی ہے۔ کے سی آر نے سول سوسائٹی کی مختلف تنظیموں کو متحرک کرنے کے لیے بہت سی حکمت عملیوں کو اپناتے ہوئے طویل احتجاج کا آغاز کیا۔ آندھراپردیش سے تلنگانہ کی علیحدگی کے لیے کے سی آر نے بہت سے اتحاد کیے اور بعض سیاسی جماعتوں سے اتحاد بھی توڑ دیا۔ تلنگانہ کے حصول کے لیے کے سی آر نے تمام ممکنہ کوششیں کیں اور تلنگانہ اور علیحدہ ریاست کا سہرا حاصل کیا اور 2

جون 2014 کوتلنگانہ حاصل کرنے کے بعد کے سی آر تلنگانہ کے پہلے وزیر اعلیٰ بنے۔ تلنگانہ کے چیف منسٹر کے طور پر کے سی آر نے کئی مشہور اسکیموں کا اعلان کیا جیسے:

1. مشن کاکتیہ۔ 2. مشن بھگیر تھا۔

3. آروگیا لکشمی۔ 4. شادی مبارک۔

5. کلیانہ لکشمی۔ 6. رعیتو بندھو۔

7. دلت بندھو۔ 8. دلتوں میں زمین کی تقسیم۔

5 اکتوبر کو ٹی آر ایس کے صدر اور تلنگانہ کے وزیر اعلی کے چندر شیکھر راؤ نے پارٹی کا نام بدل کر بھارتیہ راشٹر اسمیتی (BRS) رکھنے کے لیے پارٹی کے منصوبہ کا اعلان کیا ہے۔ اس وقت ٹی آر ایس ریاستی سطح پر تسلیم شدہ پارٹی ہے۔

نمونہ پرچہ سوال

I۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جواب 30 سطور میں دیں۔

1. قومی پارٹی کی تعریف کریں اور ہندوستانی سیاست میں کانگریس پارٹی کے کردار کی وضاحت کریں؟

2. علاقائی پارٹی کی تعریف کریں اور ریاستی سیاست میں ٹی آر ایس پارٹی کے کردار کی وضاحت کریں؟

II۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جواب 15 سطور میں دیں۔

1. سیاسی جماعتوں کی خصوصیات اور افعال کی وضاحت کریں؟

2. ہندوستان میں جماعتی نظام کی وضاحت کریں؟

لغت

آئیڈیالوجی: آئیڈیل کا ایک نظام جس کی بنیاد اقتصادیات ہیں سیاسی نظریہ اور پالیسی۔ ہر سیاسی جماعت کا اپنا ایک نظریہ ہوتا ہے۔

مخلوط حکومت: بہت سی سیاسی جماعتوں کی طرف سے تشکیل دی گئی حکومت۔

اتحاد: باہمی فائدے کے لیے بنائی گئی ایسوسی ایشن، خاص طور پر ممالک یا تنظیموں کے درمیان۔

Further Readings:

1. J.C. Johari: indian Government and politics.
2. Rajini Kothari: Politics in India.
3. K.K. Ghai: Indian Government and politics.
4. K.R. Acharya, V. Ravindra Shastri: Perspectives of Indian Government and politics.

23

23۔ ریاست تلنگانہ کا تاریخی پس منظر

HISTORICAL BACKGROUND OF TELANGANA STATE

مقاصد:

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد، آپ اس قابل ہوں گے کہ:

☆ تلنگانہ ریاست کے ظہور کو سمجھنا

☆ 1948 میں ریاست حیدرآباد کی تشکیل

☆ وشال آندھرا تحریک کو جاننا

☆ تلنگانہ کی محرومیوں پر مختلف کمیٹیوں کی رپورٹس پر بحث کرنا

☆ یہ جاننا کہ تلنگانہ تحریک ریاست کی تشکیل تک کیسے پہنچی۔

تعارف

تلنگانہ ریاست' طویل جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ اس کی 60 سالہ تاریخ جدوجہد اور تحریکوں پر مبنی ہے جس میں احتجاجیں، مذاکرات، پارٹیوں کی تشکیل اور انضمام، معاہدے اور معاہدوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ 1948 میں ریاست حیدرآباد کی تشکیل نظام کے مطلق العنان جاگیردارانہ نظام سے جمہوری نظام کی طرف ایک بنیادی تبدیلی کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہ تلنگانہ کی ہندوستانی جمہوریہ میں جمہوری منتقلی تھی۔

تلنگانہ کا خطہ، جو مراٹھی، کنڑ اور تیلگو بولنے لوگوں کے سہ زبانی کردار سے نشان زد ہے، 1948 سے 1956 تک ہندوستانی بے راہ روی میں ایک آزاد ریاست کے طور پر رہا۔ بعد میں تلنگانہ کے ساتھ ساتھ آندھرا میں بائیں بازو کی جماعتوں (سی پی آئی) کی زیر قیادت وشال آندھرا تحریکوں کی سمت کے ساتھ قدم بڑھایا، جو کہ تلنگانہ کے علاقے میں سابقہ مدراس پریزیڈنسی کا حصہ تھا اور بڑے پیمانے پر سیاسی اشرافیہ جوں کے توں موقف کے حق میں تھی۔ دوسرے لفظوں میں، وہ وشال آندھرا کے لیے سازگار طور پر مائل نہیں تھے۔ وشال آندھرا کا نعرہ تلگو بولنے والوں کی لسانی شناخت پر مبنی تھا۔ تاہم، اس بات کا سنجیدگی سے جائزہ نہیں لیا گیا کہ کیا پسماندہ

تلنگانہ، جس میں جدیدیت کے عمل کا فقدان ہے اور نظام کی مطلق العنان حکمرانی کا شکار ہے، 1953 میں وجود میں آنے والی پہلے سے ہی ترقی یافتہ آندھرا ریاست کے ساتھ منسلک یا جوڑ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد کی تاریخ نے ثابت کیا کہ کس طرح تلنگانہ کا استحصال، مواقع نہ دینا اور قدرتی وسائل کا بے جا استعمال کیا گیا۔ شریفانہ معاہدہ کے ذریعے فراہم کردہ آئینی تحفظات یکے بعد دیگرے آنے والی حکومتوں کی ردوبدل کی سیاست کے ساتھ بے سود اور ناکافی ثابت ہوئے۔ تلنگانہ کی سیاسی اشرافیہ آندھرا کے حکمران طبقوں کی ردوبدل کی مہارت سے مقابلہ نہیں کرسکی۔ عوامی ملازمتوں میں ہونے والی ناانصافی، دریا کے پانی کی تقسیم، تلنگانہ کی اضافی رقم کا رخ موڑنا اور ملکی اصولوں کی خلاف ورزی وغیرہ کے نتیجے میں تلنگانہ کے نوجوانوں میں مایوسی بڑھتی رہی جس کے نتیجے میں 1969 میں علیحدہ تلنگانہ کے لیے تحریک شروع ہوئی۔ بعدازاں، علیحدگی کا مطالبہ ایک سنگین اور غیر سمجھوتہ کرنے والا مسئلہ بن گیا جس کے نتیجے میں 2001 اور 2014 کے دوران تلنگانہ تحریک چلی۔ ایک علیحدہ ریاست کے طور پر تلنگانہ کے ابھرنے سے نہ صرف اس کی اصلیت بلکہ اس کی وسیع تر قانونی حیثیت بھی ظاہر ہوئی۔ مزید یہ کہ اس نے یہ بھی ثابت کیا کہ عام زبان لوگوں کی یکجہتی کی بنیاد نہیں ہوسکتی۔ ایس آر سی کا بنیادی مفروضہ، جس نے زبان کو ایک معیار کے طور پر لیا، غلط ثابت ہوا، معاشی انصاف اور مساوات، مواقع اور بڑے گروہوں یا برادریوں کی فلاح و بہبود زیادہ اہم اور بنیادی ہے۔ شاید یہ نئی تشکیل شدہ اترانچل ریاست کے لئے بھی اچھا ہوا جو اتر پردیش کا ایک حصہ تھا جو بنیادی طور پر ہندی بولنے والی ریاست تھی۔ یہاں یہ ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ جھارکھنڈ اور چھتیس گڑھ کو ان کے نسلی اور ذیلی علاقائی کردار کی وجہ سے آزاد ریاستوں کے طور پر تشکیل دیا گیا تھا۔

ملکی تحریک کا ظہور EMERGENCE OF MULKI MOVEMENT:

14 ویں صدی میں حیدرآباد آنے والے مسلمان اپنے آپ کو ملکی یا دکنی کے نام سے پکارتے تھے۔ بہمن کے دور میں جو مسلمان بھاگ کر حیدرآباد چلے گئے تھے وہ غیر ملکی یا آفاقی کہلاتے تھے۔ تیسرے بہمنی بادشاہ کے دور حکومت میں آفاقیوں نے اعلیٰ عہدوں پر قبضہ کیا جو ملکیوں کے ساتھ صریح ناانصافی متصور تھی۔

قطب شاہی کے تحت ملکی جدوجہد:

قطب شاہ نے حیدرآباد پر 200 سال حکومت کی لیکن ملکی مسئلہ نہیں تھا۔ قطب شاہی تمام مذاہب کے تئیں روادار تھے اور انہوں نے ملکیوں کو اہم عہدے دیے۔

آصف جاہیوں کے دوران ملکی جدوجہد:

ملکی کا مسئلہ آصف جاہی دور میں اور خاص طور پر نظام ششم میر محبوب علی خان کے دور میں بھی شدت اختیار کر گیا تھا۔ 1888 میں، لوگوں نے پہلی بار ریاست حیدرآباد میں ملکی حقوق کا مطالبہ کیا۔ سالار جنگ نے 1883-1853 تک آصف جاہی سلطنت کے

وزیر اعظم کے طور پر خدمات انجام دیں۔ انہوں نے حیدر آباد کی ترقی کے لیے وزارتی، عدالتی، اقتصادی، تعلیمی اور دیگر مختلف اصلاحات عمل میں لائیں۔ ان کے دور حکومت میں بہت سے شمالی ہندوستانیوں کو حیدر آباد کی ترقی کے لیے بھرتی کیا گیا۔ جب سالار جنگ نے غیر ملکیوں کے اثرات کی نشاندہی کی تو انہوں نے بڑے پیمانے پر کچھ اقدامات کئے۔

☆ غیر ملکیوں کو انتظامی ڈھانچہ تک محدود کر کے اثر و رسوخ کو کم کریں۔

☆ مستقبل کی بھرتی کے لیے ملکیوں کو تعلیم دینا۔

☆ سیاسی عہدے صرف ملکیوں کو دیے گئے۔

☆ غیر ملکیوں کے لیے انعامات ختم کر دیے گئے۔

☆ سرکاری زبان اردو کو فارسی سے بدلنے کی غیر ملکیوں کے مطالبے کو مسترد کرنا۔

1883 میں سالار جنگ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے میر لائق علی خان کو نیا وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ انہوں نے اردو کی جگہ لکھنوی اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دیا۔ انہوں نے یہ کہہ کر غیر ملکیوں کی تقرری کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ 1888 میں ملکی ایجی ٹیشن نے یہ مطالبہ شروع کیا کہ سرکاری ملازمتوں کی خالی آسامیوں پر صرف ملکیوں کی تقرری کی جائے۔ جب ریاست میں اس طرح کی ہنگامہ آرائی ہوئی تو میر محبوب علی خان نے حیدر آباد اسٹیٹ سول سروسز میں بھرتی کا ریکارڈ طلب کیا۔ ملازمین ی پہلی سول فہرست سال 1884 میں تیار کی گئی اور 1886 میں عہدوں کو عام کیا گیا۔

ملازمین کی شہری (سول خدمات) کی فہرست، 1886:

476 پوسٹوں میں سے؛

246 ملکی تھے اور ان کی تنخواہ کا حصہ 42 فیصد تھا۔

230 غیر ملکی تھے اور ان کی تنخواہ کا حصہ تقریباً 58 فیصد تھا۔

میر لائق علی خان کو 1887 میں مستعفی ہونے کو کہا گیا۔ میر محبوب علی خان نے 1888 میں ایک فرمان (گزٹ) جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ خالی آسامیوں پر صرف ملکیوں کی تقرری کی جائے۔ عثمان علی خان کے دور میں ملکی تحریک پھر تیز ہوگئی کیونکہ غیر ملکی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے لگے۔ ملکیوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے میر عثمان علی خان نے 1919 میں ایک فرمان جاری کیا۔ اس فرمان کے تحت کچھ شرائط فراہم کی گئی تھیں جن کی بنیاد پر ریاست میں بھرتیاں ہونی چاہئیں۔

☆ حیدر آباد میں پیدا ہونے والے شخص کو غیر ملکی سمجھا جائے۔

☆ حیدر آباد میں کم از کم 15 سال رہائش پذیر فرد کو ملکی سمجھا جائے۔

☆ ملکی فرد کی بیوی کو بھی ملکی سمھا جائے۔

☆ جب ملکی عورت غیر ملکی مرد سے شادی کرتی ہے لیکن ریاست نہیں چھوڑتی ہے تو اسے بھی ملکی ہی سمجھا جائے۔

☆ جب ملکی عورت غیر ملکی مرد سے شادی کر کے ریاست چھوڑ دے لیکن موت کے بعد مستقل سکونت اختیار کر لے یا طلاق ہو جائے تو اسے ملکی سمجھا جائے گا لیکن اس کی اولاد کو غیر ملکی سمجھا جائے گا۔

تعلقداروں کو ملکی سرٹیفکیٹ جاری کرنے کا حق دیا گیا تھا۔ انہوں نے سول سروس ایگزیکٹو کونسل بھی قائم کی۔ یہ ایک خود مختار ادارہ جس کا مقصد ملازمین کو ان کی تعلیمی قابلیت کی بنیاد پر بھرتی کرنا ہوتا۔ عمان علی خان نے ملکیوں کے حقوق کے مزید تحفظ کے لیے ایک اور فرمان 1933 بھی جاری کیا۔ اس فرمان میں کہا گیا کہ تعلیم یافتہ اور اہل ملکیوں کو ترجیح دی جائے جبکہ غیر ملکیوں کو عارضی آسامیوں تک محدود رکھا جائے۔

غیر ملکی تحریک 1952:

1952 میں ملکیوں کی ایک بہت بڑی تحریک چلی جو 1952 کی غیر ملکی تحریک کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسمبلی کے اجلاسوں میں سوالات اٹھائے گئے کہ غیر ملکیوں کو کیوں بھرتی کیا گیا اور وہ غیر ملکیوں کو واپس کیوں نہیں بھیج رہے لیکن برگولا حکومت کی خاموشی نے بدامنی کو مزید تیز کر دیا۔ اس تحریک کی فوری وجہ اسکول کے انسپکٹر پارتھا سارتھی کی تقسیم کی نوعیت تھی۔ اپنی متعصّبانہ طبیعت کی وجہ سے ٹڈل سکول کے پرنسپل، مسٹر رشید اے آئی حسن دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔ 4000 طلبا نے ہیا گریو چاری کی قیادت میں ورنگل میں اس واقعہ کے خلاف ایک ریلی نکالی۔ 28 جولائی 1952 کو بوچایا کی قیادت میں طلباء کی طرف سے ایک مشترکہ ایکشن کمیٹی بھی تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی نے ایک قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد میں شامل ہے؛

☆ ملکی حقوق پر بحث کے لیے کابینہ کی ذیلی کمیٹی کی تشکیل

☆ ملکیوں کے لیے نوکری کا نوٹیفکیشن جاری کرنا

☆ غیر ملکیوں کے تسلط کو ختم کرنا

اس تحریک نے طلبہ کو مزید پر جوش کیا، ملازمین نے غیر ملکی تسلط کے خاتمے کا مطالبہ کرتے ہوئے ہنگامہ آرائی کی اور مال و اسباب اٹھائے۔ انہوں نے "اڈلی سانبر واپس جاؤ" جیسے نعرے بھی لگائے۔

جنرل جے این چودھری - ملٹری گورنمنٹ (1948-1949):

جنرل چودھری نے فوجی حکومت قائم کی۔ اپنے دور حکومت میں اس نے 6 فروری 1949 کو ایک فرمان جاری کیا۔

☆ ریاست حیدر آباد میں Hali sikka کے سکوں پر پابندی لگا دی گئی۔

☆ نظام کی زمینیں جنہیں صرف خاص کہا جاتا تھا، 3 کروڑ کا معاوضہ دے کر ضبط کر لیا گیا۔

☆ جمعہ کی بجائے اتوار کو چھٹی کا اعلان کیا گیا۔

☆ اس نے جاگیرابولیشن اور ریگولیشن ایکٹ 1949 اور 1 نومبر 1949 کو سول سروس ریگولیشن ایکٹ بھی نافذ کیا۔

1948 میں حیدرآباد ریاست کی تشکیل

حیدرآباد کی سابقہ ریاست 1948 میں پولیس ایکشن کے نتیجے میں انڈین یونین میں ضم ہوگئی۔اس کے انضمام کے فوراً بعد، جنرل چودھری نے انتظامیہ کو سنبھال لیا کیونکہ ریاست تلنگانہ مسلح جدوجہد کی وجہ سے بڑے پیمانے پر تناؤ دیکھ رہی تھی اور اس کے فوراً بعد ایک سینئر آئی سی ایس آفیسر ویلبوڈی کی قیادت والی حکومت نے انتظامیہ کو برقرار رکھا۔ریاستی اسمبلی کے آنے والے انتخابات میں، کانگریس پارٹی نے انتخابات میں کلین سویپ کیا اور برگولا رام کرشنا راؤ کے ساتھ وزیراعلیٰ کے طور پر حکومت بنائی۔ریاست حیدرآباد سہ زبانی ریاست کے طور پر رہی جس میں تیلگو بولنے والے لوگ کنڑ اور مراٹھا بولنے والے خطوں کے ساتھ مل کر بڑی آبادی کی کمیونٹی تشکیل دیتے ہیں۔ریاست حیدرآباد ایک خودمختار ریاست تھی جس کی آمدنی بھی زیادہ اور موثر انتظامیہ تھا۔

سیاسی ترقیات (1948-1956)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، حیدرآباد ریاست 1948 میں پولیس ایکشن کے نتیجے میں وجود میں آئی۔اس کے بعد 1952 میں اسمبلی انتخابات کرائے گئے جس میں کانگریس پارٹی نے کامیابی حاصل کی۔حیدرآباد کانگریس پارٹی کے قائدین نے حیدرآباد کی آزادی کی تحریک میں حصہ لیا تھا۔انہوں نے آندھرا مہاسبھا (AMS) میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔AMS نے قومی تحریک کے حق میں رائے عامہ کو متحرک کرنے کے ایک آلہ کے طور پر کام کیا جو ہندوستان کے دیگر حصوں میں چل رہی تھی۔اس نے بیداری پھیلانے کے لیے لائبریری تحریک بھی چلائی۔AMS کے زیادہ تر ارکان بعد میں سرگرم کانگریسی بن کر ابھرے۔یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (سی پی آئی) نے نظام کے دور حکومت میں جاگیردارانہ جبر کے خلاف جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اس نے کسانوں اور بے زمین زرعی مزدوروں کو جاگیرداری اور ویٹو سسٹم اور دیگر برے طریقوں کے خلاف متحرک کیا تھا۔انہوں نے نظام حکومت کے خلاف بھی جنگ لڑی جسے جاگیرداروں کی حمایت حاصل تھی۔

1952 کے انتخابات میں سی پی آئی نے کانگریس پارٹی کے بعد اکثریتی نشستیں حاصل کیں۔کانگریس پارٹی نے برگولا رام کرشن راؤ کی قیادت میں مقبول حکومت تشکیل دی۔اس عرصے کے دوران زمینی اصلاحات کے ایجنڈے کو سب سے زیادہ ترجیح دی گئی۔زمینی اصلاحات کے قانون سازی کا آغاز کانگریس حکومت نے کیا تھا۔

اس کے بعد، مدراس پریزیڈنسی سے علیحدہ آندھرا ایجی ٹیشن کی تحریک ساحلی آندھرا اور رائلسیما میں زور پکڑ رہی تھی۔جب پوٹی سری راملو کی مرن برتھ کی وجہ سے موت ہوگئی تو حکومت ہند نے 1953 میں مدراس پریزیڈنسی کی تقسیم اور اس کے نتیجے میں ریاست آندھرا کی تشکیل کو تسلیم کرلیا۔

وشال آندھرا کا نعرہ

علیحدہ آندھرا ریاست کی تشکیل کے بعد آندھرا کے علاقے کی سیاسی اشرافیہ کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ کیوں نہ حیدرآباد ریاست کے تلگو بولنے والے تلنگانہ علاقہ کو آندھرا ریاست کے تیلگو میں ضم کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں، 'Visalandhra' کا نظریہ ترقی یافتہ اور مقبول ہوا۔ نیشنل کانگریس کی قیادت نے تلنگانہ کانگریسیوں کو بھی اس خیال کا اشارہ دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ سی پی آئی نے تمام تلگو بولنے والوں کے لیے ایک ریاست کے لیے سرگرم مہم چلائی تھی۔ سی پی آئی کی یہ مہم دونوں خطوں (یعنی) آندھرا اور تلنگانہ میں پھیل گئی۔ اس عرصے کے دوران CPI کا مقبول نعرہ ''وشال آندھرا لو پرجا راجیم'' تھا۔ یعنی وسیع و عریض وشال آندھرا میں عوامی جمہوری حکومت کی تشکیل کی ضرورت۔

وشال آندھرا تحریک

1954 کے اوائل میں، علیحدہ آندھرا ریاست کے قیام کے نتیجے میں، آندھرا کی سیاسی اشرافیہ نے وشال آندھرا کے لیے تلنگانہ کو آندھرا کے ساتھ ضم کرنے کے لیے مہم چلائی۔ یہ بڑے پیمانے پر مشاہدہ کیا گیا کہ یہ تجویز کہ وشال آندھرا کے گہرے سماجی و اقتصادی اثرات تھے۔ نو تشکیل شدہ آندھر میں ترقی یافتہ دارالحکومت نہیں تھا۔ تامل سیاسی اشرافیہ نے مدراس شہر کو مشترکہ دارالحکومت کے طور پر تقسیم کرنے پر اتفاق نہیں کیا۔ ایک ترقی یافتہ دارالحکومت کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عارضی طور پر کرنول کو دارالحکومت کے طور پر منتخب کیا گیا تھا اور دفاتر کو عارضی ڈھانچے کے تحت نصب کیا گیا تھا۔ ٹرانسپورٹ اور مواصلاتی سہولیات کافی حد تک موجود تھیں۔ 55 بجلی کی پیداوار زیادہ تر کوئلہ اور تیل کے وسائل سے ہو رہی تھی جو ریاست تلنگانہ میں وافر مقدار میں دستیاب تھے۔ وشال آندھرا کے معاملے میں یہ آندھرا خطے کے لیے انتہائی مفید تھا۔ اس کے علاوہ، یہ بتانا بھی اہم ہے کہ تلنگانہ ریاست نے محصولات میں اضافے کا لطف اٹھایا۔ آندھرا ریاست کو ان چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا، خاص طور پر نئے دارالحکومت کی تعمیر ایک مشکل کام تھا۔ وشال آندھرا کی تشکیل کی صورت میں اس سلسلے میں آندھرا کے فوری مسائل پر قابو پایا جاسکا۔ تاہم، ریاست تلنگانہ نامساعد اور کمزور حالت میں تھی۔

فضل علی/ ریاستوں کی تنظیم نو کمیشن

دسمبر 1952 میں حکومت ہند نے آندھرا ریاست بنانے کا فیصلہ کیا۔ 22 دسمبر، 1953 کو، نہرو نے ایک کمیشن کی تقرری کا اعلان کیا جس کا مقصد ہندوستانی یونین کی ریاست کی تنظیم نو کے سوال کا 'معروضی اور غیر جانبداری سے جائزہ لیا جائے' تا کہ ہر حلقہ کی اکائی کے لوگوں کے ساتھ ساتھ قوم کی فلاح و بہبود ہو۔ ریاستی تنظیم نو کمیشن کے نام سے جانا جانے والا کمیشن (جسے بعد میں SRC کہا جانے لگا) جس کے چیئرمین سید فضل علی، ہردے ناتھ کنزرو اور کے ایم پانیکر تھے۔ اسے 30 جون 1956 تک حکومت ہند کو رپورٹ کرنا ضروری تھا۔

ریاست حیدرآباد کے لیڈروں نے ریاست حیدرآباد کی تقسیم اور وشال آندھرا کی تشکیل کے مضمرات کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچا۔ مزید برآں، ریاست حیدرآباد کا مستقبل نظریاتی قیاس آرائیوں کا معاملہ نہیں رہا، جس میں لسانی ریاستوں کے قیام کی بڑھتی ہوئی مانگ کے ساتھ بالعموم اور بالخصوص وشال آندھرا کی یہ ان کی فوری تشویش بن گئی۔

SRC کا حیدرآباد کا دورہ

ایس آرسی نے جون- جولائی 1954 کے دوران حیدرآباد کا دورہ کیا تھا۔ جن لوگوں نے کمیشن سے ملاقات کی یا میمورنڈا جمع کیا ان کو وسیع پیانے پر درجہ بندی کیا جاسکتا ہے (1) حیدرآباد کی تقسیم کے مخالفین (2) حیدرآباد کی تقسیم اور وشال آندھرا کی تشکیل کے حامی اور (3) حیدرآباد کی تقسیم اور دو تلگو ریاستوں کی تشکیل کے حامی۔ حیدرآباد کی وزارت میں اس مسئلہ پر کوئی اتفاق رائے نہیں تھا۔ اس لیے حکومت نے کوئی میمورنڈم پیش نہیں کیا۔ وزیر اعلیٰ نے حیدرآباد کی تقسیم یا خاتمہ پر اصرار نہیں کیا۔ اگر انضمام ناگزیر ہو گیا تو اسے وشال آندھرا کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ وشال آندھرا کا مطالبہ محض اس جذبات پر مبنی نہیں تھا کہ متصل علاقوں میں تلگو بولنے والے تمام لوگوں کو ایک انتظامیہ کے تحت لایا جائے، ایس آرسی نے محسوس کیا کہ تلنگانہ سمیت ایک بڑی آندھرا ریاست کے فوائد یہ ہیں کہ یہ ایک ریاست وجود میں آئے گی۔ تقریباً 32 ملین جس میں سمجھے جانے والے اندرونی علاقے، بڑے پانی اور بجلی کے وسائل، کافی دولت اور قیمتی خام مال ہے۔ اس سے آندھرا کے لیے سرمایہ تلاش کرنے کا مشکل مسئلہ بھی حل ہو جائے گا، کیونکہ جڑواں شہر حیدرآباد اور سکندرآباد بہت موزوں تھے۔ وشال آندھرا کی تشکیل کا ایک اور فائدہ یہ ہوگا کہ آبپاشی کی ترقی یا کرشنا اور گوداوری ندیوں کو متحد کنٹرول میں لایا جائے گا۔ کرشنا اور گوداوری پروجیکٹس کا شمار ہندوستان میں سب سے زیادہ باوقار پراجیکٹوں میں سے ایک تھے۔ تلنگانہ میں آندھرا کے ضم ہونے سے ترقی سے راست اور بالواسطہ طور پر فائدہ ہوگا اور موجودہ ریاست آندھرا کے ساتھ تلنگانہ کی اقتصادی وابستگی سنگارم کے ذریعے ملتی ہے۔ تلنگانہ کو علحدہ اکائی کے طور پر قائم نہ ہونے کی صورت میں عام داخلوں پر ہونے والے اخراجات کو بھی بچایا جاسکے گا۔

ریاستوں کی تنظیم نو کمیشن (SRC) نے الگ کرنے کی سفارش کی

تلنگانہ علیحدہ تلنگانہ ریاست کا مطالبہ بظاہر اس بنیاد پر کیا گیا تھا کہ "ایک زبان ایک ریاست" کا نعرہ قومی سلامتی اور اتحاد کے خلاف ہے، کیونکہ بڑی ریاستیں مرکزی حکومت کی مخالفت کرسکتی ہیں، اور یہ کہ ایک زبان کے لیے ایک سے زیادہ صوبے کا ہونا ضروری ہے۔ سوشلزم کو تنگ نظری بننے سے روکنے کے لیے، تاہم، اصل وجوہات مختلف تھیں، جیسا کہ SRC نے اپنی رپورٹ میں مشاہدہ کیا ہے۔

1. موجودہ آندھرا ریاست کو جب سے یہ بنایا گیا ہے بہت سے مالی مسائل کا سامنا ہے۔ تلنگانہ کے مقابلے میں موجودہ آندھرا ریاست کی فی کس آمدنی کم ہے۔ (آندھرا روپے 6-6-9: تلنگانہ روپے 0-0-17) اس کے برعکس تلنگانہ کو مالی مشکلات کم

تھیں۔تلنگانہ میں لینڈ ریونیو کے زیادہ واقعات اور روپے کے آرڈر کی ایکسائز ریونیو۔5 (پانچ) کروڑ سالانہ بنیادی طور پر اس فرق کی وضاحت کرتا ہے۔

2. " تلنگانہ میں کچھ سرمایہ دار ہیں، انہیں خدشہ ہے کہ اگر وشال آندھرا بن جاتا ہے تو وہ رائلسیما کے زمینداروں سے (مقابلہ) برباد ہو جائیں گے۔کہا جاتا ہے کہ کرشنا اور گنٹور اضلاع کے لوگ اب تلنگانہ میں زمینیں خرید رہے ہیں وہ سب خرید سکتے ہیں۔ غریب تلنگانہ کی زمینیں جواب کسان ہیں۔آندھرا میں ایسے لوگ موجود ہیں جواب وہ تمام زمینیں خرید سکتے ہیں جو ناگارجنا ساگر اور سری رام ساگر جیسے پروجیکٹوں کو عملی جامہ پہنانے کی صورت میں سیراب ہو سکتی ہیں۔لیکن شاید وہ اس نقصان کا احساس نہ کرے جو وہ (مستقبل میں) اپنی زمینیں آندھرا کے زمینداروں کو بیچ کر برداشت کر سکتا ہے۔تلنگانہ کے لوگ مقابلہ کو برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں (اب بھی)"۔

3. " تلنگانہ کے لوگوں نے الزام لگایا کہ ریاست آندھرا میں وزیروں سے لے کر عام سیاسی کارکنوں تک فرقہ پرستی اور ذات پات پرستی پھیلی ہوئی ہے اور اس بات پر شک کیا کہ ان کے لیے آندھرا میں شامل ہونا کہاں تک مناسب ہوگا، اس طرح کے تعصب سے آلودہ نہیں۔تلنگانہ کے قانون سازوں کا گروپ وشال آندھرا اسمبلی میں غیر موثر ہو سکتا ہے۔تلنگانہ کو وزارتوں اور سیاسی اثر ورسوخ کے معاملے میں نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے جس کے نتیجے میں تلنگانہ کے ترقیاتی منصوبوں پر اثر پڑ سکتا ہے۔رائلسیما ریڈی کی سرکار برہمن سیاسی پنڈت ہیں۔ان کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔وہ تلنگانہ کی سیاست پر عبور رکھتے ہیں۔اس خدشے نے تلنگانہ کے برہمن سیاست دانوں کو الگ تلنگانہ کا مطالبہ کرنے پر مجبور کیا۔"

4. وشال آندھرا کی مخالفت کی ایک بنیادی وجہ جیسا کہ ایس آر سی نے اپنی رپورٹ میں مشاہدہ کیا ہے، تلنگانہ کے تعلیمی لحاظ سے پسماندہ لوگوں کی طرف سے محسوس کیا جانے والا اندیشہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ساحلی علاقے کے زیادہ ترقی یافتہ لوگوں کے ذریعہ ان کا استحصال کیا جا سکتا ہے۔حیدرآباد شہر سے ہٹ کر تلنگانہ اضلاع میں تعلیم بری طرح پسماندہ ہے۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عوامی خدمات کے لیے آندھرا کی نسبت کم اہلیت کو قبول کیا جاتا ہے۔تلنگانہ کے لوگوں کا اصل خوف یہ تھا کہ اگر وہ آندھرا میں شامل ہوتے ہیں تو وہ آندھرا کے لوگوں کے سلسلے میں غیر مساوی طور پر رکھے جائیں گے اور اس شراکت میں اہم شراکت دار کاروباری ساحلی آندھرا ثالثی سے تمام فوائد حاصل کرے گا جبکہ تلنگانہ خود ایک نوآبادی میں تبدیل ہو سکتا ہے۔

5. ریاستوں کی تنظیم نو کمیشن (SRC) نے 30 ستمبر 19 کو اپنی رپورٹ پیش کی' سرکاری طور پر رپورٹ 9 اکتوبر 1956 کو جاری کی گئی۔حیدرآباد اور آندھرا کی ریاستوں کے بارے میں کمیشن نے مشاہدہ کیا: "یہ دیکھا جائے گا کہ درخواست جب ہم ریاست کے سیاسی رجحانات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ اگر ایک انتظامی ادارے کے طور پر برقرار رکھا جائے تو یہ اندرونی ہم آہنگی کا وہ کم سے کم پیمانہ حاصل نہیں کرے گا جو ہموار اور موثر ہونے کے لیے ضروری ہے۔موجودہ

ڈھانچے کو جاری رکھنے سے تنظیم نو کے کئی اہم مسائل بھی حل نہیں ہوں گے اور اس طرح جنوب میں مجوزہ اکائیوں کے استحکام میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ آندھرا کے ساتھ ساتھ تلنگانہ کے مفاد میں بھی ہوگا۔ فی الحال، تلنگانہ کو ایک علیحدہ ریاست کے طور پر تشکیل دیا گیا ہے، جسے حیدرآباد اسٹیٹ کے نام سے جانا جاتا تھا، اس کے آندھرا کے ساتھ اس کے اتحاد کے لیے 1961 کے عام انتخابات کے بعد یا تقریباً 1961 کے بعد، اگر دو تہائی اکثریت سے مقنّنہ کی تشکیل کی گئی ہے۔ بقایا حیدرآباد ریاست اپنے آپ کو اتحاد کے حق میں ظاہر کرتی ہے"، ایس آر سی نے اس طرح اپنی رائے کا اظہار کیا، اور مزید ایس آر سی نے اطلاع دی کہ ریاست حیدرآباد (جیسا کہ ہمیں اس اکائی کو ترجیح دینا چاہئے) کو فی الوقت تشکیل دیا جانا چاہئے۔ مندرجہ ذیل اضلاع پر مشتمل ہے، یعنی محبوب نگر، نلگنڈہ، ورنگل بشمول کھمم، کریم نگر، عادل آباد: نظام آباد، حیدرآباد، میدک اور بیدر اور نلگنڈہ ضلع کا مونوگلا انکلیو جو موجودہ آندھرا ریاست کے کرشنا ضلع سے تعلق رکھتا ہے۔

6. دو تلگو ریاستوں کی تشکیل کے حق میں ایس آر سی کی رپورٹ کو پیش کرنے سے پہلے ہی منظر عام پر آ گیا، حیدرآباد کے 93 میں سے 69 ایم ایل ایز (بشمول 22 کانگریسی) نے اس کی مذمت کی۔ علیحدہ تلنگانہ ریاست کے حامیوں اور مسلمانوں نے فطری طور پر جوش و خروش کے ساتھ اس رپورٹ کا خیر مقدم کیا۔

تلنگانہ کا مطالبہ DEMAND FOR TELANGANA

ریاست حیدرآباد میں وشال آندھرا کے حامی اور مخالف دونوں سرگرم ہو گئے۔ اگر علیحدہ تلنگانہ ریاست کا قیام عمل میں آیا تو پیپلز ڈیموکریٹک فورم کے قائدین نے دھمکی دی کہ وہ مقنّنہ میں اپنی نشستیں چھوڑ دیں گے اور اس مسئلہ پر الیکشن لڑیں گے۔ فرنٹ، کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا اور کسان سبھا کے لیڈروں نے وزیر اعلیٰ سے ملاقات کی اور وشال آندھرا کی فوری تشکیل کا مطالبہ کیا۔ اکتوبر 1955 میں، تلنگانہ میں وشال آندھرا کے حامیوں نے حیدرآباد میں ملاقات کی اور وشال آندھرا کے لیے کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ 3 نومبر کو وہ احمد علی خان کی صدارت میں دوبارہ ملے اور فوری طور پر وشال آندھرا کا مطالبہ کیا۔ کچھ غیر آندھرا باشندے جنہوں نے پہلے حیدرآباد ریاست کی تقسیم کے خلاف التجا کی تھی بعد میں وشال آندھرا کی حمایت کی۔ تلنگانہ کمیونسٹ پارٹی اور آندھرا کمیونسٹ پارٹی کی جانب سے وفود نے نہرو اور مرکزی حکومت کے دیگر وزراء سے ملاقات کی اور وشال آندھرا کی حامی بھری۔ یہ تحریک سرگرم ہوگئی اور تلنگانہ کے مختلف حصوں میں کانفرنس بلائی اور وشال آندھرا کی ضرورت کی وضاحت کرنے والے کتابچے شائع کیے۔ اس کے ساتھ ہی علیحدہ تلنگانہ ریاست کا مطالبہ بھی زور پکڑ رہا تھا۔ تلنگانہ میں کانگریس کی 7 کمیٹیاں، انڈین نیشنل ٹریڈ یونین کانگریس کی ریاستی ایگزیکٹو کے 105 تلنگانہ کانگریس کے مندوبین میں سے 73 اور 10 ایم پی کے تلنگانہ سے الگ تلنگانہ کے حامی ہیں۔

اس صورت حال میں حیدرآباد اسمبلی نے 25 نومبر سے 3 دسمبر 1955 تک ایس آر سی کی رپورٹ پر بحث کی اور بغیر ووٹ ڈالے ملتوی کر دی گئی۔ سپیکر کے علاوہ ایوان کے 174 ارکان میں سے 147 نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان میں سے 103 نے

وشال آندھرا کے حق میں، 29 نے تلنگانہ کے حق میں، اور 15 نے غیر جانبدار رہے۔ باقی 59 مطلوب وشال آندھرا، 25 علیحدہ تلنگانہ کے لیے تھے اور ایک غیر جانبدار تھا۔ دریں اثنا، آندھرا قانون ساز اسمبلی نے متفقہ طور پر ایک تلگو کی تشکیل کا مطالبہ کیا تھا۔

کانگریس ہائی کمان کا کردار

نومبر 1955 میں کانگریس ہائی کمان نے ریاستوں کی تنظیم نو کے معاملے پر غور کرنے کے لیے ڈھیبر، کانگریس صدر، نہرو، آزاد اور پنتھ پر مشتمل ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی۔ نومبر کے آخری ہفتے تک، ڈاکٹر چنا ریڈی نے تلنگانہ کے انضمام کے معاملے پر عوام کی خواہشات کا پتہ لگانے کے لیے تین طریقے تجویز کیے: وہ یہ تھے: (1) تلنگانہ کے کسی بھی حلقے میں ایک نمونہ ریفرنڈم، (2) پردیش کانگریس کو قبول کرنا۔ اس معاملے میں لوگوں کے فیصلے کے طور پر رائے اور (3) کانگریس ہائی کمان کے ذریعہ ریاست میں نمائندہ تنظیم کی رائے حاصل کرنا۔ اعلیٰ درجے کے مرکزی قائدین -نہرو، کاٹجو، پاٹل، لال بہادر شاستری اور دیگر لوگوں نے رائے عامہ کا پتہ لگانے کے لیے دسمبر 1955 اور جنوری 1956 میں حیدرآباد کا دورہ کیا۔ جنوری 1956 کے وسط میں، مرکزی حکومت نے پنجاب اور تلنگانہ کے علاوہ ایس آر سی رپورٹ کی بنیاد پر ریاستوں کی تشکیل کا اعلان کیا۔ یہاں تک کہ جنوری 1956 کے آخر تک کانگریس کی ذیلی کمیٹی تلنگانہ کے مسئلہ پر فیصلہ نہیں کر سکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ریاست حیدرآباد کے آندھرا کے ساتھ انضمام کے سوال پر ہائی کمان منقسم تھی۔ آندھرا کے بااثر لیڈروں میں سنجیوا ریڈی اور لچنا وشال آندھرا کی تشکیل چاہتے تھے۔

آزاد کی قرارداد

حکومت ہند تلنگانہ کے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکی۔ آندھرا اسمبلی نے اس پر افسوس کا اظہار کیا اور یکم فروری 1956 کو وشال آندھرا کے حق میں متفقہ طور پر قرارداد منظور کی۔ انڈین نیشنل کانگریس کے امرتسر اجلاس نے آزاد کی تنظیم نو کے لیے زبان کو خصوصی اصول نہ بنانے کی قرارداد متفقہ طور پر منظور کی اور جہاں بھی ممکن ہو بڑی دولسانی ریاستوں کی تشکیل کا مطالبہ کیا۔ اقتصادی ترقی کے مفاد میں نہرو چاہتے تھے کہ ان مسائل پر تنازعہ کو اگر ممکن ہو تو دس سال کے لیے ایک طرف رکھ دیا جائے لیکن کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا۔

تلنگانہ کے لیے تحفظات

تلنگانہ قائدین کو منانے کا کام شروع ہو گیا۔ جی بی پنتھ، اس وقت کے مرکزی وزیر داخلہ، نے 15 فروری کو ان سے ملاقات کرنے والے تلنگانہ کانگریس قائدین میں سے کچھ کے مہمان تھے، کہ وہ آندھرا کے ساتھ ضم ہونے کی صورت میں تلنگانہ کے لیے ایک علاقائی کونسل بنا سکتے ہیں تاکہ وشال آندھرا کی تشکیل کی جا سکے۔ انہوں نے علیحدہ تلنگانہ کے اپنے مطالبے کو مٹا دیا۔ متبادل میں، انہوں نے آندھرا، تلنگانہ اور مجوزہ میسور ریاست پر مشتمل ایک بڑی دولسانی ریاست کا مطالبہ کیا۔ پنتھ نے انہیں بتایا کہ اس وقت اتنی بڑی

ریاست کی کارروائی پر غور نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ کیرالہ اور مجوزہ میسور ریاست کے انضمام کی تجویز پہلے ہی موجود تھی۔ چونکہ کانگریس ہائی کمان یقینی طور پر وشال آندھرا کا ذائقہ ظاہر کرتی ہے، تلنگانہ قائدین علاقائی کونسل IES کے کئی تحفظات کا یقین دلانا چاہتے تھے۔ آندھرا اور حیدرآباد ریاستوں کے کانگریسیوں کے تمام نمائندوں کے درمیان وشال آندھرا کے مقام کی تشکیل کے فیصلے سے پیدا ہونے والے تمام مسائل پر تفصیلی بات چیت ہوئی اور ایک معاہدہ طے پایا اور ریاست آندھرا پردیش* 1 نومبر 1956 کو وجود میں آئی۔

تحفظات کی خلاف ورزی

1. ڈومیسائل رول میں ترمیم کرتے ہوئے، سرکاری ملازمت اور تعلیم کے لیے رہائشی اہلیت 15 سال سے کم کر کے 4 سال کر دی گئی۔ نتیجہ کے ساتھ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ 50 ہزار سے زیادہ آندھرا کے باشندے تلنگانہ کے لیے ملازمتوں پر فائز ہیں اور یہ رجحان تلنگانہ کے لوگوں کے روزگار اور تعلیمی مواقع کو روکتا ہے۔
2. اے پی ریاستی حکومت کے 88-1987 کے تخمینے کے مطابق آندھرا میں بہت کم فیصد کے مقابلے تلنگانہ میں غربت کی لکیر سے نیچے کے لوگ 40.78 فیصد ہیں (محبوب نگر ضلع ریاست میں خط غربت سے نیچے خاندانوں کی اعلی فیصد ہے۔) لیکن شراکت تلنگانہ خطہ سے ریاست کی آمدنی ہمیشہ 40 فیصد سے زیادہ ہوتی ہے۔
3. کرشنا پر دریائی وادی کے دو بڑے پراجیکٹس یعنی ناگارجنا ساگر اور سری سیلم کے منصوبے اور ڈیزائن آندھرا کی ضروریات کو پورا کر رہے ہیں لیکن تلنگانہ کے علاقے کی نہیں۔ درحقیقت، تلنگانہ کے نلگنڈہ ضلع کو جس نے ناگرجنا ساگر کے لیے اپنے بہت سے علاقوں کی قربانی دی ہے، کو اس کے جائز حصہ سے محروم کر دیا گیا۔ 1972 کی آندھرا ایجی ٹیشن کے بعد، ملکی قوانین اور تلنگانہ علاقائی کمیٹی کو ختم کر دیا گیا، جس سے ناانصافیوں اور پسماندگی کو روکنے اور خطے کے مفادات کے تحفظ کے لیے ادارہ جاتی طریقہ کار سے انکار کر دیا گیا۔
4. تلنگانہ کے لوگوں کے لیے تعلیمی سہولیات ناقص ہیں۔ تلنگانہ خطہ 37 فیصد کے ساتھ شرح خواندگی میں سب سے کم ہے۔ انجینئرنگ، میڈیکل اسٹریمز میں بہت کم پروفیشنل کالج قائم ہوئے۔ تلنگانہ خطہ میں یونیورسٹیوں کی تعداد بہت کم ہے۔
5. کرشنا پر دریائی وادی کے دو بڑے پراجیکٹس یعنی ناگارجنا ساگر اور سری سیلم کے منصوبے اور ڈیزائن آندھرا کی ضروریات کو پورا کر رہے ہیں لیکن تلنگانہ کے علاقے کی نہیں۔ درحقیقت، تلنگانہ کے نلگنڈہ ضلع کو جس نے ناگرجنا ساگر کے لیے اپنے بہت سے علاقوں کی قربانی دی ہے، اس کے حقدار حصہ سے انکار کر دیا گیا۔
6. سری رام ساگر پر کام کی رفتار، گوداوری پر لیا جانے والا واحد بڑا پروجیکٹ جو خصوصی طور پر تلنگانہ کے علاقے کے لیے ہے۔ 50 سال گزرنے کے بعد بھی، 1956 میں ریاست کے قیام کے بعد تقریباً 10 سالوں میں 20 لاکھ ایکڑ کے مجوزہ ہدف کے مقابلے میں مشکل سے 2½ لاکھ ایکڑ اراضی کو فائدہ ہوا ہے۔

7. وہ تلنگانہ خطے کے پروجیکٹوں پر کام شروع کررہے ہیں جن میں پانی کی تقسیم کی یقین دہانی کرائی گئی ہے جیسے سری سیلم لیفٹ بینک کنال ابھی شروع ہونا باقی ہے۔

8. نظام ساگر پراجیکٹ (نظام کے دور میں تعمیر کیا گیا ایک پروجیکٹ) کی دیکھ بھال اور نگہداشت کو ہٹانے کے سلسلے میں کی گئی شدید نظر اندازی کی وجہ سے، اس پروجیکٹ کے تحت ایا کٹ تقریباً ایک لاکھ ایکڑ تک کم ہوگئی ہے۔ دریائے منجیرا کا پانی تلنگانہ خطہ کے میدک اور نظام آباد اضلاع میں آبپاشی کی سہولتوں کو بڑھانے کے لیے ہے جسے آبپاشی کے علاوہ دیگر مقاصد کے لیے دارالحکومت کی طرف موڑ دیا جاتا ہے۔

9. راجولی بندہ ڈائیورژن اسکیم I میں تلنگانہ علاقہ کے لیے مختص کردہ پانی کا حصہ نے رائلسیما علاقہ کے ذریعہ غیر مجاز طور پر ٹیپ کیا جس کے نتیجے میں تلنگانہ کے محبوب نگر ضلع میں 40 تا 50 ہزار ایکڑ اراضی آبپاشی کی سہولیات سے محروم ہوگئی۔

10. اگر یہ حالت مزید جاری رہنے دی جائے تو اس خطے کا قابل کاشت علاقہ بنجر علاقوں میں تبدیل ہو جائے گا۔

تلنگانہ ریجنل کوآرڈینیشن کمیٹی (TRCC)

تلنگانہ ریجنل کوآرڈینیشن کمیٹی کا قیام آندھرا اور تلنگانہ کے قائدین کے درمیان شریفانہ معاہدہ میں کیا گیا ایک عہد تھا۔ علاقائی کمیٹی کے ذریعہ پیش کردہ مشورے کو حکومت اور ریاستی مقنّنہ کو قبول کرنا تھا۔ تلنگانہ ریجنل کوآرڈینیشن کمیٹی کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ (a) ریاستی مقنّنہ کی طرف سے وضع کردہ عام ترقیاتی منصوبوں کے فریم ورک کے اندر ترقی اور اقتصادی منصوبہ بندی کا معاملہ کرے۔ (b) لوکل سیلف گورنمنٹ، یعنی میونسپل کارپوریشنز، امپرومنٹ ٹرسٹ، ڈسٹرکٹ بورڈز اور ڈسٹرکٹ اتھارٹیز کے آئینی اختیارات مقامی خود حکومت یا گاؤں کی انتظامیہ کے مقصد کے لیے۔ (c) صحت عامہ اور صفائی ستھرائی، مقامی ہسپتال اور ڈسپنسریاں۔ (d) پرائمری اور سیکنڈری تعلیم (e) تلنگانہ علاقہ کے تعلیمی اداروں میں داخلوں کا ضابطہ۔ (f) ممانعت (g) زرعی زمینوں کی فروخت (h) کاٹیج اور چھوٹے پیمانے کی صنعتیں، اور زراعت، کوآپریٹو سوسائٹیز، بازار اور میلے جب تک کہ معاہدے کے ذریعے نظر ثانی نہ کی جائے۔

TRCC کی ناکامیاں

تلنگانہ ریجنل کوآرڈینیشن کمیٹیاں اپنے اختیارات کے استعمال میں بری طرح ناکام رہی ہیں۔ اس نااہلیت اور ناکامی کی بہت سی وجوہات ہیں۔ سب سے پہلے، یہ کمیٹیاں خود مختار اداروں کے بجائے حکمران اسٹیبلشمنٹ کے ضمنی اداروں کے طور پر قائم کی جاتی ہیں جو مختلف اخراجات کے تحت منصوبوں اور اخراجات کی نگرانی کرتی ہیں۔ درحقیقت، ان کمیٹیوں کو نظریاتی طور پر تلنگانہ کے اضافی محصولات کی نگرانی کے اختیارات دیے گئے تھے جو صرف اس خطے کی ترقی کے لیے خرچ کیے جائیں گے۔ تاہم، عملی طور پر یہ اختیارات محض سیاسی اداروں کے طور پر کام کرنے کے لیے کم کیے گئے تھے۔ مزید TRCC کو اپنے کاموں کو انجام دینے کے لیے ایک مکمل

تنظیمی ڈھانچہ نہیں دیا گیا تھا۔TRCC کے لیے بجٹ میں مختص رقم بھی بہت کم تھی۔وقت کے ساتھ ساتھ،ان کمیٹیوں کی تشکیل نو کے لیے کوئی کوشش نہیں کی گئی کیونکہ ان اداروں کو ابھرتے ہوئے طاقت کے مراکز کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔ان ناکامیوں کی وجہ سے عوام میں یکے بعد دیگرے آنے والی حکومتوں کے خلاف بے اطمینانی بڑھ گئی۔

تلنگانہ اور آندھرا کے الگ الگ کھاتوں کی آڈیٹنگ اور دیکھ بھال سے متعلق بیوروکریٹک طریقہ کار ساز گار نہیں تھا۔اس کے نتیجے میں یہ کمیٹی صرف کہاوت بن کر رہ گئی۔اس کے علاوہ،1956 کے بعد آنے والی حکومتوں میں تلنگانہ علاقائی رابطہ کمیٹیوں کو مضبوط کرنے کے لیے سیاسی عزم اور حوصلہ کا فقدان تھا۔سیاسی اشرافیہ نے تلنگانہ خطہ کی ترقیاتی ضروریات کے لیے کوئی وژن اور تخیل کا مظاہرہ نہیں کیا۔

1969 ایجی ٹیشن-تلنگانہ پرجا سمیتی (ٹی پی ایس)

1969 تلنگانہ ایجی ٹیشن

آندھرا پردیش میں متواتر حکومتوں کی طرف سے شریفانہ (جینٹلمینز) معاہدے کی خلاف ورزی کے نتیجے میں،خاص طور پر ملکی قوانین کی خلاف ورزی،مجموعی طور پر 1969 میں علیحدہ تلنگانہ ایجی ٹیشن کے ابھرنے یا پھوٹ پڑنے کا نتیجہ تھا۔یہ بتایا گیا ہے کہ 25,000 کے قریب سرکاری ملازمتیں نقل مکانی کرنے والوں کو دی گئی تھیں۔آندھرا کا ایک علاقہ تلنگانہ میں ہے۔اس میں شامل طلباء اور ملازمین کی بڑی تعداد نے ملکی رولز کی خلاف ورزی کے پیش نظر اپنے آپ کو دھوکہ دیا۔اسی پس منظر کے خلاف 1969 میں آندھرا سے تلنگانہ کی علیحدگی کیلئے تحریک ملی۔اصل میں،1969 کا ایجی ٹیشن ضلع کھمم میں عثمانیہ یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے شروع کیا تھا جس نے "تلنگانہ" کی تشکیل کے لیے موت کا انشن (مرن برتھ) شروع کیا تھا۔اس کے بعد یہ پورے خطے میں پھیل گیا۔سرکاری ملازمین اور ریاستی قانون ساز اسمبلی کے اپوزیشن اراکین باہر نکل آئے۔اور طلبہ کی حمایت میں "براہ راست ایکشن" کی دھمکی دی،اس کے بعد پورے علاقے میں ان کے احتجاجی مظاہرے ہوئے،ملازمین،اساتذہ،طلبہ،دانشوروں،خواتین اور عام لوگوں سمیت ہر طبقہ فکر کے لوگ اس تحریک میں شامل ہوئے۔اس وقت کے وزیر کونڈا لکشمن باپوجی نے استعفیٰ دے دیا اور تحریک میں شامل ہو گئے۔مدن موہن،ملیکارجن،وی بی راجو اور پولی ویرانا وغیرہ جیسے ارادے والے طلبا لیڈر اس تحریک میں شامل ہوئے۔

طلباء نے تلنگانہ تحفظات کی خلاف ورزی پر سوال اٹھائے اور ان تحفظات کے حقیقی نفاذ کا مطالبہ کیا جن کی ضمانت شریفانہ معاہدہ میں دی گئی تھی۔یہ بھی ریکارڈ کیا گیا کہ نومہینوں کے ایجی ٹیشن کے دوران پولیس کی فائرنگ میں 370 طلباء کی جانیں گئیں۔70000 افراد کو گرفتار کیا گیا جن میں 7000 خواتین بھی شامل ہیں۔کاسو برہمانند ریڈی کی قیادت والی حکومت نے پولیس اور فوج کی تعیناتی کے ذریعے جابرانہ پالیسیاں اپنائیں۔

تب وزیر اعظم اندرا گاندھی نے ریاست کا درجہ دینے کے معاملے پر بات چیت کے لیے ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ طلب کی۔ دونوں خطوں کے رہنماؤں کے ساتھ کئی دنوں کی بات چیت کے بعد 12 اپریل 1969 کو وزیر اعظم نے آٹھ نکاتی منصوبہ تیار کیا۔

تلنگانہ پرجا سمیتی کا کردار-1969

علحدہ تلنگانہ کی تحریک اگرچہ ابتدائی مراحل میں طلبہ کے ذریعہ شروع کی گئی تھی، اس کی سربراہی ڈاکٹر ایم چنا ریڈی نے کی تھی جنہوں نے 1969 میں تلنگانہ پرجا سمیتی کی تشکیل کی تھی۔ یہ علیحدہ ریاست کے مطالبے کو واضح کرنے اور تحریک کی قیادت کرنے کے لیے قائم کی گئی تھی۔ 1971 کے عام انتخابات میں، تلنگانہ پرجا سمیتی (ٹی پی ایس) نے تلنگانہ کے علاقے میں 14 پارلیمانی حلقوں کے لیے مقابلہ کیا۔ 14 میں سے ٹی پی ایس نے 11 پارلیمانی سیٹیں جیتی تھیں۔ ان انتخابات میں تلنگانہ کے عوام کے علحدہ ریاست کے قیام کے لیے عوامی جذبات کا مشاہدہ کیا گیا۔ اس دور میں محترمہ اندرا گاندھی کی قیادت میں کانگریس قومی سطح پر محفوظ اور انتہائی طاقتور تھی۔

اندرا گاندھی کی کرشماتی قیادت کی وجہ سے پارلیمنٹ میں 2/3 اکثریت تھی۔ تاہم، تلنگانہ خطہ کے حوالے سے کانگریس قدم نہیں جما سکی کیونکہ عوامی حمایت کے پیش نظر ٹی پی ایس ایک طاقتور قوت کے طور پر ابھری ہے۔

اس دوران کانگریس پارٹی کل ہند سطح پر تقسیم ہوگئی۔ ٹی پی ایس ڈاکٹر مری چنا ریڈی کی قیادت میں مسز اندرا گاندھی کے ساتھ ایک معاہدہ کیا، اور ستمبر 1971 میں سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کیا۔ سمجھوتے کے فارمولے کے مطابق مندرجہ ذیل نکات پر اتفاق رائے پیدا ہوا:

1) ملکی قواعد کا تسلسل۔
2) تلنگانہ کے لیے علیحدہ بجٹ اور اکاؤنٹس
3) تلنگانہ کے لیے علیحدہ پردیش کانگریس کمیٹی
4) تلنگانہ خطے سے برہمانند ریڈی کا عہدہ چھوڑنا۔

1969 کا تلنگانہ ایجی ٹیشن ٹی پی ایس کی قیادت میں ہوا۔ ایک علیحدہ ریاست کا مقصد پورا نہیں کیا۔ یہ مسز اندرا گاندھی کی طرف سے کئے گئے تحفظات اور یقین دہانیوں سے مطمئن ہے۔

ملکی فیصلے پر ردعمل

1972-73 میں جب مسٹر پی وی۔ نرسمہا راؤ چیف منسٹر تھے، آندھرا پردیش میں ایک احتجاج ہوا۔ یہ آندھرا کے علاقے سے نکلا ہے۔ اگرچہ اس تحریک کو ملکی قوانین کو درست قرار دینے والے سپریم کورٹ کے فیصلے کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے، لیکن ریاستی مقنّنہ کے ذریعہ منظور شدہ زمینی اصلاحات کی قانون سازی کا اضافی عنصر بھی نہیں تھا۔ بی وی سبھا ریڈی، جاگرلمودی، چندر مولی، گوتھو لچنا، کاکانی وینکٹا رتنم ان رہنماؤں میں شامل تھے جنہوں نے تحریک کی قیادت کی۔ تحریک کی بنیادی وجوہات یہ تھیں:

1. 3 اکتوبر 1972 کو سپریم کورٹ نے ملکی قوانین کے بارے میں اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ یہ درست ہیں اور نافذ العمل ہیں۔

مزید یہ کہ اس وقت کے وزیراعلیٰ پی وی۔ نرسمہا راؤ نے اس فیصلے پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ حتمی ہے۔ اس فیصلے اور اس کے بعد کے بیان نے آندھرا کے نوجوانوں کو ناراض کیا کیونکہ انہیں لگا کہ اگر اس پر عمل درآمد جاری رہا تو انہیں تلنگانہ خطہ میں عوامی ملازمت اور تعلیمی سہولیات سے محروم کر دیا جائے گا۔

2. آندھرا خطہ کے لوگوں نے محسوس کیا کہ سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں انہیں ریاست میں دوسرے درجے کے شہریوں کا درجہ دیا جائے گا۔

جئے آندھرا ایجی ٹیشن کا مقصد ملکی رولز اور تلنگانہ ریجنل کمیٹی کو ختم کرنا تھا۔ غیر مشروط آندھرا پردیش یا علیحدہ آندھرا ریاست ان کے تمام اعلانات میں واضح طور پر بیان کی گئی تھی۔

1973 کا چھ نکاتی فارمولا (تلنگانہ)

6 نکاتی فارمولہ آندھرا پردیش کے تلنگانہ خطے (اب ہندوستان کی ایک الگ ریاست) کے لیے حکومت ہند کی ایک مثبت امتیازی پالیسی تھی، جو 21 ستمبر 1973 کو ایک سیاسی سمجھوتے کے طور پر پہنچی تھی۔ 1972 کی جئے آندھرا تحریک کے بھڑکنے کے بعد چیف منسٹر پی وی نرسمہا راؤ کے استعفیٰ کی وجہ سے آندھرا پردیش اس وقت تک صدر راج کے تحت تھا۔

قانونی مسائل سے بچنے کے لیے چھ نکاتی فارمولے کو قانونی تقدس دینے کے لیے آئین میں ترمیم (32ویں ترمیم) کی گئی۔

5 دسمبر 1972 کو طلباء نے آندھرا بند منایا اور 7 دسمبر 1972 سے آندھرا کے نان گزیٹیڈ افسران نے غیر معینہ مدت کی ہڑتال کی۔ آندھرا کے اضلاع سے بڑے پیمانے پر سرکاری املاک کی تباہی اور آتشزدگی کی اطلاع ملی ہے۔ اسی دوران، کمیونسٹ جنہوں نے اے پی کے انضمام کی پرزور وکالت کی، جلوس نکالنے کی کوشش کی۔ اس کی وجہ سے انضمام پسندوں اور علیحدگی پسندوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں جس کے نتیجے میں پولیس کی فائرنگ اور جانوں کا ضیاع ہوا۔ سیاسی معمول پر لانے کے لیے، وزیراعلیٰ نے 7 جنوری 1973 کو اپنی کابینہ میں 8 وزراء کو شامل کیا، لیکن جلد ہی ریاست میں صدر راج نافذ کر دیا گیا۔ رفتہ رفتہ تحریک اپنی قوت کھو بیٹھی۔ 5 مارچ 1973 کو این جی اوز نے اپنی ہڑتال کی کال دی۔ علیحدہ آندھرا ایجی ٹیشن کی روشنی میں وزیراعظم مسز گاندھی نے چھ نکاتی فارمولے کا اعلان کیا۔ وہ درج ذیل ہیں:

1) پسماندہ علاقوں کی ترقی کے لیے ریاستی سطح کے پلاننگ بورڈ کے ساتھ ساتھ ذیلی کمیٹیوں کا قیام۔

2) تعلیمی سہولیات کو بڑھانے کے لیے حیدرآباد میں سنٹرل یونیورسٹی کا قیام۔

3) نان گزٹ پوسٹوں اور اے ایس ایس سرجنز پر براہ راست بھرتی کے لیے مقامی امیدواروں کو ترجیح دی جانی تھی۔

4) سرکاری ملازمین کی شکایات سے نمٹنے کے لیے اعلیٰ طاقت کا انتظامی ٹریبونل تشکیل دیا جائے۔

5) قانونی چارہ جوئی سے بچنے کے لیے آئین میں مناسب ترمیم کی جانی چاہیے۔

6) ملکی رولزاور تلنگانہ ریجنل کمیٹی کا خاتمہ۔

خلاف ورزی

1985 میں جب تلنگانہ کے ملازمین نے چھ نکاتی فارمولے کی خلاف ورزیوں کی شکایت کی تو حکومت نے بھرتیوں میں ہونے والی خلاف ورزیوں کو درست کرنے کے لیے گورنمنٹ آرڈر 610 (610GO) نافذ کیا۔ جیسا کہ تلنگانہ کے لوگوں نے GO 610 پر عمل درآمد نہ ہونے کی شکایت کی، 2001 میں، حکومت نے خلاف ورزیوں کی جانچ کے لیے گرگلانی کمیشن تشکیل دیا۔

اگرچہ اس فارمولے کو آندھرا خطہ کے قائدین نے قبول کرلیا لیکن تلنگانہ کے عوام میں عدم اطمینان تھا۔ ملکی قوانین کے خاتمے اور تلنگانہ علاقائی کمیٹی نے تلنگانہ کے لوگوں کو ملنے والے مستحق فوائد کو عملی طور پر ختم کر دیا۔ اس کے نتیجے میں، صدر راج منسوخ کر دیا گیا اور جلگام وینگل راؤ کو وزیر اعلی کے طور پر منتخب کیا گیا تھا۔

تلنگانہ تحریک میں ممتاز شخصیات کی شراکت

تلنگانہ کے لیے طویل عرصے سے جاری جدوجہد سات دہائیوں سے زیادہ عرصے تک جاری رہی جس کی وجہ ممتاز شخصیات نے اپنے قول و فعل کے ذریعے نظریاتی بنیاد رکھی۔ ان میں، داسارتی کرشنا ماچاریولو، داسارتی رنگا چاریولو، وٹیکوٹہ الورسوامی، کونڈا لکشمن باپوجی، کالوجی نارائن راؤ، پروفیسر جیسے کیسوا راؤ جادھو، کے لاواشنکر، ایس سمہادری، پی ایل وشویشور نے اہم شراکتیں کیں۔ بیالا جناردھن راؤ، کے سری نواسولو، ہرا گوپال، ایم کودنڈارامار یڈی، راما ایس میلکوٹے، ہرناتھ، سریدھر دیش پانڈے اور شاعر اور گیت نگار جیسے غدر، سنجیو، ڈولودیانا، ڈپو میش، جیاراجو، انتھادوپولا ناگراجو، یاشپال، سائی چند، کرشنا، ارونا، چوکا رامنر سائیہا، سوپنا، مونیکا، کوٹی، ناگننا، لیٹ بیلی للیتا، ویمالکا، تیلوو جئے، مدھو پریا، منگلے، سدھلہ اشوک تیجا، وندے ماترم سری نواس، گورتی وینکنا، دیشپتی سری نواس، آندے سری، گوڑا سری، آندے رامنا کر راؤ، اپوری سومنا، گڈے رامانرسیا، مرحوم پیلم سنتوش، پشپا، نیرنالا کشور، رسامائی بالاکشن، دھرو یلنا، سوارناکا، ورنگل راوی، نالیگنتی شرتھ اور دیگر شامل تھے۔

ان ممتاز شخصیات کے اپنے اپنے دائروں میں تعاون نے اس تحریک کو کئی دہائیوں تک مختلف مراحل کے ساتھ زندہ رکھا۔ ان کے الفاظ اور کام تحریک، متحرک، منظّم اور تلنگانہ کے تمام طبقات کے لاکھوں لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے ایک نظریاتی بنیاد بن گئے۔

تاہم، اس نظریاتی الہام کو ایک کرشماتی اور متحرک لیڈر کے چندر شیکھر راؤ نے ایک طاقتور تحریک میں تبدیل کیا ہے۔

تلنگانہ تحریک: 2014-2001

تلنگانہ ریاست کی تحریک نے 2001 میں ایک اہم موڑ اختیار کیا۔ کے چندر شیکھر راؤ، جنہوں نے چندرا بابو نائیڈو حکومت سے استعفیٰ دیا، تلگو دیشم پارٹی چھوڑ دی۔ انہوں نے 27 اپریل 2001 کو ایک خصوصی 'ایک نکاتی ایجنڈا' کے ساتھ تلنگانہ راسٹرا سمیتی کا

آغاز کیا جس کا دارالحکومت حیدرآباد کے طور پر ایک علیحدہ تلنگانہ ریاست ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ 2001 میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے این ڈی اے، حکومت کو دوسری ایس آر سی کی تشکیل کے لیے ایک قرارداد بھیجی تھی۔ (ریاستی تنظیم نو کمیشن) تلنگانہ ریاست کے مطالبے پر غور کرے گا۔ 2004 کے اسمبلی کے پارلیمانی انتخابات کے دوران اس وقت کے وزیر داخلہ ایل کے اڈوانی نے مشاہدہ کیا کہ "جب تک ریاست کی تمام سیاسی جماعتوں میں اتفاق رائے نہیں ہوتا اور جب تک یہ اتفاق رائے ریاستی اسمبلی کی قرارداد میں ظاہر نہیں ہوتا، ہم تلنگانہ کو اس میں شامل کرنے کی تجویز نہیں کرتے یہ این ڈی اے کا ایجنڈا تھا۔ اس بات کا تذکرہ کرنا اہم ہے کہ کانگریس پارٹی اور ٹی آر ایس نے تلنگانہ خطہ میں ایک انتخابی اتحاد قائم کیا تا کہ تلنگانہ ریاست کے مطالبے پر غور کیا جا سکے۔ کانگریس پارٹی 2004 میں آندھرا پردیش میں برسر اقتدار آئی اور کم سے کم مشترکہ پروگرام کے حصے کے طور پر اتحادی پارٹنر کے طور پر کام کیا۔ اس میں مناسب مشاورت اور اتفاق رائے کے بعد علیحدہ تلنگانہ ریاست پر غور شامل تھا۔

ڈاکٹر منموہن سنگھ کی زیر قیادت یو پی اے حکومت نے بحیثیت وزیر اعظم ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی ہے جو علیحدہ تلنگانہ ریاست کے مسئلہ پر غور کرے گی۔ اس ذیلی کمیٹی کی قیادت پرنب مکھرجی کر رہے تھے اور دو دیگر ممبران تھے۔ یہ کمیٹی نومبر 2004 کے دوران تشکیل دی گئی تھی اور اس نے تمام تسلیم شدہ قومی اور علاقائی سیاسی جماعتوں سے اس مسئلے پر اتفاق رائے پیدا کرنے کے عمل میں جواب طلب کیا تھا۔ پروفیسر جے شنکر اور کے چندر شیکھر راؤ (ٹی آر ایس) نے تمام سیاسی جماعتوں سے رابطہ کیا ہے اور علیحدہ تلنگانہ کے حق میں رضامندی کے خطوط کو متحرک کیا ہے۔

تاہم، U.P.A کی طرف سے زیادہ پہل نہیں ہو رہی تھی۔ حکومت نے 2004 کے انتخابات میں اپنی مثبت یقین دہانیوں کو متاثر کیا۔ یہ بتانا ضروری ہے کہ ڈاکٹر وائی ایس راج شیکھر ریڈی کی قیادت والی کانگریس ذاتی طور پر ریاست کی تقسیم کی طرف مائل نہیں تھی۔ انہیں آندھرا پردیش میں کانگریس کی جیت اور ٹی ڈی پی کی شکست میں فیصلہ کن عنصر پایا گیا، کانگریس ہائی کمان ڈاکٹر وائی ایس راج شیکھر ریڈی کی رائے کے برعکس کام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کے چندر شیکھر راؤ نے اے نریندر کے ساتھ یو پی اے سے مرکزی کابینہ وزیر کی حیثیت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ علحدہ تلنگانہ ریاست کے قیام کے التوا کے خلاف حکومت نے احتجاج کیا۔ اسی مناسبت سے آندھرا پردیش میں ٹی آر ایس کے وزراء نے بھی استعفیٰ دے دیا۔

2009 کے انتخابات

2009 کے انتخابات کے دوران کانگریس پارٹی نے یقین دہانی کرائی اور اپنے موقف کا اعادہ کیا کہ صرف U.P.A. حکومت تلنگانہ ریاست کا اعلان کر سکتی ہے۔ اس کے مطابق تلنگانہ کے عوام نے کانگریس پارٹی کے حق میں ووٹ دیا۔ کانگریس پارٹی مرکزی اور ریاستی دونوں سطحوں پر حکومت بنانے کی پوزیشن میں تھی۔ اس انتخاب میں ٹی آر ایس نے 10 اسمبلی سیٹیں اور 2 ایم پی نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔

قبل ازیں 2009 میں، سپریم کورٹ نے حیدرآباد کو ''فری زون'' کے طور پر گرگلانی کمیٹی کے فیصلے کے برعکس قرار دیا جس نے حیدرآباد کو زون VI میں شامل کیا۔ اس فیصلے نے تلنگانہ کے لوگوں کے خوف اور خدشات کو بڑھا دیا۔ اس سے تلنگانہ ایمپلائز اسوسی ایشنز میں بے چینی پھیل گئی۔ انہیں خدشہ تھا کہ غیر مقامی لوگ ان کی ملازمتوں پر قبضہ کر لیں گے جن کا مقصد تلنگانہ حیدرآباد میں ہے۔ اس سے تلنگانہ تحریک کو زبردست حوصلہ ملا ہے۔ دانشوروں، صحافیوں، وکلاء، انجینئروں، ڈاکٹروں، طلباء، خواتین اور N.R.I.s کی ایک بڑی تعداد حیدرآباد کو ''فری زون'' قرار دینے کے خلاف کھل کر سامنے آ گئی۔ ستمبر 2009 میں ڈاکٹر Y.S. راج شیکھر ریڈی کی ہیلی کاپٹر حادثے میں موت ہو گئی۔ اس موت نے کانگریس پارٹی کی قیادت اور تلنگانہ تحریک کی وجہ دونوں پر سنگین اثرات ہوئے۔

اس موقع پر ٹی آر ایس پارٹی کے صدر چندر شیکھر راؤ نئے دعووں کے ساتھ سامنے آئے اور علیحدہ ریاست کے لیے آواز بلند کی۔ 29 نومبر، 2009 کو کے چندر شیکھر راؤ نے ''فری زون'' کے خلاف اور تلنگانہ ریاست کا درجہ حاصل کرنے کے لیے اپنی موت کی ہڑتال شروع کیا۔ اس دوران طلباء نے نمایاں کردار ادا کیا۔ عثمانیہ، کاکتیہ، پالاموراور تلنگانہ یونیورسٹیوں کے طلبہ نے اپنی فعال شرکت سے تحریک کو تیز کیا۔ اس پس منظر کے خلاف، آندھرا پردیش کے اس وقت کے وزیراعلیٰ کے روشیا نے 7 دسمبر 2009 کو ایک آل پارٹی میٹنگ بلائی۔ اس میٹنگ میں کے چندر شیکھر راؤ کے جاری ہڑتال پر تبادلہ خیال کیا گیا اور سیاسی جماعتوں کے خیالات کا پتہ لگایا گیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ تمام سیاسی جماعتوں بشمول کانگریس، بی جے پی: ٹی ڈی پی، پی آر پی اور سی پی آئی نے اعلان کیا کہ اگر اس سلسلے میں کوئی بل پیش کیا جاتا ہے تو وہ تلنگانہ ریاست کی حمایت اور ووٹ دیں گے۔ میٹنگ کے منٹس کو کانگریس ہائی کمان کو بھی فیکس کیا گیا تھا۔ 8 دسمبر 2009 کو بی جے پی تلنگانہ ریاست کے لیے بل کو پارلیمنٹ میں پیش کرنے کی صورت میں اس کی حمایت میں کھل کر سامنے آئی۔

9 دسمبر 2009 کو وزیر داخلہ پی چدمبرم نے ایک اعلان کیا۔ اعلان کیا کہ " تلنگانہ ریاست کی تشکیل کا عمل شروع کیا جائے گا"۔ یہ اعلان کے چندر شیکھر راؤ کی صحت کی بگڑتی ہوئی حالت کی وجہ سے کیا گیا جس سے ریاست میں سیاسی استحکام، امن وامان کی صورتحال سنگین ہو سکتی تھی۔ تاہم، سیما آندھرا کی طرف سے اس اعلان پر ردعمل بالکل غیر متوقع ہے۔ سیما آندھرا کے علاقے سے تعلق رکھنے والے ایم ایل اے اور ایم پی نے احتجاجاً استعفیٰ دینا شروع کر دیا کیونکہ کہا جاتا ہے کہ جب رات دیر گئے اس کا اعلان کیا گیا تو انہیں اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ یہ بتانا ضروری ہے کہ TDPM.L.A.'s اور M.P's نے بھی اعلان کے خلاف استعفیٰ دے دیا۔ بتایا جاتا ہے کہ تقریباً 140 سے زائد ایم ایل اے اور ایم پیز نے استعفیٰ دے دیا۔ سیما آندھرا سے تعلق رکھنے والے مرکزی وزرا نے بھی مرکزی حکومت سے استعفیٰ دینے کا فیصلہ واپس نہ لینے کی دھمکی دی ہے۔ اس کے بعد، سیما آندھرا کے علاقے میں " سماکھیا آندھرا" کا مطالبہ کرنے والے مظاہروں کا ایک سلسلہ دیکھا گیا۔

کانگریس، ٹی ڈی پی اور پی آر پی سمیت تقریباً تمام سیاسی پارٹیاں ریاست کی تقسیم کی مخالفت کی۔ اس کے برعکس، تلنگانہ علاقہ

کی سیاسی جماعتوں نے تلنگانہ کے لیے علیحدہ ریاست کے حق میں اعلان کا تہہ دل سے خیر مقدم کیا۔ جیسے ہی سمیکھیا آندھرا ایجی ٹیشن سیما آندھرا خطہ میں بڑے پیمانے پر احتجاج کے ساتھ شدید ہو گیا، یو پی اے نے اپنے اتحادیوں کی ایک میٹنگ بلائی۔ اس میں این سی پی، ترنمول کانگریس اور ڈی ایم کے شامل تھے۔ ڈی ایم کے نے کہا کہ حکومت کو تلنگانہ ریاست کی تشکیل کا اعلان کرنے سے پہلے انہیں اعتماد میں لینا چاہئے تھا۔ اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ الگ ریاست کے لیے اسی طرح کے مطالبات ان کی آبائی ریاستوں میں بھی سامنے آئیں گے۔ 23 دسمبر 2009 کو وزیر داخلہ پی چدمبرم نے پھر ایک متضاد بیان کا اعلان کیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ "اس معاملے پر بڑی تعداد میں سیاسی جماعتیں تقسیم ہو گئی ہیں۔ ریاست کی تمام سیاسی جماعتوں اور گروپوں کے ساتھ وسیع پیمانے پر مشاورت کی جا سکتی ہے۔ مرکز تمام متعلقہ افراد کو اس عمل میں شامل کرنے کے لیے اقدامات کرے گا"۔ نظر ثانی شدہ اعلانات کے نتیجے میں تمام سیاسی جماعتوں بشمول ٹی آر ایس، بی جے پی، تلنگانہ علاقہ کے کانگریس ارکان، سابق پی آر پی ارکان اور سی پی آئی نے ایک جوائنٹ ایکشن کمیٹی (جے اے سی) تشکیل دی۔ JAC کو ایسوسی ایشنز، خواتین کی تنظیمیں، اور تمام تلنگانہ ایسوسی ایشنز، N.R.I کی حمایت حاصل تھی۔

جے اے سی (جسے TJAC بھی کہا جاتا ہے) میں سیاسی اور غیر سیاسی گروپ شامل تھے جنہوں نے ریاست تلنگانہ کی تشکیل کا مطالبہ کیا۔ پروفیسر کودنڈا رام ریڈی جے اے سی کے کنوینر کے طور پر ابھرے۔

سری کرشنا کمیٹی 2010 کی تقرری

حکومت ہند نے 3 فروری 2010 کو جسٹس سری کرشنا کی سربراہی میں ایک پانچ رکنی کمیٹی کا تقرر کیا تاکہ تلنگانہ کے مسئلے پر غور کیا جا سکے۔ کمیٹی نے ریاست کے تمام علاقوں کا بڑے پیمانے پر دورہ کیا اور علیحدہ ریاست سے متعلق تمام طبقات کی رائے لی۔ کمیٹی نے 6 دسمبر 2010 کو اپنی رپورٹ پیش کی۔ اس نے مسئلے کے چھ حل بتائے تھے۔

1. اس نے تلنگانہ علاقائی کونسل کے قیام کے ذریعہ تلنگانہ خطے کی سماجی و اقتصادی ترقی اور سیاسی بااختیار بنانے کے لیے مختلف آئینی اور قانونی اقدامات کے ساتھ متحدہ ریاست کو ترجیح دی۔
2. جمود کو برقرار رکھنا۔ ریاست آندھرا پردیش کو سیما آندھرا اور تلنگانہ کے علاقوں میں الگ کرنا جبکہ حیدرآباد کو مرکز کے زیر انتظام علاقہ میں تبدیل کرنا۔ آندھرا پردیش کو دو ریاستوں میں تقسیم کرنا۔ ایک رائل تلنگانہ اور دوسرا۔ ساحلی آندھرا پردیش۔
3. آندھرا پردیش کو سیما آندھرا اور تلنگانہ میں تقسیم کرنا اور حیدرآباد میٹرو پولیس کو ایک علیحدہ مرکز کے زیر انتظام علاقہ کے طور پر، اور،
4. ریاست کا تلنگانہ اور سیما آندھرا میں تقسیم موجودہ حدود کے مطابق حیدرآباد کے ساتھ تلنگانہ کا دارالحکومت اور سیما آندھرا کا نیا دارالحکومت ہونا۔

جسٹس سری کرشنا کمیٹی کی رپورٹ کو مختلف حلقوں سے تنقید کے ساتھ ساتھ سراہا گیا۔ تاہم، یہ ظاہر ہے کہ سری کرشنا کمیٹی کی

رپورٹوں پر مرکزی حکومت کو غور کرنا ہوگا اور مناسب فیصلہ کرنا ہوگا۔

مرکزی حکومت نے جسٹس سری کرشنا کمیٹی کی رپورٹوں پر تیزی سے کارروائی نہیں کی۔ لہذا، ناقدین نے تبصرہ کیا کہ سری کرشنا کمیٹی کی تشکیل صرف ایک "تاخیر کا حربہ" تھا۔ اس طرح علحدہ تلنگانہ کی تحریک نے مختلف سرگرمیوں کے ذریعے زور پکڑا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ملین مارچ اور عدم تعاون کی تحریک

a) عدم تعاون کی تحریک 17 فروری 2011 کو شروع ہوئی جو 16 دن تک جاری رہی۔ اس تحریک میں تین لاکھ سرکاری ملازمین نے حصہ لیا۔

b) ملین مارچ تحریک کا اہتمام تلنگانہ جے اے سی نے 10 مارچ 2011 کو حیدرآباد میں کیا تھا۔

بڑے پیمانے پر استعفے

اس تحریک نے تلنگانہ کے عوام کی طرف سے مختلف قسم کے احتجاج کا مشاہدہ کیا اور اس کے نتیجے میں M.L.A's اور M.P's اور تلنگانہ خطہ کے وزراء نے بڑے پیمانے پر استعفیٰ دے دیا۔

سکالا جنولا سمے

سکالا جنولا سمے (تمام لوگوں کی ہڑتال) تلنگانہ ایجی ٹیشن کی ایک بڑی خاص بات ہے۔ ان کی تحریک کی وجہ سے "تلنگانہ ریاست" کی حمایت کرنے والے تمام طبقات نے ہڑتال کی۔ سرکاری ملازمین کام سے باہر رہے۔ وکلاء نے عدالتوں کا بائیکاٹ کیا اور کئی دوسرے سرکاری ملازمین جیسے ٹیچنگ کمیونٹی، بجلی بورڈ وغیرہ نے شرکت کی۔ اس تحریک کی وجہ سے 'ریل روکو' اور سڑکوں کی ناکہ بندی ہوئی۔

دیگر احتجاج

تلنگانہ کے عوام نے علیحدہ تلنگانہ ریاست کے حصول کے لیے مختلف گاندھیائی طریقوں پر عمل کیا۔ انہوں نے ڈانڈی مارچ کی طرز پر حیدرآباد میں تلنگانہ مارچ کا انعقاد کیا۔ تلنگانہ کے عوام کا مقبول اور پیارا نعرہ یعنی "جے تلنگانہ" تلنگانہ کے علاقے کے کونے کونے میں گونج اٹھا اور لوگوں کو اس کے جواز کو جاری رکھنے کی ترغیب دی۔ علیحدہ ریاست کا مطالبہ حسین ساگر جھیل کے اطراف نیکلس روڈ پر پرامن احتجاج کیا گیا۔ یہ احتجاجی پروگرام "ساگر ہرم" کے نام سے مشہور تھا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبہ نے یونیورسٹی کیمپس میں کئی احتجاجی مظاہرے کیے، انھوں نے 'چلو اسمبلی' اور دیگر پرامن سرگرمیوں اور مظاہروں میں حصہ لیا۔ تحریک کی ایک مخصوص اور غیر معمولی خصوصیت یہ رہی کہ تلنگانہ کے لیے طلبہ کی خودکشی کے واقعات سامنے آئے۔ بتایا گیا کہ لگ بھگ 1000 طلبہ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو

بیٹھے۔اس کی بڑی وجہ تلنگانہ کی تشکیل میں غیر معمولی تاخیر تھی جس کے نتیجے میں طلبہ میں مایوسی اور افسردگی پیدا ہوئی۔

تلنگانہ تحریک نے کم از کم مرکزی حکومت کی توجہ مبذول کروائی۔آندھرا قائدین، یو پی اے سے تلنگانہ ریاست کے خلاف احتجاج کو جاری رکھنے کی ترغیب۔حکومت نے مسئلہ حل کرنے کا فیصلہ کیا۔مرکزی حکومت کی جانب سے علحدہ تلنگانہ ریاست کے قیام کے سلسلے میں مختلف اقدامات کئے گئے ہیں۔

آئینی عمل-اے پی ری آرگنائزیشن ایکٹ، 2014

پارلیمنٹ کو ہندوستانی آئین کے آرٹیکل 3 کے تحت مقرر کردہ ایک مخصوص طریقہ کار پر عمل کرتے ہوئے ایک نئی ریاست بنانے کا اختیار حاصل ہے۔مرکزی حکومت نے آئین کے آرٹیکل 3 کے ذریعہ تجویز کردہ مطلوبہ اقدامات پر عمل کیا۔ہندوستان کے صدر نے اے پی تنظیمِ جدید بل 2014 کو ریاستی مقنّنہ کو اس پر غور کرنے کے لیے بھیجا ہے۔اے پی ریاستی مقنّنہ نے بل کو مسترد کردیا۔ تاہم، پارلیمنٹ کو ریاستی مقنّنہ کی رائے کو قبول یا مسترد کرنے کا اختیار حاصل تھا۔آخر میں، صدر کی طرف سے بل پارلیمنٹ کو بھیجا گیا۔

راجیہ سبھا اور لوک سبھا دونوں نے بل کو منظور کیا اور صدر پرنب مکھرجی نے اے پی تنظیم جدید بل، 2014 پر دستخط کیے جو یکم مارچ 2014 کو ایک ایکٹ بن گیا۔اس کے ذریعے تلنگانہ ریاست 2 جون 2014 کو یونین آف انڈیا میں 29 ویں ریاست کے طور پر تشکیل دی گئی۔

مندرجہ سوالوں کے جواب دیجئے۔

1. ریاست تلنگانہ کے وجود میں آنے پر ایک مضمون لکھیں؟
2. .1948 میں ریاست حیدرآباد کی تشکیل پر بحث کریں؟
3. وشالندا تحریک پر ایک نوٹ لکھیں؟
4. فضل علی ریاستوں کی تنظیم نو کمیشن کی وضاحت کریں؟
5. تلنگانہ کی SRC کی سفارشات میں سے کسی دو کی وضاحت کریں؟
6. شریفانہ معاہدے کی وضاحت کریں؟
7. تلنگانہ پرجا سمیتی 1969 کے کردار کے بارے میں لکھیں؟
8. تلنگانہ تحریک میں دانشورانہ شراکت کے بارے میں لکھیں؟
9. سکالا جنولے سمے کے بارے میں لکھیں؟

10. چھ نکاتی فارمولے کی وضاحت کریں؟

10. ملکی قواعد سے آپ کی کیا مراد ہے؟

صحیح جواب کا انتخاب کیجئے:

1. ریاست آندھرا پردیش ____________ کو وجود میں آئی۔

یکم نومبر 1956 / 2 نومبر 1956 / یکم دسمبر 1956

2. ریاست آندھرا پردیش کے پہلے وزیر اعلی ____________

این سنجیوا ریڈی / بی رام کرشن راؤ / ماری چنا ریڈی

3. حیدر آباد پر پولیس کی کارروائی کس سال ____________

17 ستمبر 1948 / 15 اگست 1947 / 18 ستمبر 1948

فضل علی کمیشن کس سال مقرر کیا گیا؟

22 دسمبر 1953 / 18 اگست 1956 / 09 ستمبر 1954

4. حیدر آباد ریاست کے چیف منسٹر ____________

J.V. نرسنگھ راؤ / K.V. رنگا ریڈی / برگولا راما کرشنا راؤ

5. ____________ میں علیحدہ تلنگانہ ایجی ٹیشن

2011 / 1979 / 1969

6. ____________ نے تلنگانہ پرجا سمیتی تشکیل دی۔

ڈاکٹر این چنا ریڈی / جے وی نرسنگ راؤ / کے وی رنگا ریڈی

7. سری کرشنا کمیٹی کی تقرری کس سال ____________

03 فروری 2010 / 11 فروری 2012 / 05 مارچ 2013

8. ملین مارچ تحریک کس سال منعقد ہوئی ____________

10 مارچ 2011 / 15 مارچ 2013 / 10 اپریل 2014

9. تلنگانہ ریاست ____________ کو تشکیل دی گئی تھی۔

02 جون 2014 / 03 جولائی 2014 / 11 اگست 2014

10. اے پی ری آرگنائزیشن بل، 2014 جو ____________ پر ایک ایکٹ بن گیا

01 مارچ 2014 / 05 مارچ 2016 / 07 اپریل 2011

24

24۔ تلنگانہ تحریک' ریاست کی تشکیل(1953-2014)

TELANGANA MOVEMENT STATE FORMATION (1953-2014)

مقاصد:

1۔ تلنگانہ تحریک کی نمو اور علیحدہ ریاست کے لیے اس کی جدوجہد میں اس کے حدود کا مطالعہ کرنا۔

2۔ مطالعہ ریاست میں تلنگانہ تحریک کو خود مختار ریاست کے حصول کے لیے تلنگانہ کے عوام کی جدوجہد کے لحاظ سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔

3۔ مطالعہ سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ تلنگانہ کے عوام نے خود کو سیاسی فیصلہ کرنے والی ایک ایجنسی میں تبدیل کر لیا ہے۔

تعارف

اس باب میں ہمیں تلنگانہ تحریک کی ابتدا اور نمو کا جائزہ لینا چاہیے، جو بالآخر ایک علیحدہ ریاست تلنگانہ میں تبدیل ہوئی۔ اس تحریک میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے شاعروں، ادیبوں، گلوکاروں، فنکاروں، طلباء، وکلاء، صحافیوں، خواتین، ملازمین، ڈاکٹروں، سیول سوسائٹی کی تنظیموں، مختلف ذاتوں اور مذاہب کے لوگوں نے اہم کردار ادا کیا۔ مختلف وجود، نظریات اور عالمی نظریات کے باوجود؛ تلنگانہ کے عوام نے اشتراک کا مظاہرہ کیا ہے اور دہائیوں پرانی خواہش اور خواب کو پورا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تلنگانہ تحریک منفرد اور ممتاز ہے۔

ریاستوں کی تنظیم نو کمیشن (ایس آر سی):

ریاستی تنظیم نو کمیشن (ایس آر سی) حکومت ہند نے جسٹس فضل علی کی سربراہی میں قائم کیا تھا۔ کے ایم پنیکر اور ایچ این کنزرو ،کمیشن کے دیگر ارکان تھے۔ اس کمیشن نے ریاستوں کی تنظیم نو کے لیے رہنما خطوط وضع کرنے کے لیے اہم خدمات انجام دیں۔ کمیشن نے 22 ماہ میں 38,000 میل کا سفر کیا، 104 مقامات کا دورہ کیا اور 9,000 لوگوں کے انٹرویوز لیے۔ افراد اور تنظیموں نے کمیشن کو یادداشتیں اور قراردادیں پیش کیں۔ کمیشن کے ارکان نے سیاسی جماعتوں کے نمائندوں، بلدیاتی اداروں کے ممبران جیسے ڈسٹرکٹ بورڈز، میونسپلٹیز، اور سماجی کارکنوں، پریس کے نمائندوں، شاعروں اور ادیبوں سے بھی انفرادی طور پر ملاقات کی اور انکی رائے معلوم

کی۔کمیشن کو 1 لاکھ 52 ہزار 250 دستاویزات موصول ہوئیں۔اس نے ان کا تفصیلی مطالعہ کیا اور کچھ ضوابط بنائے: 1) ملک کی یکجہتی اور سلامتی کا تحفظ کیا جانا ہے 2) لسانی اور ثقافتی تحفظات 3) معاشی خود کفالت، اقتصادی ترقی؛ انتظامی سہولت 4) قومی پروگراموں کا کامیابی سے نفاذ۔کمیشن اس نتیجے پر پہنچا کہ ریاستوں کی تنظیم نو صرف زبان اور ثقافت کی بنیاد پر نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مطلوب ہے۔اس نے محسوس کیا کہ ان تحفظات کو انتظامی سہولت، معاشی خود کفالت، سیاسی استحکام وغیرہ پر فوقیت نہیں دینی چاہیے،اس نے یہ بھی واضح کیا کہ زبان اور ثقافت ریاستوں کی تنظیم نو کے لیے آزاد بنیاد نہیں ہوسکتی۔ملک کی ریاستوں کی تنظیم نو کے سوال کا جائزہ لینا درحقیقت تلنگانہ علاقہ کو اس وقت کی ریاست آندھرا میں ضم کرنے کے حق میں نہیں تھا۔

شریفانہ معاہدہ:

آندھرا قائدین کی طرف سے کئے گئے وعدوں اور تحفظات کی بنیاد پر، جی بی۔پنت نے 19 اور 20 فروری 1956 کو دہلی میں تلنگانہ اور آندھرا کے رہنماؤں کی ملاقات کا اہتمام کیا۔دونوں علاقوں کے رہنماؤں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا۔آندھرا اور تلنگانہ کے انضمام پر اتفاق کیا گیا۔اسے جینٹلمین ایگریمنٹ (شریفانہ معاہدہ) کہتے ہیں۔اس سے مراد تلنگانہ کو دیے جانے والے تحفظات ہیں۔کم از کم بالواسطہ طور پر یہ تو واضح ہوگیا کہ تلنگانہ دوسرے درجہ کا خطہ بننے جا رہا ہے اور اسے یقین دہانیوں کے ساتھ 'محفوظ' کیا جائے گا۔یہ 'حفاظتی اقدامات' آندھرا اسمبلی اور آندھرا کے قائدین کی جانب سے اس وقت تلنگانہ کے عوام کی مخالفت پر قابو پانے کے لیے پیش کردہ یقین دہانیوں کے سوا کچھ نہیں ہیں۔معاہدے میں شرائط کی خلاف ورزی پر کارروائی کے بارے میں بات نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی اس طرح کی خلاف ورزیوں کے حل کے بارے میں بات کی گئی ہے۔یہ تجویز پیش کی گئی کہ مربوط ریاست کا نام حیدرآباد ریاست رکھا جاسکتا ہے۔مری چنا ریڈی نے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے دعویٰ کیا کہ جی بی پنت نے اس تجویز کی مخالفت کی کیونکہ نظام نے اقوام متحدہ میں ایک مقدمہ دائر کیا تھا جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ ہندوستان نے ریاست حیدرآباد پر قبضہ کرلیا ہے۔کہا جاتا ہے کہ آندھرا قائدین نے مربوط ریاست کا نام 'آندھرا تلنگانہ' رکھنے کی مخالفت کی کیونکہ وہ لفظ تلنگانہ کے استعمال کے خلاف تھے۔آخر میں، متحدہ ریاست کا نام آندھرا پردیش رکھا گیا کیونکہ کانگریس کے مرکزی قائدین کا تعلق شمال سے تھا۔20 فروری 1956 کو اس جنٹلمینس ایگریمنٹ میں تلنگانہ کے علاقہ سے کیے گئے وعدے حسب ذیل تھے۔

1۔ ریاست کے مرکزی اور عمومی انتظامیہ کے اخراجات دونوں خطوں کے تناسب سے برداشت کیے جائیں اور تلنگانہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کا توازن تلنگانہ کے علاقہ کی ترقی پر خرچ کے لیے مختص کیا جائے۔
2۔ تلنگانہ میں امتناع کو اس طریقے سے نافذ کیا جانا چاہئے جس پر تلنگانہ کے ممبران اسمبلی نے فیصلہ کیا ہے۔
3۔ تلنگانہ میں موجودہ تعلیمی سہولیات کو تلنگانہ کے طلباء کو محفوظ بنایا جائے اور مزید بہتر بنایا جائے۔تلنگانہ کے علاقہ میں تکنیکی اداروں سمیت کالجوں میں داخلہ تلنگانہ کے طلباء تک محدود ہونا چاہئے یا بعد میں تمام ریاستوں کے کل داخلوں کے ایک تہائی تک داخلہ ہونا چاہئے جو بھی کورس تلنگانہ کے طلباء کے لئے فائدہ مند ہو۔
4۔ اگر انضمام کی وجہ سے ناگزیر ہوجائے تو خدمات کی تخفیف دونوں خطوں سے متناسب ہونی چاہیے۔

5۔ خدمات میں مستقبل میں بھرتی دونوں علاقوں کی آبادی کی بنیاد پر ہوگی۔

6۔ اس وقت تلنگانہ میں موجودہ انتظامی اور عدالتی ڈھانچہ میں اردو کا موقف پانچ سال تک برقرار رہ سکتا ہے جب علاقائی کونسل اس موقف کا جائزہ لے سکتی ہے۔ جہاں تک (جہاں تک) خدمات میں بھرتی کا تعلق ہے، بھرتی کے وقت تلگو زبان کے علم پر اصرار نہیں کیا جانا چاہئے بلکہ امیدواروں کو تقرری کے بعد دو سال میں ایک مقررہ تلگو ٹیسٹ پاس کرنا ہوگا۔

7۔ کچھ مقامی نوعیت کے قوانین جیسے تلنگانہ کے علاقہ کے لیے خدمات کی بھرتی کے لیے مقررہ تناسب کو یقینی بنانے کے لیے 12 سال کے لیے رہائش فراہم کی جانی چاہیے۔

8۔ تلنگانہ کے علاقہ میں زرعی زمینوں کی فروخت (کو) علاقائی کونسل کے ذریعے کنٹرول کیا جائے گا۔

9۔ تلنگانہ کے علاقہ کے لیے ایک علاقائی کونسل قائم کی جائے گی تا کہ اس کی ضروریات کے مطابق اس کی ہمہ گیر ترقی کو محفوظ بنایا جا سکے۔

10۔ علاقائی کونسل مندرجہ ذیل 20 اراکین پر مشتمل ہوگی: تلنگانہ کے ہر ضلع کی نمائندگی کرنے والے اسمبلی کے نو اراکین کو تلنگانہ کے اضلاع کے اسمبلی اراکین الگ الگ منتخب کریں گے، چھ اراکین اسمبلی یا پارلیمنٹ تلنگانہ اسمبلی کے نمائندوں کے ذریعہ منتخب کریں گے۔ اسمبلی کے باہر سے پانچ ارکان کو تلنگانہ کے ارکان اسمبلی منتخب کریں گے۔ تلنگانہ علاقہ کے تمام وزراء (اس کے) رکن ہوں گے۔

11۔ (1) علاقائی کونسل ایک قانونی ادارہ ہوگا جو مذکورہ بالا معاملات اور منصوبہ بندی اور ترقی، آبپاشی اور دیگر منصوبوں، عام منصوبے کے اندر صنعتی ترقی اور خدمات میں بھرتی سے متعلق معاملات سے نمٹنے اور فیصلہ کرنے کا بااختیار ہوگا۔ تلنگانہ کا علاقہ۔ اگر علاقائی کونسل اور ریاستی حکومت کے خیالات میں اختلاف ہے تو حتمی فیصلے کے لیے حکومت ہند کو حوالہ دیا جاسکتا ہے۔

2) جب تک کہ پہلے معاہدے کے ذریعے نظر ثانی نہ کی جائے، اس انتظام کا 10 سال کے اختتام پر جائزہ لیا جائے گا۔

12۔ کابینہ آندھرا اور تلنگانہ کے لیے بالترتیب 60 تا 40 فیصد کے تناسب سے اراکین پر مشتمل ہوگی۔ تلنگانہ کے 40 فیصد وزراء میں سے ایک تلنگانہ کا مسلمان ہوگا۔

13۔ اگر چیف منسٹر آندھرا سے ہے تو ڈپٹی چیف منسٹر تلنگانہ سے ہوگا اور اس کے برعکس۔ درج ذیل محکموں میں سے دو تلنگانہ کے وزراء کو تفویض کیے جائیں گے۔ (الف) داخلہ؛ (ب) فنانس؛ (ج) محصول؛ (د) منصوبہ بندی اور ترقی؛ اور (ر) تجارت و صنعت۔

14۔ 1972 تک تلنگانہ میں پردیش کانگریس کمیٹی ہونی چاہیے۔

شریفانہ معاہدے میں بیان کردہ انتظامات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے، مرکزی حکومت نے ساتویں آئینی ترمیمی قانون 1956 کو پیش کیا جس کے تحت سابقہ دفعہ 371 میں ترمیم کی گئی تھی تا کہ صدر جمہوریہ کو تلنگانہ کے علاقہ کے لیے ایک علاقائی کمیٹی کی تشکیل کی اجازت دے سکے۔ اس کے تحت تلنگانہ ریجنل کونسل کو تحفظات کے نفاذ کے معاملے میں تلنگانہ کے عوام کے لیے ایک نگران کار رہنا تھا۔

آندھراپردیش ریاست یکم نومبر 1956 کو وجود میں آئی۔

تلگو بولنے والی ریاست آندھراپردیش 1956 میں لسانی بنیادوں پر قائم کی گئی تھی ،جسٹس فضل علی کی سربراہی میں ریاستوں کی تنظیم نو کمیشن کی سفارشات کے بعد۔اس نے تلنگانہ کے تین خطوں، ساحلی آندھرا اور رائلسیما کو متحد کیا، جن میں سے ہر ایک مختلف تاریخی پس منظر رکھتا تھا: تلنگانہ کا خطہ سابقہ نظام کی حیدرآباد ریاست کا حصہ تھا، جب کہ بعد کے دو علاقہ برطانوی حکومت والی مدراس پریذیڈنسی کا حصہ بنے۔یہ تاریخی پس منظر ترقی کی سیاسی معیشت اوران خطوں میں سے ہر ایک میں سماجی اور سیاسی عمل کی رفتار کو سمجھنے کے لیے بہت اہم ہے۔مزید یہ کہ، یہ تاریخی اختلافات جدید آندھراپردیش میں سماجی وسیاسی عمل کا اشارہ کرتے رہتے ہیں۔سماجی طاقتوں کا اثر، ذات پات کی حرکیات، سماجی تحریکوں کی نوعیت، سماجی متحرک ہونے کے طریقہ وغیرہ۔

عوامی روزگار قانون 1957:

پارلیمنٹ نے 1957 میں عوامی روزگار قانون منظور کیا (رہائش کے لیے ضرورت)، جس میں تلنگانہ کے علاقہ میں ملازمت کے لیے 15 سال کی رہائشی اہلیت کا تعین کیا گیا ہے۔10 سال کے بعد قانون کی تجدید کا انتظام تھا، لیکن بعد میں تجدید 1967 میں نہیں ہوئی تھی۔اس کے نتیجے میں، ملکی قوانین، جو نظام کی ریاست میں ملازمت کے لیے رہائشی اہلیت کا تعین کرتے تھے، بے کار ہو گئے۔

اس کے نتیجے میں تلنگانہ کے زیادہ تر مقامی لوگ سرکاری ملازمتوں سے باہر ہو گئے۔انہوں نے ملک کے قوانین کے نفاذ کا مطالبہ شروع کر دیا۔اس نے آہستہ آہستہ علیحدہ ریاست کا مطالبہ شروع کر دیا، جسے 1969 کے تلنگانہ ایجی ٹیشن کے نام سے جانا جاتا تھا۔

1969 تلنگانہ تحریک:

1969 کی تلنگانہ تحریک اچانک بھڑکنے والی نہیں تھی۔آزاد ہندوستان کی تاریخ میں اس کی جڑیں برسوں پہلے دیکھی جا سکتی ہیں۔تلنگانہ کی ماتحت سیاسی اشرافیہ خطے کے ان بڑھتے ہوئے مفادات اور خدشات کی نمائندگی کرنے کے موقف میں نہیں تھے۔اس کے نتیجے میں 1969 میں علیحدہ تلنگانہ ایجی ٹیشن ہوا۔یہ آزادی کے بعد سے پورے ملک میں سب سے طویل اور وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی تحریکوں میں سے ایک ہے۔مائرون ویز نے اسے مضبوط 'مٹی کے سپوت' تحریکوں میں سے ایک کے طور پر بیان کیا جس نے علاقائی امتیاز کے پیش نظر دلیری کے ساتھ ترجیحی سلوک کا مطالبہ کیا۔

تلنگانہ کے ملازمین ناخوش تھے کیونکہ پندرہ سال گزرنے کے بعد بھی سرکاری ملازمین کی کوئی مشترکہ سنیارٹی لسٹ تیار نہیں کی گئی اور عدم مساوات اور بددیانتی کے الزامات سامنے آئے۔اس طرح لسانی اور ثقافتی یکسانیت ریاست کے لوگوں کو متحد کرنے میں ناکام رہی۔اس مخصوص وقت پر جن مخصوص وجوہات نے احتجاج کو جنم دیا وہ آندھراپردیش ہائی کورٹ کا ایک فیصلہ تھا جس نے 1959 کے عوامی روزگار قانون کی کچھ دفعات کو ختم کر دیا جس نے مقامی لوگوں کو ریاستی برقی بورڈ جیسے خودمختار اداروں سمیت تمام عوامی خدمات میں 1:2 کے تناسب سے تحفظ فراہم کیا تھا۔

عدالت نے اپنے فیصلے میں کہا کہ ریاستی برقی بورڈ جیسے خودمختار ادارے تلنگانہ کے لوگوں کے لیے عہدوں کے تحفظات سے

متعلق حکومت کے وضع کردہ قواعد کے دائرے سے باہر ہیں۔ یہ فیصلہ کتہ گوڑم تھرمل پلانٹ کے کچھ آندھرا ملازمین کی طرف سے دائر کی گئی رٹ درخواستوں کے سلسلے میں تھا جس میں تمام غیر تلنگانہ ملازمین کو تبدیل کرنے کے لیے برطرفی کے نوٹس جاری کیے گئے تھے۔ اس کے نتیجے میں تلنگانہ کے ملازمین میں ان کے روزگار کے مواقع کے بارے میں تشویش پیدا ہوگئی، باوجود اس کے کہ ریاستی حکومت کی جانب سے 'ملکی' قوانین میں مزید پانچ سال کے لیے مزید اور حتمی توسیع کی سفارش کی گئی تھی۔ مربوط سنیارٹی اور ترقی کی فہرستوں کی تیاری میں غیر معمولی تاخیر اور بے ضابطگیوں نے بھی عدم اطمینان کو بڑھاوا دیا۔

ہائی کورٹ کے فیصلے کے نتیجے میں ضلع کھمم کے طلباء نے ریاستی برقی بورڈ جیسے خودمختار اداروں سمیت تمام عوامی خدمات میں 1:2 تناسب کے نفاذ کے لیے تحریک شروع کی۔ انہوں نے جنٹلمین معاہدے کے تحت فراہم کردہ حفاظتی اقدامات کی مدت میں توسیع کا بھی مطالبہ کیا جو مئی 1969 تک ختم ہونا تھا۔ کھمم میں شروع ہونے والے احتجاج کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی کے طلبہ قائدین کے ایک گروپ نے ہائی کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں تلنگانہ کے مسئلہ پر تبادلہ خیال کرنے کے لیے علاقہ کے چند ممتاز سیاسی قائدین جیسے جے چوکا راؤ، اس وقت کے تلنگانہ علاقائی کمیٹی کے چیئرمین وی بی راجو اور چند قانون سازوں سے ملاقات کی۔ لیکن علاقے کے سیاست دانوں نے اس کا مثبت جواب نہیں دیا۔

طلبہ لیڈروں نے مسائل اٹھائے اور ان کے مطالبات کو سنجیدگی سے نہیں لیا۔ اس کے بعد 12 جنوری کو صبح 10 بجے عثمانیہ یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کی جنرل باڈی میٹنگ نظام کالج کے احاطے میں تلنگانہ کے مسئلہ پر بات چیت کی طلب کی گئی۔

احتجاجیوں نے 'تلنگانہ رکھشنا سمیتی' قائم کی جس میں ترقیاتی سرگرمیوں کے لیے سیکڑوں کروڑ خرچ کرنے، پوچم پاڈ پراجکٹ کی اہمیت، تلنگانہ میں صنعتی ترقی، جعلی ملکی سرٹیفکیٹس کے ساتھ کام کرنے والے ملازمین کو واپس بھیجنے کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ تحریک تیزی سے تلنگانہ کے دیگر حصوں بالخصوص عثمانیہ یونیورسٹی میں پھیل گئی۔ طلباء کے جنرل باڈی اجلاس میں 15 جنوری سے احتجاج کو تیز کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ انہوں نے تلنگانہ کے نو وزراء اور ایم ایل ایز کے استعفیٰ کا مطالبہ کرتے ہوئے ایک قرارداد پاس کی۔ ایک طرف رویندر ناتھ کا غیر معینہ مدت کی بھوک ہڑتال جاری تھی۔ ان کے ساتھ نو سالہ بچی انورادھا نے بھی غیر معینہ مدت کی بھوک ہرتال میں حصہ لیا۔ 13 جنوری کو طلبہ کی ایکشن کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس نے تحفظ کی تدابیر کو لاگو کرنے کا مطالبہ کیا اور علیحدہ تلنگانہ کے لیے احتجاج جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ حیدرآباد میں 13 جنوری کو شہریوں کا اجلاس منعقد کیا گیا اور تلنگانہ پروٹیکشن کمیٹی قائم کی گئی۔ طلبہ کے تحفظ کے لیے ایک کمیٹی اور 'علیحدہ ریاست' کے لیے ایک کمیٹی قائم کی گئی۔ تحریک تیز ہوگئی۔ علیحدگی پسند اکثریت میں تھے۔ 15 جنوری کو تمام طبقات کے لوگوں نے احتجاج میں شرکت کی۔ یہ ایک بڑی کامیابی تھی۔

احتجاج کرنے والے ملازمین بھی اس نتیجے پر پہنچے کہ علیحدہ تلنگانہ ہی واحد راستہ ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہائی کورٹ میں ان کی درخواست جس میں جنٹلمینس معاہدے پر عمل درآمد کا مطالبہ کیا گیا تھا' مسترد ہوگئی تھی۔ رویندر ناتھ کی صحت بگڑتی جارہی تھی، جلگام وینگل راؤ نے حکومت سے فوری اقدامات کرنے کا مطالبہ کیا۔ 18 جنوری کو مشتعل افراد پر لاٹھی چارج اور آنسو گیس پھینکی گئی۔

تلنگانہ ملازمین نے حیدرآباد میں میٹنگ کی، تقریباً 6000 غیر مقامی ملازمین کو واپس بھیجنے کا مطالبہ کیا اور دھمکی دی کہ بصورت دیگر راست اقدام کیا جائے گا۔ اپوزیشن پارٹیاں جیسے سمیوکت سوشلسٹ پارٹی، دوکمیونسٹ پارٹیاں؛ مجلس اور جن سنگھ نے ایک

بیان میں چیف منسٹر سے مداخلت کرنے اور غصے کو ٹھنڈا کرنے کو کی خواہش کی اور ساتھ ہی انتباہ دیا کہ انہیں بھی طلباء میں شامل ہونا پڑے گا۔

کل جماعتی معاہدہ:

حکومت نے 19 جنوری 1969 کو ایک کل جماعتی اجلاس طلب کیا۔حکومت نے کل جماعتی اجلاس میں اعتراف کیا کہ اس کی طرف سے کچھ کوتاہیاں تھیں۔اس نے تیقن دیا کہ وہ ملازمین جو تلنگانہ کے لوگوں کے لئے مخصوص عہدوں پر راست یا بالواسطہ تعینات کئے گئے ہیں یا جو ترقی یا تبادلہ پر آئے ہیں انہیں فوری طور پر واپس بھیج دیا جائے گا۔اس نے وعدہ کیا کہ ان عہدوں کو تلنگانہ کے لوگوں سے پُر کیا جائے گا۔اپوزیشن جماعتوں نے ہائی کورٹ کے برقی بورڈ کے فیصلے کو سپریم کورٹ میں چیلنج کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ حکومت نے وعدہ کیا کہ تلنگانہ کے اضافی فنڈز کا حساب کتاب کیا جائے گا اور اسے صرف تلنگانہ کی ترقی کے لیے خرچ کیا جائے گا اور تلنگانہ کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونے دی جائے گی۔اس وعدے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جی او ایم ایس نمبر 36 جاری کیا گیا۔

معاہدے کی شرائط تلنگانہ میں اعتدال پسندوں کو مطمئن کرنے اور ایجی ٹیشن کو عوامی تحریک بننے سے روکنے کے لیے کافی منصفانہ تھیں۔ریاستی حکومت نے تلنگانہ سے غیر مقامی عوامی ملازمین کے تبادلے کے احکامات جاری کئے ہیں۔ریاستی حکومت کی طرف سے کوشش مخلصانہ دکھائی دیتی ہے۔خطے میں عارضی طور پر امن بحال ہوگیا کیونکہ طلباء نے دو دن بعد اپنا احتجاج ختم کر دیا۔توقعات کے برعکس، تلنگانہ علاقہ سے آندھرا کے تبادلے شدہ ملازمین کی آمد پر طلباء اور سرکاری ملازمین کے ذریعہ آندھرا کے علاقہ میں ایک جوابی تحریک شروع کردی گئی۔اس کے نتیجے میں تلنگانہ میں بدامنی کا احیاء ہوا۔احتجاج اور جوابی مظاہروں کے نتیجے میں دونوں خطوں میں حالات اتنے کشیدہ ہوگئے کہ امن وامان کی بحالی کے لیے فوج کو تعینات کرنا پڑا۔

علیحدہ تلنگانہ کی تحریک تیز ہوگئی۔24 جنوری کو سداشیوا پیٹ میں پولیس فائرنگ ہوئی تھی۔پولیس کی فائرنگ میں زخمی ہونے والے شنکر نے بعد میں دم توڑ دیا۔وہ 17 سال کے تھے۔وہ علیحدہ تلنگانہ ایجی ٹیشن کے پہلے شہید ہیں۔تلنگانہ ویموچانوادیا سمیتی نے 28 جنوری کو کالوجی نارائن راؤ کی صدارت میں ایک کنونشن منعقد کیا۔قراردادیں منظور کی گئیں جس میں وزیراعلیٰ کے استعفیٰ اور صدر راج نافذ کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔28 فروری کو دانشوروں اور نوجوانوں نے 'تلنگانہ پرجا سمیتی' کا قیام عمل میں لایا۔اس کا کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔وکلاء، ڈاکٹروں، اساتذہ اور صحافیوں نے مل کر یہ تنظیم بنائی۔سدی پیٹ کے نوجوان وکیل مدن موہن کو تلنگانہ پرجا سمیتی کا صدر مقرر کیا گیا۔1952 کی غیرملکی تحریک اور 1969 کی علیحدہ تلنگانہ تحریک سیاسی قائدین کی شمولیت کے بغیر شروع ہوئی۔سیاسی رہنما کچھ عرصے بعد تحریک میں داخل ہوئے۔قانون ساز 'حفاظتی اقدامات' کے نفاذ کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ تلنگانہ سے تعلق رکھنے والے باون ایم ایل ایز نے حکومت کو نوٹس دیا کہ اگر 15 مارچ تک حفاظتی اقدامات پر عمل درآمد نہیں کیا گیا تو وہ عدم تعاون کا سہارا لیں گے۔اس دوران سپریم کورٹ کے حکم امتناعی کے نتیجے میں تحریک نے مزید زور پکڑا۔

سپریم کورٹ نے 29 مارچ کو ملکی قوانین کے خلاف فیصلہ سنایا۔اس نے جی او 36 کو بھی مسترد کر دیا جس کا مقصد آندھرا ملازمین کو واپس بھیجنا تھا۔اس کے ساتھ ہی تحریک شدید برہمی اور جذبات کے ساتھ آگے بڑھی۔ایک کابینی وزیر کونڈا لکشمن باپو جی نے

تجویز پیش کی کہ میگھالیہ کو دیے گئے درجہ کے خطوط پر علاقائی حیثیت بھی دی جائے۔تاہم، چونکہ کانگریس ہائی کمان نے اس تجویز کو قبول نہیں کیا، باپو جی نے اعلان کیا کہ علیحدہ تلنگانہ کی تشکیل کے علاوہ کوئی حل نہیں ہے۔

آٹھ نکاتی فارمولہ:

پر جوش تحریک کو ٹھنڈا کرنے کے لیے وزیر اعظم اندرا گاندھی نے 11 اپریل 1969 کو پارلیمنٹ میں آٹھ نکاتی فارمولے کا اعلان کیا۔انہوں نے کہا کہ یہ تلنگانہ علاقہ کے مسائل کو حل کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔منصوبے کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

1) تلنگانہ کے فاضل مالیہ کا تعین کرنے کے لیے ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی قائم کی جائے گی۔یہ کمیٹی ایک ماہ میں اپنی رپورٹ پیش کرے گی۔

2) تلنگانہ کے لیے کافی فنڈز فراہم کرنا تاکہ فاضل رقم کو آندھرا کے علاقے میں منتقل کرنے سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کیا جا سکے۔

3) چیف منسٹر کی صدارت میں منصوبہ بندی کمیشن کے نمائندوں اور تلنگانہ کے وزراء کے ساتھ تلنگانہ ترقیاتی کمیٹی کا قیام۔یہ کمیٹی تلنگانہ کی ترقی کے منصوبے تیار کرے گی۔

4) منصوبہ بندی کمیشن کے مشیر کی قیادت میں منصوبہ پر عمل درآمد کمیٹی کا قیام۔مرکزی وزارت داخلہ اور وزارت خزانہ کے نمائندے اس کے رکن ہوں گے اور پراجکٹس کے نفاذ کی نگرانی کریں گے۔

5) تلنگانہ علاقائی ترقیاتی کونسل اور عہدیداروں کو مزید اختیارات۔

6) تلنگانہ سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ملازمتیں دینے کے لیے دستوری مدد فراہم کرنا۔

7) یونین پبلک سروس کمیشن کی نگرانی میں سرکاری ملازمین کی شکایات کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیٹی کا قیام۔

8) چونکہ تلنگانہ کی ترقی کے لیے مسلسل کوششیں کی جارہی ہیں، اس لیے ہر چھ ماہ بعد وزیر اعظم کی موجودگی میں ایک اجلاس منعقد کیا جانا چاہیے۔

ان کا جائزہ لینے کے اقدام کے طور پر، وزیر اعظم نے دو کمیٹیوں کا اعلان کیا: ایک کمیٹی سابق جسٹس کے این وانچو کی قیادت میں تلنگانہ کے لوگوں کے لیے روزگار کی سہولیات کے سلسلے میں تحفظات کو یقینی بنانے کے اقدامات کا فیصلہ کرنے۔تلنگانہ کی فاضل آمدنی پر غور کرنے کے لیے جسٹس بھارگو کی قیادت میں ایک کمیٹی۔

وزیر اعظم کے اعلان کردہ آٹھ نکاتی فارمولے سے کسی کو تسلی نہیں ہوئی۔لوگوں کا مرکزی اور ریاستی حکومتوں پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔15 اپریل کو تلنگانہ یوم جدوجہد منایا گیا جیسا کہ پہلے طے کیا گیا تھا۔سرکاری ملازمین نے غیر معینہ مدت کی ہڑتال شروع کر دی۔تمام اضلاع میں مظاہرین اور پولیس کے درمیان شدید جھڑپیں ہوئیں۔

اس تحریک کو اب تک طلباء اور نوجوانوں کی قیادت میں سیاسی رہنماؤں کی حمایت حاصل ہونا شروع ہوگئی۔کونڈا لکشمن باپو جی نے تلنگانہ کانگریس کمیٹی قائم کی۔ڈاکٹر ایم چنا ریڈی نے معاملہ سنگین ہونے کے بعد ہی تحریک میں شمولیت اختیار کی۔انہوں نے 21

اپریل کوتحریک کی حمایت کرتے ہوئے ایک بیان جاری کیا۔ایک ماہ کے بعد 21 مئی کو وہ تلنگانہ پرجا سمیتی کا صدر منتخب ہوئے۔اس سے تحریک میں پھوٹ پڑ گئی کیونکہ طلباء نے ان کے خلوص پر یقین نہیں کیا جس کی قیادت میں ایک متوازی پرجا سمیتی سریدھر ریڈی کی سربراہی میں تشکیل دی گئی۔سریدھر ریڈی کی بہت سے سیاست دانوں نے پرجا سمیتی کی حمایت کی۔

چنا ریڈی کے تحریک میں داخل ہونے سے بہت پہلے 'ڈیمانڈ ڈے' منایا گیا جسے ایک اہم واقعہ سمجھا جاتا تھا۔تلنگانہ پرجا سمیتی نے یوم مئی کو یوم مطالبات کے طور پر منانے کا مطالبہ کیا۔چارمینار سے راج بھون تک ریلی نکالنے اور گورنر کو میمورنڈم پیش کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔لیکن پولیس نے اس ریلی کی اجازت نہیں دی۔تاہم، سیکڑوں مرد اور خواتین چارمینار کے قریب ایک مندر میں کسی رسم کے نام پر ناریل اور پھول لے کر جمع ہوئے۔چارمینار کا علاقہ جئے تلنگانہ کے نعروں سے گونج اٹھا۔حیدرآباد اور سکندرآباد کی تمام سڑکیں تلنگانہ کے نعروں سے گونج اٹھیں۔لوگوں نے جہاں سے ممکن تھا جلوس نکالے۔پولیس نے اندھا دھند فائرنگ کی۔فائرنگ میں سینکڑوں زخمی اور کم از کم 20 ہلاک ہو گئے۔

ہڑتالوں، ریلیوں، بند اور لاٹھی چارج سے پورا تلنگانہ افراتفری کا شکار تھا۔کرفیو روزمرہ کا معاملہ بن گیا۔خیال کیا جاتا ہے کہ 1969 کی علحدہ تلنگانہ تحریک کے دوران 369 لوگ مارے گئے تھے۔اور بھی بہت سے ایسے شہید ہو سکتے ہیں جو سرکاری ریکارڈ میں درج نہیں ہوئے ہیں۔زخمیوں کی تعداد محض اندازہ ہے۔اس سے قبل فرانس، ارجنٹائن اور پاکستان میں طلبہ کی تحریکوں نے دنیا کی توجہ مبذول کرائی تھی۔لیکن پریس نے تبصرہ کیا کہ اس طرح کی تحریکیں طلباء کی قیادت والی جئے تلنگانہ تحریک کے مقابلے میں کوئی مماثلت نہیں رکھتیں۔بھارتیہ کرانتی دل نے کہا کہ قومی تحریک کے بعد یہ سب سے بڑی تحریک ہے۔صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین کے انتقال کے ساتھ ہی تلنگانہ پرجا سمیتی نے احتجاج میں وقفہ کیا۔بعد میں یہ دوبارہ اٹھا۔تلنگانہ پرجا سمیتی کو چنا ریڈی جیسے سیاست دانوں نے ایک سیاسی پارٹی میں تبدیل کر دیا اور یہ دلیل دی کہ علیحدہ تلنگانہ صرف سیاسی قوتوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔اس پارٹی نے 1971 کے لوک سبھا انتخابات میں حصہ لیا اور تلنگانہ میں 14 میں سے 10 سیٹیں جیتیں۔ان انتخابات میں اندرا گاندھی کا اثر وسیع تھا۔1971 میں بنگلہ دیش کی فتح اور آزادی کے لیے انہیں سراہا گیا۔تاہم، تلنگانہ پرجا سمیتی اس لہر کے خلاف جا کر لوک سبھا کی 10 سیٹیں جیت سکی۔

آٹھ نکاتی پروگرام تلنگانہ کے عوام کو مطمئن نہیں کر سکا اور تحریک مزید تیز ہو گئی۔اس دوران لوک سبھا کے انتخابات ہوئے جس میں تلنگانہ پرجا سمیتی نے تلنگانہ کی 14 میں سے 10 سیٹوں پر کامیابی حاصل کی۔عوام کے فیصلے کا احترام کیے بغیر عوام پر ایک اور منصوبہ مسلط کر دیا گیا۔ملکی قوانین کی بحالی کے لیے پانچ نکاتی پروگرام لایا گیا۔اگرچہ تحریری طور پر نہیں لیکن وزیراعظم نے زبانی طور پر کچھ اور یقین دہانیاں کرائی تھیں۔ڈاکٹر ایم چنا ریڈی نے اس پروگرام سے راضی ہو کر تلنگانہ پرجا سمیتی کو 18 ستمبر 1971 کو کانگریس میں ضم کر دیا۔

"فارمولہ کی قبولیت کا احساس اس وقت ہوا جب برہمانند ریڈی چیف منسٹر کے عہدے سے سبکدوش ہو گئے اور تلنگانہ علاقہ سے پی وی نرسمہا راؤ کو اس عہدے پر لایا گیا تاکہ تلنگانہ کے عوام کے احساسات کو مطمعن کیا جا سکے۔"

ہائی کورٹ کے مکمل بنچ نے جی او 36 کے خلاف ایک رٹ درخواست کی سماعت کرتے ہوئے 14 فروری 1972 کو فیصلہ دیا کہ ملکی قوانین لاگو نہیں ہوتے۔ریاستی حکومت نے اس فیصلے کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا تھا۔سپریم کورٹ نے 16 اکتوبر 1972 کو ملکی

قوانین کے آئینی جواز کو برقرار رکھتے ہوئے ایک تاریخی فیصلہ سنایا۔ اس فیصلے نے تلنگانہ کے عوام کو انصاف کا موقع فراہم کیا۔

علیحدہ آندھرا ریاست تحریک

تاہم، آندھرا خطہ کے لوگوں نے اصرار کیا کہ، تلنگانہ کے لئے یقین دہانیاں اور دیگر شرائط صرف ایسی صورت حال ہی قابل قبول ہے جہاں ملکی قوانین نہ ہوں۔ انہوں نے 'جئے آندھرا' تحریک شروع کی، جس کی تلنگانہ کے عوام نے حمایت کی۔ پی وی نرسمہا راؤ کو 18 جنوری 1973 کو استعفیٰ دینا پڑا۔ متبادل حکومت کی تشکیل ممکن نہ ہونے کی وجہ سے صدر راج نافذ کر دیا گیا۔

ملکی قوانین پر ہائی کورٹ کے فیصلے میں کہا گیا ہے کہ نہ صرف اس خطے میں پیدا ہونے والے لوگ ملکی ہیں بلکہ دوسرے علاقوں سے آنے والے بھی ملکی ہیں۔ 12 جولائی 1973 کو ایک اور فیصلے میں، عدالت نے کہا کہ ملکی قوانین صرف ملازمتوں پر بھرتیوں کے لیے لاگو ہوں گے لیکن ترقیوں، سنیارٹی، تبدیلی اور تخفیف کے لیے نہیں، جئے آندھرا تحریک کا بنیادی مقصد تلنگانہ کے تحفظات کو ختم کرنا تھا۔

چھ نکاتی فارمولہ:

اس کے نتیجے میں وزیر اعظم نے 21 ستمبر 1973 کو چھ نکاتی فارمولے کا اعلان کیا۔ فارمولے کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

1۔ ریاستی سطح پر منصوبہ بندی بورڈ کے ساتھ ساتھ مختلف پسماندہ علاقوں کے لیے ذیلی کمیٹیوں کی تشکیل اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے موزوں آلہ ہونا چاہیے۔

2۔ ریاست بھر میں یکساں انتظامات کا ادارہ تاکہ تعلیمی اداروں میں داخلے کے معاملے میں مقامی امیدواروں کو مناسب ترجیح دی جا سکے، اور موجودہ تعلیمی سہولیات کو بڑھانے کے لیے حیدرآباد میں ایک نئی مرکزی یونیورسٹی کا قیام ریاست کی تعلیمی پالیسی کی بنیاد ہونا چاہیے۔

3۔ مجموعی طور پر ریاست کی ضروریات کے تابع، مقامی امیدواروں کو براہ راست بھرتی کے معاملے میں مخصوص حد تک ترجیح دی جانی چاہیے۔

4۔ تقررات، سنیارٹی، ترقی اور دیگر متعلقہ معاملات سے متعلق خدمات کی شکایات کو نمٹانے کے لیے ایک اعلیٰ اختیاراتی انتظامی ٹریبونل تشکیل دیا جائے۔ ٹریبونل کے فیصلے عام طور پر ریاستی حکومت پر پابند ہونے چاہئیں۔ ایسے ٹریبونل کا آئین ایسے معاملات میں عدلیہ سے رجوع کرنے کی حدود کا جواز فراہم کرے گا۔

5۔ مندرجہ بالا اصولوں پر مبنی اقدامات کے نفاذ سے قانونی چارہ جوئی اور اس کے نتیجے میں غیر یقینی صورتحال پیدا نہ ہونے کے لیے، آئین میں اس حد تک مناسب ترمیم کی جانی چاہیے جو صدر کو اس حوالے سے اختیارات فراہم کرنے کے لیے ضروری ہے۔

6۔ مندرجہ بالا نقطہ نظر ملکی قوانین اور علاقائی کمیٹی کے تسلسل کو غیر ضروری قرار دے گا، اس چھ نکاتی پروگرام کے پانچ نکات کو بے ترتیبی سے نافذ کیا گیا۔ لیکن چھٹا نکتہ جو صرف پانچ نکات پر عمل درآمد کی صورت میں لاگو ہونا تھا، پانچ نکات پر عمل درآمد کیے بغیر ہی اس پر عمل درآمد کیا گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ ملکی قوانین کو ایک طرف رکھ دیا گیا تھا۔ اس کی وجہ سے درج ذیل پیش رفت ہوئی:

1۔ ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کی جانب سے برقرار رکھنے کے باوجود ملکی قوانین کو ختم کر دیا گیا۔

2۔ تلنگانہ علاقائی کمیٹی کو ختم کر دیا گیا۔

3۔ تلنگانہ کی آمدنی اور اخراجات ظاہر کرنے کا رواج چھوڑ دیا گیا۔

4۔ ریاست کو چھ زونوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور تلنگانہ کو بغیر کسی مشاورت کے دو زونوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ چھٹے زون کے حیدرآباد والے حصے کو فری زون بنا دیا گیا اور اسے ساتویں زون سے تعبیر کرنے کا امکان پیدا کیا گیا۔

5۔ مقامی کے طور پر پہچانے جانے کے لیے 15 سالہ مدت کی شرط کو کم کر کے محض چار سال کر دیا گیا۔

چھ نکاتی پروگرام کے ساتھ، کم سے کم حفاظتی اقدامات بھی غائب ہو گئے تھے۔ آندھرا خطہ کے حق میں شقوں کو تیزی سے نافذ کیا گیا اور پسماندہ علاقوں کی ترقی کے لیے فنڈز روک دیے گئے اور ریاستی منصوبہ بندی بورڈ اور ذیلی کمیٹیوں کو ختم کر دیا گیا۔ حیدرآباد کے آس پاس کے علاقوں اور اس کے وسائل پر آندھرا کے لوگوں کا تسلط چڑھ چکا تھا۔ آندھرا خطے کے امیروں نے حیدرآباد میں بھرپور طریقے سے اپنی اقتصادی سلطنت قائم کی۔

آئینی ترمیم-(D)371-صدارتی حکم

ہندوستان کے صدر کو 32ویں آئینی ترمیم کے ذریعے چھ نکاتی فارمولے کو قانونی حیثیت دینے کے لیے خصوصی اختیار دیا گیا تھا۔ اکتوبر 1975 کو صدر کی طرف سے جاری کردہ 5249GSR(e) آرڈر صدارتی حکم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس آئینی ترمیم نے کئی پیشرفت کو جنم دیا۔

اس ترمیم سے پہلے کی تمام غیر قانونی تقرریوں کو باقاعدہ کیا گیا تھا اور جی او 36 پر عمل درآمد روک دیا گیا تھا۔

1۔ ریاستی سرکاری ملازمین کو مختلف زمروں میں تقسیم کیا گیا اور مختلف علاقوں کو مختلف مقامی علاقوں میں ملازمت اور تعلیمی اداروں میں داخلے کے لیے تقسیم کیا گیا۔

2۔ تقررات اور ترقیوں کے لیے ایک انتظامی ٹریبونل قائم کیا گیا۔ ٹریبونل کے فیصلے کا جائزہ ہائی کورٹ کے بجائے صرف سپریم کورٹ میں ہونا تھا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ حکومت کو ٹریبونل کے فیصلے کو مسترد کرنے کا موقع مل گیا۔ اس سے تلنگانہ کے ملازمین کو شدید نقصان پہنچا۔

سنٹرل یونیورسٹی (1976) جسے ملکی قوانین کے خاتمے کے بعد تلنگانہ کے لیے فائدہ مند سمجھا جاتا تھا۔ درحقیقت آندھرا خطہ (روزگار اور تعلیم میں) کے لیے سب سے زیادہ مفید تھا۔

تلگو علاقائی شناخت کو اتنا واضح کیا گیا کہ تلنگانہ کی شناخت بڑی تلگو شناخت میں ڈوب گئی۔ تلگو کی عزت نفس جسے ٹی ڈی پی نے ایک اہم مسئلہ کے طور پر اٹھایا ہے اس وقت تلنگانہ کی شناخت کو ختم کر دیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ تلگو شناخت کی بیان بازی سے جو کچھ ہوا وہ خطوں کا انضمام تھا بلکہ محکومی تھی۔ شناخت کی ایسی سیاست کا ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ شناخت کے ساتھ گفت و شنید کرنے کے بجائے یہ شناختوں کے جارحانہ طور پر دوبارہ ابھرنے کی گنجائش چھوڑ دیتی ہے۔

جی او610:

تلنگانہ نان گزٹ ایمپلائز اسوسی ایشن (ٹی این جی او) نے اس وقت کے چیف منسٹر این ٹی کو ایک میمورنڈم پیش کیا ان سے تلنگانہ کے عوام کو درپیش بے ضابطگیوں کو دور کرنے کی درخواست کی۔ اس اپیل کے جواب میں جیا بھارت ریڈی کمیٹی قائم کی گئی، کملا ناتھن اور اوما پتی اس کمیٹی کے دیگر دو ارکان تھے۔ اسے آفیسرز کمیٹی کہا جاتا تھا۔ اس کمیٹی نے صدارتی احکامات کی خلاف ورزی کے معاملات کا جائزہ لیا اور 36 صفحات پر مشتمل رپورٹ تیار کی جس میں واضح کیا گیا کہ 58,962 غیر مقامی افراد کو بھرتی کیا گیا ہے۔ یہ فطری بات تھی کہ حکومت افسر کمیٹی کی رپورٹ میں حقیقت کو ہضم نہ کرسکی اور اس نے ایک اور آئی اے ایس افسر سندر یسن کو اس کا سربراہ بنا کر ایک اور کمیٹی قائم کردی۔ ان دونوں کمیٹیوں کی رپورٹوں کی بنیاد پر حکومت نے 30 دسمبر 1985 کو جی او610 جاری کیا جسے 31 مارچ 1986 تک نافذ کیا جانا تھا لیکن تلنگانہ ریاست کی تشکیل کے وقت تک اس پر عمل نہیں کیا گیا۔

جی او610 کی نمایاں خصوصیات

I) صدارتی احکامات کی تاریخ سے لے کر جی او610 کے اجراء تک، قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے تقرر کیے گئے ملازمین (زون 5 اور 6) کو 31 مارچ 1986 سے پہلے غیر معمولی جائیدادیں بنا کر ان کے متعلقہ مقامات پر بھیجنا ہوگا۔ سری سیلم لیفٹ بینک، جورالا، سری رام ساگر پروجیکٹ کے لیے بھرتی کیے گئے ملازمین کو ان کے متعلقہ زون میں منتقل کیا جائے گا۔

II) مساوی حصہ داری کے اصول کو ریاستی سطح کے دفاتر اور سیکریٹریٹ ملازمین میں لاگو کیا جانا ہے۔

III) جعلی سرٹیفکیٹس کی بنیاد پر ملازمت حاصل کرنے والے لوگوں کے خلاف کارروائی کی جائے۔

IV) ملازمین کی جانب سے تقرری اور ترقیوں سے متعلق دائر اپیلوں کو 31 مارچ 1986 تک نمٹا دیا جانا چاہیے۔

V) مختلف مقامی علاقوں کے درمیان بڑے پیمانے پر منتقلی روک دی جائے۔

VI) صدارتی احکامات کے بعد 30 جون 1986 تک تمام تقرریوں اور ترقیوں کا جائزہ لیا جانا ہے۔

ان اصولوں کو نہ صرف نظر انداز کیا گیا بلکہ رائلسیما کے ملازمین کے لیے بنائے گئے جی او 564 کو بھی احتیاط سے لاگو کیا گیا۔ جی او610 جس کا مقصد اصلاحی اقدامات کرنا تھا، معافی کے ساتھ خلاف ورزی کی گئی۔ بے چین اور غیر مطمعن ملازمین انصاف کا مطالبہ کر رہے تھے اور احتجاج کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ ان کو روکنے کے لیے 610 جی او کے نفاذ کا جائزہ لینے کے لیے 25 جون 2001 کو گرگلانی کمیٹی قائم کی گئی۔

تلنگانہ تحریک کا دوسرا مرحلہ

علحدہ تلنگانہ کی شناخت کی تڑپ اس دن سے عیاں ہوگئی تھی جب تاریخی اور ثقافتی طور پر مختلف دو خطوں کو عوام کی رضامندی کے بغیر ضم کردیا گیا تھا۔ علحدہ تلنگانہ کی تاریخی تحریک نے 370 لوگوں کی قربانیوں سے اپنی پہچان بنائی۔ کوئی بھی یقین دہانی، امداد اور تحفظات تلنگانہ کے لوگوں کے جذبات کو کم نہیں کرسکتے جو چاہتے ہیں کہ اپنی علیحدہ شناخت بحال ہو اور ان کی تاریخی، لسانی، ثقافتی اور

سماجی شناخت کوتسلیم کیا جائے۔صدارتی احکامات کی خلاف ورزیاں، 610 جی او پر عمل درآمد نہ کرنا۔تلنگانہ کی ثقافتی شناخت پر مسلسل حملے نے ایک بار پھر علیحدہ تلنگانہ کی امنگوں کو بھڑکا دیا ہے۔اگرچہ 1973 اور 1983 کے درمیان ایک طرح کی خاموشی نظر آتی تھی، لیکن گہری خواہش ہمیشہ موجود تھی۔یہاں تک کہ جب تلگو کی عزت نفس کے نام پر شناخت تلنگانہ کو مٹانے کی کوشش کی جا رہی تھی، تلنگانہ کے لوگوں کی وجودی امنگیں بار بار اپنی آواز کو پا رہی تھیں۔

دانشور:

دانشوروں نے تلنگانہ تحریک کے نظریہ کی تشہیر کا مرکز تھے، جو لوگوں کی امنگوں کو نظریاتی بنیاد فراہم کرتا تھا۔اجلاسوں کا انعقاد، کتابیں لکھنا، مباحثے، اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا میں تجزیے، گروپ مباحث اور سیاسی کلاسس کا انعقاد دانشوروں کا اولین کام تھا۔ پروفیسر جئے شنکر اور کیشوا راؤ یادو نے اپنی تحریروں اور تجزیوں کے ذریعے تحریک کی فکری بنیاد رکھی۔13 اور 14 اگست 1997 کو آئی سی ایس ایس آر، عثمانیہ یونیورسٹی میں تلنگانہ کے دانشوروں کا ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں تلنگانہ کے ساتھ ہونے والی ناانصافی پر تبادلہ خیال کیا گیا۔اس سیمینار میں پیش کیے گئے مقالات کو پروفیسر وشویشور راؤ اور پروفیسر سمہادری نے 'تلاڈیلوٹو نا تلنگانہ' کے نام سے ایک کتاب میں مرتب کیا تھا۔انائیہ کی کتاب دگاپدا تلنگانہ میں ترقی میں تضادات اور امتیازات کی وضاحت کی گئی تھی۔تلنگانہ انفارمیشن ٹرسٹ کی طرف سے شائع کردہ کتابیں تلنگانہ پر بھاکر اور پروفیسر ہری ناتھ کی قیادت میں شائع کی گئیں جنھوں نے تحریک کو فکری بنیاد فراہم کی۔پروفیسر لکشمن نے 'عثمانیہ یونیورسٹی فورم فار تلنگانہ' تشکیل دیا۔اس فورم نے پورے تلنگانہ میں سیمینار منعقد کر کے شعور بیدار کیا۔سال 1997 میں دانشوروں کی سرگرمیاں اس وقت نمایاں ہوئیں جب انہوں نے تنظیم سازی کی۔تلنگانہ فورم کے نام سے ایک تنظیم، جو علیحدہ تلنگانہ کی تحریک کو تیز کرنے کے لیے تشکیل دی گئی تھی، اس نے محسوس کیا کہ اگر عوامی نمائندے دیہاتوں سے خطاب کرتے تو تلنگانہ کے مقصد کے لیے ان کی حمایت بہت زیادہ ہو سکتی تھی۔

1990-2004 کے دوران تحریک:

تحریک سے پیدا ہونے والے جذبات اور زور کافی مضبوط نہیں تھے۔تلنگانہ کے خیال کی حمایت میں مسلسل مہم نے زور پکڑا اور 1996 تک اسے تقویت ملی۔اسی موڑ پر 1996 میں لوک سبھا کے انتخابات ہوئے اور دیوے گوڑا نے مخلوط حکومت بنائی۔15 اگست 1996 کو لال قلعہ کی فصیل سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم دیوے گوڑا نے اعلان کیا کہ ان کی حکومت جارکھنڈ، اترانچل، چھتیس گڑھ اور ودربھ کی تشکیل کے خلاف نہیں ہے۔وزیر اعظم کے اظہار خیال کے بعد تلنگانہ کی غیر جماعتی تنظیموں کے قائدین کی امیدیں پھر سے جگمگا اٹھیں۔تاہم، ایک الگ ریاست کی رفتار کو برقرار رکھنے کے لیے بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) نے 1997 میں کاکیناڈا میں اپنی قومی عاملہ اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی 'ایک ووٹ اور دو ریاستیں' اور اقتدار میں آنے پر علیحدہ تلنگانہ ریاست کا وعدہ کیا۔بی جے پی نے وعدے کے مطابق سال 2000 میں جھارکھنڈ، چھتیس گڑھ اور اترکھنڈ ریاستیں بنائیں۔لیکن بی جے پی اپنی اتحادی پارٹنر تلگو دیشم پارٹی کی مخالفت کی وجہ سے الگ تلنگانہ ریاست نہیں بنا سکی۔

جب تلنگانہ تحریک زور پکڑ رہی تھی، تلنگانہ کے ایم ایل ایز نے تلنگانہ کانگریس لیجسلیٹرس فورم تشکیل دیا اور سونیا گاندھی سے

ملاقات کی اور الگ تلنگانہ ریاست کی تشکیل کی ضرورت پر زور دیا۔ کانگریس نے اسے این ڈی اے حکومت کے نوٹس میں لایا۔ کانگریس نے استدلال پیش کیا کہ اگر چہ علحدہ تلنگانہ تشکیل نہیں دیا گیا ہے لیکن اس خطہ کے مسائل کو حل کرنے کے لئے دوسری ایس آر سی تشکیل دی جانی چاہئے۔ این ڈی اے حکومت نے دوسری ایس آر سی کی تشکیل کو مسترد کر دیا۔

اس پس منظر میں تلنگانہ کے مرکزی کرداروں نے محسوس کیا کہ ایک مضبوط تلنگانہ پارٹی کی ضرورت ہے اور کئی سیاسی قائدین کو مدعو کیا گیا۔ 2001 تک تلنگانہ شدید خشک سالی کی لپیٹ میں تھا۔ کسان، زرعی مزدور مقروضی کا شکار تھے اور ہزاروں خودکشی کر چکے تھے۔ اس سنگین صورتحال میں حکومت نے کسانوں کا ساتھ دینے کے بجائے یہ پروپیگنڈا کیا کہ کھیتی باڑی مفید نہیں ہے۔ برقی کے چارجز میں تین یا چار بار اضافہ کیا گیا جس سے کاشتکار برادری پر مزید بوجھ پڑا۔ جب کسانوں نے احتجاج کیا تو حکومت نے (بشیر باغ) فائرنگ کا سہارا لیا۔ یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ تلنگانہ خطہ میں زراعت کے لئے بورویلوں پر انحصار کیا گیا ہے۔ علیحدہ تلنگانہ ریاست کے حامیوں نے محسوس کیا کہ پچھلے 50 سالوں میں مقنّنہ اور لوک سبھا کے ایوانوں میں تمام معاہدوں، فارمولوں، منصوبوں اور یقین دہانیوں کا احترام نہیں کیا گیا۔ تلنگانہ بدستور نظر انداز، استحصال اور پسماندہ ہے۔ متحد رہنے کا تجربہ ایک فضول مشق ثابت ہوا اور اس لیے علیحدگی بہترین حل پایا گیا۔

اس موقع پر کلوا کنٹلا کے چندر شیکھر راؤ نے چیف منسٹر چندرا بابو نائیڈو کو ایک خط لکھا۔ اس خط نے سیاسی حلقوں میں ہلچل مچا دی ہے۔ 27 اپریل کو انہوں نے کونڈہ لکشمن باپوجی کی رہائش گاہ جلا درشیہ میں تلنگانہ راشٹرا سمیتی کے قیام کا اعلان کیا۔ تلنگانہ راشٹرا سمیتی اس گہری بے اطمینانی اور محرومی سے ابھری: درحقیقت علیحدہ ریاست کی تحریک ترقی کے نئے اور آزاد ماڈل کے پیٹ میں ایک شکل اختیار کر رہی تھی۔ ان کا مطالبہ ایک ایسے وقت میں سامنے آیا جب معروضی مادی حالات پروان چڑھ رہے تھے جس کی وجہ سے تلنگانہ کی خودشناسی کا احیاء ہو رہا تھا جو تقریباً دو دہائیوں سے غیر فعال اور محکوم تھا۔ یہ کے چندر شیکھر راؤ ہی تھے جنہوں نے علاقہ کے مزاج کو محسوس کیا اور اسے سیاسی راستہ دیا۔ تلنگانہ کے عوام کی ایک بڑی تعداد نے اس مطالبے پر ریالی نکالی اور یہ 2004 کے انتخابات تک ایک سیاسی قوت بن گئی۔ اس رجحان کو محسوس کرتے ہوئے، کانگریس پارٹی نے جو ٹی ڈی پی کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے بے چین تھی، اس اتحاد کے مضمرات اور نتائج کا صحیح اندازہ کیے بغیر ٹی آر ایس کے ساتھ اتحاد کر لیا۔

2004 اور اس کے بعد:

تلنگانہ تحریک کے حامیوں نے محسوس کیا کہ تلنگانہ کے عوام کے ووٹ کانگریس اور ٹی آر ایس کے درمیان تقسیم نہیں ہونے چاہئیں۔ مرکزی کرداروں نے بھی محسوس کیا کہ ایک قومی پارٹی کی حمایت ضروری ہے۔ 2004 میں، اسمبلی اور پارلیمانی انتخابات کے لیے، کانگریس پارٹی اور ٹی آر ایس نے علیحدہ تلنگانہ ریاست کے وعدے کے ساتھ تلنگانہ خطہ میں انتخابی اتحاد کیا تھا۔ کانگریس ریاست میں برسر اقتدار آئی اور مرکز میں مخلوط حکومت بنائی۔ ٹی آر ایس نے 2004 میں مخلوط حکومت میں شمولیت اختیار کی۔ تلنگانہ راشٹرا سمیتی کے کے سی آر کو مسز سونیا گاندھی، مسٹر پرنب مکھرجی اور مسٹر غلام نبی آزاد نے کابینہ میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی۔ کے سی آر نے دعوت قبول کرتے ہوئے یہ شرط رکھی کہ علحدہ تلنگانہ ریاست کی تشکیل کے معاملے کو یو پی اے حکومت کے مشترکہ اقل ترین پروگرام (سی

ایم پی) میں شامل کیا جائے۔سونیا گاندھی نے اسے سی ایم پی میں شامل کرتے ہوئے کہا ''تلنگانہ کی تشکیل کا عمل تمام سیاسی جماعتوں کے ساتھ مشاورت سے کیا جائے گا''۔ اے پی جے کلام، اس وقت کے صدر جمہوریہ، نے پارلیمنٹ کے مشترکہ خطاب میں اعلان کیا کہ 'علیحدہ تلنگانہ ریاست پر اتفاق رائے ہونا چاہیے۔تلنگانہ پر یوپی اے کی پالیسی واضح نظر آئی۔

فری زون کے طور پر حیدرآباد کے خلاف احتجاج:

سپریم کورٹ نے پولیس کی جائیدادوں کے لیے امیدواروں کی بھرتیوں کا جائزہ لیا۔ایک کیس CA نمبر 2002-5141 کو 9 اکتوبر 2009 کو حتمی شکل دی گئی۔ یہ فیصلہ سنسنی خیز تھا۔اس نے اعلان کیا کہ مقامی حیثیت کا اطلاق پولیس کی ملازمتوں پر نہیں ہوتا۔ جائیدادیں مقامی اور غیر مقامی دونوں امیدواروں کے لیے کھلی تھیں۔صرف میرٹ ہی پولیس کی ملازمتوں کے امیدواروں کے انتخاب کا پیمانہ بنتا تھا۔یہی فیصلے کا نچوڑ ہے۔تاہم یہ صدارتی احکامات کی روح کے خلاف تھا۔

سرکاری شعبے میں روزگار کے مواقع صرف دو میدانوں میں دستیاب ہیں، یعنی تدریسی شعبہ اور محکمہ پولیس۔ان جائیدادوں کا ایک بڑا حصہ حیدرآباد شہر اور اس کے آس پاس ہے۔عدالتی احکامات نے مقامی امیدواروں کے امکانات کو ختم کر دیا۔اس کیفیت نے شدید مایوسی پیدا کی اور ہنگامہ آرائی کا باعث بنی۔ نتیجے کے طور پر، طلباء، ملازمین، عوامی انجمنیں اور مرکزی حکومت کو اس کی واپسی کا وقت یا تاریخ دینے کا مطالبہ کرنے لگے۔

دسمبر 2009 کے پہلے ہفتہ میں، ٹی آر ایس کے صدر کے چندر شیکھر راؤ (کے سی آر) نے کانگریس پارٹی سے تلنگانہ بل کو پارلیمنٹ میں پیش کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے بھوک ہڑتال کا آغاز کیا۔طلبہ تنظیمیں، ملازمین یونین اور مختلف تنظیمیں اس تحریک میں شامل ہوئیں۔تلنگانہ ریاست کی حمایت میں سینکڑوں لوگوں نے خودکشی کی۔6 اور 7 دسمبر کو تلنگانہ بند (ہڑتال) کا اہتمام کیا گیا تھا۔طلبہ تنظیموں نے 10 دسمبر کو ریاستی مقنّنہ (اسمبلی) تک ایک زبردست ریلی کا منصوبہ بنایا۔حکومت نے انتباہ دیا کہ ریالی کو اجازت نہیں ہے اور تلنگانہ سے باہر پولس دستے لا کر تعینات کئے گئے ہیں۔کے سی آر کی بگڑتی صحت نے مرکزی حکومت کو تلنگانہ ریاست کا درجہ دینے کے مسئلہ پر فیصلہ لینے کی عجلت کرنے کا احساس دلایا ہے۔

تلنگانہ ریاست کی تشکیل کا عمل:

9 دسمبر 2009، کو 11:30 بجے شب پی چدمبرم، مرکزی وزیر داخلہ نے اعلان کیا کہ ہندوستانی حکومت نے علیحدہ تلنگانہ ریاست کی تشکیل کا عمل شروع کر دیا ہے اور بہت جلد آندھرا پردیش اسمبلی میں اس سلسلے میں ایک قرارداد پیش کی جائے گی۔کے سی آر نے اپنے 11 روزہ بھوک ہڑتال کو ختم کرتے ہوئے، اپنے اسپتال کے بستر سے کہا کہ یہ تلنگانہ کے لوگوں کی حقیقی جیت ہے۔مرکزی حکومت نے آندھرا پردیش کی ریاستی حکومت سے کہا ہے کہ وہ قانون ساز اسمبلی میں ایک قرارداد پاس کرے۔تاہم، آئین کے آرٹیکل 3 کے مطابق، پارلیمنٹ کو نئی ریاست بنانے کے لیے اسمبلی کی قرارداد کی ضرورت نہیں ہے۔تلنگانہ نے مرکزی حکومت کے فیصلے پر جشن منایا جبکہ ساحلی آندھرا اور رائلسیما علاقوں (سیما آندھرا خطہ) نے احتجاج کیا۔آندھرا مقنّنہ کے کئی ارکان نے نئی ریاست کے قیام کے خلاف احتجاج کے لیے اپنے استعفے پیش کر دیے۔16 دسمبر تک، کم از کم 147 قانون سازوں (بشمول پرجا راجیم کے بانی چرنجیوی) اور

بہت سے اراکین پارلیمنٹ نے نئی ریاست تلنگانہ کی تشکیل کے حکومت کے فیصلے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے استعفیٰ دے دیا تھا۔ سیما آندھرا سے تعلق رکھنے والے 22 وزراء نے استعفیٰ دے دیا ہے۔ آندھرا (ساحلی آندھرااور رائلسیما) خطہ سے تعلق رکھنے والے تمام قانون سازوں/ ایم پیز نے استعفیٰ دے دیا۔ 16 دسمبر 2009 کو میڈیا رپورٹس نے اس بات کی تصدیق کی کہ پرجا راجیم پارٹی (پی آر پی) میں تلنگانہ کے معاملے پر منقسم ہے، اس کے لیڈر چرنجیوی کے ساتھ ساتھ پارٹی کے 16 / 18 ایم ایل اے آندھرا پردیش کی تقسیم کی مخالفت کر رہے ہیں، جبکہ پارٹی میں تلنگانہ کے لیڈر ناخوش ہیں۔ پارٹی کے خیالات میں تبدیلی کے ساتھ۔ ریاست کی مختلف سیاسی جماعتوں کے درمیان منقسم رائے کا حوالہ دیتے ہوئے، مرکزی حکومت اپنے قول سے پیچھے ہٹ گئی اور دلیل دی کہ نظم ونسق میں استحکام وقت کی ضرورت ہے اور امن وامان کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہے اور کہا کہ اس وقت تک تلنگانہ کی تشکیل کے لئے کوئی اقدام نہیں ہوگا۔

درحقیقت وزیر داخلہ کا دوسرا بیان، جنوری 2010 کے پہلے ہفتے میں، اس حقیقت کو صاف طور پر واضح کرتا ہے کہ حکومت ہند تاریخی ناانصافیوں کی حقیقت ساتھ ہی ساتھ تلنگانہ کے عوام کے حالات کی بنیاد پر تلنگانہ ریاست کی تشکیل کے فیصلے پر پہنچی تھی یہ بیان اس کا حوالہ دینے کے کافی ہے۔

سیاسی جے اے سی کی تشکیل:

ٹی پی۔ جے اے سی کی تشکیل سے پہلے کئی اہم واقعات رونما ہوئے۔ علیحدہ تلنگانہ کے لیے چھ دہائیوں کی جدوجہد، سابق چیف منسٹر ڈاکٹر وائی ایس راج شیکھر ریڈی کی بے وقت موت، ایک کمزور چیف منسٹر کے ساتھ ریاست میں اعلیٰ سیاسی قیادت کی تبدیلی، 2009 میں کے سی آر کی غیر معینہ بھوک ہڑتال، طلباء، وکلاء اور سماج کے مختلف طبقات کی تحریک، مختلف محاذ تنظیموں کی طرف سے ظاہر کردہ اتحاد کے اعلان پر مجتمع ہوئی۔ مرکزی حکومت نے 9 دسمبر 2009 کو علیحدہ تلنگانہ ریاست کی تشکیل کا عمل شروع کیا تھا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی پورے تلنگانہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ چونکہ دیرینہ خواب تعبیر کے دہانے پر تھا، سیما آندھرا کے سیاسی قائدین نے بغیر کسی سیاسی اختلاف کے بڑے پیمانے پر استعفوں کا سہارا لیا اور آئینی بحران پیدا کر دیا۔ ان چالوں کے آگے جھکتے ہوئے، مرکزی حکومت نے اپنا موقف بدلا اور 23 دسمبر 2009 کو ایک اور بیان جاری کیا کہ ''علیحدہ تلنگانہ مشاورت اور اتفاق رائے کے بعد ہی تشکیل دیا جائے گا۔'' اس پس منظر میں تلنگانہ کے عوام کے مکمل اتحاد کی ضرورت محسوس کی گئی اور 24 دسمبر 2009 کو ایک عوامی تحریک کے لیے تلنگانہ جوائنٹ ایکشن کمیٹی (جے اے سی) تشکیل دی گئی۔

سیاسی جوائنٹ ایکشن کمیٹی نے عثمانیہ یونیورسٹی کے پولیٹیکل سائنس کے پروفیسر کودنڈا رام کو اپنا چیرمین منتخب کیا۔ 24-12-2009 کو صبح 11 بجے تمام پارٹیاں جیسے بی جے پی، سی پی آئی ایم ایل، نیو ڈیموکریسی، اور عوامی تنظیموں کے تمام لیڈران کا لنگا فنکشن ہال، بنجارہ ہلز کے احاطے میں جمع ہوئے۔ جوائنٹ ایکشن کمیٹی تمام عوامی تنظیموں کے رہنماؤں اور تمام جماعتوں کے سیاسی رہنماؤں پر مشتمل تھی۔

جے اے سی کی جدوجہد کی مختلف شکلیں:

تلنگانہ جوائنٹ ایکشن کمیٹی نے عوام کو عوامی تحریک کے راستے پر ڈال دیا ہے۔ مرکزی حکومت کے 9 دسمبر 2009 کے اعلان

کے مطابق علیحدہ ریاست کی تشکیل کے عمل کو تیز کرنے کے لیے اس نے مختلف قسم کے ایجی ٹیشنز کو کامیابی کے ساتھ تیار کیا، محاذ آرائیوں کی مدد سے جدوجہد کی مختلف شکلیں اختیار کیں۔ جے اے سی عوام کی امنگوں کو مرکزی حکومت تک لے جا سکتی ہے، جدوجہد کی مختلف شکلیں اٹھا سکتی ہے اور لوگوں میں تحریک کے شعور کو زندہ رکھ سکتی ہے۔ اس نے عوامی تحریکوں کی مختلف شکلوں کا آغاز کیا جیسے عدم تعاون، ملین مارچ، ساکالا جنولا سمے، ساگارا حرم، سنسد یاترا، چلو اسمبلی وغیرہ۔ اس نے تلنگانہ کی ثقافتی روایت، تلنگانہ کی منفرد نوعیت اور گہرائیوں کو بھی سامنے لایا۔ پرامن طریقے سے علیحدہ ریاست کی خواہش کی جڑیں راستہ روکوس، بھوک ہڑتال، ونتا ور پو، دھوم دھام، مناوحرام، بٹوکما اور بونالو کے جلوس، جنازے کے جلوس، موم بتی کی ریلیاں، پتلے جلانا اور تلنگانہ کے شہداء کے جنازے کے جلوس جدوجہد کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

اس تحریک میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے شاعروں، ادیبوں، گلوکاروں، فنکاروں، طلباء، وکلاء، صحافیوں، خواتین، ملازمین، ڈاکٹروں، سول سوسائٹی کی تنظیموں، مختلف ذاتوں اور مذاہب کے لوگوں نے اہم کردار ادا کیا۔ مختلف موجودات، نظریات اور عالمی نظریات کے باوجود؛ تلنگانہ کے عوام نے اتحاد کا مظاہرہ کیا ہے اور دہائیوں پرانی خواہش اور خواب کو پورا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تلنگانہ تحریک منفرد اور ممتاز ہے۔

سری کرشنا کمیٹی:

آندھرا پردیش کی صورت حال پر مشاورت کے لیے کمیٹی (سی سی ایس اے پی) ایک کمیٹی ہے جس کی سربراہی سابق چیف جسٹس بی این سری کرشنا کرتے ہیں تاکہ تلنگانہ کے لیے علیحدہ ریاست کا درجہ دینے یا ریاست کو موجودہ شکل آندھرا پردیش میں متحد رکھنے کے مطالبے پر غور کیا جا سکے۔ یہ کمیٹی حکومت ہند کی طرف سے 3 فروری 2010 کو تشکیل دی گئی تھی اور اس نے 30 دسمبر 2010 کو اپنی رپورٹ وزارت داخلہ کو پیش کی تھی۔ سری کرشنا کمیٹی نے سیاسی جماعتوں، سماجی تنظیموں اور دیگر اسٹیک ہولڈرز سے تجاویز اور آراء طلب کی تھیں۔ کمیٹی نے 10 اپریل کی آخری تاریخ تک 60,000 درخواستیں موصول کیں۔

کمیٹی نے 16 اپریل کو سیاسی جماعتوں سمیت مختلف اسٹیک ہولڈرز کے ساتھ ذاتی بات چیت کا آغاز کیا۔ کمیٹی نے پورے آندھرا پردیش کے ٹی آر ایس، پی آر پی، سی پی آئی، ایم آئی ایم، ٹی ڈی پی اور مختلف تنظیموں کے قائدین سے ملاقات کی۔ 6 جولائی کو، تلنگانہ کانگریس کے قانون سازوں اور وزراء نے سری کرشنا کمیٹی سے ملاقات کی اور ریاست تلنگانہ کی تشکیل کے حق میں دلائل دیے۔

اس نے ریاست کے تمام خطوں کا بڑے پیمانے پر دورہ کیا اور سماج کے تمام طبقوں کے لوگوں کو ریاست کے بارے میں اپنی رائے دینے کی دعوت دی۔ اسے سیاسی جماعتوں، تنظیموں، این جی اوز اور افراد کی طرف سے ایک لاکھ سے زیادہ درخواستیں اور نمائندگیاں موصول ہوئیں۔ اس نے سیاسی جماعتوں اور عام لوگوں کے ساتھ مشاورت بھی کی جبکہ خواتین، بچوں، طلباء، اقلیتوں، دیگر پسماندہ طبقات، درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل جیسے لوگوں کے مختلف طبقات پر حالیہ پیش رفت کے اثرات پر بھی غور کیا۔ یہ رپورٹ 6 جنوری 2011 کو انٹرنیٹ پر عوام کے لیے جاری کی گئی۔

سفارشات:

کمیٹی نے رپورٹ کے اختتامی حصے میں چھ ممکنہ اقدامات پر تبادلہ خیال کیا ہے جس میں پہلے تین کی سفارش نہیں کی گئی اور باقی تین کو ترجیحی حکم دیا گیا ہے۔ اس پیراگراف میں ردعمل/امن وامان کے مسائل اور حجم کے اختیارات/منظرناموں میں سے ہر ایک کی صورت میں داخلی سلامتی سے متعلق مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔

1۔ تحریک کو ایک عام امن وامان کی صورت حال کے طور پر پیش کرنا جس کو خالصتاً ریاست کی طرف سے مرکز کے تعاون سے نمٹا جائے۔

2۔ حیدرآباد کے UT بننے کے ساتھ علیحدہ ریاست تلنگانہ کا قیام۔

3۔ رائلسیما کو تلنگانہ میں ضم کرنا اور ایک نئی ریاست رائلا تلنگانہ تشکیل دینا جس کا دارالحکومت حیدرآباد ہوگا۔

4۔ علیحدہ تلنگانہ کی صورت میں، حیدرآباد (HMDA) کو جنوب مشرق میں گنٹور (ساحلی آندھرا) سے اور جنوب میں کرنول (رائلسیما) کو بالترتیب نلگنڈہ اور محبوب نگر (دونوں تلنگانہ کے علاقوں) سے جوڑتے ہوئے حیدرآباد کے ایک بڑے UT کا قیام۔ حیدرآباد (HMDA) کے ساتھ چند منڈلوں کو مناسب راہداریوں کی تشکیل کے ذریعے ملانا۔

5۔ تلنگانہ کو ریاست کا درجہ دینا جس کے ساتھ حیدرآباد اس کا دارالحکومت ہوگا۔

6۔ علاقہ تلنگانہ کو آئینی/قانونی تحفظات فراہم کرنے کی ضمانت دے کر، خطے کی بڑی شکایات کا ازالہ کرنا اور ریاستی اکائی کو برقرار رکھنا

کل جماعتی اجلاس:

ریاستی اور مرکزی دونوں سطحوں پر تلنگانہ پر کئی کل جماعتی اجلاس ہوئے۔ مثال کے طور پر پرنب کمیٹی (2004) اور روشیا کمیٹی (2009)۔ تاہم انہوں نے رپورٹیں بھی پیش نہیں کیں۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس طرح کی کمیٹیاں صرف وقت گذاری اور اس معاملے پر فیصلے کو ملتوی کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔

اگرچہ جسٹس سری کرشنا کمیٹی نے 30 دسمبر 2010 کو اپنی رپورٹ پیش کی تھی، لیکن تلنگانہ کے مسئلہ پر دسمبر 2012 تک کوئی قابل قدر پیش رفت نہیں ہوئی تھی۔ زنجیری بھوک ہڑتال، ریل اور راستہ روکو جیسے بڑے پیمانے پر احتجاج ہوئے۔ سڑکوں پر اجتماعی دعوتوں سے عوامی نقل وحمل میں خلل پڑتا ہے، عوامی میٹنگیں، ٹی این جی اوز کی 42 دنوں تک غیر معینہ ہڑتال، عملی طور پر تلنگانہ میں کوئی حکمرانی نہیں تھی۔

جیسے جیسے 2014 کے تلنگانہ کے انتخابات قریب آرہے تھے عام طور پر یو پی اے 2 اور کانگریس نے خاص طور پر اس بات کا اشارہ دیا کہ وہ تلنگانہ کے مسئلہ کو نہیں بھولی ہے۔ اس وقت کے وزیرداخلہ، سشیل کمار شنڈے نے 28 دسمبر 2012 کو ایک کل جماعتی اجلاس طلب کیا تھا۔ حکومت نے ہر پارٹی سے دو دو مندوبین بھیجنے کو کہا تھا۔ اگر تلنگانہ کو قبول کرنے یا مسترد کرنے کا ایک نقطہ ہوتا تو حالات مختلف ہوتے۔ عوام پارٹیوں کے اصلی عزائم جان چکے تھے۔ مرکزی حکومت کو کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یو پی اے کی اس

چال نے لوگوں کو سمجھا دیا کہ یہ ایک گھٹیا چال ہے۔تمام جماعتوں میں سے صرف تین ٹی آر ایس، بی جے پی اور سی پی آئی تلنگانہ کے حق میں تھیں۔

دو پارٹیاں سی پی آئی (ایم) اور ایم آئی ایم نہ تو تلنگانہ کے خلاف تھیں اور نہ ہی متحد آندھرا پردیش کے حق میں تھیں۔ایک بیان میں کہا گیا کہ کانگریس تلنگانہ کے حق میں تھیں۔چونکہ حکمراں کانگریس اور اہم اپوزیشن پارٹی تلنگانہ کے لیے ہم آہنگی میں تھیں، اس لیے اس میں مزید تاخیر کرنا غیر معقول تھا۔اگر وہ دونوں جماعتیں حمایت کریں تو تلنگانہ کو کوئی بھی چیز تاخیر کا شکار نہیں کر سکتی، چاہے باقی تمام جماعتیں اس کی مخالف۔

تلنگانہ پر انٹونی کمیٹی کی رپورٹ:

سونیا گاندھی نے ویرپا موئیلی، ڈگ وجے سنگھ اور احمد پٹیل کے ساتھ ایک چار رکنی کمیٹی مقرر کی جس کے سربراہ اے کے انٹونی تھے۔تلنگانہ ریاست کے فائدے اور نقصانات اور انضمام کے بعد پیدا ہونے والے نتائج پر غور کرنے کے لیے، بوٹسا ستیہ نارائنا، پی سی سی صدر، کو انٹونی کمیٹی اور آندھرا کے سیاست دانوں کے درمیان ثالث کے طور پر مقرر کیا گیا۔اسی کے مطابق بوتسا ستیہ نارائنا نے کانگریس لیڈروں اور انٹونی کمیٹی کے ساتھ تال میل کیا۔

کئی بار انٹونی نے سیما آندھرا قائدین کو یہ واضح کیا کہ تلنگانہ پر کانگریس اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹے گی۔انہوں نے 13 اور 14 اگست 2013 کو اے پی کے مرکزی وزراء اور ممبران پارلیمنٹ سے بات چیت کی۔اور، بات چیت کا دوسرا دور 19 اور 20 اگست 2013 کو ہوا۔اسمبلی (ایم ایل اے اور ایم ایل سی) اور پارلیمنٹ (لوک سبھا اور راجیہ سبھا) کے عوامی نمائندوں اور تلنگانہ کے دیگر کانگریس قائدین نے ریاست تلنگانہ پر اپنا نکتہ انٹونی کو پیش کیا۔کمیٹی . اس نے 20 اگست 2013 کو وزارتی ذیلی کمیٹی کو اپنی رپورٹ پیش کی۔حیدرآباد کے سیما آندھرا کے قائدین کے خدشات، پیچیدگیوں اور اندیشوں کو دیکھتے ہوئے، کمیٹی نے حیدرآباد کو 10 سال کی مدت کے لیے مشترکہ دارالحکومت بنانے کی سفارش کی تھی۔درحقیقت، سیما آندھرا کے مرکزی وزراء نے سونیا گاندھی سے نمائندگی کی کہ چندی گڑھ کی طرز پر حیدرآباد کو آندھرا اور تلنگانہ کا مستقل مشترکہ دارالحکومت بنایا جائے۔مزید، یہ تجویز کیا گیا ہے کہ آمدنی کے وسائل کی تقسیم، دریائی پانی اور تعلیم کو اے پی تنظیم نو بل میں شامل کیا جائے۔حیدرآباد اور سائبر آباد پولیس کمشنریٹ کی حدود اے پی اور تلنگانہ کے مشترکہ دارالحکومت کی حدود ہیں۔ماحولیات، ماحولیات اور بحالی جیسے مسائل کے حل کے لیے ایک واضح پالیسی ہونی چاہیے۔اور، پولاورم کو قومی سطح کے پروجیکٹ کے طور پر بلند کیا جا سکتا ہے اور اسے جلد از جلد مکمل کیا جائے گا۔یہ سفارش انٹونی کمیٹی نے دی تھی۔

پارلیمنٹ میں تلنگانہ ریاست کا اعلان: اے پی اسمبلی:

سی ڈبلیو سی نے 30 جولائی 2013 کو حکومت ہند سے تلنگانہ ریاست بنانے کی درخواست کرنے کا فیصلہ کیا۔سیما آندھرا میں پرتشدد احتجاج کے باوجود (جیسا کہ رائلسیما اور ساحلی آندھرا کو اب جانا جاتا ہے) اور سیما آندھرا کے منتخب عہدیداروں بشمول چیف منسٹر، ان کے تمام سیما آندھرا وزارتی ساتھیوں اور سیما آندھرا کے ارکان پارلیمنٹ اور قانون ساز اسمبلی کی مخالفت کے باوجود، مرکزی کابینہ

نے 3 اکتوبر کو ریاست کی تشکیل کی منظوری دی۔ .2013 تاہم، حیدرآباد شہر، نئی ریاست کا حصہ ہوتے ہوئے، 'بقیہ آندھرا پردیش' کے لیے ایک عارضی دارالحکومت کے طور پر کام کرنا تھا (جیسا کہ سیما آندھرا کو قانونی زبان میں جانا جائے گا) جب تک کہ وہ اپنے علاقے میں اپنا دارالحکومت نہیں بنا لیتے۔

8 اکتوبر 2013 کو جی او ایم (گروپ آف منسٹرس) کے نام سے جانی جانے والی تقسیم کمیٹی کے متوازی، اے کے انٹونی بطور چیئر پرسن، شنڈے (وزیر داخلہ)، پی چدمبرم (فنانس)، موئیلی (پیٹرولیم)، جے رام رمیش (دیہی ترقی)، غلام نبی آزاد (ہیلتھ) اور وی نارائنا سوامی (پی ایم او) اس کمیٹی کے ممبر تھے۔ جی او ایم نے تمام سیاسی جماعتوں سے تجاویز اور نوٹس طلب کیے۔ کانگریس، بی جے پی، ٹی آر ایس، سی پی آئی، ایم آئی ایم نے تجاویز کے ساتھ رپورٹ پیش کی۔ ٹی ڈی پی، سی پی آئی (ایم) اور وائی ایس آر سی پی نے کوئی تجاویز پیش نہیں کیں۔ پارلیمنٹ کے سرمائی اجلاس کے پہلے ہی دن، مرکزی کابینہ نے اس بل کی توثیق کی ہے اور اسے صدر جمہوریہ کے پاس بھیج دیا ہے اور انہوں نے آئین کے آرٹیکل 3 کے تحت اپنے 'اظہار خیالات' کے لیے آندھرا پردیش مقننہ کو بھیجا ہے۔ . یہ بل 12 دسمبر 2013 کو بھیجا گیا تھا۔

اپنی رائے کے اظہار کے لیے 6 ہفتے کا وقت دیا گیا۔ بل 13 دسمبر 2013 کو اسمبلی میں پہنچا۔ بل کی کاپیاں 15 دسمبر 2013 کو ممبران اسمبلی کو دی گئیں۔ انہوں نے بل کے کاغذات کو پھاڑ کر پھینک دیا اور ہنگامہ کھڑا کیا۔ 16 دسمبر 2013 کو قانون سازی کے امور کے وزیر سریدھر بابو نے اعلان کیا کہ اس بل پر اسمبلی میں بحث شروع ہوگئی ہے۔ جیسا کہ صدر جمہوریہ 19 دسمبر 2013 کو روایتی جنوبی موسم سرما میں قیام کے لیے حیدرآباد پہنچے، تمام جماعتوں کے قائدین نے ان سے اپیلیں کیں۔ تلنگانہ کے حق میں اور تلنگانہ کے خلاف۔

2014 میں تلنگانہ بل پر پیش رفت:

اسمبلی کے سرمائی اجلاسوں کا دوسرا دور 3 جنوری 2014 کو شروع ہوا۔ قانون ساز امور کی وزارت ڈی سریدھر بابو (تلنگانہ) سے شیلا جناتھ (سیماندھرا) کو منتقل کر دی گئی جس کے بعد صرف ایک وزارت سیول سپلائی رہ گئی۔ چیف منسٹر کے اس عمل سے مایوس ہو کر ڈی سریدھر بابو نے 2 جنوری 2014 کو اپنی وزارت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ ایم آئی ایم کے رکن اکبرالدین اویسی نے سوال اٹھایا کہ کیا اسمبلی میں تلنگانہ پر بحث شروع ہوگئی ہے۔ اسپیکر نادینڈلا منوہر نے مثبت جواب دیا۔ مسٹر وٹی وسنت کمار، ایک وزیر، نے 8 جنوری 2014 کو بحث کا آغاز کیا۔ 10 جنوری 1914 کو، ٹی آر ایس ایل پی کے اس وقت کے فلور لیڈر ایٹلا راجندر نے تلنگانہ کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا تذکرہ کیا۔ 25 جنوری 2014 کو آندھرا پردیش کے اس وقت کے چیف منسٹر کرن کمار ریڈی نے تلنگانہ کی تجویز کی مخالفت کی۔ اسی دن، چندرا بابو نائیڈو نے کہا کہ بل خامیوں سے بھرا ہوا ہے اور کہا کہ 'حقیقی' بل کو بحث کے لیے پیش کیا جائے، جس نے تلنگانہ کے لیے ان کے عدم دلچسپی کا اشارہ دیا۔ چیف سیکرٹری نے مزید 3 ہفتے کی مہلت کی درخواست صدر کو جمع کرا دی۔ صدر نے مزید ایک ہفتہ کی مہلت دی۔ وزیر اعلیٰ نے سپیکر کو ایک قرارداد دی کہ قاعدہ 77 کے تحت بل واپس کیا جائے۔ وائی ایس آر سی پی بل پر ووٹنگ چاہتی تھی۔ تلنگانہ کے ارکان نے اس پر اعتراض کیا۔ یہ بل 30 جنوری 2014 کو مرکزی حکومت کو واپس کر دیا گیا جس میں کہا

گیا کہ 'مسترد کردیا گیا ہے'۔ اسمبلی کے 294 ارکان میں سے 87 نے بحث میں حصہ لیا۔ باقی نے تحریری طور پر اپنی رائے پیش کی۔

آندھراپردیش تنظیم جدید قانون، 2014:

ہندوستانی پارلیمنٹ نے ریاست آندھراپردیش کو دو ریاستوں تلنگانہ اور باقی آندھراپردیش میں تقسیم کرنے کا اعلان کیا۔ یہ ایکٹ اثاثوں اور واجبات کی تقسیم، مجوزہ نئی ریاستوں کی حدود اور حیدرآباد کی حیثیت کو حتمی شکل دینے کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ یہ بل 18 فروری 2014 کو لوک سبھا میں اور 20 فروری 2014 کو راجیہ سبھا میں منظور کیا گیا تھا۔ اس بل کی تصدیق ہندوستان کے صدر پرناب مکھرجی نے 1 مارچ 2014 کو کی ہے اور اسے سرکاری گزٹ میں شائع کیا گیا ہے۔ نئی تلنگانہ ریاست کے قیام کا دن 2 جون 2014 ہے۔

خلاصہ

اس باب میں ہم نے تلنگانہ تحریک کی ابتدا اور نمو کا جائزہ لیا، جو بالآخر ایک علیحدہ ریاست تلنگانہ میں ختم ہوئی۔ تلنگانہ کی تحریک تقریباً ساٹھ سال تک، مختلف مراحل میں چلتی رہی، تاہم، آخر کار لوگوں نے خواب کو شرمندہ تعبیر کیا اور اعزاز حاصل کیا۔ آزاد ہندوستان میں ایسی بہت کم مثالیں ہیں جہاں عوامی تحریکوں اور جمہوری امنگوں کی فتح ہوئی ہو۔ علحدہ تلنگانہ کا حصول ایسا ہی ایک اہم واقعہ ہے۔ تلنگانہ کے عوام کا احتجاج اور ان کی جیت بے مثال ہے۔ انہوں نے یہ جنگ صرف جمہوری طریقے سے جیتی۔ سیاسی پارٹیاں، فرنٹ آرگنائزیشنز اور سول سوسائٹی، مختصراً پورا تلنگانہ ایک آواز کے ساتھ آگے بڑھا۔

25

25۔ ریاست تلنگانہ۔ پالیسیز اور پروگرامس
TELANGANA STATE-POLICIES AND PROGRAMS

مقاصد

تلنگانہ حکومت نے 2021 میں دلت بندھو کو متعارف کرایا تا کہ SC گھرانوں کو 10 لاکھ روپے فی خاندان کے حساب سے بغیر کسی بینک کے قرض سے منسلک کیا جا سکے، تا کہ آمدنی پیدا کرنے کا ایک مناسب ذریعہ قائم کیا جا سکے۔

2-BHK ہاؤسنگ اسکیم کے تحت حکومت نے نومبر 2021 کے آخر تک 1,07,612 مکانات کی تعمیر کی جس پر 10,445 کروڑ روپے کی رقم خرچ ہوئی تھی۔

2014-15 کے دوران حکومت نے آسرا پنشن اسکیم کے تحت سالانہ اوسطاً 38 لاکھ مستفیدین کا احاطہ کیا ہے جس میں کل 45,883 کروڑ (جنوری 2022 تک) روپے کی تقسیم کی گئی ہے۔

پسماندہ برادریوں کے بچوں کو تعلیمی مدد فراہم کرنے کے لیے حکومت نے سماجی بہبود کے رہائشی اداروں کی تعداد 2014 میں 134 سے بڑھا کر 2021 میں 268 کر دی۔ اس عرصے کے دوران قبائلی اداروں کے فلاحی رہائشی اداروں کی تعداد 96 سے بڑھ کر 188 ہوگئی، BC رہائشیوں میں 19 سے 281 تک اور اقلیتی بہبود کے ادارے 12 سے 204 تک ہوگئے۔

خواتین اور بچوں کی صحت اور بہبود کو یقینی بنانے کے لیے حکومت نے آروگیہ لکشمی اسکیم کے تحت 22-2021 میں 118 کروڑ روپیوں سے تقریباً 22 لاکھ مستفید ہوئے۔ نومبر 22-2021 تک تقریباً 1.51 لاکھ مستفیدین کو 186 کروڑ روپے کے سی آر کٹس کے ساتھ راست بینیفٹ ٹرانسفر موصول ہوا ہے۔

کلیانہ لکشمی/شادی مبارک اسکیم کے تحت 2014 میں اس کے آغاز سے لے کر 2021 تک تقریباً 10 لاکھ شادیاں کی گئی ہیں۔ اس اسکیم سے کل 1.9 لاکھ ایس سی، 1.1 لاکھ ایس ٹی، 4.55 لاکھ بی سی اور 1.97 لاکھ اقلیتی دلہنوں نے استفادہ کیا ہے۔

خواتین کو مالی طور پر بااختیار بنانے کے لیے ریاست میں کل 47.53 لاکھ خواتین کو 4.39 لاکھ SHGs اور 17,886 گاؤں کی تنظیموں میں منظّم کیا گیا ہے۔

بجٹ میں ایس سی اور ایس ٹی کو متناسب فنڈ مختص کرنے کے لیے 2017 میں ایس سی/ایس ٹی خصوصی ترقیاتی فنڈ ایکٹ نافذ کیا گیا تھا۔ سال 22-2021 (فروری 2022 تک) کے دوران SCs اور STs کے خصوصی فائدے کے لیے تقریباً 18,000

کروڑ روپے مختص کیے گئے فنڈز کا استعمال کیا گیا ہے۔

بھیڑ تقسیم کرنے کی اسکیم کے تحت حکومت نے 79.98 لاکھ بھیڑیں 3.81 لاکھ مستفیدین میں تقسیم کیں جن میں سے یادو اور کرما برادری کے 204 افراد نے اسکیم سے فائدہ اٹھایا۔

تعارف

ریاست تلنگانہ میں فلاح و بہبود کی پالیسیاں قلب کی حیثیت رکھتے ہیں۔حکومت نے ریاست میں غریب اور پسماندہ آبادی کی بہتری کے مقصد سے کئی پروگرام اور اسکیمیں شروع کی ہیں۔ان پروگراموں کا مقصد تلنگانہ کی معاشی کامیابی کو مخصوص سماجی اہداف کے ساتھ ہم آہنگ کرنے میں مدد کرنا ہے جیسے پسماندہ برادریوں کے لئے برابری کا میدان بنانا۔

حکومت سماجی اور معاشی طور پر پسماندہ افراد جیسے درج فہرست ذاتوں (SCs) درج فہرست قبائل (STs) پسماندہ طبقات (BCs) اقلیتی برادریاں، خواتین، بچے، بزرگ شہری، اور خصوصی طور پر قابل افراد اور دیگر پسماندہ برادریوں کی فلاح و بہبود کو بہتر بنانے کے لیے پرعزم ہے۔فلاحی ایجنڈے کی کامیابی اس بات کو یقینی بنانے پر منحصر ہے کہ اسکیمیں متعلقہ برادریوں کی ضروریات کی عکاسی کرتی ہیں اور ان کی فراہمی حکومت کے مجوزہ سماجی اہداف سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ احتیاط کے ساتھ نافذ ہو رہی ہیں۔

درج فہرست ذاتوں، درج فہرست قبائل، پسماندہ طبقات اور اقلیتوں کی فلاح و بہبود

سماجی انصاف اور مساوی سماج کی تشکیل کے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے، حکومت ہر مظلوم ذات یا قبائلی گروہ، ہر پسماندہ برادری اور ہر مذہبی اقلیت کا احاطہ کرنے والے فلاحی پروگراموں کا ایک نفیس فریم ورک بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔اس فریم ورک کا مقصد لوگوں کے ان ہدف کردہ طبقات کو سماجی، تعلیمی اور معاشی طور پر معاشرے کی دیگر ترقی یافتہ برداریوں کے برابر لانا ہے۔

دلت بندھو

مالی سال 22-2021 کے دوران حکومت کی طرف سے اٹھائے گئے اہم اقدامات میں سے ایک ریاست میں درج فہرست ذات کے لوگوں کی معاشی ترقی کے لیے دلت بندھو پروگرام کا ایس سی-شیڈیولڈ کاسٹ کا آغاز ہے اس اسکیم کے تحت، ہر استفادہ کنندہ گھرانے کو ایک مکمل گرانٹ کے طور پر بغیر کسی بینک کے انحصار کے ایک مناسب آمدنی پیدا کرنے کا ذریعہ قائم کرنے کی غرض سے 10 لاکھ روپئے کی مالی امداد فراہم کی گئی۔

یہ اسکیم 4 اگست 2021 کو یادادری-بھونگیری ضلع کے آلیر اسمبلی حلقہ (AC) کے وسالماری گاؤں میں شروع کی گئی تھی، جنوری 2022 تک 17,554 دلت خاندانوں کو 2.000 کروڑ کی رقم جاری کی گئی ہے اور حضور آباد اور آلیر اسمبلی حلقوں میں بالترتیب 72 دلت خاندانوں کو 7.60 کروڑ روپے جاری کیے گئے ہیں۔

اس کے بعد، حکومت نے دلت بندھو اسکیم کو مزید 5 مدھیرا (SC)! تنگاترتی (SC) جکل (ایس سی) اچمپیٹ (ایس سی) اور کلواکورتی میں عمل درآمد کے طریقوں میں خصوصیات اور اختلافات کا بہتر اندازہ لگانے کے لیے لاگو کرنے فیصلہ کیا۔2500 دلت

خاندانوں کو فائدہ پہنچاتے ہوئے 250 کروڑ روپے جاری کیے گئے ہیں۔

سماجی اور اقتصادی ترقی کے لیے کمیونٹی کی ضرورت کے مطابق کامیابی کے ساتھ اندازہ لگانے کے بعد، حکومت نے دلت بندھو کو لاگو کرنے کی تجویز پیش کی ہے۔ ریاست میں 118ACs میں اسکیم (بشمول اوپر مذکور 5ACs اور حضور آباد AC کے علاوہ) اس مالی سال کے دوران ہی ہر حلقے میں 100 دلت خاندانوں کا احاطہ کرتی ہے اور اس نے ریاست کے 33 اضلاع کو 300 کروڑ روپے کی رقم جاری کی ہے۔

درج فہرست ذاتیں/ درج فہرست قبائل خصوصی ترقیاتی فنڈز (SDFSST/SC)

حکومت نے 2017 میں درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل کے خصوصی ترقیاتی فنڈ (منصوبہ بندی۔ مالی وسائل کی تقسیم اور استعمال) ایکٹ منظور کیا تاکہ اسکیموں کے نفاذ کے لیے مختص فنڈز کو محفوظ کیا جاسکے جس کا مقصد SCs اور STs کی تیز رفتار ترقی، مساوات، معاشی، تعلیمی اور انسانی ترقی پر توجہ مرکوز کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی سلامتی اور سماجی وقار کو یقینی بنانا اور ایس سی اور ایس ٹی کے درمیان مساوات کو فروغ دینے کو یقینی بنانا ہے۔ اس کے نتیجے میں، ریاستی اسکیم فنڈز کا 15.45% صرف SC کمیونٹیز کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے اور 9.08% ریاست میں ان کی آبادی کے تناسب سے ST برادریوں کی بہتری کے لیے ہے۔ ایکٹ اس بات کو بھی یقینی بناتا ہے کہ غیر استعمال شدہ فنڈز کو اگلے مالی سالوں میں اس اس کا استعمال کیا جائے۔

2021-22 تک، ایس سی اور ایس ٹی کمیونٹیز کی فلاح و بہبود اور فنڈز مختص کرنے کے لیے قانونی ضمانتیں فراہم کرنے میں تلنگانہ ان 4 ریاستوں میں سے ایک ہے (باقی تین ریاستیں آندھرا پردیش، اتراکھنڈ اور تمل ناڈو ہیں)۔ سال 2021-22 (فروری 2022 تک) کے دوران SCs اور STs کے خصوصی فائدے کے لیے تقریباً 18,000 کروڑ روپے کے مختص فنڈز کا استعمال کیا گیا ہے۔ تمام شیڈول کاسٹ (SC) کے مخصوص پروگراموں کو SCSDF کے تحت درج کیا جارہا ہے اور شیڈولڈ ٹرائب (ST) کے مخصوص پروگراموں کو STSDF کے تحت درج کیا جارہا ہے۔ کچھ اہم جاری فلیگ شپ پروگرام جیسے کلیانہ لکشمی، آسارا پنشن، گھرانوں کو پینے کا پانی، ایس سی اور ایس ٹی ہاسٹل میں طلباء کے لیے باریک چاول، کے سی آر کٹس وغیرہ، خصوصی ترقیاتی فنڈ سے منسلک ہیں۔

ریاست میں درج فہرست ذاتوں (SCS)، درج فہرست قبائل (STS)، پسماندہ طبقات (BCS)، اقلیتوں، اقتصادی طور پر کمزور طبقات (EWS) کے لیے ریزرویشن:

ریاست میں ایس سی، ایس ٹی اور بی سی کے ساتھ ہونے والی تاریخی ناانصافیوں کو ختم کرنے اور اقلیتوں کو ان کے حقوق اور حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے خود کو خودمختار ہونے کا احساس دلانے پر حکومت کی پوری توجہ دی ہے۔ ان خدشات کو دور کرنے کا ایک طریقہ ان برادریوں کو ریزرویشن یا تحفظات دینا ہے۔ فی الحال ایس ٹیز، ایس سیز، بی سیز، مائناریٹی (BC-E) اور اقتصادی طور پر کمزور طبقات (EWS) 6% فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تعلیمی اداروں میں داخلے اور ریاستی سرکاری ملازمتوں کے لیے بالترتیب 15%، 25.9%، 4% اور 10% ریزرویشن۔ ان پروگراموں کے بغیر کسی رکاوٹ کے نفاذ کے لیے بہتر اعداد و شمار کی ضرورت کو تسلیم کرتے

ہوئے، تلنگانہ قانون ساز اسمبلی نے متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی، جس میں حکومت ہند پر زور دیا گیا کہ وہ مردم شماری 2021 کے حصے کے طور پر پسماندہ طبقات کی ذات کے لحاظ سے مردم شماری کرے۔

درج فہرست قبائل (ایس ٹی ایس) اور Giri وکاسم کو زمین کے حقوق۔

'شیڈیولڈ ٹرائب اور دیگر روایتی جنگلات میں رہنے والے (جنگل کے حقوق کی پہچان) ایکٹ' 2006 کے تحت، حکومت نے درج فہرست قبائل اور دیگر روایتی جنگل کے باشندوں کو جنگل کی زمین رکھنے اور رہنے کا حق اور تحفظ، کسی بھی کمیونٹی جنگلاتی وسائل کو دوبارہ تخلیق کریں یا ان کا تحفظ کریں یا ان کا نظم کریں جسے وہ روایتی طور پر پائیدار استعمال کے لیے تحفظ دے رہے ہیں۔ جنوری 2022 تک، حکومت نے 96,676 افراد کو ٹائٹل سرٹیفکیٹ جاری کیے ہیں جن میں 3,08,614 ایکڑ اور 4,54,054 ایکڑ پر مشتمل 721 کمیونٹی ٹائیٹل شامل ہیں۔

"Giri وکاسم" اسکیم کا مقصد پائیدار زرعی ثقافت کی ترقی کے لیے چھوٹے اور پسماندہ درج فہرست قبائل (ایس ٹی) کسانوں کی ناقابل کاشت زرعی زمینوں کو قابل کاشت زمینوں میں تبدیل کرنا ہے۔ دسمبر 2021 تک، ST 6,118 کسانوں کی 18,228 ایکڑ اراضی کے رقبے کو 43.1 کروڑ روپے کی لاگت سے قابل کاشت زمین میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

ایس سی، ایس ٹی، بی سی اور اقلیتوں کے لیے تعلیمی امداد

تعلیم، غربت کو ختم کرنے اور بین النسل قومی نقل مقامی کو بڑھانے کے لیے ایک کلیدی طریقہ کار کیلئے حکومت نے ایسے پروگراموں پر خصوصی زور دیا ہے جو پسماندہ طبقوں کے لیے ریاستی اور عالمی سطح پر تعلیمی مواقع تک رسائی اور اس سے فائدہ اٹھانا آسان ہو سکے۔

اقامتی اسکول اور کالج

2014 میں تلنگانہ کی تشکیل کے بعد سے، حکومت نے سماجی بہبود کے اقامتی اسکول/اداروں کی تعداد کو دوگنا کر دیا ہے، جو 2014 میں 134 سے بڑھ کر 2021 میں 268 ہو گئے۔ قبائلی بہبود کے اداروں میں بھی ایسا ہی اضافہ دیکھا گیا ہے، جو 2014 میں 96 سے بڑھ کر 2021 میں 18 ہو گئے۔ BC فلاحی رہائشی اداروں میں بھی اضافہ دیکھا گیا ہے، 2014 میں 19 سے بڑھ کر 2021 میں 281 اور اقلیتی بہبود کے اقامتی اداروں کی تعداد 2014 میں 12 سے بڑھ کر 2021 میں 204 ہو گئی ہے۔ نئے ادارے ترقی یافتہ معیار پر مرکوز تھے۔ ان اسکولوں میں تدریسی اور جسمانی ماحول ہے اور کچھ طلباء NITs، LLTs اور ملک کے دیگر معروف اداروں سے فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔

اس کے علاوہ ایس سی کمیونٹی کی خواتین کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دینے کے لیے ان کے لیے 30 اقامتی جونیئر کالج بنائے گئے ہیں۔ اس وقت ان کالجوں میں 17,014 خواتین زیر تعلیم ہیں۔ اسی طرح ایس ٹی خواتین کے لیے 22 نئے خصوصی اقامتی ڈگری کالج قائم کیے گئے ہیں اور ان کالجوں میں 9,159 خواتین زیر تعلیم ہیں۔ ان اقامتی تعلیمی اداروں کے علاوہ متعلقہ فلاحی محکموں کی

جانب سے علیحدہ فلاحی ہاسٹل بھی قائم کیے جارہے ہیں اوران کی دیکھ بھال بھی کی جارہی ہے۔

اسکالرشپس

حکومت نے ریاست میں ایس سی، ایس ٹی، بی سی اور اقلیتی برادریوں کی تعلیم میں مدد کے لیے اسکالرشپ اور ٹیوشن فیس کی بازادائیگی کے ذریعے مالی امداد میں توسیع کی ہے۔ ہر تعلیمی سال میں تقریباً 4.86 لاکھ ایس سی طلباء اور 1.27 لاکھ ایس ٹی طلباء کو پری میٹرک اسکالرشپ اور تقریباً 2.5 لاکھ ایس سی طلباء، 1.4 لاکھ ایس ٹی طلباء کی مدد کی جاتی ہے۔ 1.2 لاکھ اقلیتی طلباء اور 10.1 لاکھ بی سی طلباء کو پوسٹ میٹرک اسکالرشپس بشمول ٹیوشن فیس کی ادائیگی میں مدد کی جاتی ہے۔

بیرون ملک تعلیم کے لیے اسکالرشپس: پسماندہ طبقوں کے بچوں کو بیرون ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں مدد کرنے کے لیے، حکومت نے اوورسیز اسکالرشپ متعارف کروائی ہے جو کہ ایک خاندان کے ایک بچے کو 20 لاکھ روپے (جن کی سالانہ آمدنی 5 لاکھ روپے سے کم ہے) روپے فراہم کرتی ہے اور جس نے کسی اہل ملک سے غیر ملکی یونیورسٹی میں داخلہ حاصل کیا ہو۔ ایس سی اور ایس ٹی طلباء کی اوورسیز اسکالرشپ کا نام ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوورسیز ودیا ندھی، بی سی اور ای بی سی طلبہ کے لیے اسے مہاتما جیوتیبا پھولے اوورسیز ودیا ندھی اور اقلیتی طلبہ کے لیے چیف منسٹر اوورسیز اسکالرشپ اسکیم کا نام دیا گیا ہے۔ فروری 2022 تک ایس سی، ایس ٹی، بی سی اور اقلیتوں کے لیے اوورسیز اسکالرشپس کے آغاز کے بعد سے، جملہ 699 ایس سی، 204 ایس ٹی، 1790 بی سی اور 2235 اقلیتی طلبہ نے یہ اسکالرشپس حاصل کی ہیں۔

ہاؤسنگ: محفوظ رہائش تک رسائی خاندان کی فلاح و بہبود میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ انسانی ساختہ اور قدرتی دونوں قسم کے خطرات کے خلاف پناہ گاہ فراہم کرنے کے علاوہ، ایک باوقار زندگی کو یقینی بنانے کے لیے پینے کے پانی کی مناسب فراہمی، صفائی کی سہولیات اور صاف ستھرا ماحول کے ساتھ مناسب رہائشی سہولیات کی دستیابی ضروری ہے۔

ٹو بی ایچ کے ہاؤسنگ پروگرام

غریبوں کو سستی اور معیاری رہائش فراہم کرنے کے مقصد کے ساتھ، حکومت نے اکتوبر 2015 میں 2 بی ایچ کے ہاؤسنگ پروگرام شروع کیا۔ اس پروگرام کے تحت، 2016 سے 2021 کے درمیان کل 2,91,057 مکانات کی منظوری دی گئی ہے۔ نومبر 2021 تک 1,07,612 مکانات مکمل ہو چکے ہیں، جبکہ باقی گھروں کی تعمیر تکمیل کے مختلف مراحل میں ہے۔ تقریباً پروگرام کے آغاز سے لے کر نومبر 2021 تک 10,445 کروڑ روپئے استعمال کئے جا چکے ہیں۔ گریٹر حیدرآباد میونسپل کارپوریشن (GHMC) اپنے دائرہ اختیار میں عمل آوری کرنے والی ایجنسی ہے اور باقی ریاست کے لیے تلنگانہ اسٹیٹ ہاؤسنگ کارپوریشن (TSHC) عمل درآمد کرنے والی ایجنسی ہے۔ ہر گھر کا رقبہ 560 مربع فٹ ہے، جس میں ایک کچن اور دو بیت الخلاء شامل ہیں۔ ہر گھر کی تعمیر کی لاگت دیہی علاقوں میں 5.04 لاکھ روپے ہے۔ شہری علاقوں میں 5.30 لاکھ تا 7.00 لاکھ روپے کے درمیان ہے۔ گریٹر حیدرآباد میونسپل کارپوریشن (GHMC) کی حدود میں 7.90 لاکھ روپئے ہے۔ 2BHK پروگرام کو 2018-19 میں ای گورننس میں بہترین کارکردگی کے لیے U-PMAY (پردھان منتری آواس یوجنا - اربن) ایوارڈ ملا۔

آبادی کی مقامی تقسیم اور سماجی انصاف کو ذہن میں رکھتے ہوئے، حکومت نے ان 2BHK گھروں کا حصہ مخصوص سماجی گروپوں کے لیے مختص کیا ہے۔ دیہی علاقوں میں SCs اور STs کے لیے 50% مکانات، 7% اقلیتوں کے لیے اور 43% دیگر کمیونٹی کے لیے مختص ہیں۔ شہری علاقوں میں یہ SCs کے لیے 17%، STs کے لیے 6%، اقلیتوں کے لیے 12% اور دیگر کمیونٹیز کے لیے 65% ہے۔ مزید برآں، سابق سروس پرسنل اور سابق فوجیوں کی بیواؤں کے لیے 2% ریزرویشن ہے، اور 5% معذور افراد کے لیے مختص ہے۔

ریاست نے اپنی آبادی کو پکے مکانات فراہم کرنے میں زبردست پیش رفت کی ہے۔ تلنگانہ 18 غیر خصوصی زمرہ والی ریاستوں میں سے ایک ہے جہاں مرکزی ہاؤسنگ اسکیم (34%) کے مقابلے زیادہ گھرانے (66%) ریاست کی مخصوص ہاؤسنگ اسکیم سے فوائد حاصل کرنے کی معلومات دیتے ہیں۔ ریاست کی مخصوص ہاؤسنگ اسکیم کے ذریعہ کوریج کے لحاظ سے تلنگانہ چوتھے نمبر پر ہے۔ اعداد و شمار 11A ان گھرانوں کی فیصد کو ظاہر کرتا ہے جنہوں نے غیر خصوصی زمرہ والی ریاستوں میں ریاست کے زیر اہتمام اور مرکزی طور پر سپانسر شدہ (خاص طور پر PMAYU) اسکیموں کے تحت فوائد حاصل کیے ہیں۔

خواتین کی فلاح و بہبود

ریاست تلنگانہ میں تمام شعبوں میں مساوی ترقی کے لیے حکومت خواتین کی فلاح و بہبود اور بااختیار بنانے پر خصوصی توجہ مرکوز کرنے والے اقدامات کو نافذ کر رہی ہے۔ یہ اقدامات ملازمت میں صنفی تقسیم کو کم کرنے پر مرکوز ہیں۔ آمدنی میں بہتری اور گھریلو خواتین کی آمدنی کے حصول کی طاقت کو مضبوط کرنا۔ آروگیہ لکشمی اور کے سی آر کٹس جیسے اقدامات کو لاگو کیا گیا ہے تاکہ خواتین کو مناسب صحت سے متعلق غذائی خدمات کی فراہمی کو یقینی بنایا جا سکے۔ حکومت نے شادیوں کے دوران مالی امداد فراہم کرنے اور خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے SHG گروپوں کے ایک بڑے نیٹ ورک کو فعال کرنے کے لیے بھی اقدامات کیے ہیں۔

مندرجہ بالا پروگراموں کے علاوہ۔ حکومت مرکزی اسپانسر شدہ اسکیموں جیسے آئی سی ڈی ایس کو بھی نافذ کر رہی ہے۔ سپلیمنٹری نیوٹریشن پروگرام، پوشن ابھیان، آنگن واڑی مراکز کی تعمیر اور تزئین و آرائش۔ انٹیگریٹڈ چائلڈ پروٹیکشن سروسز، خواتین کے لیے ریاستی وسائل کے مراکز، بیٹی پڑھاؤ بیٹی بچاؤ، اور اسمگلنگ اور تجارتی جنسی استحصال کا شکار ہونے والوں کے لیے اجوالا اور دیگر۔ مزید یہ کہ ریاستی حکومت ریاستی سرکاری ملازمتوں میں خواتین کے لیے 33.3% ریزرویشن فراہم کر رہی ہے جو تعلیمی اداروں میں براہ راست بھرتی اور اندراج کے تحت ہیں۔

کلیانہ لکشمی/ شادی مبارک آمدامداد/ بین ذات کی شادیوں کے لیے امداد۔

حکومت نے غیر شادی شدہ لڑکیوں کو 1,00,116 روپے کی یک وقتی گرانٹ کی شکل میں مالی امداد فراہم کرنے کے لیے کلیانہ لکشمی/ شادی مبارک اسکیم کا آغاز کیا؟ ان کی شادی کے وقت (18 سال سے اوپر کی عمر) SC، ST، BC اور اقلیتی خاندانوں سے (دونوں والدین کی مشترکہ آمدنی کے ساتھ 2,00,000 روپے سالانہ سے زیادہ نہ ہو)۔ 2019 کے وسط سے، 1,25,145 غیر شادی شدہ معذور لڑکیوں کو ان کی ذات اور مذہب سے قطع نظر حکومت مالی امداد بھی فراہم کر رہی ہے۔

دسمبر 2021 تک،کل 1.9 لاکھ ایس سی، 1.1 لاکھ ایس ٹی، 4.3 لاکھ بی سی، 1.9 لاکھ اقلیتی خاندان اس اسکیم سے مستفید ہوئے ہیں اور حکومت نے تقریباً 20 لاکھ روپے کی رقم تقسیم کی ہے۔ 8085 کروڑ اس اقدام نے نہ صرف کم عمری کی شادیوں کو کافی حد تک روکا بلکہ شادیوں سے متعلق مالی بوجھ کو بھی کافی حد تک کم کیا۔

زمین کی خریداری کی اسکیم

غربت کے خاتمے اور کمیونٹی کی ترقی کے لیے زمین تک رسائی بہت ضروری ہے۔ زمین کی خریداری کی اسکیم 2014 میں شروع کی گئی تھی جس کا مقصد ریاست کی جانب سے ''بھومی لینی نروپیدا دلیت ویاوسایا آدھارتو کٹمبلو'' کی خواتین کو 3.00 ایکڑ زرعی زمین خریدنا اور تفویض کرنا ہے، زمین کی خریداری کی اسکیم 100 فیصد کے ساتھ زیر عمل رہی۔ ضلع کلکٹرس کو مذکورہ پروگرام کے لیے 2.00 لاکھ روپے سے لے کر 20 لاکھ روپے تک کی قیمت پر زرعی زمین خریدنے کے اختیارات دیے گئے تھے۔

زمین کی خریداری کی اسکیم کے تحت 16,993.27 ایکڑ کی حد تک 6,942 مستحقین میں 761.42 کروڑ روپے (2014 سے دسمبر 2021 تک) کی لاگت سے تقسیم کی گئی ہے۔ 22-2021 کے دوران 451.35 ایکڑ 261 مستفیدین میں تقسیم کی گئی ہے جس پر 25.32 کروڑ روپے کی رقم خرچ ہوئی ہے۔

سیلف ہیلپ گروپس (SHGS)

SHG تحریک کو نچلی سطح کی تحریک کے طور پر بڑے پیمانے پر تسلیم کیا گیا جس نے پسماندہ اور معاشی طور پر کمزور خاندانوں کی خواتین کو مالی طور پر بااختیار بنا کر ان کی زندگیوں میں تبدیلیاں لائی ہیں۔ حکومت 'خواتین اور ان کے فیڈریشنوں کے SHGs کی تشکیل اور ان کی دیکھ ریکھ کے ذریعے "SERP" (سوسائٹی فار ایلیمینیشن آف رورل پاورٹی)' کے ذریعے اس تحریک کو مزید سہولت فراہم کر رہی ہے۔ ریاست میں کل 47.53 لاکھ خواتین کو 4.39 لاکھ SHGs اور 17,886 گاؤں کی تنظیموں میں منظّم کیا گیا ہے۔ سال 22-2021 (نومبر 2021 تک) میں بننے والے نئے SHGs کی تعداد 15865 ہے۔

تلنگانہ نے ان تمام SHGs کے لیے بینک لنکیجر کی سہولت فراہم کرنے کا آغاز کیا ہے۔ ریاست کے قیام کے بعد سے، SHGs کو ہر سال تقسیم کی جانے والی رقم 15-2014 میں 3,738.67 کروڑ روپے سے تقریباً تین گنا بڑھ کر 21-2020 تک 10,448.03 کروڑ (کیونکہ 22-2021 کا ڈیٹا صرف دسمبر تک کا ہے) ہوگئی ہے۔

"MEPMA" ریاست تلنگانہ کے تمام شہری علاقوں میں غربت کے خاتمے کے پروگراموں کے نفاذ کے لیے ریاستی نوڈل ایجنسی ہے۔ اب تک 13,425 مائیکرو انٹر پرائزز شہری SHG خواتین کے ذریعے قائم کیے گئے ہیں جن کی کل لاگت 102.82 کروڑ روپے ہے۔ 22-2021 میں 1,107.32 کروڑ روپے کی رقم سیلف ہیلپ گروپ- بینک لنکیج (BL-SHG) کے تحت 17,287 SHGs کو فراہم کیے گئے ہیں۔ سیلف ایمپلائمنٹ پروگرام (SEP) کے تحت 113.92 کروڑ روپے سے 1,241 مستفید ہوئے ہیں۔

آروگیہ لکشمی اور کے سی آر کٹس

آروگیہ لکشمی اسکیم تمام آنگن واڑی مراکز میں رجسٹرڈ تمام حاملہ اور دودھ پلانے والی ماؤں کو غذائیت سے بھرپور اور صحت بخش کھانا فراہم کرتی ہیں۔ اس اسکیم کے بنیادی مقاصد حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین کے لیے اضافی غذائیت کے معیار اور قابل قبولیت کو بڑھانا، اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین IF +90 گولیاں کھائیں، حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین جو خون کی کمی کا شکار اس تعداد کو کم کریں۔ آنگن واڑی مراکز (AVWCs) میں غذائی قلت کا شکار ماؤں کے اندراج کو زیادہ سے زیادہ کرنا ہے۔

خواتین کی صحت اور بہبود کے مفاد میں حکومت ہند کی طرف سے مقرر کردہ اصولوں سے بالاتر ہو کر حکومت تلنگانہ نے 14 روپے فی دن فی مستفید کنندہ کی اضافی رقم مختص کرتے ہوئے شرحوں میں اضافہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ، ریاستی حکومت نے استفادہ کنندگان کو دودھ اور انڈے ملنے کے دنوں کی تعداد 25 سے بڑھا کر 30 کردی ہے۔

22-2021 کی اسکیم سے 22,00,346 سے زیادہ حاملہ، دودھ پلانے والی خواتین اور 7 ماہ سے 6 سال کی عمر کے بچوں کو فائدہ پہنچا (بالا مرتھم اور سپلیمنٹری نیوٹریشن پروگرام کے تحت) جس پر روپے خرچ ہوئے۔ 118 کروڑ ادارہ جاتی ڈیلیوری کے فروغ کے ذریعے زچگی اور بچوں کی شرح اموات کو کم کرنے کے مقصد کے ساتھ، KCR کٹ پروگرام جون 2017 میں شروع کیا گیا تھا۔ اسکیم کے تحت، بعد از پیدائش ماؤں کو ایک کٹ ملتی ہے جس میں 15 یوٹیلیٹی اشیاء ہوتی ہیں۔ اس اسکیم کے تحت، بچے کی پیدائش کے بعد، ماں کو 12,000 (ایک بچی کے لیے 13,000) کی مالی امداد فراہم کی جاتی ہے تاکہ حمل اور بعد از پیدائش کے دوران خواتین کی اخراجات کے نقصان کی تلافی کی جا سکے۔ نومبر 22-2021 تک تقریباً 1.51 لاکھ مستفیدین کو 186 کروڑ روپے، کے سی آر کٹس کے ساتھ براہ راست فائدہ پہنچایا گیا ہے۔ اسکیم کا آغاز ریاست میں 16-2015 (NFHS-4) میں 30.5% سے 20-2019 (NFHS-5) میں 49.7% تک بہتر ادارہ جاتی فراہمی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مہیلا شکتی کیندراس (MSKS)

مہیلا شکتی کیندراس (MSKs) ایک مرکزی اسپانسر شدہ اسکیم ہے جس میں مرکز۔ ریاست کا حصہ 40:60 ہے۔ MSK اسکیم کا مقصد خواتین کو ہنر مندی کی ترقی، روزگار، ڈیجیٹل خواندگی، صحت اور غذائیت کے مواقع کے ساتھ بااختیار بنانے کے لیے ایک متضاد معاون خدمات فراہم کرنا ہے۔ MSKs ریاست کی طرف سے خواتین سے متعلقہ اسکیموں، پروگراموں اور قوانین کو نافذ کرتی ہیں، بشمول کام کی جگہ پر خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنا ایکٹ، 2013، قبل از پیدائش اور قبل از پیدائش تشخیصی تکنیک ایکٹ، 1994، کی ممانعت جیسے مختلف ایکٹ چائلڈ میرج ایکٹ، 2006، شادی ایکٹ کی لازمی رجسٹریشن، آر ٹی ای، 2009 وغیرہ سے متعلق آگاہی مہم ہے۔

ون اسٹاپ سینٹرز (سکھی سینٹرز) (Sakhi Centers): ون اسٹاپ سینٹرز (جن کو سکھی سینٹرز بھی کہا جاتا ہے) دسمبر 2017

میں ریاست کے تمام 33 اضلاع میں قائم کیے گئے تھے جس کا مقصد تشدد سے متاثرہ خواتین کو نجی اور عوامی مقامات پر مربوط مدد فراہم کرنا تھا۔ خاندان کے اندر، کمیونٹی اور کام کی جگہ پر۔ سکھی سینٹرز نے 2017 سے اکتوبر 2021 تک 32,114 کیسز کو ہینڈل کیا، جو سکھی سینٹرز کی بڑھتی ہوئی رسائی سے ظاہر ہے۔ کل رجسٹرڈ کیسز میں سے تقریباً 66 فیصد گھریلو تشدد کے تھے۔ تلنگانہ میں 19 اگست 2017 کو خواتین کی ہیلپ لائن (WHL) 181 کا آغاز کیا گیا تھا جس میں 6 سیٹوں والے کال سنٹر تھے۔ سکھی سینٹر کو WHL کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے تاکہ تشدد سے متاثرہ خواتین/لڑکیوں کو مدد فراہم کی جا سکے۔

بھروسہ مراکز

BHAROSA سینٹرز ایک نکاتی امدادی مراکز ہیں جو خواتین اور بچوں کو مربوط مدد فراہم کرتے ہیں جن کو شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے، خواہ وہ جسمانی، جنسی، مالی یا جذباتی ہوں۔ پہلا سنٹر حیدرآباد میں 2016 میں قائم کیا گیا تھا، اس کے بعد 2018 میں وقار آباد، 2020 میں سنگاریڈی اور ورنگل میں بھی نئے سنٹر قائم کیے گئے تھے۔ سوریاپیٹ، نلگنڈہ، میدچل، کھمم، اور حیدرآباد کے پرانے شہر میں بھروسہ مراکز جاری ہیں۔

سیکورٹی، صحت، اور ماحولیات (SHE) ٹیمیں۔

SHE ٹیمیں 2014 میں تلنگانہ پولیس کے ایک ڈویژن کے طور پر قائم کی گئی تھیں۔ اس کا مقصد خواتین کے خلاف چھیڑ چھاڑ جیسے جرائم سے نمٹنا تھا۔ عوام میں یا کام کی جگہوں، تعلیمی اداروں، رہائشی علاقوں یا سوشل میڈیا پر ہراساں خواتین کا پیچھا کرن یا ہراساں کرنا۔ اس وقت ریاست میں SHE331 ٹیمیں کام کر رہی ہیں۔ اکتوبر 2014 اور ستمبر 2021 کے درمیان۔ اس اقدام کے تحت کل 54,231 شکایات موصول ہوئیں، جس کے نتیجے میں 19,411 سے زیادہ مجرموں کو گرفتار کیا گیا۔

جنسی طور پر ہراساں کرنے والا الیکٹرانک باکس (T-SHE BOX)

حکومت نے T-SHE BOX (ایک موبائل اور ویب ایپ) کا قیام ایک کوشش کے طور پر کیا تاکہ ہر عورت کو ایک ہی ونڈو تک رسائی فراہم کی جائے۔ جنسی ہراسانی سے متعلق شکایت پر چاہے اس کے کام کی حیثیت کچھ بھی ہو، چاہے وہ منظّم ہو یا غیر منظّم، نجی یا سرکاری شعبے میں، رجسٹریشن کی سہولت فراہم کرنے کے لیے۔

2021-22 میں، پلیٹ فارم پر 4,376 اندرونی شکایات کمیٹیاں (CC) اور 28 مقامی شکایات کمیٹیاں (LCC) رجسٹر کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ، حکومت نے حیدرآباد میں اسمگل شدہ متاثرین کی حفاظت کے لیے ایک نیا گھر بھی قائم کیا ہے۔

غربت کا خاتمہ

غربت اور اس کے تعین کرنے والوں سے نمٹنا حکومت کے اہم ترین شعبوں میں سے ایک رہا ہے۔ تلنگانہ ریاست کی تشکیل کے بعد سے، حکومت نے غربت کے خاتمے کے موجودہ پروگراموں، خاص طور پر عوامی تقسیم کے نظام (PDS) اور مہاتما گاندھی نیشنل

رورل ایمپلائمنٹ گارنٹی اسکیم (MGNREGS) اور 100% سبسڈی والی BHK-2 ہاؤسنگ اسکیم کومزید سہولت بخش بنایا ہے۔ مزید، ریاستی سطح کی سوسائٹیاں جیسے سوسائٹی فار ایلیمینیشن آف رورل پاورٹی (SERP) اور مشن فار ایلیمینیشن آف پاورٹی ان میونسپل ایریاز (MEPMA) خواتین کی قیادت میں سیلف ہیلپ گروپس (SHGs) کی تشکیل اور دیکھ ریکھ میں مدد کر رہی ہیں اور دیہی علاقوں میں غربت کے خاتمے کے پروگراموں کو نافذ کر رہی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ حکومت نے غربت کے خاتمے کے لیے کام کر کے غربت کے خاتمے پر توجہ مرکوز کی ہے۔

آسارا پنشن اسکیم (15-2014 سے 22-2021) کے تحت مستفید ہونے والوں کی تعداد اور تقسیم کی گئی رقم (کروڑ روپے)

کثیر جہتی غربت، نیتی آیوگ کی کثیر جہتی غربت انڈیکس (ایم پی آئی) بیس لائن رپورٹ 2021 کے مطابق، جس میں صحت، تعلیم، اور معیار زندگی کے تین مساوی ویژن ہیں، ہندوستان میں ہر چار میں سے ایک فرد کثیر جہتی طور پر غریب ہے، لیکن تلنگانہ میں یہ سات افراد میں سے ایک غریب ہے۔

ریاست کی تشکیل کے بعد سے، حکومت نے صحت (کے سی آر کٹس، آروگیہ لکشمی، گری پوشانہ، صحت عامہ کے بنیادی ڈھانچے کو بہتر بنانا وغیرہ)، تعلیم (منا اورو، منا بڈی کے ذریعے اسکول کے بنیادی ڈھانچے کو بہتر بنانا)، اور معیار زندگی (کے سی آر کٹس، آروگیہ لکشمی، گری پوشنا) میں ہدفی مداخلتیں کی ہیں۔ ہاؤسنگ۔ سکل ڈویلپمنٹ، اثاثہ جات کی تخلیق، مفت بجلی وغیرہ ریاست میں مخصوص پسماندہ گروہوں کا احاطہ کرتا ہے۔

آسرا پنشن: اس کی فلاح و بہبود اور سماجی تحفظ کے نیٹ ورک کی حکمت عملی کے حصے کے طور پر حکومت نے نومبر 2014 میں ''آسرا'' پنشن سکیم متعارف کرائی ہے تاکہ معاشرے کے سب سے زیادہ کمزور طبقوں کی مدد کی جا سکے۔ اس اسکیم کا مقصد معاشرے کے مختلف طبقوں بالخصوص بوڑھے اور کمزور افراد، معذور افراد، بیواؤں، ایچ آئی وی ایڈز کے شکار افراد، فلیریا سے متاثرہ افراد (گریڈ-ایل اینڈ ایل)، معذور بنکر، تاڑی پتر، غریب بیڑی ورکرز اور تنہا خواتین کی حفاظت کرنا ہے۔ 22-2021 میں (جنوری 2022 تک)۔ تقریباً 37.34 لاکھ پنشنروں کو 7,078 کروڑ روپے تقسیم کیے گئے ہیں۔ 2014 سے، اس اسکیم کے تحت سالانہ اوسطاً 38 لاکھ مستفیدین کا احاطہ کیا گیا ہے۔

نومبر 2014 سے جنوری 2022 میں اسکیم کے آغاز کے بعد سے، تقریباً 45,882 کروڑ روپے تقسیم کیے گئے ہیں۔ جون 2019 سے، پنشن کی رقم روپے سے بڑھ کر روپے ہوگئی ہے۔ -/1500 سے روپے -/3016 ماہانہ معذور افراد اور پنشنرز کی دیگر تمام اقسام کے لیے روپے سے۔ -/1000 سے روپے -/2016 فی مہینہ کر دی گئی ہے۔

عوامی تقسیم کا نظام / پبلک ڈسٹری بیوشن سسٹم (PDS)

تلنگانہ حکومت ترجیحی خاندانوں میں ان کی اہلیت کے مطابق رعایتی قیمتوں پر ضروری اشیاء اور غذائی اجناس تقسیم کر رہی ہے۔

حکومت 17,013 فیئر پرائس شاپس (FPSs) کے نیٹ ورک کے ذریعے عوامی تقسیم کے نظام (PDS) کو فعال طور پر نافذ کر رہی ہے۔ حکومت تلنگانہ نے نیشنل فوڈ سیکورٹی ایکٹ (این ایف ایس اے) کے تحت حکومت ہند کی طرف سے تقریباً 1.91 کروڑ (افراد/ یونٹس) کی تجویز کردہ احاطہ سے زائد اور اس سے زائد اضافی 96 لاکھ لوگوں تک PDS کو وسعت دے چکی ہے، اس طرح مؤثر طریقے ریاست میں دسمبر 2021 تک 2.87 کروڑ استفادہ کنندگان کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اضافی فائدہ اٹھانے والے احاطہ کے ساتھ ساتھ حکومت نے چاول کی تقسیم کے پیمانے کو بھی 5 کلوگرام فی شخص سے بڑھا کر حکومت ہند کی طرف سے تجویز کردہ 3 روپے فی کلوگرام، ایک خاندان کے تمام ارکان کے لیے 1 روپے فی کلوگرام فی فرد سے 6 کلوگرام کر دیا ہے۔ خوراک کی حفاظت کے ساتھ ساتھ، ریاست نے دیپم اسکیم کے تحت 18.90,533 غریب اور پسماندہ گھرانوں کو گیس کنکشن کی سہولت فراہم کی ہے۔

اس پروگرام پر جملہ خرچ 2014 میں 1,140 کروڑ روپے 2021 میں 2,281 کروڑ روپیسے دوگنا کر دیا گیا ہے۔ سال 22-2021 میں، عوامی تقسیم کے نظام نے ریاست میں تقریباً 3.36 کروڑ استفادہ کنندگان کی خدمت کی ہے۔

COVID-19 کے دوران اقدام

COVID-19 وبائی بیماری کے نتیجے میں لاک ڈاؤن نے لوگوں کی زندگیوں کو بری طرح متاثر کیا ہے، خاص طور پر آبادی کے پسماندہ طبقات پریشان تھے۔ ریاستی حکومت نے CoVID-19 وبائی بیماری کی دوسری لہر کے دوران غریب گھرانوں کی مدد کرنے کے لیے اضافی 10 کلو چاول فی شخص تمام کارڈ ہولڈرز کو مفت تقسیم کرتے ہوئے بڑی کامیابی حاصل کی۔ یہ تقسیم مئی اور نومبر 2021 کے درمیان 7 مہینوں تک جاری رہی جس پر واجبی طور پر 324 کروڑ روپے کی اضافی رقم خرچ ہوئی۔

خانگی اسکولوں کے اساتذہ کو راحت فراہم کرنے کے لیے، ریاستی حکومت نے اپریل سے جون، 2021 تک تسلیم شدہ پرائیویٹ اسکولوں کے 2.03,473 تدریسی اور غیر تدریسی عملے میں ہر ایک کو 25 کلوگرام مفت تقسیم کیا اور اس پر 2021 میں 52.26 کروڑ روپے کا خرچ ہوا۔ تلنگانہ ریاست پہلی ریاست ہے جس نے خانگی اسکولوں کے عملے کو اس طرح کی راحت فراہم کی ہے۔

اقتصادی امدادی اسکیمیں

حکومت کی طرف سے اقتصادی معاونت کی اسکیمیں متعارف کرائی جاتی ہیں، i) آمدنی پیدا کرنے والے اثاثوں کی تخلیق کے لیے مالی مدد فراہم کرنے کے لیے، i) اسکل اپ گریڈیشن کے لیے تربیتی پروگرام پیش کرنے کے لیے جس کے نتیجے میں خود/ اجرت کا روزگار پیدا ہوتا ہے اور ii) اقتصادیات میں مالیاتی بحرانوں کو پورا کرنا۔ ایس سی، ایس ٹی اور دیگر کمزور طبقات کی فلاح و بہبود کے لیے سپورٹ اسکیمیں ہیں۔

بھیڑوں کی تقسیم کی اسکیم

حکومت ریاست میں یادو اور کرما برادریوں کے لیے بھیڑ تقسیم کرنے کی اسکیم کو نافذ کیا ہے۔ 2017 میں پروگرام کے آغاز سے لے کر اب تک کل 79,98 لاکھ بھیڑیں 3.81 لاکھ مستحقین میں تقسیم کی جا چکی ہیں۔ 2017 اور اکتوبر 2021 کے درمیان ریاستی

حکومت نے 75% کی سبسڈی والے حصے کے ساتھ 3,572 کروڑ روپے کے اخراجات کیے ہیں۔ کھلی منڈی میں بھیڑوں کی قیمتوں میں اضافے اور نقل و حمل کی قیمتوں میں اضافے کو مدنظر رکھتے ہوئے، SRDP پروگرام کے فیز I (22-2021 اور 23-2022) میں، حکومت نے یونٹ کی لاگت کو 125,000 روپے سے 1,75,000 روپے سے بڑھا دیا ہے۔

ایس سی، ایس ٹی اور بی سی کمیونٹیز کو مفت بجلی کی فراہمی

حکومت درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل کے خاندانوں کو گھریلو مقاصد کے لیے 101 یونٹ تک مفت بجلی فراہم کر رہی ہے، جس سے تقریباً 19.73 لاکھ ایس سی گھرانوں اور 1.47 لاکھ ایس ٹی گھرانوں کو فائدہ پہنچا ہے۔ ریاستی حکومت نے 22-2021 سے لانڈری/ دھوبی گھاٹوں اور سیلونوں کو 250 یونٹ تک مفت بجلی فراہم کرنے کی اسکیم لائی ہے۔ راجا کا اور نئی برہمن برادریوں کے 54,035 لوگوں کو فائدہ پہنچانا 116.3 انٹر پرینیورشپ ڈیولپمنٹ (PRIDE-T) حکومت نے 2014 میں تلنگانہ اسٹیٹ پروگرام فار ریپڈ انکیوبیشن آف دلت انٹر پرینیورس (PRIDE-T) کے نام سے ایک خصوصی مراعاتی پیکج اسکیم شروع کی ہے تاکہ درج فہرست ذاتیں (SCs)، درج فہرست قبائل (STs) اور جسمانی طور پر معذور شہری (PHCs) کے صنعتکاروں کی حوصلہ افزائی کی جا سکے۔ کریڈٹ سہولیات تک رسائی کو آسان بنانے کے علاوہ، پالیسی صنعتی پارکوں میں پلاٹوں کی ترجیحی الاٹمنٹ اور گہری کاروباری اور ہنرمندی کے پروگراموں کا تصور کرتی ہے۔ 2014 میں اسکیم کے آغاز سے لے کر جنوری 2022 تک، 23,742 ایس ٹی کاروباریوں کو 1052 کروڑ روپے کی رقم کی منظوری دی گئی۔ 22,955 ایس سی کاروباریوں کو 1032 کروڑ منظور کیے گئے اور روپے۔ پی ایچ سی کے 1708 کاروباریوں کو 93 کروڑ روپے کی منظوری دی گئی۔

ثقافت کی ترقی اور تحفظ

تلنگانہ طویل عرصے سے متنوع زبانوں اور ثقافتوں کے گہوارہ کی جگہ رہا ہے۔ یہ آسانی سے ہندوستان کی جامع ثقافت کی بہترین مثال ہے۔ تکثیریت اور جامعیت اس طرح یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ مجموعی طور پر یہ خطہ اپنی گنگا جمنا تہذیب اور دارالحکومت حیدرآباد کو 'چھوٹے ہندوستان' کے طور پر جانا جانے لگا۔

حکومت ریاست کی اس جامع ثقافت کے تحفظ کی اہمیت کو تسلیم کرتی ہے۔ قبائلی ثقافت کو محفوظ رکھنے کے لیے حکومت نے کومرم بھیم کی یاد میں جوڑے گھاٹ میں ایک قبائلی عجائب گھر تعمیر کیا ہے جس کی لاگت 20 کروڑ روپے ہے۔ مزید، 12 گریجن بھون، آدیواسی بھون، بنجارہ بھون تعمیر کے مختلف مراحل میں ہیں جن کی لاگت منظور شدہ ہے 20 کروڑ ہر ایک کی ہے۔

حکومت قبائلی برادری کے بڑے میلوں اور تہواروں کی سرپرستی کرتی ہے اور ہر سال مناتی ہے جیسے سنتھ سیوالال جینتی، کومرم بھیم وردھنتی، ناگوبا جٹھارا، بوراپور جٹھارا، جنگو بائی جٹھارا، ناچارما جٹھارا وغیرہ، قبائلی تہواروں میں سے سماکو سارکا جٹھارا یا میڈرام لوتھارا تاڈوائی منڈول میں دوسالہ طور پر منایا جا رہا ہے۔ ملگو ضلع، جو دنیا کی سب سے بڑی قبائلی مذہبی جماعت ہے۔ سماکا سارکا جٹھارا یا میڈرام جٹھارا تلنگنڈ کا ایک ریاستی تہوار ہے۔ ہر جٹھارہ کے دوران، حکومت پینے کے پانی کی فراہمی، صفائی اور ہنگامی صحت کی سہولیات کے لیے وسیع انتظامات کرتی ہے۔ سال 2022 کی تقریبات 14 فروری سے 20 فروری تک ہوئیں، تقریباً 1 کروڑ

معتقدین نے اس تہوار میں شرکت کی۔

بتوکما ایک سالانہ پھولوں کا تہوار ہے جو بنیادی طور پر تلنگانہ میں منایا جاتا ہے، اور نوجوان لڑکیاں اسے بڑے اہتمام سے مناتی ہیں۔ یہ مون سون کے اختتام کی طرف منایا جاتا ہے اور قدرت کی طرف سے پیش کی جانے والی کثرت کی خبر دیتا ہے۔ یہ تہوار مہالیہ اماوسیہ کے دن شروع ہوتا ہے، اور نو دنوں تک بہت دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس خاص تہوار کا بنیادی مقصد دیوی ماتا گوری سے عقیدت کے ساتھ دعا کرنا ہے حکومت 2017 کے بعد سے ہر سال تہوار کے موسم کے دوران فوڈ سیکیورٹی اسکیم کے تحت اندراج شدہ تمام خواتین کو بتوکما ساڑیاں تقسیم کرتی ہے۔

اسی طرح حکومت تلنگانہ اقلیتی برادریوں کے تہوار منانے کی بھی حمایت کرتی ہے۔ حکومت ہر سال ریاست بھر میں بالترتیب رمضان اور کرسمس کی تقریبات کے دوران دعوت افطار اور کرسمس کی دعوت کا اہتمام کر رہی ہے۔

بزرگ شہریوں اور معذوروں کے لیے فلاح و بہبود

وزارت شماریات اور پروگرام کے نفاذ (MoSPI) کی 2021 کی رپورٹ کے مطابق ریاست کی کل آبادی کا 11%' 60 سال سے اوپر کی ہے۔ ریاست میں 2031 تک اس کی آبادی کا 14.59% بزرگوں کے زمرے میں ہونے کا اندازہ ہے۔ اس لیے حکومت مسلسل جدتیں کر رہی ہے۔

Mo SPI (گورنمنٹ آف انڈیا) کی طرف سے شائع ہونے والی ایک حالیہ رپورٹ 'Elderly in India' میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح جنوبی ہندوستانی ریاستوں میں بزرگ آبادی کا تناسب باقی ملک سے زیادہ ہے۔ ہندوستان کی 10 'عمر رسیدہ ریاستوں' میں سے ایک کے طور پر (60 سال سے زیادہ عمر کے لوگوں کی کم از کم 5 ملین آبادی والی ریاستوں)، تلنگانہ نے بہتری کی ضرورت کو اجاگر کرتے ہوئے، عمر رسیدہ انڈیکس 2021 کے لیے معیار زندگی پر 38.9 اسکور کیا۔

ریاستی حکومت بزرگوں پر مرکوز پالیسیوں، اقدامات اور اسکیموں پر توجہ مرکوز کر سکتی ہے۔ ان میں میڈیکل کالجوں اور سرکاری ہسپتالوں میں جیریاٹرک کیئر کا ہونا شامل ہے۔ سماجی تحفظ کے لحاظ سے بے گھر بزرگوں کے لیے پناہ گاہوں کی فراہمی، سبسڈی والے انشورنس اور طبی اخراجات، پبلک اور پرائیویٹ ٹرانسپورٹیشن، مالی کفالت کو خود کو فعال کرنے کے لیے، بزرگ خود مدد گروپ (ESHG) کے نظریہ کو بھی اجاگر کیا ہے۔

فوری طور پر بڑے پیمانے پر پھیلنے والی غیر متعدی بیماریوں (NCD) سے نمٹنے کے لیے صحت کی دیکھ بھال کے مضبوط ڈھانچے کا قیام ہے۔ 60 سال سے زیادہ عمر کے 1,821 شرکاء کا مطالعہ کرنے والے ایک تحقیقی مقالے (54% خواتین کے ساتھ) نے اندازہ لگایا کہ کھمم اور ورنگل کے اضلاع میں ہر تیسرے شخص کو کم از کم ایک این سی ڈی ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ریاست بھر کے رجحانات کی عکاسی نہیں کرتا ہے، تو یقینی طور پر اس مسئلے کا سامنا کرنے کی ضرورت ہے اس سے پہلے کہ یہ موجودہ صحت کی دیکھ بھال کی سہولیات کے لیے ایک نظامی دباؤ کا نقطہ بن جائے۔

منا اورومنا بڈی/ منا بستی منا بڈی

تعلیمی سال 22-2021 کے مطابق پسماندہ کمیونٹیز سے تعلق رکھنے والے طلباء کے لیے اقامتی اسکول قائم کئے گئے۔ حکومت 978 سے زیادہ اقامتی اسکول چلاتی ہے جس کی توجہ ایس سی، ایس ٹی بی سی اور اقلیتی برادریاں سے تعلق رکھنے والے بچوں کو معیاری تعلیم فراہم کرنے پر مرکوز ہے۔ ریاست کی تشکیل کے بعد سے 15-2014 میں 298 اسکولوں سے تقریباً تین گنا اضافہ ہوا ہے جو 22-2021 میں 978 اسکولوں تک پہنچ گیا ہے۔

اقامتی اسکولوں کی اقسام

تلنگانہ اقامتی تعلیمی ادارے سوسائٹی (TREIS)

TREIS کا قیام 22-2021 تک اقامتی اسکولوں اور کالجوں کے ذریعے سماجی اور معاشی طور پر پسماندہ دیہی پریشانی اٹھانے والے بچوں کو GURLUKUL طریقہ میں معیاری تعلیم فراہم کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ TREIS سوسائٹی 21-2020 میں 22960 کی منظور شدہ تعداد کے مطابق جملہ 37 تعلیمی اداروں کا انتظام کر رہی ہے۔ اسی سال 21-2020 کے دوران کے لیے طلبہ کا اندراج 21.789 ہوا ہیا رہائشی اسکولوں سے سیکنڈری اسکول سٹیفکیٹ کے لیے پڑھنے والے طلبہ کا پاس فیصد 100% تھا اور انٹرمیڈیٹ کے طلبہ کے لیے یہ 95.396 تھا۔ اس کے علاوہ، تقریباً 50 طالب علموں کو ملک بھر کے ممتاز اداروں جیسے IIT، IIIT اور NIT میں پیشہ ورانہ کورسز پڑھنے کے لیے منتخب کیا گیا۔

تلنگانہ سماجی بہبود کے اقامتی تعلیمی ادارے سوسائٹی (TSWREIS)

حکومت، TSWREIS کے ذریعے

تقریباً 1.5 لاکھ طلباء کے ساتھ 268 رہائشی تعلیمی اداروں (جن میں سے 173 صرف لڑکیوں کے لیے ہیں) کا انتظام کرتا ہے۔ ان اسکولوں میں داخلے تحفظات کی بنیاد پر ہوتے ہیں جیسے (SC -75%, SCC- 2%, ST- 6%; BC-12%: Minorities - 3% & OC/ EBC - 2%). اور اس میں اسکول آف فائن آرٹس اینڈ فلم ٹکنالوجی، رکما پور میں سینک اسکول، آرمڈ فورسز پریپریٹری ڈگری کالج فار ویمن، بھونگیٹ، 26 اسپورٹس اسائیڈ ز اور 87 فریڈم اسکول جیسے ادارے شامل ہیں۔ سوسائٹی ریاست میں 872 ایس سی ہاسٹل بھی چلاتی ہے۔ 74,000 طلباء کو ایلمنٹر ی سے لے کر پوسٹ گریجویٹ سطح تک شامل کرتے ہوئے ان اداروں کے طلباء نے غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ سیکنڈری اسکول کے امتحانات میں ان اداروں نے 100% نتائج حاصل کیے ہیں۔ انٹرمیڈیٹ کے امتحانات میں کامیابی 89.38%6 رہی اور ڈگری کالجوں میں کامیابی 88.79 رہی۔ عظیم پریم جی یونیورسٹی، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، دہلی یونیورسٹی، اشوکا یونیورسٹی، جے این ٹی یو اور ٹی آئی ایس ایس جیسے نامور اداروں میں 400 سے زیادہ طلباء نے داخلہ لیا۔

تلنگانہ قبائلی بہبود کے اقامتی تعلیمی ادارے سوسائٹی (TTWREIS)

سوسائٹی اس وقت 188 رہائشی تعلیمی ادارے چلا رہی ہے جس میں گریڈ 1 سے 10 تک، انٹرمیڈیٹ اور ڈگری کالجوں میں

انگریزی ذریعہ تعلیم ہے۔ان میں سے 69 ادارے صرف لڑکوں کے لیے ہیں، 103 ادارے صرف لڑکیوں کے لیے ہیں اور 16 مخلوط تعلیم کے ادارے ہیں۔قبائلی بچوں کو معیاری تعلیم فراہم کرنے کے لیے جولائی 2020 میں تلنگانہ اسٹیٹ ایکلویہ ماڈل ریزیڈنشیل اسکولس سوسائٹی (EMRS) کی ایک علیحدہ سوسائٹی قائم کی گئی تھی۔تلنگانہ میں کل 23 EMRS ادارے کام کررہے ہیں۔

تلنگانہ اقلیتی اقامتی تعلیمی ادارے سوسائیٹی (TMREIS)

کمیونٹیز سے تعلق رکھنے والے اقلیتی کمزور طلباء کو معاشی طور پر معیاری تعلیم فراہم کرنے کے لیے TMREIS کے ذریعے رہائشی اسکول قائم کیے گئے تھے۔فی الحال یہ سوسائٹی ریاست کے 31 اضلاع میں 204 اسکول چلاتی ہے جس میں 67,234 طلباء داخل ہیں۔

مہاتما جیوتی با پھولے تلنگانہ پسماندہ طبقات کی فلاح و بہبود کے اقامتی تعلیمی اداروں کی سوسائٹی (MJPTBCWREIS)

یہ سوسائٹی 2014 میں بی سی ویلفیئر ریذیڈنشیل اسکولس کے انتظام کے لیے قائم کی گئی تھی۔فی الحال یہ 1,32,440 کی منظور شدہ تعداد کے ساتھ 261 اسکول، 19 جونیئر کالج اور ایک ڈگری کالج چلا رہا ہے۔2021-22 میں، 119 BC رہائشی اسکولوں کو جونیئر کالجوں میں اپ گریڈ کیا گیا، جن کی تعداد 9,650 کی مصدقہ ہے۔یہ BC طلباء کے لیے سب سے اہم تعلیمی اداروں میں سے ایک کے طور پر تیار ہوا ہے۔NEET، EAM-CET اور JEE میں کامیاب ہونے کے خواہشمند ہونہار طلباء کی کوچنگ کے لیے Super-100 اور سکول آف ایکسی لینس جیسے مزید اقدامات کے ساتھ، سوسائٹی نے تمام بڑے مسابقتی امتحانات میں اچھی کارکردگی دکھانے کے لیے طلباء کے لیے اپنی خدمات کو وسعت دی ہے۔

کستوربا گاندھی بالیکا ودیالیاس (KGBV)

کستوربا گاندھی بالیکا ودیالیہ (KGBV) لڑکیوں کے رہائشی اسکول ہیں۔ان اسکولوں کا مقصد معاشرے کے پسماندہ اور پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کے لیے معیاری تعلیم تک رسائی کو یقینی بنانا ہے۔اس اسکیم کو ملک کے تعلیمی لحاظ سے پسماندہ بلاکس (EBB)/منڈلوں میں نافذ کیا جاتا ہے جہاں خواتین کی خواندگی کی سطح قومی اوسط سے کم اور صنفی فرق قومی اوسط سے زیادہ ہے۔KGBVS گریڈ VII سے XII (انٹرمیڈیٹ) کے ساتھ کام کرتا ہے۔فی الحال ریاست میں 475 KGBVs کام کررہے ہیں، جن میں سے 267 KGBVs گریڈ VI-X اور 208 KGBVS انٹرمیڈیٹ سطح تک کام کررہے ہیں۔دسویں جماعت تک 91,617 لڑکیاں اور انٹرمیڈیٹ سیکشنز میں 22,453 لڑکیاں داخل ہیں۔

ماڈل سکولز

حکومت ہند نے ملک میں تعلیمی طور پر پسماندہ بلاکس (EBBs) میں 6,000 ماڈل اسکول قائم کرنے کی اسکیم مرحلہ وار

شروع کی تھی۔ یہ اسکول ریاستی نصاب کی بنیاد پر گریڈ VI سے لے کر انٹرمیڈیٹ تک کام کرتے ہیں اور انگریزی ذریعہ تعلیم کے طور پر۔ 2013-14 میں ریاست میں 194 ماڈل اسکول قائم کیے گئے۔

حکومت تلنگانہ نے اسکولوں کو چلانے کی مکمل ذمہ داری لی ہے کیونکہ حکومت ہند نے اس اسکیم کو الگ کر دیا ہے اور 2015-16 سے مالی امداد فراہم کرنا بند کر دیا ہے۔

پسماندہ کمیونٹیز کے طلباء کے لیے امداد

حکومت تلنگانہ مختلف پروگرامو ں کے ذریعے SC، ST، BC اور اقلیتی برادریوں کے مستحق اور ہونہار طلباء کو ان کی تعلیمی ترقی کے لیے مالی امداد فراہم کر رہی ہے۔ اسکول جانے والے بچوں کو پری میٹرک اسکالرشپ کی شکل میں مالی امداد بھی دی جا رہی ہے۔

پری-میٹرک اور پوسٹ-میٹرک اسکالرشپس

حکومت تلنگانہ طلباء کو پری میٹرک، پوسٹ میٹرک اسکالرشپس اور فیس بازادائیگی فراہم کر رہی ہے تاکہ ڈراپ آؤٹ کی شرح کو کم کیا جا سکے۔ 2014-22 کے درمیان، حکومت نے 40254 کروڑ روپے خرچ کیے پری میٹرک اسکالرشپ فراہم کرنے پر اور ایس سی، ایس ٹی، اور بی سی طلباء کے لیے پوسٹ میٹرک اسکالرشپ فراہم کرنے پر 7,153.11 کروڑ روپے خرچ کیے۔ 2021-22 میں پوسٹ میٹرک اسکالرشپ فراہم کرنے پر 25.22 کروڑ اور خرچ اقلیتی طلباء کے لیے فیس کی واپسی پر 79.67 کروڑ روپے خرچ کئے ہیں۔

ذیل کے سوالوں کا جواب دیجئے:

1. درج فہرست ذات، درج فہرست قبائل، پسماندہ طبقات اور اقلیتوں کی فلاح و بہبود کے بارے میں لکھیں؟
2. دلت بندھو پر ایک نوٹ لکھیں؟
3. ریاست میں درج فہرست ذاتوں، درج فہرست قبائل، پسماندہ طبقات، اقلیتوں اور اقتصادی طور پر کمزور طبقات [EWS] کے لیے ریزرویشن کی وضاحت کریں؟
4. درج فہرست قبائل اور گری وکاسم کے زمینی حقوق پر ایک نوٹ لکھیں؟
5. 2BHK ہاؤسنگ پروگرام کا تجزیہ کیجئے؟
6. کلیانہ لکشمی/ شادی مبارک/ بین ذاتی شادیوں کے لئے [شادی میں مالی معاونت] کے بارے میں بات کریں؟
7. سیلف ہیلپ گروپس سے آپ کی کیا مراد ہے؟
8. آروگیہ لکشمی اور کے سی آر کٹس سے آپ کا کیا مطلب ہے؟
9. مہیلا شکتی کیندر کے بارے میں لکھیں؟
10. ون اسٹاپ سینٹرز (سکھی سینٹرز) کے بارے میں لکھیں؟
11. BHAROSA مراکز سے آپ کی کیا مراد ہے؟

12. سیکورٹی، صحت، اور ماحول (وہ ٹیمیں) سے آپ کا کیا مطلب ہے؟
13. آسرا پنشن پر ایک مضمون لکھیں؟
14. پبلک ڈسٹری بیوشن سسٹم (PDS) کے بارے میں لکھیں؟
15. بھیڑوں کی تقسیم کی اسکیم کا ذکر کریں؟
16. بزرگ شہریوں اور معذور افراد کی فلاح و بہبود پر ایک مضمون لکھیں؟
17. تلنگانہ اقلیتی رہائشی تعلیمی اداروں کی سوسائٹی (TMREIS) پر ایک نوٹ لکھیں؟
18. کستور با گاندھی بالیکا ودیالیہ (KGBV) کی وضاحت کریں؟
19. ماڈل اسکول کی پالیسی پر بحث کریں؟
20. پری میٹرک اور پوسٹ میٹرک اسکالرشپ پر ایک نوٹ لکھیں؟
21. تلنگانہ سماجی بہبود کے اقامتی تعلیمی اداروں کی سوسائٹی [TSWREIS] کا تجزیہ کریں؟
22. تلنگانہ قبائلی بہبود اقامتی تعلیمی اداروں کی سوسائٹی [TTWREIS] کی وضاحت کریں؟

صحیح جواب کا انتخاب کریں:

1. 2BHK ہاؤسنگ اسکیم کے تحت حکومت تلنگانہ نے نومبر 2021 کے آخر تک __________ مکانات تعمیر کیے۔
6411,07,/1,07,842/1,07,612
2. مالیاتی سال 15-2014 میں حکومت تلنگانہ نے آسرا پنشن اسکیم کے تحت سالانہ اوسطاً __________ لاکھ مستفیدین کا احاطہ کیا ہے۔
37/36/38
3. بھیڑوں کی تقسیم کی اسکیم کے تحت، حکومت تلنگانہ نے __________ لاکھ بھیڑیں تقسیم کیں۔
79.97/79.99/79.98
4. دلت بندو اسکیم کا آغاز __________ کو وسالامری گاؤں میں کیا گیا۔
4 اگست 2021/7 اگست 2021/2 اگست 2021
5. وسالہ مری گاؤں __________ ضلع کے آلیر اسمبلی حلقہ میں ہے۔
یادری - بھون گری/ سنگا ریڈی/ سدی پیٹ
6. حکومت تلنگانہ نے __________ سال میں 2-BHK ہاؤسنگ پروگرام شروع کیا۔
اپریل 2015/اکتوبر 2015/نومبر 2015
7. 2-BHK ہاؤسنگ پروگرام کے آغاز سے لے کر نومبر 2021 تک __________ کروڑ روپے استعمال ہو چکے ہیں۔
10.445/10,454/10,444
8. ہر گھر کا رقبہ __________ مربع فٹ ہے۔
560/561/566

9. کلیانہ لکشمی/شادی مبارک اسکیم کے تحت مالی امداد فراہم کرنے کے لیے __________ روپے

-/1,00,126 روپے/ 1,00,116 روپے/ 1,00,111 روپے

10. پہلا BHAROSA سنٹر __________ میں ________ حیدرآباد، 2016/سدی پیٹ، 2017/میدک 2016 میں قائم کیا گیا تھا۔

11. ریاستوں میں 33 سکھی مراکز کا قیام __________

دسمبر 2017/نومبر 2017/اکتوبر 2017

12. TSWREIS __________ رہائشی تعلیمی اداروں کا انتظام کرتا ہے۔

289/299/268

13. TTWREIS اس وقت __________ اقامتی تعلیمی ادارے چلا رہا ہے۔

178/198/188

14. __________ رہائشی اسکول TMREIS کے ذریعے قائم کیے گئے تھے۔

204/208/205

15. مہاتما جیوتیبا پھولے تلنگانہ پسماندہ طبقات کی فلاحی رہائشی تعلیمی ادارہ سوسائٹی فی الحال ________ اسکولس ________ جونیئر کالج چلا رہی ہے۔

20---260/18---259/19---261

16. فی الحال ریاست میں KGBV __________ رہائشی اسکول کام کر رہے ہیں۔

479/475/477

17. حکومت ہند نے ملک میں __________ ماڈل اسکول قائم کرنے کی اسکیم شروع کی تھی۔

6000/6015/6025

18. 22-2014 کے درمیان حکومت تلنگانہ نے فی SC، ST اور BC طلباء کو پری میٹرک اسکالرشپ فراہم کرنے پر __________ روپے خرچ کیے۔

402.54 کروڑ روپے/ 402.50 کروڑ روپے/ 402.74 کروڑ روپے

19. 22-2014 کے درمیان حکومت تلنگانہ نے فی SC، ST اور BC طلباء کو پوسٹ میٹرک اسکالرشپ فراہم کرنے پر __________ روپے خرچ کیے۔

7,153.11 کروڑ روپے/ 7,150.11 کروڑ روپے/ 7،155.11 کروڑ روپے

20. 22-2021 میں حکومت تلنگانہ نے اقلیتی طلباء کے لیے پوسٹ میٹرک اسکالرشپ فراہم کرنے پر __________ کروڑ خرچ کیے ہیں۔

25.22 کروڑ روپے/.2530 کروڑ/.2427 کروڑ روپے

21. حکومت تلنگانہ نے اقلیتی طلباء کے لیے فیس کی ادائیگی پر __________ کروڑ روپے خرچ کیے ہیں۔

79.76 کروڑ روپے/ روپے.7780 کروڑ/ روپے.7779

26

26۔ خارجہ پالیسی کے عوامل

DETERMINANTS OF FOREIGN POLICY

مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

☆ مختلف عناصر کی وضاحت کرنے جو خارجہ پالیسی وضع کرتے ہیں۔

☆ ممالک کے جغرافیائی۔حکمت عملی پر مبنی مقام کا تجزیہ کرنے۔

☆ خارجہ پالیسی کے اصل مقاصد اور اہداف کو بیان کرنے۔

تعارف

جدید دنیا میں کوئی ایک ملک اپنے طور پر قائم نہیں رہ سکتا ہے۔ ہر ملک باہمی انحصار کا پابند ہے، اسی لیے ہر ملک کو دوسرے ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ بین الاقوامی معاشرے کے ایک رکن کے طور پر، ممالک کے تعلقات خارجہ پالیسی کے ذریعے متعین اور کنٹرول ہوتے ہیں۔ کئی چیزیں خارجہ پالیسی کا تعین بھی کرتی ہیں اور ان چیزوں کو خارجہ پالیسی کے عوامل کہا جاتا ہے۔

خارجہ پالیسی کیا ہے؟

خارجہ پالیسی میں بین الاقوامی تعلقات اور سرگرمیاں شامل ہیں۔ وسیع طور پر دیکھا جائے تو خارجہ پالیسی دیگر ممالک سے متعلق اپنے مفادات سے وابستہ سرگرمیوں اور طرز عمل سے بنتی ہے۔ یہ بعض بین الاقوامی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کے لیے فیصلہ سازی کا عمل ہے۔ خارجہ پالیسی سے مراد بین الاقوامی ماحول، موجودہ اور متوقع فیصلہ سازی کے لیے ممالک کے ردعمل کا خلاصہ ہے۔ قومی مفادات اور اہداف کے حصول کا ذریعہ خارجہ پالیسی کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

خارجہ پالیسی کے عوامل

ہر ملک بین الاقوامی میدان میں مخصوص اہداف کو پورا کرنے کے لیے خارجہ پالیسی مرتب کرتا ہے۔ یہ پالیسی صرف پالیسی سازوں کی خواہشات اور مرضی پر منحصر نہیں ہوتی ہے۔

خارجہ پالیسی کے رہنماؤں کو خارجہ پالیسی کے معاملات پر بہت غور و فکر کے بعد فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ وہ بہت سے عناصر سے متاثر ہوتے ہیں۔خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہونے والے عوامل کو خارجہ پالیسی کے عوامل کہا جاتا ہے۔

ملک کی خارجہ پالیسی کا تعین کئی عوامل سے ہوتا ہے۔انہیں تین زمروں میں درجہ بند کیا گیا ہے۔

☆ عام عوامل

☆ خارجی عوامل

☆ داخلی عوامل

عام عوامل

عام عوامل تمام ممالک کے لیے مشترک ہیں۔ یہ ملک کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اجزاء ہیں۔ان میں سے کچھ یہ ہیں:

1۔ ملک کی خودمختاری اور سالمیت:

ہر ملک اپنی خارجہ پالیسی بناتے وقت اپنی خودمختاری اور علاقائی سالمیت کو مدنظر رکھتا ہے۔ایک ملک کو اپنے شہریوں کی سرزمین، املاک اور جان کی حفاظت کرنی چاہیے۔

2۔ ممالک کا باہمی انحصار:

تمام ممالک غریب ہوں یا امیر، بڑے ہوں یا چھوٹے ایک یا زیادہ ضروریات کے لیے ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔اس طرح کا باہمی انحصار تعاون تنازعہ کا باعث بن سکتا ہے۔ایک دانشمندانہ خارجہ پالیسی سفارتی تعلقات کے حصول کی کوشش کرتی ہے اور دونوں کا فائدہ یا باہمی سودے بازی سے ہوتا ہے۔

3۔ قومی مفادات کا فروغ:

ممالک کے مفادات وقت، جگہ، مقام اور حالات میں مختلف ہوتے ہیں۔ ہر ملک اپنے قومی مفادات کا تحفظ چاہتا ہے۔خارجہ پالیسی کے ذریعہ انہیں باہمی تعاون کی بنیاد پر حل کیا جاسکتا ہے۔

داخلی عوامل

ہر ملک اپنی خارجہ پالیسی کچھ مخصوص داخلی حالات کی بنیاد پر بناتا ہے۔ یہ اپنے عوام کے مسائل اور مشکلات سے نمٹنے کے لیے ایسی سفارتی حکمت عملی اپناتا ہے۔وہ ہر ملک کے لئے مختلف ہوسکتے ہیں۔

1۔ جغرافیائی مقام:

خارجہ پالیسی پر جغرافیہ کے اثرات کے دو پہلو ہیں۔ملک کا جغرافیائی ماحول اور اس کے جغرافیائی محل وقوع کی سیاسی اہمیت۔ ممالک کا جغرافیائی ماحول اس کا رقبہ اور آب و ہوا سے مراد ہے۔

ملک کے مثالی جغرافیائی ماحول یہ ہیں:

☆ ملک کا رقبہ ایسا ہوگا کہ اس سے باشندوں کو اچھے معیار زندگی کو برقرار رکھنے میں مدد ملے گی۔

☆ آب وہوا سخت محنت کے لیے سازگار ہونے کی ضرورت ہے۔

☆ خطہ کو قومی مزاحمت کے لئے مددگار ہونا ضروری ہے۔ پہاڑ، دریا، سمندر رکھنے والے ممالک قدرتی وجوہات کی بنا پر بیرونی حملوں سے آزاد ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

☆ ملک کی شکل ایسی ہونی چاہیے کہ جنگ کے دوران آسانی سے رہا جا سکے۔

فطرت میں، کسی ملک کا سازگار جغرافیائی ماحول حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہر ملک کا جغرافیائی محل وقوع اس کی خارجہ پالیسی سے خاصا متاثر ہوتا ہے۔ برطانیہ میں اس کی انسولر پوزیشن دوسرے ممالک کے ساتھ رابطے پھیلانے میں مدد کرتی ہے۔ایک بار پھر، امریکہ اپنے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے یورپ سے علیحدگی کی پالیسی پر عمل کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے۔

2۔ آبادی

آبادی کو خارجہ پالیسی کے اہم عوامل میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ایک طویل عرصے سے، آبادی کو ملک کی طاقت کا ایک اہم معیار سمجھا جاتا رہا ہے۔سابقہ جنگ میں، عوامی جمہوریہ چین کی بڑی پیادہ فوج نے امریکی افواج کے خلاف مزاحمت کرنے میں مدد کی۔ آبادی اور خارجہ پالیسی کے درمیان تعلق ملک کی صلاحیت کے لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔شہریوں کے تمام طبقات میں یکجہتی کی پالیسیوں کا تعین کرنے کے لیے آبادی کی اہمیت، سیاسی تنظیموں کی ترقی، عوام کا معیار، سیاسی شعور کو فروغ دینا، سیاسی شرکت کا پھیلاؤ، رائے عامہ کا دباؤ، حکومت کی قسم وغیرہ، تاہم، آبادی کے حجم کے حوالے سے اس کا معیار خاص طور پر اہم ہے۔شہریوں کی مہارت، قابلیت اور رقم کا معیار قومی اثر ورسوخ کو پھیلانے میں مدد کرتے ہیں۔

3۔ تاریخ

ہر ملک کی تاریخ اس کی خارجہ پالیسی سے متاثر ہوتی ہے۔ ہر قوم کی تاریخ کا خاکہ خاص حالات اور واقعات سے تشکیل پاتا ہے۔اس سے اس کی شناخت ممکن ہے۔

ہر قوم کی جغرافیائی حدود کا تعین تاریخی واقعات سے ہوتا ہے۔کسی قوم کی ترقی کی تاریخ کے ذریعے خارجہ پالیسی کی بہت سی بنیادی صوصیات تیار کی گئی ہیں۔تاریخی تجربے کی روشنی میں ہر قوم اپنی خارجہ پالیسی کی بنیاد بناتی ہے۔

4۔ معاشی وسائل

خارجہ پالیسی کی نوعیت اور انداز زیادہ تر معاشی وسائل سے طے ہوتا ہے۔ملک کی معاشی طاقت اس کی استطاعت کا مظہر ہے۔ اس صلاحیت کا اثر دوسرے ممالک کے ساتھ تعلقات میں ظاہر ہوتا ہے۔معاشی ڈھانچے کا بنیادی مقصد ملک کی زمین، محنت، سرمائے اور کاروباری اداروں کو پیداوار کے لیے استعمال کرنا، پیدا ہونے والی معاشی دولت کی تقسیم، کھپت، عوامی بہبود، شہریوں کے معیار زندگی کی بہتری وغیرہ بھی ملک کی معاشی سرگرمیوں میں شامل ہیں۔

قدرتی وسائل سے مالا مال ملک آسانی سے اپنی معاشی خوشحالی حاصل کرسکتا ہے، مثال کے طور پر خام تیل مشرق وسطیٰ کی بین الاقوامی سیاست کا ایک اہم ترین سیاسی مرکز بن چکا ہے۔قدرتی وسائل اور صنعتی ترقی کسی ملک کی بین الاقوامی حیثیت کی بنیاد ہے۔ موجودہ دنیا میں ہر ملک کی مزاحمت کا انحصار صنعت کاری اور قدرتی وسائل کی شرح پر ہے۔

5۔ نظریات

ہر ملکی۔ نظام مخصوص سیاسی نظریات کے تحت چلتا ہے۔ کسی ملک کے اقدار، پالیسیاں، پروگرام، مقاصد اور اہداف اسی نظریے سے چلتے ہیں۔ آئیڈیالوجی صرف ملک کی داخلی پالیسیوں اور اقدار کا تعین نہیں کرتی۔ خارجہ پالیسی بھی نظریات سے چلتی ہے۔ اسے خارجہ پالیسی کے اہم ترین عوامل میں سے ایک سمجھا جاسکتا ہے۔

مثال کے طور پر، سوشلسٹ ریاستیں بین الاقوامی امن، دوستی، باہمی تعاون، دوسرے ممالک کے داخلی معاملات میں مداخلت پر مزاحمت وغیرہ کے اصولوں کی قائل ہیں، آخر کار سرمایہ داری اندرون و بیرون ملک استحصال اور جبر کے ذریعے اپنا وجود برقرار رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دار ممالک معاشی، سیاسی اور ثقافتی شعبوں میں جارحانہ پالیسیوں کی پیروی کرتے ہیں۔

6۔ حکومت کی افادیت اور سیاسی قیادت کی نوعیت:

حکومت اور سیاسی رہنما خارجہ پالیسی کا بنیادی ذریعہ اور طاقت ہیں۔ کسی بھی وقت ملک کا کردار اور جس قسم کی خارجہ پالیسی کی پیروی کی جائے گی فیصلہ سازوں کے معیار پر منحصر ہے۔

عملی تجربے کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ خارجہ پالیسی کو کسی بھی حالت میں حکومتی قیادت کی فطرت سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ خارجہ پالیسی کے فیصلے حکومت کی قیادت سے متاثر ہوتے ہیں جن میں نفسیاتی ڈھانچہ، سیاسی تجربہ اور دوراندیشی، شخصیت، عالمی سیاست کا ادراک شامل ہیں۔ اس وجہ سے، یہ ممکن ہے کہ ایک ہی پارٹی کے قائدین کے درمیان سیاسی معاملات میں اختلافات دکھائی دے۔

7۔ سفارت کاری کا معیار:

سفارت کاری کا معیار خارجہ پالیسی کے اہم ترین عوامل میں سے ایک ہے۔ بین الاقوامی سیاست میں کسی بھی ملک کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس کی سفارتی حکمت عملی اور عمدگی پر ہوتا ہے۔ ملک کے ہر اہداف اور مقاصد کا تعین حکومت کی سفارتی چالاکی سے ہوتا ہے۔ خارجہ پالیسی کے تمام اہداف کا تعین سفارتی سرگرمیوں سے وابستہ افراد کرتے ہیں۔ سفارتی سرگرمی کے ذریعے ہی دیگر ممالک کے ساتھ اہم روابط اور اختلافات کو حل کیا جاتا ہے۔ سفارت کار مختلف مفادات کو یکجا کرنے کے طریقہ کار کا تعین کرتے ہیں۔

خارجی عوامل:

کوئی بھی قوم اپنی خارجہ پالیسی صرف اپنے داخلی عوامل کے مطابق نہیں بنا سکتی۔ خارجہ پالیسی بناتے وقت خارجی عوامل کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا، دیگر اقوام کی آراء، مفادات کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔ کچھ خارجی عوامل یہ ہیں:

1۔ بین الاقوامی تنظیم:

بین الاقوامی تنظیموں کی سرگرمیاں ملک کی خارجہ پالیسی کو متاثر کرتی ہیں۔ مختلف بین الاقوامی قوانین، معاہدے، ان تنظیموں کے ذریعے وضع کیے جاتے ہیں اور ان پر عمل درآمد کیا جاتا ہے، ان میں شرکت کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ خارجہ پالیسی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

2۔ دیگر مما لک کے بین الاقوامی امور:

کوئی بھی ملک اپنی خارجہ پالیسی بناتے وقت دوسرے مما لک کے نقطہ نظر کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ ایک ملک کو دوسرے مما لک کے ساتھ معاملات کرتے وقت ان کے مفادات کو مدنظر رکھنا ہوتا ہے۔ اگر یہ دوسرے مما لک کے معاملات کو نظر انداز کرے تو اس کے کامیاب ہونے کے امکانات کم ہیں۔

3۔ دیگر عناصر:

خارجہ پالیسی کے بیرونی عوامل کے تحت کچھ اور عناصر کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ان میں شامل ہیں الف) بیرونی ماحول ب) علاقائی ماحول ج) سیاسی، اقتصادی اور عالمی مسائل۔ د) دنیا میں طاقت کا ڈھانچہ۔

خلاصہ

خارجہ پالیسی کے عوامل پر مذکورہ بالا بحث سے یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ خارجہ پالیسی بہت سے عوامل سے متاثر ہوتی ہے۔ جگہ اور وقت میں ایک خاص عنصر مختلف عناصر کی ہمدردی میں اہمیت حاصل کرسکتا ہے۔ بہت سے حالات میں، کوئی بھی جز و یا تعین کرنے والا غیر متعلقہ معلوم ہوسکتا ہے۔

مثالی امتحانی سوالات

(8 نشانات)

1۔ خارجہ پالیسی کے داخلی عوامل پر بحث کیجئے۔
2۔ خارجی عوامل پر مختصر روشنی ڈالئے۔

(4 نشانات)

1۔ خارجہ پالیسی کیا ہے؟
2۔ کس طرح تاریخ خارجہ پالیسی کو متاثر کرتی ہے؟
3۔ سفارت کاری

(2 نشانات)

1۔ بین الاقوامی تنظیم کی ایک مثال دیجئے۔
2۔ آزادی کا کیا مطلب ہے؟
3۔ قومی مفادات کا فروغ
4۔ ملک کی سالمیت

(1 نشان)

1۔ عوام...........................ملک پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔
2۔ جغرافیہ کا مطلب...........................وغیرہ
3۔ ایک ملک کو اپنی...........................کی لازمی حفاظت کرنا چاہئے۔

27

27۔ ہندوستان کی خارجہ پالیسی
INDIA'S FOREIGN POLICY

مقاصد
تعارف
ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے بنیادی عوامل
جغرافیہ۔حکمت عملی پر مبنی مقام
سیاسی روایات اور تاریخی تجربات
ہندوستانی ثقافتی اقدار
معاشی عناصر
معاصر بین الاقوامی ماحول
نہرو کی کرشماتی قیادت
ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے اہداف اور مقاصد
ہندوستان کی خارجہ پالیسی کی اہم خصوصیات
پنچ شیل
ناوابستگی
استعمار، سامراج اور نسلی امتیاز کی مخالفت
بین الاقوامی امن
ایشیائی ممالک کے ساتھ خصوصی تعلقات
اقوام متحدہ پر اعتماد
تحریف اسلحہ
مشرق کی طرف دیکھو پالیسی
خلاصہ
فرہنگ
مثالی امتحانی سوالات

مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

☆ ہندوستان کی خارجہ پالیسی کی تیاری میں مختلف عناصر کی وضاحت کرنے

☆ ہندوستان کی جغرافیائی اور حکمت عملی پر مبنی موقف کا جائزہ لینے

☆ ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے اصل اہداف اور مقاصد کو بیان کرنے

☆ ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے اصل اصولوں کے بارے میں بحث کرنے۔

تعارف

ہندوستان دنیا میں بہت اہم مقام رکھتا ہے۔ یہ سب سے بڑی جمہوریت ہے، جغرافیائی طور پر ساتواں سب سے بڑا ملک ہے اور بہت سی زبانوں اور علاقائی تنوع کے باوجود ایک ہے۔ یہ بلند و بالا پہاڑوں اور طاقتور دریاؤں کی سرزمین ہے۔ ایشیائی براعظم کے جنوبی جزیرہ نما میں اس کا محل وقوع اور بحر ہند کی طرف جنوب کی طرف بڑھنے والی تکونی شکل اسے ایک مخصوص کردار دیتی ہے۔ اسے کچھ مضبوط قدرتی رکاوٹوں، خاص طور پر ہمالیہ اور سمندروں سے تحفظ حاصل ہے۔ ہندوستان کے پڑوسی شمال میں عوامی جمہوریہ چین اور نیپال، شمال مغرب میں پاکستان، مشرق میں برما اور بنگلہ دیش اور جنوب میں سری لنکا ہیں۔

ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے بنیادی عوامل

خارجہ پالیسی ایک ایسی پالیسی ہے جس پر ایک قوم دوسرے ممالک پر مشتمل بیرونی ماحول اور اپنے قومی مفادات کے لئے عمل کرتی ہے۔ خارجہ پالیسی کے ذریعہ ہی ایک ملک بین الاقوامی نظام میں دوسری قوموں کے ساتھ عمل کرنے، ردعمل ظاہر کرنے اور ان کے ساتھ تعامل کرنے کے لیے بین الاقوامی میدان میں داخل ہوتا ہے۔

ہندوستان کی خارجہ پالیسی کو متعدد عناصر نے شکل دی ہے۔ ان کی درج ذیل میں درجہ بندی کی جاسکتی ہے۔

جغرافیہ۔حکمت عملی پر مبنی مقام

جغرافیائی طور پر، ہندوستان کافی اہمیت کے حامل علاقہ میں واقع ہے۔ ہندوستان کی جغرافیائی حکمت عملی پر مبنی مقام کو جواہر لعل نہرو نے تسلیم کیا تھا جب انہوں نے 8 مارچ 1949 کو دستور ساز اسمبلی میں کہا تھا کہ "نقشہ دیکھیں۔ اگر آپ کو کسی بھی سوال پر غور کرنا ہو تو مشرق وسطیٰ، ہندوستان لامحالہ تصویر میں آتا ہے۔ کسی بھی سوال پر غور کرنے کے لیے، جنوب مشرقی ایشیا کے بارے میں، آپ ہندوستان کے بغیر ایسا نہیں کر سکتے، اسی طرح مشرق بعید کے ساتھ بھی۔ جب کہ مشرق وسطیٰ جنوب مشرقی ایشیا سے براہ راست جڑا نہیں ہوسکتا، دونوں ہندوستان سے جڑے ہوئے ہیں۔ ایشیا میں علاقائی تنظیموں کے حوالے سے سوچیں، آپ کو دوسرے خطوں سے رابطے میں رہنا ہوگا۔ اور جو بھی خطہ آپ کے ذہن میں ہو، ہندوستان کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح، ہندوستان جنوبی ایشیا میں ایک اہم ملک کے طور پر واقع ہے"۔

سیاسی روایات اور تاریخی تجربات

ہندوستان کی خارجہ پالیسی اس کی سیاسی روایت اور تاریخی تجربہ سے پیدا ہوئی۔ جواہر لعل نہرو نے درست کہا، یہ پالیسی ہندوستان کی وراثت، ہندوستان کی ماضی کی سوچ میں پیوست ہے۔ ہندوستان کے پورے ذہنی نقطہ نظر میں پیوست ہے، آزادی کی جدوجہد کے دوران ہندوستانی ذہن کے موقف میں پیوست ہے اور آج کی دنیا کے حالات میں پیوست ہے۔

ہندوستان اپنی قدیم تہذیبوں اور ماضی کی سیاسی روایات سے متاثر ہوتا ہے۔ قدیم ہندو تہذیب، زندگی کے بارے میں بدھ اور مسلم نظریات اور طرز فکر۔ برطانوی پالیسیوں کے ورثے، قوم پرست تحریک اور خارجہ امور پر انڈین نیشنل کانگریس کا موقف اور گاندھیائی اصولوں نے عالمی معاملات پر ہندوستانی سوچ پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہے۔ عدم تشدد کے تصور کو گوتم بدھ نے پیش کیا تھا اور اشوک نے اس کی تشہیر کی تھی، رواداری کا جذبہ اکبر اور دیگر ہندوستانی حکمرانوں نے دکھایا تھا۔ ایم کے گاندھی کے اخلاقی اصولوں اور اروبندو اور ایم این رائے کے انسانیت پسند نظریات نے ہندوستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔

اگست 1947 تک ہندوستان برطانیہ کی نوآبادیاتی حکومت کے تحت تھا اور اس کی خارجہ پالیسی کے بڑے فیصلے وائٹ ہال یا نئی دہلی میں گورنر جنرل کے محل میں ہوتے تھے۔ لیکن ہندوستانی قوم پرست تحریک کے ترجمانوں نے بین الاقوامی معاملات میں بھرپور دلچسپی لی۔ 1885 میں اپنے آغاز سے ہی، انڈین نیشنل کانگریس (INC) نے خارجہ امور میں دلچسپی ظاہر کی۔ کانگریس کے پہلے اجلاس میں منظور کی گئی ایک قرارداد میں برطانیہ کی طرف سے بالائی برما کے الحاق پر تنقید کی گئی۔ 1904 کی ایک قرارداد نے زور دے کر کہا کہ "تبت کی مہم ایک عمومی آگے کی پالیسی کا حصہ تھی جس سے ہندوستان کو غیر ملکی الجھنوں میں شامل کرنے کا خطرہ ہے"۔ اس طرح، کانگریس نے آزادی کے حصول سے پہلے ہی عالمی معاملات میں بہت دلچسپی ظاہر کی تھی۔

ہندوستانی ثقافتی اقدار:

ہندوستانی ثقافت میں اعتقاد اور ہندوستانی تہذیب میں فخر ہندوستان کی آزاد خارجہ پالیسی پر عمل کرنے اور بین الاقوامی تعلقات میں قائدانہ کردار ادا کرنے کے عزم کا ذریعہ رہا ہے۔ ہندوستانی خارجہ پالیسی عالمی امن کو جو اہمیت دیتی ہے، تنازعات کے حل کے پرامن ذرائع، ایک دوسرے کی عدم موجودگی کا باہمی احترام، ہندوستانی ثقافت کے اثرات کی وجہ سے ہے۔ پنچ شیل ہندوستان کی خارجہ پالیسی کا ایک بڑا اصول ہے اور واضح طور پر ہندوستانی ثقافت سے گہرا اثر رکھتا ہے۔ این ڈی پالمر کے الفاظ میں۔ ''ہندو تہذیب کی کچھ خصوصیات اور طریقوں کا آج ہندوستانی رویوں اور پالیسیوں پر بہت نمایاں اثر ہے۔ ان میں زندگی کے تئیں ایک طرح کا دنیاوی رویہ اور غیر مادی عوامل پر زور اور رواداری، لاتعلقی، مراقبہ اور سمجھوتہ کا جذبہ ہے جس کی شاید بدھ مت میں بہترین وضاحت کی گئی ہے۔ تمام ممالک کے ساتھ دوستی اور تعاون کا جذبہ ہندوستانی ثقافت کے سیکولر کردار سے لیا گیا ہے۔

معاشی عناصر:

ہندوستان تقریباً دو صدیوں تک برطانیہ کے نوآبادیاتی علاقے کے تحت رہا، 1947 میں اپنی سیاسی آزادی کے وقت یہ بنیادی

طور پر ایک غریب ملک تھا۔ مزید یہ کہ اسے اپنے تمام وسائل کو تعمیری کاموں کے لیے استعمال کرنا ہے اور وہ دوسرے ممالک کے ساتھ ہتھیاروں کی دوڑ میں شامل ہونے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس طرح ہندوستان کے وجود کے لیے امن ضروری تھا۔ جیسا کہ وجیالکشمی پنڈت نے مشاہدہ کیا کہ "امن کی ہماری ضرورت ناگزیر ہے۔ یہ محض مطلوبہ یا ترجیحی نہیں ہے، یہ ایک اہم ضرورت اور یومیہ عبادت ہے۔ ہمیں ہندوستان میں ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو کسی قوم کی توانائیوں اور وسائل کو بہتر طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ لیس اور ترقی یافتہ پھر ہمارا۔ ہمیں امن زیادہ طاقتور یا زیادہ خوشحال بننے کے لیے نہیں، بلکہ اپنے وجود کے لیے چاہیے۔ ہمیں اس کی ضرورت کھانے، کپڑا، مکان اور خواندہ بنانے کے لیے ہے۔" لہٰذا ناوابستہ پالیسی کی یقین دہانی کراتے ہوئے، ہندوستان نے طاقت کے بلاکس سے دور رہنے کی کوشش کی اور ان تمام لوگوں کے ساتھ امن اور تعاون کی راہ پر گامزن ہونے کی کوشش کی جس سے اسے جہاں بھی ممکن ہو حاصل کرنے اور تشکیل دینے میں مدد ملی۔ جے سی کندرا کے تبصروں جیسی پالیسی میں، اس نے (ہندوستان) کو ہندوستان کے اپنے مفادات، عالمی امن کے مفادات اور امن کی پالیسی میں اخلاقی جواز تلاش کرنے کا سہ رخی اتفاق پایا، جسے محض غیر جانبداری میں تلاش کرنا آسان نہیں ہے۔"

معاصر بین الاقوامی ماحول:

''ناوابستہ'' پالیسی بھی ہندوستان کی آزادی کے وقت موجود عصری بین الاقوامی ماحول کے مطابق تھی۔ جب ہندوستان نے اپنی سیاسی آزادی حاصل کی تو دنیا کو دو فوجی بلاکوں میں تقسیم کر دیا گیا جس کی سربراہی دو سپر طاقتوں امریکہ اور یو ایس ایس آر کر رہے تھے۔ ان دونوں بلاکوں کے درمیان شدید مقابلہ، دشمنی اور عالمی غلبہ کے لیے جدوجہد تھی۔ یہ برسوں تک جاری رہا اور اس دور کو سرد جنگ کا نام دیا گیا۔ یہ دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد شروع ہوا اور پینتالیس سال تک جاری رہا۔ یہ دو بڑے ممالک دو متضاد قطب بن گئے جنہیں مشرق اور مغرب کہا جاتا ہے۔ عالمی سیاست انہی دو قطبوں کے گرد گھومتی تھی۔ اس طرح دنیا دو قطبی بن گئی۔ ایک نئے آزاد ملک کے طور پر، ہندوستان کو حل کرنے کے لیے کئی اقتصادی مسائل درپیش تھے۔ وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے محسوس کیا کہ ہندوستان کے لیے ان میں سے کسی ایک بلاک میں شامل ہونا مناسب نہیں ہے۔ سیکورٹی کے نقطہ نظر سے بھی ہندوستان ان دو سپر پاورز میں سے کسی کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ لہٰذا، نہرو نے ناوابستگی کی پالیسی وضع کی، جس کے ذریعے وہ ہندوستان کو سرد جنگ کے الجھنوں سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ ہندوستان دونوں بلاکس کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھ سکتا ہے اور ان سے ضروری امداد حاصل کر سکتا ہے۔

نہرو کی کرشماتی قیادت:

پہلے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ کے طور پر مسلسل اٹھارہ سال تک نہرو نے ہندوستان کی خارجہ پالیسی کی مضبوط بنیاد رکھی۔ انھوں نے نہ صرف دوسرے ممالک کے ساتھ امن اور دوستی کی پالیسی کو تیار کیا اور اسے ایجاد کیا بلکہ سفارتی امور کو منظّم طریقے سے چلانے کے لیے حکومتی مشینری بھی قائم کی۔ مائیکل بریچر نے اپنی سوانح عمری میں نشاندہی کی ہے کہ نہرو ایک فلسفی، ماہر تعمیرات، انجینئر اور بیرونی دنیا کے تئیں اپنے ملک کی پالیسی کی آواز تھے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ کسی بھی دوسری ریاست میں خارجہ پالیسی پر ایک آدمی کا غلبہ نہیں ہے جیسا

کہ ہندوستان میں نہرو کا ہے۔

ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے اہداف اور مقاصد:

ہندوستان کی خارجہ پالیسی کا بنیادی مقصد، کسی بھی دوسرے ملک کی طرح، اس کے قومی مفادات کا تحفظ ہے۔ جیسا کہ نہرو نے 4 دسمبر 1947 کو دستور ساز اسمبلی میں بیان کیا کہ ہم امن اور آزادی کی بات کرتے ہیں لیکن حتمی تجزیہ میں، ایک حکومت جس ملک پر حکومت کرتی ہے اس کی بھلائی کے لیے کام کرتی ہے اور کوئی بھی حکومت ایسا کچھ کرنے کی جرأت نہیں کرتی جس سے مختصر یا طویل مدت میں واضح طور پر ملک کا نقصان ہو۔ اس لیے کوئی ملک چاہے سامراجی ہو یا سوشلسٹ یا کمیونسٹ، اس کا وزیر خارجہ بنیادی طور پر ملک کے مفادات کا خیال رکھتا ہے۔

ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے مقاصد جن میں شامل ہیں:

1. تیسری عالمی جنگ میں عدم شمولیت۔
2. ہندوستانی معیشت کی ترقی اور اس مقصد کے لیے بین الاقوامی تجارت اور امداد کے تمام راستے کھلے رکھنا۔
3. بیرونی امور کے دائرے میں ہندوستان کی آزادی کو برقرار رکھنا۔
4. بیرون ملک مقیم ہندوستانیوں کے ساتھ منصفانہ سلوک اور وقار کا تحفظ۔
5. پڑوسی اور دیگر ایشیائی ممالک کے ساتھ تعاون میں مشاورتی مشینری کی تخلیق۔

ہندوستان کی خارجہ پالیسی کی اہم خصوصیات:

ہندوستان 1947 میں ایک خودمختار ریاست بن گیا اور اس نے بین الاقوامی سیاست اور اقوام کے درمیان تعلقات میں فعال کردار ادا کرنا شروع کیا۔ جواہر لال نہرو، پہلے وزیر اعظم نے ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصولوں کو بیان کرتے ہوئے ایک میراث چھوڑی۔ نہرو نے موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک حقیقت پسندانہ خارجہ پالیسی اختیار کی جیسے سپر طاقتوں کے درمیان سرد جنگ، فوجی اتحاد، ہتھیاروں کی دوڑ، سامراج، استعمار اور نسل پرستی۔ اگرچہ ان میں سے کچھ حالیہ برسوں میں تبدیل ہوئے ہیں، ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے بنیادی مقاصد، اصول اور پیمانوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔

ہندوستان کی خارجہ پالیسی کو کنٹرول کرنے والے بنیادی اصول

اصول، وقت کی کسوٹی پر کھرے ہیں اور بین الاقوامی قانون اور ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے عمل میں پیوست ہیں۔ ہندوستانی خارجہ پالیسی کے اصول مندرجہ ذیل ہیں۔

☆ پنچ شیل
☆ ناوابستگی کی پالیسی
☆ مخالف نوآبادیات اور مخالف نسل پرستی کی پالیسی

☆ بین الاقوامی تنازعات کا پرامن تصفیہ

☆ غیرملکی اقتصادی امداد- اقوام متحدہ، بین الاقوامی قانون اور منصفانہ اور مساوی عالمی نظام کی حمایت

پنچ شیل:

پنچ شیل ہندوستان کی خارجہ پالیسی کی سب سے اہم خصوصیت ہے۔ بھارت نے 29 مئی 1954 کو چین کے ساتھ اتحاد کے ذریعے اس خصوصیت کو اپنایا۔ پنچ شیل کا مطلب طرز عمل کے پانچ اصول ہیں۔ ان اصولوں میں شامل ہیں:

1. ریاستوں کی علاقائی سالمیت اور خود مختاری کا باہمی احترام۔
2. عدم جارحیت
3. دوسری ریاستوں کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت
4. مساوات اور باہمی فوائد
5. پرامن بقائے باہمی

پنچ شیل دنیا کی کئی ریاستوں میں بہت مشہور ہوا۔ اسے بین الاقوامی تعلقات میں ہندوستان کی طرف سے دی گئی سب سے بڑی شراکت کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔

غیر جانبداریت

یہ دوسری جنگ عظیم کے بعد کا واقعہ تھا جسے دنیا کی نصف سے زیادہ اقوام نے منظور کیا تھا۔ اس نے بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت کو بہت متاثر کیا ہے۔ ناوابستہ تحریک یا غیر جانبدار تحریک (نام) کا تصور بتدریج عمل کے ذریعے سامنے آیا۔ غیر صف بندی کا مقصد دوسری عالمی جنگ کے بعد امریکہ اور سوویت یونین کی طرف سے بنائے گئے کسی فوجی اتحاد میں شامل نہ ہو کر خارجہ امور میں قومی آزادی کو برقرار رکھنا ہے۔ نان الائنمنٹ (نام) نہ تو غیر جانبداری تھی نہ عدم شمولیت اور نہ ہی تنہائی۔ یہ ایک متحرک تصور تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ کسی فوجی بلاک سے وابستگی نہیں بلکہ ہر معاملے کی خوبیوں کے مطابق بین الاقوامی مسائل پر آزادانہ موقف اختیار کرنا تھا۔ ناوابستگی کا تصور 1955 میں انڈونیشیا کی بنڈونگ کانفرنس میں سامنے آیا۔ نہرو نے 1947 میں نئی دہلی میں ایشیائی تعلقات کی کانفرنس طلب کرنے کی پہل کی۔ ناوابستہ افراد میں، نہرو نے یوگوسلاویہ کے صدر ٹیٹو اور مصر کے ناصر کے ساتھ خصوصی تعلقات استوار کیے تھے۔ ان تینوں کو ناوابستہ تحریک کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

چونکہ نام' سرد جنگ کی سیاست اور دو قطبی دنیا کی پیداوار تھی، بہت سے اسکالرز نے سرد جنگ کے خاتمے اور سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد نام کی مطابقت پر سوال اٹھایا ہے۔ ایک بار پھر، عالمگیریت نے ہندوستان جیسے اپنے اہم ووٹروں کی ترجیحات میں بھی تبدیلی کی، جس نے ابھرتے ہوئے عالمی نظام کے ساتھ مربوط ہونے کے لیے نئی آزاد معاشی منڈی کے اصولوں کو اپنانے کی کوشش کی۔ اس نئی صورتحال نے یہ تاثر پیدا کیا کہ گویا نام کو ایک طرف کر دیا گیا ہے اور اس کی مطابقت ختم ہو رہی ہے۔ تاہم، موجودہ منظر نامہ میں بھی نام کا ایک اہم کردار ہے، سب سے پہلے، سوویت یونین کے ٹوٹنے کے ساتھ' نام امریکی تسلط کے خلاف ایک رکاوٹ کے طور پر

کام کرسکتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ترقی یافتہ (شمالی) اور ترقی پذیر (جنوبی) دنیا کئی معاشی مسائل پر منقسم ہے۔ نام ترقی پذیر دنیا کے ممالک کے لیے ایک نتیجہ خیز بات چیت اور اقوام متحدہ میں اصلاحات کے لیے ترقی یافتہ ممالک کو شامل کرنے کے لیے بہترین حقیقی فورم ہے۔

استعمار، سامراج اور نسلی امتیاز کی مخالفت:

ہندوستان کی خارجہ پالیسی بنیادی طور پر استعمار اور سامراج کی مخالفت کرتی ہے۔ ہندوستان نے ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کی کالونیوں میں رہنے والے لوگوں کے ساتھ اپنی یکجہتی کا اظہار کیا۔ اس نے کالونیوں میں عوام کو دبانے کی پالیسی کی شدید مذمت کی۔ اس نے ان کالونیوں کی آزادی کے حصول کے لیے ہر قسم کی سیاسی، سفارتی اور اقتصادی مدد فراہم کی۔ اس نے سپر طاقتوں کی طرف سے اختیار کی گئی سامراجی حکمت عملی کی بھی مخالفت کی۔

ہندوستان نے ایک طویل عرصہ سے نسل کی بنیاد پر ہر قسم کے امتیاز کی مخالفت کی ہے۔ ثقافت وغیرہ نے بین الاقوامی سطح پر نسلی امتیاز کے مسئلے کو مناسب طریقے سے اجاگر کیا ہے۔ اس نے جنوبی افریقہ اور رہوڈیشیا (اب زمبابوے) کی حکومتوں کی نسلی علیحدگی کی پالیسی پر سخت تنقید کی ہے۔

بین الاقوامی امن:

ہندوستان کی خارجہ پالیسی کا مقصد دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ امن، دوستی اور تعاون کو فروغ دینا ہے چاہے ان کے سیاسی یا معاشی نظام کچھ بھی ہوں۔ یہ عناصر ہندوستانی آئین کے باب IV کے آرٹیکل 51 میں جھلکتے ہیں جو ریاست کو بین الاقوامی امن اور سلامتی کے لیے کام کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ بھارت کا پختہ یقین تھا کہ دنیا کی سپر پاورز کے درمیان جنگ انسانیت کو تباہ کر دیتی ہے۔

ایشیائی ممالک کے ساتھ خصوصی تعلقات:

اپریل 1955 میں جکارتہ میں منعقد ہونے والی انتیس آفریقی ایشیائی ممالک کی بنڈونگ کانفرنس ایشیا اور افریقہ کی نوزائیدہ یکجہتی کی علامت تھی۔ کانفرنس نے آفریقی ایشیائی ممالک کی بڑھتی ہوئی پختگی اور عالمی معاملات میں ایک آزاد اور تعمیری کردار ادا کرنے کی ان کی خواہش کو ظاہر کیا۔ کانفرنس نے آفریقی ایشیائی ممالک کو بین الاقوامی مسائل پر مشترکہ فہم پیدا کرنے کے لیے ایک فورم فراہم کیا۔ ناوابستگی اور پنچ شیل کا ہندوستان کی جانب سے اظہار، جیسا کہ چین کے ساتھ 1954 کے معاہدے میں موجود ہے، کانفرنس کے اختتام پر بہترین پایا گیا۔ بنڈونگ کانفرنس نے بھی اپریل 1954 میں نہرو کی طرف سے دی گئی اپیل کی توثیق کی، جس میں جوہری ہتھیاروں کی ممانعت اور خاتمہ پر ایک تعطل کا معاہدہ تجویز کیا گیا تھا۔ یہ امن کے مقصد کو آگے بڑھانے کے لیے تخفیف اسلحہ کی طرف ہندوستان کے قدم بہ قدم اقدامات کا حصہ ہے۔ ہندوستان کی خارجہ پالیسی ایشیا کے ممالک کے ساتھ خصوصی تعلقات استوار کرنے کے خیال پر مشتمل ہے۔ یہ متعدد کانفرنسوں کے انعقاد اور مختلف معاہدوں کے ذریعہ ان کے درمیان اتحاد کو فروغ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ہندوستان، ایشیا کو بڑی طاقتوں کے تسلط سے آزاد کرنا چاہتا ہے۔ اس نے جنوبی ایشیائی تنظیم برائے علاقائی تعاون (سارک) کے

قیام میں خصوصی پہل کی ہے۔

اقوام متحدہ پر اعتماد:

ہندوستان اقوام متحدہ کا بانی رکن تھا۔ ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے مقاصد اقوام متحدہ کے اہم اداروں اور خصوصی ایجنسیوں کے مقاصد اور اصولوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس نے عالمی امن کے تحفظ کے لیے اقوام متحدہ کی کوششوں میں مکمل تعاون کیا ہے۔

تخفیف اسلحہ:

ہندوستان کی خارجہ پالیسی ہمیشہ روایتی اور جوہری تخفیف اسلحہ کے لیے پرعزم ہے۔ بھارت نے امن کے مقاصد کے لیے جوہری توانائی کے استعمال کی حمایت کی اور جوہری ہتھیاروں، بموں اور وار ہیڈز کے استعمال کی غیر معقول طور پر مخالفت کی۔

مشرق کر طرف دیکھو پالیسی:

جنوب مشرقی ایشیائی مما لک کی طرف ہندوستانی خارجہ پالیسی کی سمت میں تبدیلی 1992 میں شروع ہوئی۔ یہ پالیسی ہندوستان کے سابق وزیر اعظم مسٹر پی وی نرسمہا راؤ نے شروع کی تھی۔ بنیادی زور جنوب مشرقی ایشیائی پڑوسیوں تک پہنچنا تھا۔ اس پالیسی کے بنیادی مقاصد جنوب مشرقی ایشیا اور مشرقی ایشیا کے ساتھ سیاسی رابطوں کی تجدید کرنا ہیں۔ اس سے ہندوستان اقتصادی تعاون کو گہرا کرنے اور سٹریٹجک دفاعی تعاون کو محفوظ بنانے کے قابل بنائے گا۔ ہندوستان نے 2014 کے بعد سے "ایکٹ ایسٹ پالیسی" پر زور دیا۔ اس کے تحت بھارت کو جنوب مشرقی ایشیا اور مشرقی ایشیا میں حفاظتی کردار ادا کرنا ہے۔

ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے مراحل

بین الاقوامی تعلقات میں ہونے والی مختلف تبدیلیوں نے ہندوستان کی خارجہ پالیسی کو متاثر کیا ہے۔ عالمی سیاسی اور سلامتی ضبط کے تین اہم مراحل کی نشاندہی ذیل میں کی گئی ہے اور ہندوستان کی خارجہ پالیسی کا جواب انہی پر ہے۔

1947 سے 1991:

اس دور کی شناخت ہمہ قطبی عالمی نظام کے طور پر کی جاتی ہے جس پر دو حریف سپر پاورز، امریکہ اور سوویت یونین کا غلبہ ہے، اس عرصے کے دوران ہندوستان نے عدم اتحاد کی پالیسی پر عمل کیا تاکہ صدیوں کی نوآبادیاتی حکومت کے بعد اپنے شدید سیاسی، سماجی اور معاشی تناؤ اور محرومی پر قابو پایا جاسکے۔۔

1991 سے 2008:

سابقہ سوویت یونین کے ٹوٹنے اور اس کی تقسیم کے بعد، ہندوستان میں غیر ملکی کرنسی کا بحران اور امریکہ کے زیر تسلط یک قطبی عالمی نظام کے ظہور کے بعد، ہندوستان نے خود کو غیر صف بندی سے ہٹا کر کثیر قطبی صف بندی کی طرف کر لیا، عالمگیریت کو شامل کیا اور

اپنے قریبی پڑوس پر زیادہ توجہ دی۔

2008 سے موجودہ وقت: 2008 میں مالیاتی بحران اور کساد بازاری کے بعد 2000 کے دہے میں میں چین اور دیگر ابھرتے ہوئے ممالک اور کثیر جہتی اداروں میں اضافہ ہوا۔ تجارت کے لیے عالمی طاقت کا مغرب سے مشرق کی طرف منتقل ہونا۔ ترقی پذیر ہندوستانی سفارتکاری بنیادی طور پر امریکہ، چین، دیگر P-5 رکن ممالک اور قریبی پڑوس پر مرکوز ہے۔ افریقہ لاطینی امریکہ کے ساتھ ساتھ توجہ مرکوز کر رہا ہے اور اقتصادی سفارت کاری نے سیاسی اور سلامتی کے مسائل سے بالاتر ہو گیا ہے۔

خلاصہ:

ہندوستان کی خارجہ پالیسی گذشتہ ستر سالوں میں تیار اور تبدیل ہوئی ہے، عام طور پر ایک مستحکم رفتار سے، لیکن بعض اوقات تیزی سے بدلتے ہوئے عالمی یا علاقائی منظر نامہ کا جواب دینے کے لیے بہت زیادہ۔ ہندوستان گزشتہ تین دہائیوں سے اچھی ترقی اور خوشحالی سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ اس نے ہندوستان کی خارجہ پالیسی کو زیادہ فائدہ پہنچایا ہے۔ اس طرح، ہندوستان کی خارجہ پالیسی کئی عوامل سے متاثر ہے جس میں سیاسی روایت، تاریخی پس منظر، ہندوستانی ثقافتی اقدار، اس کے معاشی حالات، عصری بین الاقوامی ماحول شامل ہیں۔ بہت انحراف کیا . درحقیقت، اس کی کچھ بنیادی خصوصیات جیسے نان الائنمنٹ اب بھی اہم اور متعلقہ ہیں۔

فرہنگ:

بنڈونگ کانفرنس: ایشیائی۔ آفریقی ممالک کی کانفرنس' جس کو بنڈونگ کانفرنس بھی کہا جاتا ہے' 18 سے 24 اپریل 1955 کو انڈونیشیاء کے بنڈونگ میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں 29 ایشیائی اور آفریقی ممالک نے حصہ لیا تھا۔

مشرق کی طرف دیکھو پالیسی: یہ پالیسی ہندوستان کے سابق وزیر اعظم مسٹر پی وی نرسمہا راؤ نے شروع کی تھی۔ بنیادی زور جنوب مشرقی ایشیائی پڑوسیوں تک پہنچنا تھا۔

نام: ناوابستگی نہ تو غیر جانبداری ہے' نہ عدم شمولیت ہے نہ تنہائی ہے۔ یہ حرکیاتی تصور ہے جس کا مطلب کسی فوجی بلاک کے ساتھ متحد نہ ہونا ہے لیکن بین الاقوامی مسائل پر ہر ایک معاملہ کی اہمیت کی بنیاد پر آزادانہ موقف اختیار کرنا ہے۔

پنچ شیل: پنچ شیل ہندوستان کی خارجہ پالیسی کی انتہائی اہم خصوصیت ہے۔

مثالی امتحانی سوالات

1۔ ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے اہم عوامل کو بیان کیجئے۔
2۔ ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصولوں پر ایک مضمون تحریر کیجئے۔
3۔ پنچ شیل کیا ہے؟
4۔ ناوابستگی کیا ہے؟
5۔ بنڈونگ کانفرنس کیا ہے؟

6۔ مشرق کی طرف دیکھو کیا ہے؟

صحیح جواب کا انتخاب کیجئے:

1۔ ہندوستان کو آزادی ملی

A(1947 B(1945 C(1948 D(1950

2۔ ہندوستان واقع ہے۔

A) ایشیاء B) آفریقہ C) یوروپ D) آسٹراچا

3۔ ہندوستان رکن ہے

A) سارک B) ای ای سی C) اے این زیڈ یو ایس D) ناٹو

4۔ کس سال یو این او قائم ہوا؟

A(1946 B(1945 C(1947 D(1948

28

28۔ ہندوستان اور ناوابستہ تحریک
INDIA AND NON-ALIGNED MOVEMENT

ناوابستہ تحریک کے مقاصد

شروع میں نام کا بنیادی مقصد ایشیا اور آفریقہ کے نئے آزاد ممالک کو سپر پاورس کی دشمنی سے دور رکھنا اوران کی نئی حاصل کی گئی آزادی کا تحفظ کرنا تھا۔ نام کے دیگر اہم مقاصد درج ذیل ہیں۔

i) ان تمام وجوہات کا خاتمہ جو جنگ کی راہ ہموار کر سکتے ہیں۔

(i) ایشیاء اور آفریقہ کے نئے آزاد ممالک کی آزادی کا نوآبادیاتی اثرات سے تحفظ۔

(ii) نوآبادیاتی نظام٬ سامراجیت اور نسلی امتیاز کی مخالفت۔

(iii) تمام ممالک کی خودمختار مساوات کی وکالت۔

(iv) ممالک کے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ دینا۔

(v) بین الاقوامی تنازعات کی پرامن یکسوئی کی وکالت۔

(vi) طاقت اور جوہری ہتھیاروں کے استعمال کی مخالفت۔

(vii) اقوام متحدہ کو عالمی امن کے ایک بازو کے طور پر مضبوط بنانا۔

(viii) انسانی حقوق کا رتحفظ اور ماحولیات کا تحفظ۔

(ix) ایک نئے بین الاقوامی معاشی ضبط (این آئی ای او) کی مساوات٬ حصہ داری اور انصاف کی بنیاد پر تعمیر۔

تعارف

نا۔وابستگی یا غیر جانبداریت کا تصور سرد جنگ کے دوران سامنے آیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا دو طاقتوں کے بلاکس میں تقسیم ہو گئی - ایک کی قیادت امریکہ اور دوسرے کی قیادت سابق سوویت یونین کر رہی تھی۔ اسی عرصے کے دوران ایشیا اور آفریقہ کے بہت سے نئے آزاد ممالک نے دونوں بلاکوں میں سے کسی میں شامل نہ ہونے اور غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح، ناوابستگی ایشیا اور آفریقہ میں بیداری کی سب سے بڑی خصوصیت تھی۔

نا۔وابستگی کا مفہوم: نا۔وابستگی ایک خود مختار ریاست کی بین الاقوامی پالیسی ہے جس کے مطابق وہ خود کو کسی بھی طاقت کے بلاک کے ساتھ ہم آہنگ نہیں کرتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ بین الاقوامی امن، ہم آہنگی اور تعاون کو فروغ دینے کے لیے عالمی معاملات میں سرگرمی سے حصہ لیتی ہے۔

نام کے معمار: ناوابستہ تحریک کا باقاعدہ آغاز ستمبر 1961 میں یوگوسلاویہ کے بلغراد میں ہونے والے اپنے پہلے سربراہی اجلاس میں ہوا۔اس میں 25 آفریقی ایشیائی اور ایک یورپی ملک (قبرص) نے شرکت کی۔تین لاطینی امریکی ممالک نے بطور مبصر شرکت کی۔کانفرنس میں ہندوستان کے وزیر اعظم نہرو، یوگوسلاویہ کے صدر جوزف بروز ٹیٹو اور مصر کے صدر ناصر نے شرکت کی۔ان تینوں کو نام کا بانی سمجھا جاتا ہے۔نام کے دیگر بانی اراکین میں قبرص کے آرچ بشپ ماکاریوس، یونوف برما (میانمار)، انڈونیشیا کے صدر سوکارنو، گھانا کے وامے کروما، ایتھوپیا کے شہنشاہ ہیل سیلسی اور نیپال کے بادشاہ مہندرا بیر بکرم شاہ شامل تھے۔

نام کے پہلے سربراہی اجلاس میں عالمی امن سے متعلق کئی امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ان میں برلن اور کانگو کے مسائل، اقوام متحدہ میں چینی نمائندگی کا سوال اور جنوبی آفریقہ میں نسل پرستی کا مسئلہ شامل تھا۔سربراہی اجلاس نے پرامن بقائے باہمی کے اصول پر نام کے یقین کا اظہار کیا اور اعلان کیا کہ سامراج عالمی امن کے لیے خطرہ ہے۔اس نے استعمار کے فوری اور مکمل خاتمے کا مطالبہ کیا۔اس نے مکمل تخفیف اسلحہ پر بھی زور دیا۔

1961 میں تحریک شروع ہونے کے بعد سے وقتاً فوقتاً نام کے سربراہی اجلاس منعقد ہوتے رہے ہیں۔اگرچہ تمام سربراہی اجلاسوں میں عالمی امن، عدم اتحاد، تخفیف اسلحہ وغیرہ جیسے عمومی موضوعات پر بات کی گئی، لیکن ان میں ان مسائل پر بھی بات کی گئی جو بین الاقوامی منظر نامے پر سامنے آتے ہیں۔

نام کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں۔

1۔ یہ پاور بلاکس میں سے کسی سے منسلک نہیں ہے۔
2۔ یہ کسی بھی قسم کے فوجی اتحاد جیسے ناٹو، سیٹو اور ورسا معاہدے وغیرہ کے خلاف ہے۔
3۔ یہ آزاد خارجہ پالیسی کے فیصلے لینے کی اپنی آزادی کو برقرار رکھتا ہے۔
4۔ یہ بین الاقوامی مسائل سے الگ نہیں رہتا۔
5۔ یہ قوموں کے درمیان سیاست میں سرگرمی سے حصہ لیتا ہے۔
6۔ لہٰذا، نا۔وابستہ کا مطلب غیر فعالی کے بجائے 'عمل' ہے۔
7۔ یہ میرٹ پر کسی مسئلے کا فیصلہ کرتا ہے۔یہ آزادی اور انصاف کے لیے تمام لوگوں کے حقوق کو برقرار رکھتا ہے۔

اس طرح، ناوابستگی ایک ایسی پالیسی ہے جو عالمی سیاست میں ایک ملک اس کی پسند کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دیتی ہے۔

ناوابستہ کے لئے ذمہ دار عناصر

ناوابستہ تحریک کے لئے درج ذیل عناصر ذمہ دار ہیں۔

عالمی تناؤ سرد جنگ: ایشیا اور آفریقہ کے زیادہ تر نئے آزاد ممالک نے محسوس کیا کہ دنیا کو دو طاقتوں میں تقسیم کرنا ان کے وسیع تر مفاد میں نہیں ہے اور اس سے عالمی امن کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ ان قوموں نے محسوس کیا کہ دونوں سپر پاورز سے فاصلہ برقرار رکھنے سے ایٹمی ہولوکاسٹ کی ایک اور جنگ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

سامراج اور نوآبادیات کے خلاف جدوجہد: نئی آزاد قوموں نے بعض جذباتی اور نفسیاتی مجبوریوں کی وجہ سے ناوابستگی کا انتخاب کیا۔ وہ اپنی نئی حاصل کی گئی آزادی اور اس طاقت سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے جو دوسری بڑی قوموں کے دباؤ کے بغیر اس کے ساتھ آئی تھی۔

آزاد فیصلے کا حق: نئی آزاد قومیں طاقت کے بلاکس کے ساتھ صف بندی نہ کر کے اپنی شناخت برقرار رکھنے کے قابل تھیں۔ وہ کسی بیرونی اثر ورسوخ کے بغیر اپنے مسائل خود حل کرنا چاہتے تھے۔

تمام بڑی طاقتوں کے ساتھ تعلقات میں اعتدال کا استعمال: نئی آزاد قومیں ایشیا اور افریقہ کے ممالک کے درمیان خیر سگالی اور تعاون کو فروغ دینا چاہتی ہیں اور تمام اقوام کے ساتھ باہمدوستانہ تعلقات قائم کر کے اپنے باہمی مفادات کو تلاش کرنا اور آگے بڑھانا چاہتی ہیں۔

بین الاقوامی معاشی ضبط کی تنظیم نو: ایشیا اور افریقہ کے زیادہ تر نئے آزاد ممالک جہاں معاشی طور پر پسماندہ ہیں اور ان کا معیار زندگی کم ہے۔ چونکہ انہیں اپنی معاشی ترقی کو بڑھانے کے لیے سرمایہ اور تکنیکی علم دونوں کی ضرورت تھی، اس لیے انہوں نے دونوں چیزوں کو جہاں سے بھی مل سکے بغیر کسی تامل کے ان کے ساتھ منسلک کرنا مناسب سمجھا۔

اجتماعی قوت کی تشکیل: نئی آزاد اقوام نے محسوس کیا کہ اگرچہ ان کے پاس بین الاقوامی معاملات پر اثر انداز ہونے کی فوجی اور اقتصادی طاقت نہیں ہے، لیکن ان کے پاس اخلاقی قوت ہے اور وہ اپنی اتحاد کی وجہ سے عالمی امن کو اپنے طور پر برقرار رکھ سکتے ہیں یا اسے فروغ دے سکتے ہیں۔

پنچ شیل

1954 میں ہندوستان اور چین نے پرامن بقائے باہمی کے پانچ اصولوں پر مشتمل ایک معاہدے پر دستخط کیے۔ یہ اصول اجتماعی طور پر پنچ شیل کے نام سے جانے جاتے ہیں جو ناوابستہ تحریک کے ارتقاء کے لیے رہنما اصول بن گئے۔ یہ پانچ اصول تھے۔

(i) ایک دوسرے کے داخلی معاملات میں باہمی عدم مداخلت؛

(ii) باہمی عدم جارحیت؛

(iii) باہمی فائدے کے لیے برابری؛

(iv) ایک دوسرے کی علاقائی سالمیت اور خودمختاری کا باہمی احترام؛ اور

(v) پرامن بقائے باہمی۔

ان پانچ اصولوں یا پنچ شیل کو اپریل 1955 میں بنڈونگ (انڈونیشیا) میں منعقدہ ایک کانفرنس میں عملی شکل دی گئی۔ اس ناوابستہ کانفرنس میں ایشیا اور آفریقہ کے 29 ممالک بشمول فلپائن، ترکی، اور جنوبی ویتنام، کمیونسٹ چین اور شمالی ویتنام نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کی

صدارت ہندوستان کے پہلے وزیراعظم جواہرلعل نہرو، چینی وزیراعظم چواین لائی اور وزیراعظم اور بعد میں مصر کے صدر جمال عبدالناصر، نے کی۔ کانفرنس میں موجود مندوبین نے استعمار کی مذمت کی اور تیسری دنیا کے ممالک میں معاشی ترقی کی ضرورت پر زور دیا۔ بنڈونگ کانفرنس نے ،اس طرح، نوآزاد اقوام کے درمیان تعاون کی راہ ہموار کی، جو بعد میں ناوابستہ تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔

ہندوستان اور نام:

ناوابستہ تحریک ہندوستان کے پہلے وزیراعظم جواہرلعل نہرو کی مرہون منت ہے۔ درحقیقت ہندوستان وہ پہلا ملک تھا جس نے نہرو کی قیادت میں ناوابستگی کی پالیسی شروع کی۔ نہرو نے 1949 میں امریکن کانگریس میں اعلان کیا تھا، "جہاں آزادی کو خطرہ لاحق ہو، یا انصاف کو خطرہ لاحق ہو، یا جہاں جارحیت ہو، وہاں ہم غیر جانبدار نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ہوں گے، ہماری پالیسی غیر جانبدار نہیں ہے بلکہ اس کے تحفظ کے لیے سرگرم کوششوں میں سے ایک ہے۔ اگر ممکن ہو تو امن کی مضبوط بنیادیں قائم کریں۔"

پنڈت نہرو ایک دوراندیش سیاست دان تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ ہندوستان اور ایشیا اور آفریقہ کے دیگر نوآزاد ممالک کی خودمختاری اور سالمیت کے لیے سب سے بڑا خطرہ ان دونوں طاقتوں کے بلاکس میں شامل ہونے میں ہے۔ انھوں نے لیپون کو ان ممالک کو دو مخالف کیمپوں کی سیاست سے دور رکھنے کے لیے طلب کیا، جو پہلے ہی دو عالمی جنگیں کروا چکے ہیں۔ انہوں نے تمام اقوام کی خودمختاری اور علاقائی سالمیت کے باہمی احترام کی وکالت کی۔ یہ نہرو ہی تھے جنہوں نے بتدریج ایشیا اور آفریقہ کے ممالک کو عدم اتحاد کے تصور کی طرف لے گئے۔ انہوں نے ان ممالک کو باور کرایا کہ ان کے پاس بڑی اخلاقی قوت ہے اور ان کے ساتھ مل کر جنگ اور امن کے مسائل پر دباؤ ڈالا جا سکتا ہے۔ ان کے خیالات کی تصدیق میں انہوں نے یوگوسلاویہ کے جوزف بروز ٹیٹو، مصر کے جمال عبدالناصر، چین کے چواین لائی، ویتنام کے ہو چی منہ اور گھانا کے کوامے نکرومہ کے ساتھ مل کر بنڈونگ کانفرنس کی قیادت کی۔ بنڈونگ کانفرنس میں کیے گئے فیصلوں کو 1956 میں بلغراد میں حتمی شکل دی گئی۔ یہاں نئے آزاد ممالک کی ایک تنظیم بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔

نہرو کو سرد جنگ کے دور میں ایشیائی اور آفریقی ممالک کی غیر جانبداری کے لیے سب سے بڑے ترجمان کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ صف بندی کی پالیسی کی مخالفت کرتے ہوئے، نہرو نے کہا کہ کسی ایک طاقت کے ساتھ اپنے آپ کو جوڑ کر، آپ اپنی رائے سے دستبردار ہو جاتے ہیں، اس پالیسی کو ترک کر دیتے ہیں جو آپ عام طور پر اختیار کرتے ہیں کیونکہ کوئی اور چاہتا ہے کہ آپ دوسری پالیسی پر عمل کریں۔ مجھے نہیں لگتا کہ یہ ہمارے اختیار کرنے کے لئے ایک درست پالیسی ہوگی۔"

اگرچہ نہرو لبرل ازم اور جمہوریت کے مغربی تصور کے پابند تھے، لیکن انہوں نے فوجی یا اقتصادی اتحاد جیسے نیٹو، سینٹو، سیٹو، وغیرہ کو منظور نہیں کیا، جو کہ کمیونزم پر قابو پانے کے لیے امریکہ کی طرف سے شروع کیے گئے تھے یا جو وارسا معاہدہ' کومن فارم' کوم کان وغیرہ جیسے سوویت یونین نے فروغ دیا تھا۔ انھوں نے ان اتحادوں کی مخالفت کی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ وہ استعمار اور سامراج کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اور ممکنہ طور پر اسلحہ کی دوڑ پیدا کر سکتے ہیں۔

نہرو اس فلسفہ کے خلاف تھے جس کی وکالت دو پاور بلاکس نے کی تھی۔ انہوں نے کمیونسٹ ملک کو "ایک سنگی" کہہ کر مسترد کر دیا اور

مارکسزم کو ایک فرسودہ نظریہ قرار دیا۔ انھوں نے سرمایہ داری کو بھی پسند نہیں کیا اور سوشلزم سے متاثر تھے۔ اس لیے انہوں نے جمہوری سوشلزم کے اصولوں کی بھرپور وکالت کی۔ تاہم، ان کی ناوابستگی کی پالیسی کا مقصد کسی تیسرے بلاک کو فروغ دینا نہیں تھا، بلکہ حال ہی میں نوآبادیاتی ملکوں کی فیصلہ سازی کی آزادی کو یقینی بنانا تھا۔

اس طرح، نہرو کی سرپرستی میں، ہندوستان نے نام کے پیغام کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ہندوستان نے ایشیا اور آفریقہ کے بہت سے ممالک کی آزادی کے مقصد کو فروغ دیا جو ابھی تک غیر ملکی تسلط میں تھے۔ نہرو جنوبی آفریقہ کی نسلی امتیاز پالیسی کے خلاف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان نے 1962 میں اقوام متحدہ میں ایک قرارداد کی سرپرستی کی، جس میں رکن ممالک پر زور دیا گیا کہ وہ جنوبی افریقہ کے خلاف سفارتی اور اقتصادی اقدامات کریں اور اسے نسلی امتیاز کی پالیسی ترک کرنے پر مجبور کریں۔

نہرو اسلحے کی دیوانہ وار دوڑ کے خلاف تھے اور انہوں نے تخفیف اسلحہ اور جوہری ہتھیاروں کے ذخیرے کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ یہ ان کی تخفیف اسلحہ کی پالیسی کی پیروی میں تھا کہ ہندوستان نے 1963 میں جوہری تجربات پر پابندی کے معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ نہرو کی موت کے پانچ دہائیوں بعد، ہندوستان نام اور اس کے مقاصد کی راہ پر گامزن ہے جیسا کہ خود بانی کے ذریعہ تبلیغ کی گئی تھی۔

نام کی کامیابی

پانچ دہائیوں سے نصف سے زیادہ دنیا نے ناوابستگی کی پیروی کی ہے۔ شرکت کرنے والے ممالک کی تعداد بھی ہر بار بڑھی، 1961 میں 25 سے بڑھ کر 2012 میں 120 ہوگئی۔ ایشیائی اور افریقی ممالک نے نام کے سربراہی اجلاس میں باقاعدگی سے شرکت کی۔ کچھ لاطینی امریکی ممالک نے نام میں شمولیت اختیار کی، جہاں کچھ یورپی ممالک جیسے آسٹریا، فن لینڈ، سویڈن نے نام کے سربراہی اجلاس میں بطور مبصر شرکت کی۔ نام کے پاس بہت سی کامیابیاں ہیں۔ ان میں سے کچھ میں درج ذیل شامل ہیں:

1۔ نام نے دونوں کے درمیان کشیدگی کو کم کرنے میں مدد کی ہے۔

2۔ پاور بلاکس اور بالآخر سرد جنگ کے خاتمے کے لیے۔

3۔ نام نے سرد جنگ کے دوران سپر پاورز کی ہتھیاروں کی دوڑ کے خلاف کام کیا۔

4۔ نام نے بین الاقوامی امن، انصاف اور آزادی کے مقصد کی حمایت کی ہے۔

5۔ نام نے زیادہ اقتصادی تعاون اور انصاف پر مبنی نیو انٹرنیشنل اکنامک آرڈر (NIEO) کی وکالت کی ہے۔ درحقیقت، 1964 میں تجارت اور ترقی پر اقوام متحدہ کی پہلی کانفرنس (UNCTAD) بڑی حد تک ناوابستہ ممالک کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔

6۔ نام نے ترقی یافتہ ممالک کو یہ احساس دلایا ہے کہ تیسری دنیا کی مسلسل محرومی دنیا کی معیشت اور ان کی اپنی خوشحالی کو متاثر کرے گی۔

نام کا مستقبل

آج، نام کا مطلب بین الاقوامی امن کے وسیع تر مقصد کے ساتھ ساتھ ہر خود مختار ریاست کی خارجہ پالیسی کی آزادی ہے۔ اگرچہ نام عملی طور پر اپنی سیاسی مطابقت کھو چکی ہے، لیکن یہ معاشی انصاف کے حصول کے لیے ایک موثر فورم ہے۔ جب اس کے اپنے دو رکن ممالک یعنی

ایران اور عراق ایک طویل تنازع میں مصروف تھے تو یہ کچھ نہیں کرسکتا تھا۔اسی طرح جب 1979 میں افغانستان پر سوویت یونین نے حملہ کیا تھا یا 2003 میں امریکی زیر قیادت اتحادی افواج نے عراق پر حملہ کیا تھا تو یہ بہت کچھ نہیں کرسکا۔

نو آبادیاتی نظام کے ظہور کے ساتھ، نام سب سے زیادہ اہم ہو گیا ہے۔ بہت سے چھوٹے اور کمزور ممالک عالمی بینک، آئی ایم ایف اور ڈبلیو ٹی او جیسے بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی مداخلت کی وجہ سے معاشی میدان میں اپنی خود مختاری برقرار رکھنے سے قاصر ہیں جو ان پر اپنے فیصلے مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ ان ممالک میں جمہوریت کے عمل کے لیے ایک سنگین چیلنج ہے اور جس کے لیے نام آگے آکر ان کا مقابلہ کرسکتی ہے۔امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور کے طور پر ابھرا ہے اور وہ اپنا دور خود ہی چلا رہا ہے جیسا کہ افغانستان اور عراق میں اس کی یکطرفہ کارروائی کے دوران واضح تھا۔نام امریکی تسلط کو روکنے کے لیے برسوں کے دوران حاصل کیے گئے اپنے وسیع تجربے کو بروئے کار لا سکے۔لہذا، نام اب بھی مثبت، متحرک اور تعمیری تحریک جاری رکھے ہوئے ہے جس کا مقصد عالمی امن، تخفیف اسلحہ اور ترقی کو حاصل کرنا ہے۔

خلاصہ

شروع میں نام کا بنیادی مقصد ایشیا اور افریقہ کے نئے آزاد ہونے والے ممالک کو سپر پاورس کی دشمنی سے دور رکھنا اور ان کی نئی حاصل کردہ آزادی کی حفاظت کرنا تھا۔ان تمام اسباب کو ختم کرنا جو جنگ کا باعث بن سکتے ہیں۔نو آبادیاتی تسلط سے ایشیا اور افریقہ کے نئے ابھرنے والے آزاد ممالک کی نوزائیدہ آزادی کی حفاظت کے لیے۔استعمار، سامراج اور نسلی امتیاز کی مخالفت کرنا۔ہر جگہ ان کی خود مختار مساوات کی وکالت کرنا؛ ممالک کے درمیان دوستانہ تعلقات کی حوصلہ افزائی کرنا؛ بین الاقوامی تنازعات کے پرامن حل کی وکالت کرنا؛ طاقت کے استعمال اور جوہری ہتھیاروں کے استعمال کی مخالفت کرنا۔اقوام متحدہ کو عالمی امن کے ادارے کے طور پر مضبوط کرنا۔(ٹیبل: 28.1)

مثالی امتحانی سوالات

1) وضاحت کریں کہ کس طرح ناوابستگی نہ تو غیر جانبداری ہے اور نہ تنہائی ہے؟
2) نام کے مقاصد نوٹ کریں۔
3) پنچ شیل کے بنیادی اصولوں کے بارے میں لکھیں۔
4) نام کے بانی اراکین کے بارے میں لکھیں

صحیح جواب کا انتخاب کیجئے:

1) پہلی نام کانفرنس منعقد ہوئی

بلغراد 1961 / نئی دہلی 1985 / ہرارے 1986

2) مخالف۔نو آبادیات اور مخالف سامراج بنیادی اصول ہیں

نام / ناٹو / سینٹو

3) سولہواں نام اجلاس (2012) منعقد ہوا تھا

29

29۔ ہندوستان اوراس کے پڑوسی۔ پاکستان

بنگلہ دیش، سری لنکا، نیپال، مالدیپ

INDIA AND ITS NEIGHBOURS -Pakistan, Bangladesh, Srilanka, Nepal, Maldives

مقاصد:

اس یونٹ میں آپ ہندوستان کے اس کے جنوبی ایشیائی پڑوسیوں کے ساتھ سوائے پاکستان کے جن کا احاطہ یونٹ ۔8 میں الگ سے کیا گیا ہے، تعلقات کا مطالعہ کریں گے۔ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ کو اس قابل ہو جانا چاہئے کہ:

☆ ہندوستان کے اس کے ہر ایک پڑوسی ملک کے ساتھ تعلقات کے زاویوں کو سمجھنے۔

☆ پڑوسی پہلے کی پالیسی کی اہمیت، اور

☆ ہندوستان کے لئے ان موجودہ تعلقات میں اس کی سلامتی اور ترقی کے معاملہ میں مواقع اور چیالنجس

☆ ان تعلقات کی نوعیت میں چند اہم اقدامات اور خامیوں کا جائزہ لینے۔

تعارف

ہندوستان کا ایک بڑا اور پیچیدہ پڑوس ہے۔ اس کی سرحدیں اور سمندری حدود پڑوسیوں کے ساتھ ملتی ہیں جو کئی ہزار کلومیٹر لمبی ہیں۔ ہندوستان کے دفاع اور سلامتی کو فوقیت حاصل ہے۔ تعلقات سلامتی، نقل مکانی، تجارت، پانی کی تقسیم، اور پڑوس میں بیرونی بڑی طاقتوں کی موجودگی کے بڑے اور پیچیدہ پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔ یہ تمام مسائل آپس میں مربوط ہیں جس کی وجہ سے کسی ایک مسئلہ کو الگ سے تلاش کرنا اور اسے حل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان تعلقات کی حرکیات تیزی سے تبدیل ہوتی ہیں کیونکہ مسائل ترجیحی فہرست میں اوپر اور نیچے کی طرف جاتے ہیں جو وقت کی ضرورتوں پر منحصر ہوتا ہے۔ ہندوستان کے سات قریبی پڑوسی ممالک اس یونٹ میں شامل ہیں۔ دوطرفہ تعلقات میں ہر ایک اہم ہے اور اس کی اپنی خصوصیات ہیں۔

ہندوستان اور پاکستان جنوبی ایشیا کے پڑوسی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کا حصہ اور ٹکڑا تھے۔ ماضی قریب میں دونوں ممالک کے

عوام کے درمیان مضبوط جذباتی ثقافتی اور تاریخی روابط ہیں لیکن دونوں ممالک کے درمیان سیاسی تعلقات ہمیشہ تناؤ اور کشیدہ رہے ہیں۔ 1947 سے دونوں ممالک کے تعلقات تسلی بخش نہیں ہیں۔

1) **1947-48 کی جنگ:** آزادی کے فوراً بعد، جموں وکشمیر کے علاقوں میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تنازعہ شروع ہوگیا۔ پاکستانی حکومت کا دعویٰ تھا کہ کشمیر پاکستان کا ہے۔ ہندوستان نے پاکستان کا دعویٰ مسترد کردیا۔ پاکستان نے قبائلی حملہ آوروں کے بھیس میں اپنے فوجی بھیجے۔ پاکستان کے ناپسندیدہ اقدام کا نتیجہ 48-1947 میں جنگ کی صورت میں نکلا۔ یہ جنگ دونوں ملکوں کی فوجوں نے لڑی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وادی کشمیر دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ یہ تقسیم اس لیے ہوئی کیونکہ ہندوستان کی جانب سے سلامتی کونسل کی قرارداد کو مدنظر رکھتے ہوئے جنگ بندی کا اعلان کیا گیا تھا۔ پاکستانی فوج کے قبضے میں جو کچھ تھا وہ مقبوضہ کشمیر کہلانے لگا۔ وہ حصہ جو ہندوستانی فوج کے کنٹرول میں رہ گیا تھا اسے صوبہ کشمیر کہا جاتا ہے۔

2) **1965 کی ہند۔پاک جنگ:** مارچ-اپریل 1965 میں پاکستان نے رن آف کچھ کے علاقہ میں دراندازی کی۔ یہ ایک محدود حملہ تھا اور ہندوستان نے حملہ آوروں کو منہ توڑ جواب دیا۔ لیکن پاکستان کے ذہن میں کچھ اور تھا۔ اس نے آپریشن گرینڈ سلام اور آپریشن جبرالٹر کے کوڈ نام کے تحت متعدد مسلح پاکستانی دراندازوں کو کشمیر میں بھیجا۔ انہیں ہندوستانی علاقے میں تخریب کاری کی کارروائیوں کے ذریعے پریشانی پیدا کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ انہوں نے ہندوستان کے لیے سنگین مسئلہ پیدا کیا، لیکن ہندوستانی افواج کی فوری کارروائی نے بڑی تعداد میں پاکستانی دراندازوں کو پکڑ لیا۔ اس پیش رفت سے پریشان ہوکر پاکستان نے کشمیر کی سرحد سے ہندوستان پر زبردست مسلح حملہ کیا اور اس کے نتیجے میں ستمبر 1965 میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ یہ جنگ تقریباً اٹھارہ دن تک جاری رہی اور یہ 23 ستمبر 1965 کو اپنے اختتام کو پہنچی۔

تاشقند اعلامیہ:

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان 1965 کی جنگ ختم ہوگئی تھی، لیکن ہند۔پاک تعلقات میں تناؤ کی فضا برقرار رہی۔ ہندوستان اور پاکستان کی مدد کے لیے، سوویت یونین کے وزیراعظم، الیکسی کوسیگین نے اپنی ثالثی کی پیشکش کی۔ انہوں نے تاشقند میں سوویت یونین میں ہندوستانی اور پاکستانی رہنماؤں کی ملاقات کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز کو دونوں ممالک نے قبول کرلیا اور ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تاشقند کانفرنس 4 سے 10 جنوری 1966 تک منعقد ہوئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 10 جنوری کو ہندوستان وزیر اعظم لال بہادر شاستری اور پاکستان کے صدر ایوب خان درمیان تاشقند اعلامیہ پر دستخط ہوئے۔

تاشقند معاہدے کی اہم شق

(i) دونوں ممالک اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اچھے ہمسایہ تعلقات قائم کرنے کے لیے تمام

تر کوششیں کریں گے۔

ii) ان کے پاس طاقت کے لئے وسائل نہیں ہونگے اور اپنے تنازعات کو پر امن ذرائع سے حل کریں گے۔

iii) دونوں مما لک کے تمام مسلح افواج کو ان کے مقامات پر واپس لے لیا جائے گا جن پر وہ 5 اگست 1965 سے پہلے موجود تھے۔

iv) دونوں فریق دوسرے ملک کے خلاف پروپیگنڈے کی حوصلہ شکنی کریں گے اور ایسے پروپیگنڈے کی حوصلہ افزائی کریں گے جو دونوں مما لک کے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ دیتا ہے۔

v) دونوں مما لک کے جنگی قیدیوں کو وطن واپس لایا جائے گا۔

vi) دونوں فریقین، دونوں مما لک کے لیے براہ راست تشویش کے معاملات پر اعلیٰ اور دیگر سطحوں پر ملاقاتیں جاری رکھیں گے۔

تاشقند اعلامیہ پر 10 جنوری 1966 کی سہ پہر کو دستخط ہوئے اور ہندوستانی وزیراعظم جناب لال بہادر شاشتری 11 جنوری کی صبح دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔ ان کی موت کے بعد تاشقند معاہدہ اس روح پر عمل میں نہیں لایا گیا جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا تھا۔

ہند-پاکستان جنگ 1971: 1971 میں مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) میں بحران میں اضافہ نے دونوں مما لک کو ایک اور جنگ کی لپیٹ میں لے لیا۔ مکمل جنگ کا آغاز 3 دسمبر 1971 کی صبح ہندوستانی فضائیہ کے ایروڈرم پر پاکستانی فضائی حملے سے ہوا۔ یہ جنگ 16 دسمبر 1971 کو ہندوستانی فوج اور مکتی باہنی کی مشترکہ کمان کے سامنے تقریباً 90,000 پاکستانی فوجیوں کے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے کے ساتھ ختم ہوئی۔ بنگلہ دیش کی جنگ نے پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مشرقی بنگلہ دیش بنا دیا۔ جانی نقصان کے لحاظ سے بھی اسے بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ رقبہ اور فوج کے لحاظ سے ہندوستان کو بھی کافی نقصان اٹھانا پڑا۔

شملہ کانفرنس 1972 اور شملہ معاہدہ:

شملہ کانفرنس جولائی 1972 میں ہوئی تھی۔ 2 جولائی 1972 کو ہندوستان کی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی اور پاکستانی وزیر اعظم مسٹر زیڈ اے بھٹو نے معاہدے پر دستخط کیے جسے عرف عام میں شملہ معاہدہ کہا جاتا ہے۔ معاہدے کی اہم دفعات ذیل میں دی گئی ہیں:

(i) دونوں مما لک کی حکومتیں اس محاذ آرائی کا خاتمہ کریں گی جس نے ان کے معمول کے تعلقات کو خراب کر دیا تھا اور برصغیر میں دوستانہ اور ہم آہنگ تعلقات کے فروغ اور پائیدار امن کے قیام کے لیے کام کریں گے۔

(ii) اقوام متحدہ کے چارٹر کے اصول اور مقاصد دونوں مما لک کے درمیان تعلقات کو کنٹرول کریں گے۔

(iii) وہ اپنے اختلافات کو پر امن طریقے سے دوطرفہ مذاکرات کے ذریعے حل کریں گے یا کسی دوسرے پر امن طریقے سے جس پر ان کے درمیان باہمی اتفاق ہو۔

(iv) وہ پرامن اور ہم آہنگی کے تعلقات کو برقرار رکھنے کے لیے نقصان دہ کسی بھی کارروائی کی تنظیم، مدد یا حوصلہ افزائی کو روکیں گے۔

(v) وہ پرامن بقائے باہمی، ایک دوسرے کی علاقائی سالمیت اور خودمختاری کے احترام اور ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کا عہد کرتے ہیں۔

(vi) دونوں ممالک کے درمیان تنازعات کے بنیادی مسائل اور اسباب کو پرامن طریقے، سالمیت، سیاسی آزادی اور خودمختار مساوات سے حل کیا جائے گا۔

(vii) وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے قومی اتحاد، علاقائی سالمیت کا احترام کریں گے۔

(vii) اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق وہ علاقائی سالمیت یا سیاسی آزادی اور ایک دوسرے کی خودمختار مساوات کے خلاف دھمکی یا طاقت کے استعمال سے باز رہیں گے۔

(ix) پائیدار امن کے قیام کے عمل کو شروع کرنے کے لیے، ہندوستانی اور پاکستانی افواج کو ان کی بین الاقوامی سرحد کے اطراف سے واپس بلا لیا جائے گا۔

(x) جموں و کشمیر میں، 17 دسمبر 1971 کی جنگ بندی کے نتیجے میں ہونے والی لائن آف کنٹرول کا دونوں طرف سے کسی بھی طرف کے تسلیم شدہ موقف کے تعصب کے بغیر احترام کیا جائے گا۔ دونوں فریقوں نے اس لائن کی خلاف ورزی پر دھمکی یا طاقت کے استعمال سے باز رہنے کا عہد کیا ہے۔

(xi) دونوں ممالک کی حکومتوں کے سربراہان مستقبل میں باہمی طور پر مناسب وقت پر دوبارہ ملاقات کریں گے۔ اس دوران، دونوں فریقوں کے نمائندے پائیدار امن کے قیام اور تعلقات کو معمول پر لانے کے طریقوں اور انتظامات پر مزید بات چیت کریں گے، جس میں جنگی قیدیوں کی وطن واپسی اور شہری مفادات، جموں و کشمیر کے حتمی تصفیے کے سوالات شامل ہیں۔ اور سفارتی تعلقات کی بحالی۔

کارگل جنگ

1998 میں پاکستانی فوج کے جوانوں نے کارگل میں دراندازی کی۔ وہ ایل او سی عبور کر کے ہندوستانی حدود میں داخل ہوئے۔ 1999 میں جب ہندوستانی فریق نے ان دراندازیوں کا مشاہدہ کیا تو ہندوستانی افواج نے شدید فضائی اور زمینی حملہ کیا اور دراندازوں کو بھگا دیا۔ کارگل میں دراندازی کرنے کا بنیادی مقصد قومی شاہراہ IA کے ایک حصے کو کاٹنا تھا کیونکہ ایسا کرنے سے ہندوستان کے لیے سیاچن گلیشیئر میں موجود ہندوستانی فوجیوں کو رسد کی فراہمی مشکل ہو جائے گی۔ ہندوستانی فوج کارگل کی چوٹی پر قومی فخر کے جذبہ کے ساتھ قومی پرچم لہرانے میں کامیاب رہی۔

موجودہ منظر نامہ

ہندوستان اور پاکستان کے ایک دوسرے کے ساتھ مخالفانہ تعلقات بدستور جاری ہیں۔لشکر طیبہ، جیش محمد، حزب المجاہدین جیسی بنیاد پرست جہادی تنظیموں کی واضح پشت پناہی کے ساتھ سرحد پار دہشت گردی کے لیے پاکستان کی حمایت جانی نقصانات اور املاک اور ساکھ کو نقصان پہنچانے کے معاملے میں ہندوستان کو بہت مہنگی پڑی ہے۔لائن آف کنٹرول (ایل او سی) ایک سرگرم خطہ بنی ہوئی ہے کیونکہ دونوں فوجوں کے درمیان باقاعدگی سے جھڑپیں ہوتی رہتی ہیں۔ پاکستانی اس طرح کی جھڑپوں کو دہشت گردوں کو ایل او سی کے اس طرف بھیجنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔تاہم، حالیہ برسوں میں، ہندوستان نے ان حملوں کا جواب 2016 میں سرجیکل سٹرائیکس اور 2019 میں بالاکوٹ ایئر سٹرائیک کے ذریعے دیا ہے۔اس طرح کے ردعمل نے ہندوستان کی مجموعی سکیورٹی پوزیشن کو کافی حد تک بلند کر دیا ہے اور ممکنہ جوہری جنگ پر بین الاقوامی خدشات کو بڑھا دیا ہے۔ ہندوستان کے لیے ایک اور پریشانی پاکستان اور چین کے درمیان بڑھتی ہوئی شراکت داری ہے۔ دونوں نے واضح طور پر فوجی مشقوں میں حصہ لیا اور اہم معلومات کا تبادلہ کیا۔ یہ، بھارت کے QUAD گروپنگ کی شکل میں امریکہ کے قریب جانے کے وسیع تناظر میں دیکھا گیا، اس نے کثیر القومی تنازعہ کے امکانات کو بڑھا دیا ہے۔تاہم، پاکستان اندرون ملک شدید اقتصادی بحران کے شکار ہے اور نقدی کی تنگی کی صورت حال کے ساتھ، ہندوستان کے خلاف دہشت گردی کی مالی معاونت کرنے سے بھی قاصر ہے۔ پاکستان کے سابق وزیر اعظم عمران خان کی گرفتاری کا باعث بننے والا سیاسی بحران ملک کے اندر موجود طاقتور ملٹری انٹیلی جنس "ڈیپ اسٹیٹ" کو وسط میں لے آیا ہے۔ جمہوری نظام کی اپیل کرنے والے لوگوں کے ساتھ، پاکستان کو اندرون ملک ایک سنگین صورتحال کا سامنا ہے جو ہندوستان کے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اسے ریاستی سرپرستی میں ہونے والی دہشت گردی سے مسلسل خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

ہندوستان اور بنگلہ دیش

ایک خاص پڑوسی: بنگلہ دیش کی جغرافیائی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہندوستان کا بہت خاص پڑوسی ہے۔ بنگلہ دیش' ہندوستان کے شمال مشرقی حصوں کو ملک کے باقی حصوں سے جوڑتا ہے۔ جبکہ بنگلہ دیش کو شکایت ہے کہ وہ ایک شمال مشرق میں ہندوستان سے گھرا ملک ہے۔

ہندوستان کا کہنا ہے کہ وہ بنگلہ دیش سے گھرا ہوا ہے۔ بنگلہ دیش کے راستے حمل و نقل کی سہولت شمال مشرقی ہندوستان کی ترقی، سلامتی اور حکمرانی کے لیے اہم ہے۔ بنگلہ دیش یہ جانتا ہے۔ اور ہندوستان کے ساتھ بہتر معاملت کرنے کے لیے حمل و نقل سہولت کا استعمال کرتا ہے۔ یہ بھی ٹکراؤ کا ایک نقطہ ہے، کیونکہ بنگلہ دیش بعض اوقات رکاوٹیں ڈالتا ہے، یہاں تک کہ حمل و نقل کی سہولیات کو بھی منسوخ کر دیتا ہے۔ ہندوستان تنگ سلی گوڑی راہداری (چکن نیک') پر بنگلہ دیش کے دباؤ کا شکار ہے۔ ایک 22 کلومیٹر طویل زمینی حصہ جو ہندوستان کے شمال مشرق کو ملک کے باقی حصوں سے ملاتا ہے۔ طاقت کی صلاحیت کے معاملے میں، قومی سطح پر ہندوستان اور

بنگلہ دیش کے درمیان عدم توازن کو بھول جائیں۔ ذیلی علاقائی سطح پر طاقت کے توازن کو دیکھیں۔ اگر کوئی صرف شمال مشرقی علاقہ کو مدنظر رکھے تو بنگلہ دیش ہندوستان کی صلاحیتوں کے ساتھ مضبوطی سے میل کھاتا ہے۔

غیر محفوظ سرحدیں: اپنے تمام پڑوسیوں میں، ہندوستان بنگلہ دیش کے ساتھ سب سے طویل سرحد کا اشتراک کرتا ہے۔ 4351 کلومیٹر طویل زمینی سرحد اگر دنیا کی پانچویں طویل ترین سرحد ہے۔ یہ ہندوستان کی پانچ ریاستوں مغربی بنگال (2217 کلومیٹر)، آسام (262 کلومیٹر)، میگھالیہ (443 کلومیٹر)، تریپورہ (856 کلومیٹر) اور میزورم (318 کلومیٹر) سے گزرتی ہے۔ یہ سرحد پانچ ریاستوں کے 25 اضلاع سے گزرتی ہے۔ جب سرحدیں اس قدر قابل رسائی ہوں تو ان کی حفاظت کرنا آسان نہیں ہوتا۔ سرحد کے ساتھ بہت سے اضلاع کے ساتھ، ہندوستان کے اپنے خطرات ہیں۔ سرحدی انتظام دونوں ممالک کے حکام کے درمیان ایک مسئلہ اور ایک تکلیف دہ نقطہ ہے۔ غیر محفوظ سرحدیں کھانے پینے کی اشیاء، ادویات، مویشی، مشینری اور منشیات کی اسمگلنگ کے لیے کافی بڑے پیمانے پر استعمال ہوتی ہیں۔ خلیج بنگال، جو بنگلہ دیش کے جنوب میں واقع ہے، ایک سرحد ہے جس کی نگرانی ہندوستانی بحریہ کرتی ہے۔ حکمت عملی پر مبنی خلیج بنگال میں بنگلہ دیش کا ہندوستان کے ساتھ سمندری تنازعہ بھی ہے۔

غیر قانونی نقل مکانی: بنگلہ دیش سے ہندوستان میں لوگوں کی نقل و حرکت ایک پیچیدہ چیلنج ہے۔ ایسے لوگ ہیں جو قانونی طور پر ہندوستان میں داخل ہوتے ہیں لیکن اپنے ویزا کی میعاد سے زیادہ قیام کرتے ہیں۔ تعداد ہر سال کئی ہزار ہونے کا اندازہ لگایا جاتا ہے پھر وہ لوگ ہیں جو غیر قانونی طور پر داخل ہوئے اور نسل در نسل یہاں مقیم ہیں۔ تارکین وطن روزگار کی تلاش اور اپنی زندگی کے حالات کو بہتر بنانے کے لیے غیر قانونی طور پر ہندوستان میں داخل ہوتے ہیں۔ لوگوں کی نقل و حرکت میں ایک تاریخی طریقہ کار رہے: علاقوں کے لوگ، جو آج بنگلہ دیش ہے، تاریخی طور پر پڑوسی حصوں میں نقل مکانی کر چکے ہیں۔ اکثر کچھ برسوں کے بعد واپس لوٹتے ہیں۔ زیادہ عصری ادوار میں، یہ دھکا کا عنصر ہے۔ بنگلہ دیش ہندوستان کے پڑوسیوں میں سب سے زیادہ آبادی والا ملک ہے۔ یہ بھی خطے کے غریب ترین علاقوں میں سے ایک ہے۔ غربت اور بے روزگاری بنگلہ دیشیوں کو ہندوستان میں لے جاتی ہے۔ سرحدیں غیر محفوظ ہیں اور کراسنگ آسان اور مختصر ہے: بعض اوقات، ہندوستان میں پہنچنے کے لیے صرف چند منٹوں کے لیے ایک چھوٹی ندی سے گزرنا پڑتا ہے۔ غیر قانونی نقل مکانی دونوں ممالک کے درمیان تنازعہ کی ایک ہڈی کی طرح ہے۔ یہ شمال مشرقی ریاستوں خاص طور پر آسام میں ایک مقامی سیاسی مسئلہ ہے جہاں لوگوں کو لگتا ہے کہ ان کی ثقافت کو بڑی غیر آسامی آبادی سے خطرہ ہے۔ ہندوستان یکطرفہ اقدامات نہیں کر سکتا۔ دوسرے مسائل الجھ جاتے ہیں۔ ہندوستان آبی وسائل کو بروئے کار لانے، غیر قانونی نقل مکانی کو روکنے، اسمگلنگ کو روکنے اور دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے بنگلہ دیش پر منحصر ہے۔

پانی کا تنازعہ: ہندوستان اور بنگلہ دیش 54 سرحد پار دریا بانٹتے ہیں، جن کے سائز مختلف ہیں۔ گنگا پانی کی تقسیم کا معاہدہ طویل تاخیر اور مذاکرات کے بعد 1996 میں طے پایا تھا۔ ہندوستان کے فراکا بیراج کی تعمیر اور اسے چلانے کے منصوبے پر تنازعہ برقرار

ہے۔فراکا بیراج کی تعمیر سے دریائے گنگا کی بھا گیرتی -ہوگلی شاخ کے کمزور موسم کے دوران بہاؤ میں اضافہ ہوگا تاکہ کولکتہ کی بندرگاہ پر پانی کی گہرائی میں اضافہ کیا جاسکے جو کہ کیچڑ کی وجہ سے خطرہ میں ہے۔

بنگلہ دیش کو اسی عرصے میں کھیتوں کی آبپاشی کے لیے اس پانی کی ضرورت ہے اور کمزور موسم میں ناکافی پانی دونوں ممالک کی ضروریات کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔اقتصادی باہمی انحصار: ہندوستان کے تمام جنوبی ایشیائی پڑوسیوں میں سے، بنگلہ دیش اور ہندوستان کا اقتصادی باہمی انحصار قریبی ہے۔ بنگلہ دیش جنوبی ایشیا میں ہندوستان کا سب سے بڑا تجارتی شراکت دار ہے۔ یہ ملبوسات کی تیاری کے لیے بڑی مقدار میں کاٹن یارن درآمد کرتا ہے جو بنگلہ دیش کی بڑی برآمدات ہے۔غیر رسمی تجارت رسمی تجارت سے کہیں زیادہ ہے۔شمال مشرقی ریاستوں خاص طور پر تریپورہ کے لیے، بنگلہ دیش سے روزانہ استعمال کی چیزوں کو کولکوٹا سے درآمد کرنا سستا ہے۔تاریخی طور پر بنگلہ دیش اور اس سے ملحقہ شمال مشرقی علاقہ ایک دوسرے سے مربوط تھے۔

ڈھاکہ اور کولکتہ خوشحال کاروباری مرکز کے طور پر۔ سیاست اور تقسیم مقامی معاشی تبادلے کو ختم نہیں کرسکی۔ ماضی کی معاشی حقیقتیں صرف کاروبار کی جدید دور کی منطق سے مجبور ہیں۔

بنگلہ دیش کی ہنگامی صورتحال میں ہندوستان کا کردار: 1971 نے برصغیر میں ایک اہم واقعہ دیکھا۔ ہندوستان کی آزادی کے وقت صوبہ بنگال دو حصوں مشرقی بنگال اور مغربی بنگال میں تقسیم تھا۔ ہندوستان کی آزادی کے منصوبے میں بنگال کی تقسیم کا تصور کیا گیا تھا۔مشرقی بنگال پاکستان کا حصہ بن گیا، جب کہ مغربی بنگال ہندوستان کے علاقے میں شامل ہوگیا۔مشرقی اور مغربی پاکستان کا کوئی ثقافتی یا تاریخی رشتہ نہیں تھا۔

مشرقی پاکستان کے لوگوں کو اپنی بنگالی زبان اور بنگالی ثقافت پر فخر تھا،لیکن مغربی پاکستان کے لوگوں نے کبھی بھی اپنے ملک کے مشرقی حصے کی زبان اور ثقافت کا احترام نہیں کیا۔اردو پاکستان کی سرکاری زبان تھی اور بنگلہ کو کبھی بھی اس کی جائز حیثیت نہیں دی گئی۔معاشی طور پر بھی مشرقی پاکستان کے لوگ ٹھیک نہیں تھے۔ پاکستان کے مشرقی حصے کی معیشت مغربی پاکستان کے مقابلے میں کم ترقی یافتہ تھی کیونکہ مشرقی پاکستان کی بنگالی آبادی نے مکتی باہنی کی شکل میں خود کو منظّم کرنے پر مجبور کیا۔

اکستانی فوج کا ہتھیار ڈالنا: جنگ میں پاکستان کو بھاری نقصان ہوا،اس کی فوج نے مشرق میں ہندوستان اور بنگلہ دیش کی مکتی باہنی کی مشترکہ کمان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔16 دسمبر 1971 کو پاکستانی افواج کے غیر مشروط ہتھیار ڈالنے کے بعد بنگلہ دیش کا جنم ہوا اور ڈھاکہ آزاد ملک کا دارالحکومت بن گیا۔ 1971 میں خودمختار آزاد ریاست کے طور پر بنگلہ دیش کے قیام کی بڑی حد تک ذمہ داری ہندوستان پر تھی۔اگر ہندوستان مشرقی پاکستان کے عوام کو بچانے اور مکتی باہنی کی مدد کو نہیں آتا بنگلہ دیش کا ظہور ہنوز بہت دور تھا اور مشرقی پاکستان کے عوام کو یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوتا۔

تعلقات میں ہم آہنگی: ہندوستان اور بنگلہ دیش کے تعلقات پاکستان کے حکمرانوں کے چنگل سے آزادی کی جدوجہد میں

ہندوستان کی ہمدردی اور حمایت کی وجہ سے اعلیٰ سطح کی ہمدردی کیساتھ پر شروع ہوئے۔6 دسمبر 1971 کو ہندوستان نے عوامی جمہوریہ بنگلہ دیش کو تسلیم کیا۔اس کے بعد دوطرفہ معاہدوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا جس میں دفاع، خارجہ تعلقات اور تجارت شامل ہیں۔ یہ بنگلہ دیش سے ہندوستان کی مسلح افواج کے انخلاء اور آزاد کرائے گئے علاقوں کو بنگلہ دیش کے حوالے کرنے کے لیے کیے گئے تھے۔19 مارچ 1972 کو ہندوستان اور بنگلہ دیش کے درمیان دوستی، تعاون اور امن کے 25 سالہ معاہدے پر دستخط ہوئے۔

تناؤ کے مسائل:1975 سے ہندوستان اور بنگلہ دیش کے تعلقات میں دراڑ پیدا ہوگئی۔

گنگا کے پانی کی تقسیم: اپریل 1975 میں دونوں ممالک کے درمیان گنگا کے پانی کی تقسیم سے متعلق ایک عبوری معاہدے پر دستخط ہوئے۔معاہدے کے بعد ہندوستان نے فرا کا بیراج کا کام شروع کیا اور اسی دوران گنگا کے پانی کی تقسیم پر حتمی تصفیہ حاصل کرنے کے لیے بنگلہ دیش کے ساتھ بات چیت شروع کی گئی۔آخر کار 12 دسمبر 1996 کو دونوں ممالک نے پانی کی تقسیم کا معاملہ طے کرلیا اور گنگا کے پانی کی تقسیم پر انڈو بنگلہ معاہدہ پر دستخط کئے۔

ہندوستانی وزیر اعظم بنگلہ دیش کے دورے پر تھے اور اپنے ہم منصب کے ساتھ تقریباً 12 معاہدوں پر دستخط کیے: ستمبر 2010 میں ہندوستان کے وزیر اعظم بنگلہ دیش کے دورے پر گئے۔ ہندوستان کے وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ پہلے وزیر اعظم تھے جنہوں نے 12 سال بعد بنگلہ دیش کا دورہ کیا اور بنگلہ دیش حکومت کے ساتھ 12 معاہدوں کو حتمی شکل دی۔

انکلیوز کا تنازعہ: 6 جون 2015 کو ہندوستانی وزیر اعظم نریندر مودی اور بنگلہ دیش کی وزیر اعظم شیخ حسینہ نے اہم سرحدی معاہدہ کیا۔معاہدے کے مطابق دونوں ممالک ہندوستان اور بنگلہ دیش کے درمیان بس سروس شروع کرنے پر رضامند ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا کہ بنگلہ دیش 51 انکلیو ہندوستان کو دے گا اور ہندوستان بنگلہ دیش کو 111 انکلیو دے گا۔ پہلے اس انکلیو میں رہنے والے لوگوں کو اسٹیٹ لیس پرسن کے نام سے جانا جاتا تھا لیکن دونوں ممالک کے درمیان معاہدے کے بعد ان انکلیو کے لوگ اس ملک کی شہریت حاصل کرسکیں گے جہاں انہیں منتقل کیا گیا ہے۔

بنگلہ دیش اور چین کے تعلقات میں سلامتی کے پہلو ہیں جنہیں ہندوستان نظر انداز نہیں کرسکتا۔چین اسلحے کی درآمد کے لیے بنگلہ دیش کا سب سے بڑا ذریعہ بن گیا ہے۔چینی زاویے سے، بنگلہ دیش پاکستان کے بعد، دنیا میں چین کا دوسرا سب سے بڑا اسلحہ برآمد کرنے والا ملک ہے۔ چین کے تمام ہتھیاروں کی فروخت میں بنگلہ دیش کا حصہ 20 فیصد ہے۔ بیجنگ نے ڈھاکہ کو پانچ سمندری گشتی جہاز، دو آبدوزیں، 16 لڑاکا طیارے، اور 44 ٹینکوں کے ساتھ ساتھ جہاز شکن اور زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائل فراہم کیے ہیں۔2017 میں، بنگلہ دیشی بحریہ نے کم سے کم قیمت پر دو چینی آبدوزوں کی ڈیلیوری لی۔چین کے ساتھ دفاعی تعلقات نے ملک کی فوجی صلاحیت میں اضافہ کیا۔

ہند۔ نیپال تعلقات

نیپال ہندوستان کا ایک اور زمین سے گھرا ہمالیائی پڑوسی ہے۔ یہ ملک ہندوستان اور چین کے درمیان واقع ہے۔ نیپال ایک مملکت تھی لیکن ایک طویل سیاسی کشمکش کے بعد 2006 میں ایک جمہوریہ بن گیا۔ نیپال ایک متنوع معاشرہ ہے۔ 2011 کی مردم شماری میں تقریباً 125 مختلف ذاتوں اور نسلی گروہوں کو درج کیا گیا۔ یہ ایک کثیر المذہبی معاشرہ ہے جس کی آبادی کا 81.3 فیصد ہندو اور بدھ مت کے ماننے والے 9 فیصد ہیں۔ نیپال کے لوگ اپنی الگ قومی شناخت کے بارے میں بہت زیادہ باشعور ہیں۔ اور اس کی خارجہ پالیسی کا بنیادی مقصد اپنے دو طاقتور پڑوسیوں ہندوستان اور چین کے ساتھ تعلقات میں آزادی کو برقرار رکھنا ہے۔ تاریخی طور پر، زمین سے گھرے ممالک کو اکثر بے اختیار ہونے اور ہندوستان پر انحصار کا احساس پیدا کیا۔ نیپال کا انحصار ہندوستانی بندرگاہوں پر ہے۔ اس کے باوجود ہند۔ نیپال تعلقات کئی الگ الگ مراحل سے گزرے ہیں۔

امن اور دوستی کا معاہدہ، 1950 میں نیپال کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات کو خاص سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان اور نیپال کی سرحدیں کھلی ہیں۔ کوئی قدرتی جغرافیائی عوامل نہیں ہیں جو حدود کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس طرح سرحد کو باقاعدہ کرنا یا بند کرنا آسان کام نہیں ہے۔ 31 جولائی 1950 کو دوطرفہ امن اور دوستی کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔ دونوں ممالک نے ملازمت، کاروبار اور جائیداد کی ملکیت سمیت تمام معاملات میں ایک دوسرے کے شہریوں کو قومی درجہ فراہم کرنے پر اتفاق کیا۔ ہندوستان اقتصادی طور پر زیادہ ترقی یافتہ اور ایک بڑی منڈی ہے۔ اس معاہدے نے نیپال کے لوگوں کو ہندوستان میں ملازمتوں اور کاروبار کے مواقع تلاش کرنے میں مدد کی ہے۔ 1950 کے معاہدے پر 1949 میں چین کے تبت کے الحاق کے پس منظر میں دستخط کیے گئے تھے۔

نیپال امن کے علاقے کے طور پر؛ اپنی تاجپوشی کے وقت، فروری، 1975 میں بادشاہ بریندرا نے اس تجویز کو آگے بڑھایا کہ نیپال کو دوسری طاقتوں کی طرف سے "امن کے علاقے" کے طور پر قبول کیا جائے۔ اس کے بعد سے، نیپالی ترجمان اقوام متحدہ سمیت مختلف فورمز پر اس تجویز کی حمایت کی درخواست کر رہے ہیں، ہندوستان نے اس تجویز پر کوئی مثبت ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ ہندوستان کے نقطہ نظر سے نیپال کو زون کا ایک حصہ قرار دینا ہندوستان کے مفاد میں نہیں ہے کیونکہ چین نیپال کو امن کے علاقے کے طور پر تسلیم کرنے والی پہلی ریاستوں میں سے ایک تھا اور 115 ریاستوں نے بھی نیپال کو امن کے علاقے کے طور پر تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ کا اظہار کیا ہے۔ ایک زون پی ایف امن کے طور پر نیپال ایک ایسا عنصر ہے جو نیپال حکام کے ذہنوں میں خوف اور شکوک پیدا کرتا ہے۔

دوطرفہ تعلقات کی کوشش نیپال کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات تاریخی، ثقافتی، مذہبی، اقتصادی، سلامتی، جغرافیائی اور آبی وجوہات کی بنا پر اہم ہیں۔ دونوں کے درمیان 1850 کلومیٹر طویل سرحد ہے جو کھلی ہے۔ نیپال کی سرحدیں پانچ ہندوستانی ریاستوں- سکم، مغربی بنگال، بہار، اتر پردیش اور اترا کھنڈ سے ملتی ہیں۔ تقریباً ساٹھ لاکھ نیپالی شہری ہندوستان میں رہتے اور کام کرتے ہیں۔ وہ ہندوستانی شہریوں کے برابر سہولیات اور مواقع حاصل کرتے ہیں۔ نیپال میں تقریباً 6,00,000 ہندوستانی رہتے اور کام کرتے ہیں۔

ہندوستانی کرنسی نیپال میں آزادانہ طور پر تبدیل ہوتی ہے۔اس وقت تقریباً 32000 نیپالی شہری ہندوستانی فوج میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ 7 گورکھا رجمنٹ میں 39 بٹالین ہیں۔ یہ دستے بنیادی طور پر نسلی نیپالی گورکھوں اور نسلی نیپالی نسل کے لوگ ہیں جنہیں ہندوستانی گورکھا کہا جاتا ہے۔

ہندوستان کے سیکورٹی خدشات: ہندوستان اور نیپال کی مشترکہ کھلی سرحدیں سیکورٹی خدشات کو بڑھاتی ہیں۔ دسمبر 1999 میں کھٹمنڈو سے دہلی جانے والی انڈین ایئر لائن کی پرواز کو قندھار کے لیے ہائی جیک کرلیا گیا۔سلامتی ٹکراؤ کا ایک نقطہ بن جاتی ہے، کیونکہ نیپال غیر ملکی طاقتوں بالخصوص چین اور پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں کا مرکز بن گیا ہے۔ 1989 میں، ہندوستان نے خشکی سے گھری چھوٹی ریاست کی اقتصادی ناکہ بندی کردی جس کی وجہ سے عام صارفین کی اشیاء تک رسائی میں مشکلات پیش آئیں۔ 2015 میں اسی طرح کی ناکہ بندی نے ہند مخالف جذبات کو بہت زیادہ ابھارا۔

چائنا کارڈ 'نیپال کا چائنا کارڈ کیا ہے؟ نیپال کا چین کے تبتی علاقے کے ساتھ جغرافیائی تعلق ہے، اور حالیہ دنوں میں اس کا چین کی طرف زیادہ جھکاؤ پایا جاتا ہے۔ اس نے چین کے ساتھ اپنے بڑھتے ہوئے تعلقات کو ہندوستان سے اہم رعایتیں حاصل کرنے کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ ہندوستان نے نیپال کو مزید فراخدلی سے تجارت اور حمل ونقل کی شرائط کی پیشکش کی ہے تاکہ وہ اسے 1950 کے معاہدے کے قریب رکھے۔ چین کے ساتھ تعلقات نیپال کو اس کی خارجہ پالیسی میں خودمختاری کا ایک اچھا پیمانہ فراہم کرتے ہیں اس کے علاوہ اسے ہندوستان کے ساتھ بہتر سودے بازی کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ چین اب نیپال کا تعاون کا اسٹریٹجک پارٹنر ہے۔ اور نیپال نے چین کے بیلٹ اینڈ روڈ انیشیٹو (بی آر آئی) پر دستخط کیے ہیں۔ چین نیپال کا اہم سرمایہ کار اور تجارتی شراکت دار ہے۔ چین نے کھٹمنڈو اور چین کے تبت علاقے کے درمیان سڑک اور ریل رابطوں سمیت بنیادی ڈھانچے کی ترقی میں سرمایہ کاری کرنے کا عہد کیا ہے۔ چین نے ایوی ایشن، تجارتی بندرگاہوں، شاہراہوں، ریلوے اور مواصلات کے ذریعے 'ہمالیہ کے آر پار رابطہ کا نیٹ ورک' بنانے کی پیشکش کی ہے۔ مجوزہ 70 کلومیٹر ریلوے تبت کے کیرانگ کو کھٹمنڈو سے جوڑے گی۔ اس سے نیپال کا ہندوستان پر انحصار ختم ہو جائے گا۔ نیپال ان تعلقات پر پر جوش ہے اور ہندوستان پر اپنا انحصار کم کرنے کے لیے چائنا کارڈ کھیلنا چاہتا ہے۔ چینی صدر شی جن پنگ نے اکتوبر 2019 میں کھٹمنڈو کا دورہ کیا اور یقین دہانی کرائی کہ چین نیپال کو 'زمین سے گھرا' ملک سے زمین سے مربوط ملک میں تبدیل کردے گا - ایک نعرہ جو آنے والی دہائیوں تک ہمالیائی ریاست میں گونجنے والا ہے۔

ہندوستان اور سری لنکا

سری لنکا، جو پہلے سیلون کے نام سے جانا جاتا تھا (1972 تک)، ایک چھوٹا جزیرہ ملک ہے جو ہندوستان کے جنوب میں بحر ہند میں واقع ہے۔ اس کا کل رقبہ 25,332 مربع میل ہے۔ آبنائے پالک میں صرف 18 میل چوڑا کم پانی شمالی سری لنکا میں جافنا کو ہندوستانی ریاست تامل ناڈو کے جنوبی سرے سے الگ کرتا ہے۔ بحر ہند میں اس کا جغرافیائی محل وقوع (اور ڈیگو گارسیا میں امریکی بحری

اڈے سے اس کی قربت) اس کی اہمیت کو اس کے حجم، آبادی اور وسائل سے کہیں زیادہ ظاہر کرتی ہے۔ ہندوستان اور سری لنکا کے درمیان ثقافتی تعلقات کی تاریخ قدیم زمانے سے ہے۔ سری لنکا کی کل آبادی، تقریباً 64 فیصد بدھ مت کو مانتی ہے اور تقریباً 15 فیصد ہندو مذہب کو مانتی ہے۔ سری لنکا 19 ویں صدی کے اوائل میں برطانوی کالونی بن گیا۔ اسے 4 فروری 1948 کو آزادی ملی۔

اس کے دو بڑے نسلی گروہ، سنہالا اور تامل، اپنی جڑیں ہندوستان میں تلاش کرتے ہیں۔ سنہالی اپنے آپ کو اصل آریائی مانتے ہیں اور تامل اپنی جڑوں کو تمل ناڈو کے علاقہ کے دراوڑیوں سے جوڑتے ہیں۔ ہندوستان اور سری لنکا کے لوگ برطانوی استعمار سے آزادی کی مشترکہ جدوجہد میں شامل تھے۔ لیکن تاریخ، جغرافیہ، مذہب، ثقافتی وراثت اور برطانوی سامراج کے خلاف مشترکہ جدوجہد کے باوجود دونوں ملکوں کے تعلقات وقتاً فوقتاً تناؤ کا شکار رہے ہیں۔ دونوں ممالک کے درمیان اہم اضطراب کی مختصر تفصیل آگے دی جا رہی ہے:

کچاٹیوو کا معاہدہ: 8 جون 1974 کو آبنائے پالک اور خلیج پالک کے پانیوں میں ہندوستان اور سری لنکا کے درمیان بین الاقوامی سرحد کی حد بندی کی گئی۔ اس معاہدے کے تحت کچاٹیوو ایک چھوٹا جزیرہ سری لنکا کا حصہ بن گیا۔ خلیج مینر اور خلیج بنگال میں سمندری حدود کی حد بندی کرنے والے ایک اور معاہدے پر 23 مارچ 1976 کو دستخط کیے گئے۔ ان دونوں معاہدوں پر دستخط ہند۔ سری لنکا تعلقات میں تاریخی سنگ میل تھے کیونکہ ان دونوں معاہدوں سے دونوں ممالک کے درمیان تعلقات میں ایک بڑی رکاوٹ کا خاتمہ ہوا۔

ہندوستانی ٹاملوں کا مسئلہ سری لنکا کے صوبہ جافنا میں ٹامل آبادی کی بڑی تعداد ہے۔ مسئلہ اس وقت سنگین ہو گیا جب ٹامل باشندوں نے شمالی سری لنکا میں ایک قومی وطن یا "ایلم" کا مطالبہ کرنا شروع کیا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سری لنکا میں ٹاملوں کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: سیلون کے ٹامل جن کے آباؤ اجداد صدیوں پہلے سری لنکا نقل مکانی کر گئے تھے۔ ان کی تعداد ایک ملین بتائی جاتی ہے۔ دوسری قسم ہندوستانی ٹاملوں کی ہے جن کے آباؤ اجداد کو انگریزوں نے 19 ویں صدی میں باغبانی کے مزدور کے طور پر لیا تھا۔ وہ مزید ایک ملین ہیں، ان میں سے اکثر شہریت کے بغیر ہیں۔ ان کی حیثیت کا مسئلہ ابتدا میں ہندوستان سری لنکا تعلقات پر غالب رہا۔ سیلون کے ٹاملوں کے ساتھ تنازعہ بعد میں آیا۔

ٹاملوں کا مسئلہ، اور حکومت کی طرف سے اختیار کی گئی پالیسی نے ہند۔ سری لنکا تعلقات پر گہرا اثر ڈالا۔ ہندوستان نے وقتاً فوقتاً سیلون حکومت کی امتیازی پالیسی کے خلاف شکایت کی۔ 1964 کے معاہدے میں سری لنکا میں بے وطن افراد (ہندوستانی ٹامل) کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ ان میں سے تقریباً 3 لاکھ کو سری لنکا کی شہریت دی جانی تھی اور تقریباً 5 لاکھ 25 ہزار افراد کو ہندوستان کی شہریت دی جانی تھی۔ ان لوگوں کو قسطوں میں ہندوستان منتقل ہونے کے لیے 15 سال کا وقت دیا گیا تھا۔ بعد ازاں 1974 میں باقی 1 لاکھ 50 ہزار بے وطن افراد کی قسمت کا فیصلہ ہوا۔ دونوں ممالک کے درمیان اس بات پر اتفاق ہوا کہ ان میں سے

نصف کو سری لنکا کی شہریت دی جائے گی اور باقی ہندوستانی شہری بنیں گے۔ اس طرح بے وطن افراد کا مسئلہ دونوں ممالک کے درمیان پرامن طریقے سے حل ہوا 1954 سے 1974 کے دوران سری لنکا میں ہندوستانی نژاد بے وطن افراد کی شہریت کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے دونوں ممالک کے اس وقت کے وزرائے اعظم نے درج ذیل تین معاہدوں پر دستخط کیے تھے۔: نہرو۔ کوٹیل والا معاہدہ، 1954۔ سری ماو۔ شاستری معاہدہ، 1964؛ اندرا۔ سریماو معاہدہ، 1974۔

ٹامل مسئلہ: ہندوستانی نژاد ٹاملوں کے علاوہ سری لنکا کے اصل ٹامل بھی ہیں جو ملک کی کل آبادی کا تقریباً 12 فیصد ہیں۔ لنکن ٹامل جنوبی ہندوستانیوں کی اولاد ہیں اور ہندوستان کے ٹاملوں کے ساتھ مشترکہ ثقافتی اور نسلی روابط رکھتے ہیں۔ سری لنکا کے ٹامل الگ ثقافتی شناخت برقرار رکھتے ہیں اور عام طور پر سنہالیوں کے ساتھ گھل مل نہیں پاتے جو سری لنکا کی کل آبادی کا 74% ہیں۔ سری لنکا کے ٹامل بنیادی طور پر جزیرہ نما جافنا تک محدود ہیں۔ وہ علاقائی خودمختاری کا مطالبہ کر رہے تھے تاکہ وہ سنہالی غالب قوم پرستی کے حملوں کے خلاف اپنی الگ ثقافتی اور نسلی شناخت کو برقرار رکھ سکیں۔ سری لنکا کی واحد سرکاری زبان کے طور پر سنہالی زبان کا اعلان اور ٹامل زبان کو مناسب حیثیت دینے سے انکار اور ٹاملوں کے خلاف متعدد دیگر امتیازی اقدامات نے کچھ ٹاملوں کو اپنے لیے الگ ریاست کا مطالبہ کرنے پر مجبور کیا۔ سنہالیوں کو ٹامل اکثریتی علاقوں میں بڑی تعداد میں آباد ہونے کی ترغیب دی گئی۔ 1948 اور 1949 کے شہریت کے قانون نے تقریباً 10 لاکھ ہندوستانی ٹاملوں کو سیاسی حقوق سے محروم کر دیا تھا۔ ٹامل نوجوانوں نے جو عدم تشدد پر اعتماد کھو چکے تھے، خود کو لبریشن ٹائیگرز ایل ٹی ٹی ای (لبریشن ٹائیگرز آف تامل ایلم) میں منظم کیا۔ ان 'تامل علیحدگی پسند ٹائیگرز' کا مقصد ایک خودمختار تامل ریاست ایلم ہے۔

ٹاملوں اور سنہالیوں کے درمیان نسلی مسئلہ 1983 میں سنگین شکل اختیار کر گیا۔ 1983 میں مشتعل ٹاملوں کے خلاف دہشت کا راج شروع کیا گیا جب 2 لاکھ ٹاملوں کو بے گھر کر دیا گیا۔

ملک کی تاریخ کے بدترین نسلی فسادات نے ہزاروں ٹاملوں کو ہندوستان میں پناہ گزین بنا دیا۔

ہندوستان نے بحران کو حل کرنے میں مدد کی پیشکش کی لیکن تاملوں کی جانب سے اسے "سری لنکا میں ہندوستانی مداخلت" سے تعبیر کیا گیا۔ جب حالات گھمبیر ہو گئے تو بھارت اور سری لنکا نے 1987 میں ایک معاہدے پر دستخط کیے، ہندوستان نے معاہدے کے تحت فوجی مدد کی پیشکش کی۔ انڈین پیس کیپنگ فورس (آئی پی کے ایف) کو سری لنکا بھیجا گیا تاکہ ملک میں حالات معمول پر لانے میں مدد کی جا سکے۔ اگرچہ 1987 کا معاہدہ ہندوستانی سفارتکاری کی فتح تھا لیکن یہ ہندوستان کو مہنگا ثابت ہوا۔ ہندوستان نے تقریباً 1200 فوجیوں کو کھو دیا اور اس کی لاگت 2 کروڑ روپئے یومیہ تھی۔ سب سے بری بات یہ تھی کہ تامل IPKF کے خلاف ہو گئے اور دونوں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ 1987 کے ہند۔ سری لنکا معاہدے کے معمار راجیو گاندھی کو 1991 میں ایل ٹی ٹی ای کے رہنما ویلو پلائی پربھاکرن کے حکم پر قتل کر دیا گیا تھا۔

ہندوستان اور سری لنکا کے درمیان تعلقات کو عام طور پر دوستانہ کہا جا سکتا ہے، سوائے اس مختصر دور کے جس میں ٹامل نسلی مسئلہ نے دونوں ملکوں کے تعلقات پر اپنا اثر ڈالا تھا۔ سری لنکا بھیجی گئی انڈین پیس کیپنگ فورس (آئی پی کے ایف) ہندوستان کے لیے ایک تلخ تجربہ تھا۔ 1990 میں ان کے انخلاء کے بعد، ہندوستان نے سری لنکا کے نسلی مسئلے سے ہاتھ ہٹانے کو ترجیح دی، اور ناروے جیسے دیگر ممالک کو اس مسئلے پر خاطر خواہ امن عمل شروع کرنے کی گنجائش دی۔ لیکن ہندوستان اور سری لنکا کے درمیان بڑھتے ہوئے اقتصادی تعلقات باہمی اعتماد کی علامت ہیں۔ راجیو گاندھی کے قتل کے بعد ہندوستان میں ایل ٹی ٹی ای پر پابندی لگا دی گئی اور اسے دہشت گرد تنظیم قرار دے دیا گیا۔ ہندوستان نے سری لنکا کی مسلح افواج کو فوجی مدد فراہم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ ہندوستانی خارجہ پالیسی میں کئی برسوں سے اتار چڑھاؤ رہا جس کا ہندوستان کو طویل مدت میں نقصان اٹھانا پڑا۔ ہندوستان کے نقطہ نظر نے چین، پاکستان، یورپی یونین، جاپان، اسرائیل اور امریکہ کے لیے سری لنکا میں اثر و رسوخ حاصل کرنے کے لیے میدان کھلا چھوڑ دیا - مذاکراتی تصفیہ یا اقتصادی روابط قائم کرنے کے لیے مختلف خیالات پیش کیے گئے۔ سری لنکا کی مسلح افواج کی جانب سے ہر قسم کی فوجی مہم کے نتیجے میں عام شہریوں کا بھاری جانی نقصان ہوا اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں ہوئیں۔ سرکاری افواج نے 2007 میں مشرقی صوبے پر دوبارہ کنٹرول حاصل کر لیا۔ LTTE مکمل طور پر شکست کھا گیا اور 18 مئی 2009 کو اس کے رہنما ویلوپلائی پربھاکرن کی موت کا اعلان کیا گیا۔

ہندوستان اور مالدیپ کے درمیان تعلقات

مالدیپ: ایک جغرافیائی جائزہ: مالدیپ ایک جزیرہ نما ہے جو بحر ہند میں ہندوستان سے 370 میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔ جزیرہ نما قوم بحر ہند میں اہم جہاز رانی راستہ کی نگرانی کرتی ہے۔ اپنے اہم ترین جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے یہ بڑی طاقتوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتی ہے۔ ملک شمال سے جنوب تک پھیلا ہوا تھا۔ اس قدرتی محل وقوع کے جنوبی سرے کے قریب دو راستے کھلے ہیں جو مالدیپ کے علاقائی پانیوں سے ہوتے ہوئے بحر ہند کے ایک طرف سے دوسری طرف جہازوں کی محفوظ آمد و رفت کی اجازت دیتے ہیں۔ زیادہ پرامن حالات میں، جزیروں کا یہ ملک بحری قزاقی اور اسمگلنگ کو روکنے کے لیے بہت اہم ہے۔ اس کے 1,192 جزیروں کو 26 اٹلس میں تقسیم کیا گیا ہے، جو ملک کا کل رقبہ 298 مربع کلومیٹر بناتا ہے۔ مالدیپ دنیا میں دنیا کا سب سے نچلا ملک ہے۔ یہ سطح سمندر سے صرف چھ فٹ اوپر ہے۔ گلوبل وارمنگ واقعی 4,17,000 آبادی والے اس ملک کو سمندر میں غرق کر سکتی ہے۔ مالے دارالحکومت ہے جس کی آبادی 4,17,500 افراد پر مشتمل ہے۔ اسلام سرکاری مذہب ہے جس پر پوری آبادی عمل کرتی ہے۔ دھیویہی مالدیپ کے لوگوں کے ذریعہ بولی جانے والی زبان ہے - جیسا کہ لکشدیپ کے منیکوئے جزیرے میں ہے۔ مالدیپ نے 1965 میں برطانوی دولت مشترکہ سے بیرونی سلطنت کے طور پر مکمل آزادی حاصل کی۔

حکمران سلطان کو 1968 میں معزول کر دیا گیا۔ آمرانہ رجحانات اور آمرانہ حکمرانی کا کلچر مضبوط ہے۔ صدر مامون عبدالقیوم

نے30 سال (1978-2008) تک حکومت کی۔ محمد نشید 2008 میں صدر بنے اور انہوں نے جمہوری اصولوں اور اداروں کو متعارف کرایا۔ مالدیپ 2008 سے ایک کثیر الجماعتی حکومت ہے۔ اعلیٰ ترین سیاحت اس کا بنیادی زرمبادلہ کمانے والا ہے۔ معیشت پر روایتی طور پر ماہی گیری کا غلبہ ہے۔ ہندوستان مالدیپ کے تعلقات سے مراد ہندوستان اور دیگر کے درمیان دوطرفہ تعلقات ہیں۔

دوطرفہ معاہدے اور حکمت عملی پر مبنی شراکت داری

1976 کا سمندری معاہدہ۔ دسمبر 1976 میں، ہندوستان اور مالدیپ نے سمندری حدود پر اتفاق کرنے کے لیے سمندری حدود کے معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ معاہدہ واضح طور پر سرحد کے ہندوستانی حصے پر منی کوئے رکھتا ہے۔ ہندوستان اور مالدیپ نے 1976 میں باضابطہ اور دوستانہ طور پر اپنی سمندری حدود کا فیصلہ کیا۔ ایک معمولی سفارتی واقعہ۔ 1982 میں اس وقت ہوا جب مالدیپ کے صدر مامون عبدالغید کے بھائی نے ایک تقریر کی جس کے بارے میں بھارت نے یہ دعویٰ کرنے کی غلطی کی کہ پڑوسی منیکوئے جزیرہ جو بھارت کا ہے مالدیپ کا حصہ ہے۔ مالدیپ نے تیزی سے سرکاری طور پر اس بات کی تردید کی کہ وہ اس جزیرے پر دعویٰ کر رہا ہے اور وضاحت کی کہ صدر مامون کے بھائی درحقیقت مالدیپ اور منیکوئے کے درمیان ثقافتی روابط کے بارے میں بات کر رہے تھے۔

دوطرفہ تعلقات کی جہتیں۔

یہ ہندوستان کے تمام قریبی پڑوسیوں میں سب سے چھوٹا اور کم آبادی والا ملک ہے۔ ہندوستان اور مالدیپ قدیم زمانے میں نسلی، لسانی، ثقافتی، مذہبی اور تجارتی روابط رکھتے ہیں۔ کئی دہائیوں کے دوران، ہندوستان نے جزیرہ نما ملک کے ساتھ قریبی حکمت عملی پر مبنی، فوجی اور اقتصادی تعلقات استوار کیے ہیں۔ ہندوستان مالدیپ کو سیکورٹی فراہم کرنے والا پہلا ملک ہے: اس نے نومبر 1988 میں کرائے کے سپاہیوں کی بغاوت کو شکست دینے کے لیے مالدیپ کے حکام کو فوجی مدد فراہم کی۔ ہندوستانی بحریہ 2004 میں سونامی کے دوران جزیرے کے ملک کو بچانے کے لیے آئی۔ 2014 میں ہندوستان نے ایک ہزار ٹن سامان فراہم کیا۔ مالدیپ کو پینے کا پانی کے بحران کے چند گھنٹوں کے اندر، ہندوستانی بحریہ اور فضائیہ نے ٹنوں پانی پہنچایا۔ مالدیپ ہندوستان کی ترقیاتی امداد اور امداد کا ایک بڑا وصول کنندہ ہے۔

مالدیپ کے ساتھ تعلقات جغرافیائی منطق کی وضاحت کرتے ہیں۔ یہ ملک جنوبی ایشیا کے پانیوں کی حدود میں ہے۔ جزیرہ نما کے جنوبی سرے پر دو کھلے راستے واقع ہیں جو مالدیپ کے علاقائی پانیوں سے ہوتے ہوئے بحر ہند کے ایک طرف سے دوسری طرف جہازوں کی محفوظ حمل و نقل کی اجازت دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ، یہ لکشدیپ جزائر پر ہندوستانی بحری اڈے کے قریب ہے۔ مالدیپ کے شمال میں۔ مالدیپ کے بالکل جنوب میں، امریکہ ڈیگو گارسیا میں ایک فوجی اڈہ رکھتا ہے جو افغانستان اور مغربی ایشیا میں امریکی فوجی کارروائیوں کے لیے مدد فراہم کرتا ہے۔ ہندوستان فوجی اور حکمت عملی وجوہات کی بنا پر ہندوستانی بحریہ اور مالدیپ کی سیکورٹی

فورسز کے درمیان تعاون کو بڑھانے کا خواہاں ہے۔ دہشت گردی اور بنیاد پرستی کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے انٹیلی جنس ایجنسیوں کے درمیان تعاون اور ہم آہنگی ضروری ہے۔ صدر عبداللہ یامین کی حکومت (18-2013) چین پر منحصر ہوگئی تھی۔ یامین حکومت نے مالدیپ کو چین کے زیر تسلط سمندری شاہراہ ریشم میں شامل کیا۔ آزاد تجارت کے معاہدے پر دستخط کیے اور چین سے 1.5 بلین امریکی ڈالر کا بڑا قرضہ لیا۔ یامین نے ہندوستان کے ساتھ قریبی سیکورٹی تعلقات کو ترک کر دیا اور اپنے ملک کو دولت مشترکہ سے باہر کر دیا۔

تجارتی تعلقات

آپریشن کیکٹس کی کامیابی کے بعد سے، ہندوستان اور مالدیپ کے درمیان تعلقات نمایاں طور پر پھیل چکے ہیں۔ ہندوستان نے وسیع پیمانے پر اقتصادی امداد فراہم کی ہے اور بنیادی ڈھانچے، صحت، ٹیلی کمیونیکیشن اور مزدور وسائل کی ترقی کے لیے دوطرفہ پروگرام میں حصہ لیا ہے۔ اس نے اندرا گاندھی میموریل قائم کیا۔

مالدیپ کے دارالحکومت مالے میں ہسپتال نے ٹیلی کمیونیکیشن اور ہوائی رابطوں کو بڑھایا اور مالدیپ کے طلباء کے لیے وظائف میں اضافہ کیا۔ جب کہ 2006 کے دوران مالدیپ کو ہندوستان کی برآمدات 384 کروڑ مالیت کی تھیں، درآمدات 6 کروڑ سے کم تھیں۔

اسٹیٹ بینک آف انڈیا نے مالدیپ کی اقتصادی توسیع میں مدد کے لیے 500 ملین ڈالر سے زیادہ کا تعاون دیا ہے۔ ہندوستان اور مالدیپ نے ماہی گیری اور ٹونا پروسیسنگ کو بڑھانے کے لیے مشترکہ طور پر کام کرنے کے منصوبوں کا اعلان کیا ہے۔ ایسی اطلاعات ہیں کہ مالدیپ نے سیاحت کی ترقی کے لیے چین کو کئی جزیرے لیز پر دیے ہیں۔ اور شمالی جزیرے پر مشترکہ بحری رصدگاہ کی تعمیر کے لیے بھی اجازت دی ہے۔ چینی فرموں نے سیاحت اور انفراسٹرکچر میں کروڑوں ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہے۔ اور چین اب مالدیپ کا ایک اہم اقتصادی اور حکمت عملی پر مبنی ہے۔ 2018 کے انتخابات سے قبل ملک بہت سی سیاسی ہنگامہ آرائی سے گزرا لیکن ہندوستان نے ملک کے تئیں دور رہنے کی پالیسی پر عمل کیا جس کی وجہ سے وزیر اعظم مودی کو مارچ 2015 میں مالے کا دورہ منسوخ کرنا پڑا کیونکہ اس ملک کی داخلی صورتحال بگڑتی ہوئی تھی۔ ستمبر 2018 میں ہونے والے صدارتی انتخابات مالدیپ کی پروگریسو پارٹی (PPM) کے موجودہ صدر عبداللہ یامین اور ابراہیم محمد صالح کی قیادت میں حریف مالدیپ ڈیموکریٹک پارٹی (MDP) کے درمیان مقابلہ تھا۔ زیادہ تر مبصرین نے اسے ہندوستان اور چین کے درمیان اثر و رسوخ کا مقابلہ کہا۔ یامین کے تحت، مالدیپ کئی بلین ڈالر کے ناقابل واپسی چینی قرض میں پھنس گیا ہے۔ وزیر اعظم نریندر مودی نے 18 نومبر 2018 کو مالے میں صدر ابراہیم محمد صالح کی حلف برداری کی تقریب میں شرکت کی۔ انہوں نے دونوں ممالک نے مربوط بحری گشت کو بحال کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ سمندری راستوں کی فضائی نگرانی۔ چین کے ساتھ مالدیپ کے تزویراتی اور اقتصادی تعلقات میں اضافہ ہوا ہے اور اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا لیکن صدر صالح ہندوستان اور چین کے ساتھ مالدیپ کے تعلقات کو دوبارہ متوازن کرنے کے لیے پرعزم ہیں۔

آزادی کے بعد سے ہندوستانی خارجہ پالیسی کا سب سے بڑا ہدف اس کے قریبی پڑوس میں اس کی اپنی قومی سلامتی ہے۔ پڑوسیوں کے ساتھ غیر حل شدہ سرحدوں اور باؤنڈری سے متعلق مسائل ہیں۔ جنوبی ایشیا میں بڑی طاقتوں کی موجودگی ہندوستان کے سیکورٹی خدشات کو بڑھاتی ہے۔ دوطرفہ فہرست کو طویل اور پیچیدہ بنانے کے لیے دیگر مسائل شامل ہوگئے ہیں۔ مثال کے طور پر، ابھرتی ہوئی اور اب ایک سرکردہ طاقت کے طور پر ہندوستان کا دعویٰ۔ ایک بڑی اور تیزی سے ترقی کرتی ہوئی معیشت ہونے کے ناطے ہندوستان پڑوسی ممالک کے وسائل اور 182 منڈیوں تک رسائی چاہتا ہے۔ کوئی بھی، تاہم، اس کے پڑوس میں سلامتی سے بالاتر نہیں ہے۔ طاقت اور قابلیت کے لحاظ سے ہندوستان کو جنوبی ایشیا میں غالب طاقت کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کو ان چیلنجوں کا سامنا ہے جن کا سامنا کسی بھی علاقائی بالادستی کو اپنے پڑوسیوں سے بات چیت کرتے ہوئے کرنا پڑے گا۔ لیکن حقیقت اس سے بھی زیادہ سنگین ہے۔ اکثر، پڑوسی خطے میں ہندوستان کی غالب پوزیشن سے ناراض ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس پر سوال بھی اٹھاتے ہیں اور اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور باہر کی بڑی طاقتوں کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ ہندوستان کے ساتھ اپنے تعلقات کا فائدہ اٹھا سکیں۔ اس کے نتیجے میں ہندوستان میں عدم تحفظ کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر تقریباً تمام پڑوسی ممالک نے چین کے ساتھ قریبی اقتصادی اور تزویراتی تعلقات استوار کیے ہیں۔ وہ ہندوستان کے ساتھ تعلقات میں توازن پیدا کرنے اور ہندوستان سے مزید فوائد حاصل کرنے کے لیے چائنا کارڈ کھیلنے کے لیے تیار ہیں۔ چینی سرمایہ کاری اور ٹکنالوجی نے اسے جنوبی ایشیا کے امن اور سلامتی میں ایک ورچوئل حصہ دار بنا دیا ہے۔

ہندوستان آٹھ ممالک بنگلہ دیش، بھوٹان، چین، مالدیپ، میانمار، نیپال، پاکستان اور سری لنکا کے ساتھ زمینی اور سمندری حدود کا اشتراک کرتا ہے۔ پاکستان کے زیر قبضہ کشمیر (پی او کے) کی وجہ سے، ہندوستان آج افغانستان سے متصل نہیں ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ افغانستان اور پاکستان کے علاوہ کوئی بھی دو جنوبی ملک ایک دوسرے کے ساتھ سرحدیں نہیں رکھتے۔ لہذا، ہندوستان جغرافیائی طور پر متحد ہونے کے ساتھ ساتھ جنوبی ایشیا کو بھی تقسیم کرتا ہے۔ ہندوستان کے اپنے تمام پڑوسیوں کے ساتھ تاریخی، ثقافتی، مذہبی، لسانی، نسلی، اقتصادی اور تجارتی تعلقات ہیں۔ درحقیقت، اگر تاریخ، ثقافت اور معاشیات کو دیکھا جائے تو جنوبی ایشیا کافی حد تک ہم آہنگ خطہ ہوسکتا ہے، یا ہونا چاہیے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ سیاسی اور انتظامی طور پر، پورا جنوبی ایشیا یا تو برٹش انڈیا کا حصہ تھا یا کلکتہ/دہلی میں اپنی نوآبادیاتی نشست سے سامراجی برطانیہ کے زیر انتظام تھا۔ تمام بڑی زبانیں یا تو موجودہ ہندوستان میں پیدا ہوئیں۔ یا کم از کم بڑے لسانی گروہوں کی طرف سے بولی جاتی رہیں (مستثنیٰ سنہالی زبان) اندرونی پیش رفت جنوبی ایشیائی پڑوسیوں کے درمیان بیرونی تعلقات کو متاثر کرتی ہے۔ اور یہ اس کے لیے کافی چیلنج ہے۔ علاقائی مسائل، یہ کبھی کبھار محسوس کیے جاتے ہیں، بھارت کو جنوبی ایشیائی خطے میں الجھا کر رکھ دیتے ہیں۔ 1990 کی دہائی سے، جیسے جیسے ہندوستان کی معیشت پھیلی اور عالمی سطح پر اس کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہوا، قابل ذکر تبدیلی پڑوسیوں کے تئیں ایک مفاہمت کا رویہ رہا ہے۔ یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایک قابل اعتماد ابھرتی ہوئی طاقت کے طور پر

عالمی معاملات میں ہندوستان کو اپنا مناسب مقام حاصل کرنے کے لیے ایک پرامن اور دوستانہ پڑوس ضروری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کوئی بھی قوم قابل اعتبار طاقت نہیں بن سکتی جب تک پڑوسی خطے میں اس کی برتری کو تسلیم نہ کرے۔ لہٰذا، گزشتہ ایک صدی کے دوران ہندوستان کی بلند اور پائیدار اقتصادی ترقی کی شرح کے تناظر میں پڑوس کا خیال رکھنا اور بھی اہم ہو گیا ہے۔ پڑوسیوں کے ساتھ خراب اقتصادی تعلقات کے باوجود ہندوستان کی تیز رفتار اقتصادی ترقی ہے۔ چین' ہندوستان کے پڑوس میں مضبوطی سے موجود ہے۔ ہندوستان کا قریبی پڑوسی تنازعات کا شکار خطہ ہے۔ طاقت کا محرک تیزی سے بدل سکتا ہے۔ یہ خطہ اولین توجہ اور ہندوستان کی جانب سے بڑے وسائل کی تقسیم کا متقاضی ہے۔

مثالی امتحانی سوالات

الف: ہندوستان اور پاکستان کے درمیان 1965 کے تاشقند معاہدے کی وضاحت کیجئے۔

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان 48-1947 کی جنگ کے بارے میں لکھیں؟

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان شملہ معاہدے پر بحث کیجئے؟

1971 کی ہند۔ پاک جنگ کے بارے میں لکھیں؟

ہندوستان اور مالدیپ کے درمیان فوجی تعلقات پر بحث کیجئے؟

ب۔ ہندوستان اور مالدیپ کے درمیان 1976 کے سمندری معاہدے کے بارے میں لکھیں؟

ہندوستان اور مالدیپ کے درمیان تجارتی تعلقات کی وضاحت کیجئے؟

ہندوستان اور مالدیپ کے درمیان پینے کے پانی کے بحران کے بارے میں لکھیں؟

مالدیپ کے 2015-2011 سیاسی بحران کی وضاحت کیجئے؟

بنگلہ دیش کے قیام میں ہندوستان کے کردار پر بحث کیجئے؟

فراکا بیرج پر ایک نوٹ لکھیں؟

پاکستانی فوج کی خود سپردگی کے بارے میں لکھیں؟

ہندوستان اور بنگلہ دیش کے درمیان سرحدی معاہدے کی وضاحت کریں؟

ہندوستان اور بنگلہ دیش کے درمیان گنگا کے پانی کی تقسیم کا جائزہ لیں؟

سری لنکا کے ٹامل مسئلہ پر بحث کریں؟

راجیو۔ جیہ وردھنے معاہدے پر ایک نوٹ لکھیں؟

سری لنکا کی سرزمین سے ہندوستانی برقراری امن فورس کی واپسی کی وضاحت کریں؟

ہندوستان اور سری لنکا کے درمیان تعلقات پر ایک نوٹ لکھیں؟

ہندوستان ا ورسری لنکا کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے میں کیا رکاوٹ ہے؟

تجزیہ کریں نیپال ایک امن کے خطہ کے طور پر؟

ہندوستان اور نیپال کے تعلقات میں اتار چڑھاؤ کی وضاحت کریں؟

اگست 1971 کے تجارت اور ٹرانسپورٹ معاہدہ پر ایک نوٹ لکھیں؟

صحیح جواب کا انتخاب کیجئے۔

A۔ ہندوستان اور پاکستان دو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پڑوسی ہیں

جنوبی ایشیائی/ جنوب مشرقی ایشیائی/ مشرق وسطی

B۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے علاقہ میں تصادم شروع ہوا

سیاچن/ جموں وکشمیر/ کارگل جنگ

C۔ مالدیپ جنوبی ہند کے' لکشادیپ جزائر کے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں ہے۔

بحر ہند/ بحر الکاہل/ بحیرہ عرب

D۔ بنگلہ دیش۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں قائم ہوا

1971 / 1961 / 1981

E۔ وزیر اعظم مودی نے سری لنکا کا دورہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں کیا

30 مئی 2019 / 30 جون 2019 / 30 جولائی 2019

F۔ سری واموا اور ایل بی شاستری معاہدہ سال۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں ہوا

1994 / 1984 / 1964

G۔ شریمتی اندرا اور سری وامو معاہدہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سال

1974 / 1976 /1986

H۔ نیپال' ہندوستانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا حصہ ہے۔

ثقافت/ تعلیم/ ادب

I۔ نیپال کے وزیر اعظم کا ہندوستان کو دورہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

20 اکتوبر 2011 / 20 نومبر 2011 / 30 دسمبر 2011

J۔ نیچے دیئے گئے کس ایشیائی ملک کی آبادی سب سے گنجان ہے (2009)

A) ہندوستان B) نیپال C) پاکستان D) سری لنکا

30

30۔ ہندوستان اور سیاسی وجود کے دیگر اہم ممالک
(ریاست ہائے متحدہ امریکہ، روس، چین اور یورپی یونین)
India and other Important Nations of Political Entities (USA, Russia, China and European Union)

مقاصد

☆ ہندوستان اور امریکہ کے درمیان وقت کی ایک مدت میں تعلقات کو سمجھنا۔
☆ روس کے ساتھ تاریخی اعتبار سے ہندوستان کے قریبی تعلقات کو سمجھنا۔
☆ ہندوستان اور چین کے درمیان کثیر جہتی تعلقات کو سمجھنا۔
☆ یورپی یونین (EU) کے ساتھ کثیر جہتی تعلقات کو سمجھنا۔

تعارف

ہندوستان کے دنیا بھر کے ممالک کے ساتھ مختلف عوامل جیسے سیاسی، اقتصادی، حکمت عملی اور ثقافتی تعلقات کی بنیاد پر مختلف قسم کے تعلقات ہیں۔اس یونٹ میں ہم امریکہ، روس، چین اور یورپی یونین جیسے ممالک کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات کے مختلف کلیدی پہلوؤں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ان ممالک کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات مختلف جغرافیائی سیاسی عوامل، تاریخی مسائل اور ابھرتی ہوئی علاقائی محرکات سے مشروط ہیں۔ان تعلقات کی نوعیت اور محرکات نے ہندوستانی خارجہ پالیسی کے بدلتے ہوئے حالات اور ترجیحات کو متاثر کیا۔ ہندوستان دنیا کے مختلف ممالک کے ساتھ سفارتی تعلقات برقرار رکھنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔اس کی خارجہ پالیسی ناوابستگی، پرامن بقائے باہمی اور باہمی فائدہ مند شراکت داری کو فروغ دینے جیسے اصولوں سے رہنمائی حاصل کرتی ہے۔

امریکہ کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات

1947 میں ہندوستان کی آزادی کے بعد سے ہندوستان اور امریکہ کے درمیان تعلقات میں نمایاں طور پر ترقی ہوئی ہے۔ ابتدائی طور پر، دونوں ممالک نے کچھ حد تک تعلقات میں دوری کو برقرار رکھا، ہندوستان نے سرد جنگ کے دوران ناوابستگی کی پالیسی پر

عمل کیا اور امریکہ نے خطے میں اہم اتحادی پاکستان کی حمایت کی۔ تاہم، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، ہندوستان اور امریکہ کے درمیان تعلقات قریب تر اور کثیر جہتی ہوتے گئے ہیں۔ تاہم، اس وقت ہندوستان اور امریکہ دونوں بعض عالمی مسائل جیسے کہ موسمیاتی تبدیلی، سائبر سیکورٹی اور کواڈ پہل (جس میں ہندوستان، امریکہ، جاپان اور آسٹریلیا شامل ہیں) پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ یہاں امریکہ کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات کا ایک جائزہ لیا گیا ہے:

1۔ **سرد جنگ کا دور:** سرد جنگ کے دوران، ہندوستان نے دو سپر طاقتوں، امریکہ اور سوویت یونین سے برابر دوری کو برقرار رکھتے ہوئے، ناوابستہ خارجہ پالیسی پر عمل کیا۔ تاہم، امریکہ کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات خاص طور پر 1965 اور 1971 کے ہندوستان۔ پاکستان تنازعات کے دوران، پاکستان کے لیے امریکی حمایت کی وجہ سے کشیدہ تھے۔

2۔ **سرد جنگ کے بعد کا دور:** ہند-امریکہ تعلقات بہتر ہونے لگے۔ سرد جنگ کے خاتمے، عالمی سطح پر عالمی نظام کے ابھرنے اور عالمی سیاست میں امریکہ کے غلبے نے قریبی تعاون کے مواقع پیدا کئے۔ ہندوستان میں اقتصادی اصلاحات اور اس کی آئی ٹی صنعت کی ترقی نے دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کو مزید مضبوط کیا۔

3۔ **جوہری تعاون:** 2005 میں ایک اہم موڑ آیا جب امریکہ اور ہندوستان نے سیول نیوکلیئر تعاون کے معاہدے پر دستخط کیے، جسے "123 معاہدہ" بھی کہا جاتا ہے۔ اس تاریخی معاہدے نے دونوں ممالک کے درمیان سویلین جوہری تعاون کی اجازت دی، حالانکہ ہندوستان جوہری عدم پھیلاؤ کے معاہدے کا دستخط کنندہ نہیں ہے۔ اس معاہدے نے ہندوستان کے تئیں امریکی پالیسی میں ایک اہم تبدیلی کی نشاندہی کی اور مختلف شعبوں میں بڑھتے ہوئے تعاون کی راہیں کھول دیں۔

4۔ **حکمت عملی پر مبنی شراکت داری:** حالیہ برسوں میں، ہندوستان اور امریکہ نے مشترکہ جمہوری اقدار، اقتصادی تعاون، اور باہمی سلامتی کے خدشات پر مبنی حکمت عملی پر مبنی شراکت داری تیار کی ہے۔ دونوں ممالک نے مشترکہ فوجی مشقیں، انٹیلی جنس کا تبادلہ اور دفاعی ٹیکنالوجی میں تعاون کیا ہے۔ 2016 میں، امریکہ نے ہندوستان کو "بڑا دفاعی پارٹنر" کے طور پر نامزد کیا، جو دفاعی تجارت اور ٹیکنالوجی کی منتقلی میں سہولت فراہم کرتا ہے۔

5۔ **اقتصادی تعلقات:** ہندوستان اور امریکہ کے درمیان اقتصادی تعلقات بھی گہرے ہوئے ہیں۔ امریکہ ہندوستان کے سب سے بڑے تجارتی شراکت داروں میں سے ایک ہے اور دونوں ممالک نے باہمی تجارت اور سرمایہ کاری کو بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ تاہم، تجارتی عدم توازن، دانشورانہ املاک کے حقوق، اور مارکیٹ تک رسائی جیسے مسائل تنازعات کا باعث بنے ہوئے ہیں۔

6۔ **انسداد دہشت گردی اور سیکورٹی تعاون:** ہندوستان اور امریکہ نے دہشت گردی سے نمٹنے اور علاقائی استحکام کو فروغ دینے میں قریبی تعاون کیا ہے۔ انہوں نے انٹیلی جنس کا اشتراک کیا ہے اور انتہا پسند گروہوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مربوط کوششیں کی

ہیں۔امریکہ نے سرحد پار دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے ہندوستان کی کوششوں کی حمایت کی ہے، خاص طور پر پاکستان سے پھیلنے والی دہشت گردی۔

7۔ **موسمیاتی تبدیلی اور صاف توانائی:** ہندوستان اور امریکہ موسمیاتی تبدیلی سے نمٹنے اور صاف توانائی کو فروغ دینے کے لیے تعاون کر رہے ہیں۔ دونوں ممالک نے یو ایس انڈیا پارٹنرشپ ٹو ایڈوانس کلین انرجی (PACE) جیسے اقدامات شروع کیے ہیں اور پیرس معاہدے جیسے عالمی پلیٹ فارم پر مل کر کام کیا ہے۔

8۔ **دفاعی تعاون:** ہند-امریکہ دفاعی اور حکمت عملی پر مبنی تعاون مسلسل بڑھ رہا ہے۔اکتوبر 2020 میں، ہندوستان اور امریکہ نے جیو اسپیشل انٹیلی جنس کے لیے بنیادی تبادلے اور تعاون کے معاہدے پر دستخط کیے جو ٹیکنالوجی، انٹر آپریبلٹی، اور دفاعی تیاری میں اعلیٰ سطح کے فوجی تعاون کی اجازت دیتا ہے۔معاہدہ زیادہ تر جغرافیائی ذہانت اور دفاع کے لیے نقشوں اور سیٹلائٹ تصاویر پر معلومات کا اشتراک کرنے سے متعلق ہے۔ یہ ہندوستانی فوجی نظام کو چلانے کے لیے اعلیٰ معیار کا جی پی ایس اور دشمن کو ٹھیک ٹھیک نشانہ بنانے کے لیے ریئل ٹائم انٹیلی جنس کے ساتھ میزائل فراہم کرے گا۔مزید برآں، یہ ٹوپوگرافیکل اور ایروناٹیکل ڈیٹا اور پروڈکٹس تک رسائی فراہم کرے گا جو نیویگیشن اور ٹارگٹنگ میں مدد کریں گے۔

9۔ **کواڈ تعاون:** چار رخی دفاعی بات چیت، یا Quad، ہندوستان، امریکہ، آسٹریلیا اور جاپان کے درمیان تعاون کے لیے ایک اہم پلیٹ فارم کے طور پر ابھرا ہے۔کواڈ کا مقصد ایک آزاد اور کھلے ہند-بحرالکاہل خطے کو فروغ دینا ہے اور اس نے میری ٹائم سکیورٹی، بنیادی ڈھانچے کی ترقی، اور سپلائی چین لچک جیسے مسائل پر توجہ مرکوز کی ہے۔

10۔ **عوام سے عوام کے تعلقات:** ہندوستان اور امریکہ کے عوام سے عوام کے تعلقات اہم رہے ہیں، جس میں ہندوستانی تارکین وطن کی ایک بڑی تعداد امریکہ میں مقیم ہے۔تعلیم، تحقیق اور ثقافتی تبادلے دوطرفہ تعلقات کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔امریکہ ہندوستانی طلباء کے لیے ایک مقبول مقام بنا ہوا ہے، اور فلبرائٹ-نہرو پروگرام جیسے اقدامات تعلیمی تبادلوں کو سہولت فراہم کرتے ہیں۔

11۔ **ثقافتی تبادلے:** دونوں ممالک کے فنکاروں، موسیقاروں، رقاصوں، فلم سازوں، اور اسکالرز کے درمیان بڑھتے ہوئے تعاون کے ساتھ، ہند-امریکہ ثقافتی تبادلے بڑھ رہے ہیں۔ یہ تبادلے ایک دوسرے کی ثقافتوں اور روایات کی بہتر تفہیم کو فروغ دینے میں مدد کرتے ہیں۔

12۔ **تعلیم اور علمی تبادلے:** ہندوستان اور امریکہ کے درمیان تعلیمی تعلقات گزشتہ برسوں میں مضبوط ہوئے ہیں۔ ہندوستانی طلباء امریکہ کی سب سے بڑی بین الاقوامی طلباء برادریوں میں سے ایک ہیں، جو امریکی کیمپس میں تعلیمی اور ثقافتی تنوع میں اپنا حصہ ادا کر رہے ہیں۔ بہت سی امریکی یونیورسٹیوں نے ہندوستانی اداروں کے ساتھ تعاون بھی قائم کیا ہے، تحقیقی شراکت داری اور

تعلیمی تبادلے کوفروغ دیا ہے۔

ہندوستان اور امریکہ اپنی حکمت عملی پر مبنی شراکت داری کو مزید گہرا کر رہے ہیں، جسے 2004 میں ''عالمی حکمت عملی پر مبنی شراکت داری'' میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ دونوں ممالک دفاع، انسداد دہشت گردی، تجارت، توانائی، اور عوام سمیت متعدد مسائل پر تعاون کر رہے ہیں۔ لوگوں کے تبادلے ریاستہائے متحدہ میں ہندوستانی باشندے ثقافتی تعلقات کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ہندوستانی نژاد امریکیوں نے مختلف شعبوں میں شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے اور امریکی معاشرے میں اہم شراکت کی ہے، بشمول سیاست، کاروبار، تعلیمی، اور فنون۔

روس کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات

1947 میں ہندوستان کی آزادی کے بعد سے ہندوستان اور روس (سابقہ سوویت یونین) کے درمیان دیرینہ تعلقات تھے۔ دونوں ممالک کے درمیان دوطرفہ تعلقات دفاع، تجارت، سائنس اور ٹیکنالوجی اور ثقافتی تبادلے سمیت مختلف شعبوں میں قریبی تعاون کی خصوصیت رکھتے ہیں۔ 1971 کی ہند۔ پاک جنگ کے دوران سوویت یونین نے سفارتی اور عسکری طور پر ہندوستان کی حمایت کی۔ سوویت یونین نے ہندوستان کو اہم اقتصادی اور فوجی امداد بھی فراہم کی۔ سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد ہندوستان نے روس کے ساتھ دوستانہ تعلقات برقرار رکھے۔ دونوں ممالک نے اپنی شراکت داری کے تسلسل کو یقینی بناتے ہوئے 1993 میں دوستی اور تعاون کے معاہدے پر دستخط کیے تھے۔ 1991 میں سوویت یونین کے ٹوٹنے سے ہندوستان اور روس کے تعلقات پر خاصا اثر پڑا۔ روس اس کی جانشین ریاست کے طور پر ابھرا۔ ہندوستان اور روس کے تعلقات کے چند اہم پہلو درج ذیل ہیں:

1۔ **سرد جنگ کا دور:** سرد جنگ کے دوران، ہندوستان نے ناوابستگی کی پالیسی پر عمل کیا اور سوویت یونین کے ساتھ قریبی تعلقات برقرار رکھے۔ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو نے نکیتا خروشیف جیسے سوویت لیڈروں کے ساتھ مضبوط تعلقات استوار کیئے۔

2۔ **اقتصادی تعاون:** ہندوستان اور روس کا مقصد گزشتہ سالوں میں اقتصادی تعلقات کو مضبوط کرنا ہے۔ انہوں نے توانائی، فارماسیوٹیکل، انفارمیشن ٹیکنالوجی اور زراعت جیسے شعبوں میں مواقع تلاش کیے ہیں۔ تاہم، دوطرفہ تجارت صلاحیت کے مقابلے میں نسبتاً معمولی رہی ہے۔

3۔ **فولاد کی صنعت کے قیام کے لیے تعاون:** ہندوستان کی آزادی کے ابتدائی برسوں میں ہندوستان اور سوویت یونین کے درمیان تعاون نے ملک میں فولاد کی صنعت کی ترقی کے لیے ایک مضبوط بنیاد رکھی۔ سوویت یونین نے ملک میں چھتیس گڑھ میں بھیلائی اسٹیل پلانٹ، اڈیشہ میں رورکیلا اسٹیل پلانٹ، جھارکھنڈ میں بوکارو اسٹیل پلانٹ اور وشاکھا اسٹیل پلانٹ وشاکھا پٹنم، آندھرا پردیش میں اسٹیل پلانٹس کی تعمیر کے لئے تکنیکی مہارت، ساز و سامان اور مالی امداد فراہم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

4۔ **دفاعی تعاون:** ہندوستان اور روس کے درمیان کئی دہائیوں سے مضبوط دفاعی تعلقات رہے ہیں۔ روس، ہندوستان کو ہوائی جہاز، ٹینک، میزائل اور آبدوز سمیت دفاعی ساز وسامان کا ایک بڑا سربراہ کنندہ رہا ہے۔ دونوں ممالک نے مشترکہ فوجی مشقیں اور ٹیکنالوجی کی منتقلی بھی کی ہے۔

5۔ **ہند-سوویت معاہدہ دوستی اور تعاون:** 1971 میں، ہندوستان اور سوویت یونین نے دوستی اور تعاون کے ہند-سوویت معاہدے پر دستخط کیے، جس نے ان کی حکمت عملی پر مبنی شراکت داری کو مزید مستحکم کیا۔ معاہدے میں دفاع، تجارت اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں باہمی تعاون پر زور دیا گیا۔

6۔ **حکمت عملی پر مبنی پارٹنرشپ:** 2000 میں، ہندوستان اور روس نے اپنے تعلقات کو 'حکمت عملی پر مبنی پارٹنرشپ' تک بڑھادیا۔ اس اعلامیہ کا مقصد دفاع، خلائی تحقیق، توانائی اور انسداد دہشت گردی جیسے شعبوں میں تعاون کو بڑھانا ہے۔

7۔ **جوہری توانائی تعاون:** روس ہندوستان میں نیوکلیئر پاور پلانٹس کی تعمیر میں شامل رہا ہے۔ تمل ناڈو میں کڈنکولم نیوکلیئر پاور پلانٹ جوہری توانائی کے شعبے میں ان کے تعاون کی ایک نمایاں مثال ہے۔

8۔ **خلائی تعاون:** ہندوستان اور روس کے درمیان خلائی تعاون کی تاریخ ہے۔ روس ہندوستان کے خلائی پروگرام، ISRO کے قیام اور روسی راکٹوں کا استعمال کرکے ہندوستانی سیٹلائٹ لانچ کرنے میں مدد کرنے میں اہم کردار ادا کرتا رہا ہے۔ روس سے ہندوستان کو کریوجینک ٹکنالوجی کی منتقلی ان کے خلائی تعاون کا ایک اہم پہلو ہے اور خلائی تحقیق کے میدان میں دونوں ممالک کے درمیان باہمی تعاون کی کوششوں کو اجاگر کرتا ہے۔

9۔ **ثقافتی تبادلے:** ہندوستان اور روس کے ثقافتی تبادلوں کی ایک طویل تاریخ ہے۔ ثقافتی افہام وتفہیم کو فروغ دینے اور دوطرفہ تعلقات کو مضبوط بنانے کے لیے دونوں ممالک میں ثقافتی تقریبات، تہواروں اور نمائشوں کا باقاعدگی سے انعقاد کیا جاتا ہے۔ یہ تبادلے آرٹ کی مختلف شکلوں کو گھیرے ہوئے ہیں، بشمول رقص، موسیقی، تھیٹر، سنیما اور ادب۔ ہندوستان اور روس نے اپنے ثقافتی ورثے کو ظاہر کرنے اور اپنے لوگوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ افہام وتفہیم کو فروغ دینے کے لیے مختلف تبادلے کے پروگراموں کے ذریعے ثقافتی تعلقات کو فروغ دیا ہے۔

10۔ **تعلیمی اور علمی تبادلے:** ہندوستان اور روس کے درمیان علمی اور علمی تبادلوں پر خاصی توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ دونوں ممالک کے تعلیمی ادارے تحقیقی منصوبوں، طلبہ کے تبادلوں اور فیکلٹی کے دوروں میں تعاون کرتے ہیں۔ یہ تبادلہ ثقافتی تعامل کو آسان بناتا ہے اور ایک دوسرے کی روایات اور رسم ورواج کی بہتر تفہیم کو فروغ دیتا ہے۔

11۔ **عصری تعلقات:** حالیہ برسوں میں، ہندوستان اور روس کے تعلقات مضبوط رہے ہیں۔ روسی صدر ولادیمیر پوتن اور بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے متعدد دوطرفہ ملاقاتیں کی ہیں اور باقاعدہ رابطہ برقرار رکھا ہے۔ انہوں نے دفاع، خلائی، توانائی، اور بین

الاقوامی شمالی-جنوبی ٹرانسپورٹ کوریڈور جیسے منصوبوں اور شعبوں میں تعاون پر زور دیا ہے۔

ابھرتے ہوئے جغرافیائی سیاسی منظرنامہ اور دوسرے ممالک کے ساتھ ہندوستان کی بڑھتی ہوئی مصروفیت کے باوجود، ہندوستان اور روس کے درمیان حکمت عملی پر مبنی شراکت داری برقرار ہے۔ تاریخی تعلقات، مشترکہ اقدار اور باہمی مفادات دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کو مضبوط بناتے ہیں۔

چین کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات

ہندوستان اور چین کے درمیان ان کی آزادی کے بعد سے تعلقات پیچیدہ ہیں اور تعاون اور تنازعات دونوں کی وجہ سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ جب اکتوبر 1949 میں عوامی جمہوریہ چین کا قیام عمل میں آیا تو سی سی پی میں دو مرکزی بیان قائم ہوئے: یہ کہ چین خطے میں برابری کے بغیر ایک غالب ایشیائی طاقت تھا اور یہ کہ امریکہ کا بنیادی مخالف تھا۔ ایشیا میں ہندوستان کا کردار اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ اس کا اپنا ہے اور اسے ایک مساویانہ طور پر نہیں دیکھا گیا، منظر عام پر آنے والے خفیہ کاغذات یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ شروع سے ہی چینی پارٹی۔ ملک کی اعلیٰ سطحی قیادت کے اندر ملک کے بارے میں گہرا عدم اعتماد تھا۔ چین کی انڈیا پالیسی کا بنیادی حصہ دو اہم حصوں پر مشتمل تھا۔ سب سے پہلے، ہندوستان کو امریکی کیمپ کا پیروکار بننے سے روکنا چاہیے، اور چین کے لیے تشویش کے اہم معاملات پر اسے غیر جانبدار رکھنے کے لیے پالیسی بنائی جانی چاہیے۔ دوسرا، ترقی پذیر دنیا میں ہندوستان کی حیثیت اور اثر ورسوخ کو ایشیا میں امریکی مداخلت کو روکنے کے لیے 'ایشیائی یکجہتی' کی تعمیر کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے۔

ہندوستان کو امریکہ سے دور رکھنا چین کی پالیسی کا ایک اہم مقصد بن گیا۔ اس مقصد کے لیے قائل کرنے اور دباؤ کا استعمال کیا گیا۔

یہاں ان کے تعلقات کا ایک جائزہ ہے:

1۔ **ابتدائی سال (1950-1960s)**: ہندوستان 1949 میں اپنے قیام کے بعد عوامی جمہوریہ چین کو تسلیم کرنے والے اولین ممالک میں سے ایک تھا۔ دونوں ممالک کا مقصد دوستانہ تعلقات قائم کرنا تھا، 1954 میں پرامن بقائے باہمی کے پانچ اصول پنچ شیل پر دستخط کیے گئے۔ تاہم، سرحدی تنازعات جلد ہی ابھرے، خاص طور پر اکسائی چن اور اروناچل پردیش کے علاقوں پر۔ اس اختلاف کی وجہ سے 1962 میں چین ہند جنگ ہوئی۔

2۔ **جنگ کے بعد کے سال (1970-1980s)**: جنگ کے بعد دونوں ممالک کے درمیان سفارتی تعلقات منجمد ہو گئے تھے، لیکن 1970 کی دہائی کے اوائل میں دونوں فریقوں نے تعلقات کو معمول پر لانے کی کوششیں کیں۔ 1978 میں، ہندوستانی وزیر اعظم مورار جی دیسائی نے چین کا تاریخی دورہ کیا، جو دوطرفہ تعلقات کو بہتر بنانے کی جانب ایک اہم قدم تھا۔ 1980 کی دہائی کے دوران، دونوں ممالک اپنے علاقائی تنازعات کا پرامن حل تلاش کرنے کے لیے بات چیت اور سرحدی مذاکرات میں

مصروف رہے۔

3۔ **1990 اور اس سے آگے:** 1990 کی دہائی میں، ہندوستان اور چین نے اپنی مشترکہ سرحد پر امن برقرار رکھنے کے لیے اعتماد سازی کے کئی اقدامات کیے اور معاہدوں پر دستخط کیے تھے۔ دونوں ممالک کے درمیان اقتصادی تعلقات تیزی سے پھیلے، دوطرفہ تجارت میں نمایاں اضافہ ہوا۔ تاہم، سرحدی کشیدگی میں اضافہ ہوتا چلا گیا، اور 1999 میں، ہندوستان کے زیر انتظام کشمیر کے کارگل علاقے میں ایک مختصر تنازعہ شروع ہوا، جس میں چین براہ راست ملوث نہیں تھا لیکن اسے پاکستان کی حمایت حاصل تھی۔

4۔ **اقتصادی تعلقات:** چین ہندوستان کے سب سے بڑے تجارتی شراکت داروں میں سے ایک ہے، دونوں ممالک کے درمیان اہم دوطرفہ تجارت ہے۔ تاہم، بھارت میں تجارتی عدم توازن کے ساتھ ساتھ مارکیٹ تک رسائی اور املاک دانش کے تحفظ سے متعلق مسائل کے بارے میں تشویش پائی جاتی ہے۔

5۔ **علاقائی تعاون:** ہندوستان اور چین دونوں کئی علاقائی تنظیموں کے رکن ہیں، جیسے کہ شنگھائی تعاون تنظیم (SCO) اور BRICS گروپنگ (برازیل، روس، ہندوستان، چین، جنوبی افریقہ)۔ یہ پلیٹ فارم دونوں ممالک کے درمیان علاقائی اور عالمی مسائل پر مشغولیت اور بات چیت کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔

6۔ **بحر ہند کے علاقہ میں حکمت عملی پر مبنی مقابلہ:** ہندوستان اور چین کے درمیان خاص طور پر بحر ہند کے علاقے میں تزویراتی مقابلے کا عنصر موجود ہے۔ دونوں ممالک اپنی بحری صلاحیتوں کو مضبوط کر رہے ہیں اور خطے میں اپنی موجودگی کو بڑھا رہے ہیں۔

7۔ **حالیہ پیش رفت:** 2017 میں، چین، ہندوستان اور بھوٹان کے درمیان متنازعہ علاقہ ڈوکلام میں ہندوستانی اور چینی افواج کے درمیان فوجی تعطل پیدا ہوا۔ کئی ماہ کی بات چیت کے بعد یہ تعطل پر امن طریقے سے حل ہو گیا۔ 2020 میں سرحدی کشیدگی ایک بار پھر بڑھ گئی، جس کے نتیجے میں وادی گلوان میں ہندوستانی اور چینی فوجیوں کے درمیان مہلک تصادم ہوا، جس کے نتیجے میں دونوں طرف جانی نقصان ہوا۔ اس کے بعد سے دونوں ممالک کشیدگی کو کم کرنے اور متنازعہ سرحدی علاقوں سے دستبردار ہونے کے لیے فوجی اور سفارتی بات چیت کے متعدد دور میں مصروف ہیں۔

8۔ **ووہان غیر رسمی سربراہی اجلاس (2018):** ہندوستانی وزیر اعظم نریندر مودی اور چینی صدر شی جن پنگ نے چین کے شہر ووہان میں ایک مٹھی غیر رسمی سربراہی ملاقات کی۔ سربراہی اجلاس کا مقصد دوطرفہ تعلقات کو بہتر بنانا اور دونوں ممالک کے درمیان حکمت عملی پر مبنی رابطے کو بڑھانا تھا۔ اس سمٹ کا مقصد ہندوستان اور چین کے درمیان اعلیٰ سطح کے اسٹریٹجک رابطوں کو یقینی بنانا تھا۔

9۔ **مملہ پورم غیر رسمی چوٹی کانفرنس (2021):** حالیہ مملہ پورم اجلاس نے ہندوستان اور چین کے درمیان 'تعاون کے نئے دور' کا

آغاز کیا ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان تجارتی اور تجارتی تعلقات کو بڑھانے کے لیے ایک اعلیٰ سطحی اقتصادی اور تجارتی مکالمے کا میکنزم قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ہندوستان-چین نے قواعد پر مبنی کثیر جہتی تجارتی نظام کی حمایت اور مضبوطی پر اتفاق کیا۔ نیز جامع بین الاقوامی نظم کو برقرار رکھنے کے لیے کھلے اور جامع تجارتی انتظامات کے لیے مل کر کام کرنے کا وعدہ کیا۔ دونوں ممالک نے اس بات کو یقینی بنانے کے لیے مشترکہ کوششوں کو تسلیم کیا کہ بین الاقوامی برادری پوری دنیا میں اور غیر امتیازی بنیادوں پر دہشت گرد گروہوں کی تربیت اور مالی معاونت کے خلاف فریم ورک کو مضبوط کرے۔

10۔ بیلٹ اینڈ روڈ انیشیٹیو (BRI): چین کے پرجوش بنیادی ڈھانچے کے منصوبے، بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایٹو نے اپنے فلیگ شپ پراجیکٹ، چین پاکستان اقتصادی راہداری (CPEC)، جو پاکستان کے زیر قبضہ کشمیر (PoK) سے گزرتا ہے، اور ہندوستان کی خودمختاری کی شدید خلاف ورزی کرتا ہے جسے ہندوستان اپنی خودمختار سرزمین کا اٹوٹ حصہ سمجھتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہندوستان نے تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ہندوستان مزید BRI اور خاص طور پر CPEC کو خطے میں چین کے حکمت عملی پر مبنی اثر ورسوخ کو تقویت دینے کے طور پر دیکھتا ہے۔ راہداری کی ہندوستان کی شمال مغربی سرحد سے قربت خطے میں چینی فوجی موجودگی کے امکانات کے بارے میں خدشات کو جنم دیتی ہے، جو تزویراتی توازن کو متاثر کر سکتی ہے۔ مزید برآں، ہندوستان کا کہنا ہے کہ PoK میں کسی بھی بنیادی ڈھانچے کی ترقی اس کی رضامندی سے ہونی چاہیے۔

ہندوستان اور چین کے درمیان تعلقات میں تعاون کے ادوار دیکھے گئے ہیں، خاص طور پر اقتصادی معاملات میں، لیکن علاقائی تنازعات اور کبھی کبھار فوجی تصادم کی وجہ سے بھی اس کو نقصان پہنچا ہے۔ دونوں ممالک اپنے پیچیدہ تعلقات کو آگے بڑھاتے ہیں اور خطے میں استحکام کو برقرار رکھنے کے لیے کام کرتے ہیں۔ سرحدی تنازعات: ہندوستان اور چین کے درمیان ایک بڑا مسئلہ ان کے حل نہ ہونے والے سرحدی تنازعات ہیں۔ سب سے زیادہ قابل ذکر اکسائی چن کے علاقے پر طویل عرصے سے جاری علاقائی تنازعہ ہے، جس کی وجہ سے 1962 میں دونوں ممالک کے درمیان ایک مختصر جنگ ہوئی تھی۔ سرحد کے مشرقی سیکٹر میں بھی تنازعات موجود ہیں۔

یورپی یونین (EU) کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات:

ہندوستان 1962 میں یورپی اقتصادی برادری کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنے والے اولین ممالک میں شامل ہے۔ 2000 میں لزبن (پرتگال) میں ہندوستان-یورپی یونین کی پہلی چوٹی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے، ہندوستان اور یورپی یونین کے درمیان پندرہ سالانہ دوطرفہ اجلاس منعقد ہو چکے ہیں۔ 2004 میں ہیگ (ہالینڈ) میں منعقدہ 5 ویں انڈیا EU سربراہی اجلاس کے دوران تعلقات کو 'اسٹریٹجک پارٹنرشپ' میں اپ گریڈ کیا گیا تھا۔ دوطرفہ حکمت عملی پر مبنی پارٹنرشپ میں ڈائیلاگ میکانزم شامل ہیں جس میں تجارت، توانائی کی حفاظت، سائنس اور تحقیق سمیت وسیع پیمانے پر مسائل شامل ہیں۔ پھیلاؤ اور تخفیف اسلحہ، انسداد

دہشت گردی، سائبر سیکورٹی، انسداد قزاقی نقل مکانی اور نقل وحرکت وغیرہ۔

1۔ **سیاسی تعاون:** ہندوستان اور یورپی یونین دوطرفہ اور عالمی مسائل پر تبادلہ خیال کے لیے باقاعدہ سیاسی بات چیت اور سربراہی اجلاس منعقد کرتے ہیں۔ وہ ماحولیاتی تبدیلیوں، دہشت گردی اور علاقائی سلامتی جیسے عالمی چیلنجوں پر مشترکہ خدشات کا اظہار کرتے ہیں۔ دونوں فریق باقاعدگی سے اعلیٰ سطحی دوروں اور مشاورت کے ذریعے اپنی حکمت عملی شراکت داری کو مضبوط بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

2۔ **تجارتی اور اقتصادی تعلقات:** یورپی یونین ہندوستان کے سب سے بڑے تجارتی شراکت داروں میں سے ایک ہے۔ ہندوستان اور یورپی یونین کے درمیان دوطرفہ تجارت گزشتہ برسوں میں مسلسل بڑھ رہی ہے۔ یورپی یونین ہندوستانی برآمدات کے لیے ایک اہم مقام ہے، خاص طور پر انفارمیشن ٹیکنالوجی، فارماسیوٹیکل، ٹیکسٹائل اور زرعی مصنوعات جیسے شعبوں میں۔ ہندوستان۔یورپی یونین فری ٹریڈ ایگریمنٹ (FTA) پر بات چیت کے ذریعے تجارتی تعلقات کو بڑھانے کی کوششیں کی گئی ہیں۔

i۔ مجموعی طور پر EU ہندوستان کا سب سے بڑا تجارتی پارٹنر ہے جبکہ ہندوستان 2018 میں EU کا 9واں سب سے بڑا تجارتی پارٹنر تھا۔

ii۔ ہندوستان یورپی یونین کے لیے چوتھا سب سے بڑا سروس ایکسپورٹر اور یورپی یونین سے سروس ایکسپورٹ کے لیے چھٹا سب سے بڑا ملک بھی ہے۔

iii۔ یورپی یونین ہندوستان میں براہ راست غیرملکی سرمایہ کاری (FDI) کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

iv۔ ہندوستان اور یورپی یونین 2007 سے دوطرفہ وسیع بنیاد پر تجارت اور سرمایہ کاری کے معاہدے (BTIA) پر بات چیت کے عمل میں ہیں۔

3۔ **سرمایہ کاری اور ٹیکنالوجی:** EU ہندوستان میں براہ راست غیرملکی سرمایہ کاری (FDI) کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ کئی یورپی کمپنیوں نے ہندوستان میں آٹوموٹیو، توانائی، ٹیلی کمیونیکیشن، اور انفراسٹرکچر جیسے شعبوں میں سرمایہ کاری کی ہے۔ تحقیق اور ترقی، اختراع اور ٹیکنالوجی کی منتقلی میں تعاون بھی تعلقات کا ایک اہم پہلو ہے۔

4۔ **ترقیاتی تعاون:** EU ہندوستان کو ترقیاتی امداد فراہم کرتا ہے، پائیدار ترقی، قابل تجدید توانائی، تعلیم، اور مہارت کی ترقی جیسے شعبوں پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ ترقیاتی تعاون کے پروگراموں کا مقصد ہندوستان کی جامع ترقی اور غربت میں کمی کی کوششوں کی حمایت کرنا ہے۔

5۔ **ثقافتی تبادلے اور عوام سے عوام کے رابطے:** ہندوستان اور یورپی یونین باہمی افہام وتفہیم کو بڑھانے کے لیے ثقافتی تبادلے، علمی

تعاون اور سیاحت کو فروغ دیتے ہیں۔ لوگوں کے درمیان رابطوں کو مضبوط کرنے کے لیے تعلیمی اور تحقیقی تعاون، اسکالرشپس، اور تبادلہ پروگراموں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

6۔ **موسمیاتی تبدیلی اور پائیدار ترقی:** ہندوستان اور یورپی یونین موسمیاتی تبدیلیوں میں تخفیف، موافقت، اور صاف توانائی کی منتقلی پر تعاون کرتے ہیں۔ یورپی یونین مختلف اقدامات کے ذریعے اپنے آب و ہوا کے اہداف اور پائیدار ترقی کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ہندوستان کی کوششوں کی حمایت کرتا ہے، بشمول ٹیکنالوجی کی منتقلی، صلاحیت کی تعمیر، اور مالی امداد۔

7۔ **کثیر جہتی تعاون:** ہندوستان اور یورپی یونین ملٹی لیٹرل فورمز جیسے کہ اقوام متحدہ، ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) اور G20 میں قریبی تعاون کرتے ہیں۔ وہ امن قائم کرنے، انسانی حقوق، عالمی صحت اور انسداد دہشت گردی سمیت مختلف عالمی امور پر مل کر کام کرتے ہیں۔

ہندوستان اور یوروپی یونین (EU) نے تجارت، سرمایہ کاری، سیاسی تعاون اور ثقافتی تبادلے سمیت مختلف شعبوں کا احاطہ کرنے والے مختلف معاہدوں اور معاہدوں میں مصروف عمل ہے۔ ہندوستان اور یورپی یونین کے درمیان کچھ اہم معاہدے اور معاہدے یہ ہیں:

1۔ **تعاون کا معاہدہ (1994):** 1994 میں دستخط کیے گئے، اس معاہدے نے ہندوستان اور یورپی یونین کے درمیان اقتصادیات، سائنس اور ٹیکنالوجی اور ثقافتی تبادلے سمیت مختلف شعبوں میں تعاون کے لیے ایک فریم ورک قائم کیا۔

2۔ **ای یو۔ ہندوستان آزادانہ تجارتی معادہ (FTA) مذاکرات:** EU اور ہندوستان 2007 سے ایک جامع FTA پر بات چیت کر رہے ہیں، جس کا مقصد دونوں فریقوں کے درمیان تجارت اور سرمایہ کاری کو بڑھانا ہے۔

3۔ **حکمت عملی پر مبنی پارٹنرشپ:** 2004 میں، ہندوستان اور یورپی یونین نے ایک حکمت عملی پر مبنی پارٹنرشپ قائم کی، جس میں سیاسی بات چیت، سیکورٹی، اور انسداد دہشت گردی تعاون پر توجہ دی گئی۔ اس شراکت داری کا مقصد دوطرفہ تعلقات کو مضبوط بنانا اور عالمی چیلنجوں سے نمٹنا ہے۔ یورپی یونین اور ہندوستانی رہنماؤں نے "متوازن، مہتواکانکشی، جامع اور باہمی طور پر فائدہ مند" تجارتی معاہدے کے لیے مذاکرات دوبارہ شروع کرنے، اور سرمایہ کاری کے تحفظ کے معاہدے اور جغرافیائی اشارے (GIs) کے معاہدے پر الگ الگ مذاکرات شروع کرنے پر اتفاق کیا۔

4۔ **جوائنٹ ایکشن پلان (2005):** جوائنٹ ایکشن پلان تجارت اور سرمایہ کاری، توانائی اور موسمیاتی تبدیلی، سائنس اور ٹیکنالوجی، اور تعلیم اور ثقافتی تبادلوں سمیت مختلف شعبوں میں تعاون کے لیے ایک فریم ورک فراہم کرتا ہے۔ 2005 میں منعقد ہونے والی ای یو۔- ہندوستان میں، لیڈروں نے ای یو۔ ہندوستان جوائنٹ ایکشن پلان ('JAP') کو اسٹریٹجک پارٹنرشپ کے لیے اپنایا۔

5۔ جے اے پی میں پانچ حصے شامل تھے:

- بات چیت اور مشاورت کے طریقہ کار کو مضبوط بنانا؛
- سیاسی بات چیت اور تعاون؛
- لوگوں اور ثقافتوں کو اکٹھا کرنا؛
- اقتصادی پالیسی مکالمہ اور تعاون؛
- تجارت اور سرمایہ کاری کو فروغ دینا۔

تین سال بعد، 2008 میں، پلان کو اپ ڈیٹ کیا گیا۔ 2008 جے اے پی میں 2005 جے اے پی کے اہداف سے متعلق کامیابیوں کا جائزہ شامل تھا۔ تازہ ترین دستاویز میں چار نئی سرگرمیوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، جس کا مقصد بین الاقوامی امن وسلامتی کو فروغ دینا اور اقتصادی ترقی، خوشحالی اور پائیدار حصول کے لیے مل کر کام کرنا ہے۔

ترقی:

☆ امن اور جامع سیکورٹی کو فروغ دینا؛
☆ پائیدار ترقی کو فروغ دینا؛
☆ تحقیق اور ٹیکنالوجی کو فروغ دینا؛
☆ لوگوں سے لوگوں اور ثقافتی تبادلے

5۔ **سائنس اور ٹیکنالوجی تعاون کا معاہدہ (2001)**: یہ معاہدہ ہندوستان اور یورپی یونین کے درمیان سائنس، ٹیکنالوجی اور اختراع میں تعاون کو فروغ دیتا ہے۔ اس میں تحقیق اور ترقی میں تعاون، سائنسدانوں اور محققین کا تبادلہ اور مشترکہ منصوبے شامل ہیں۔ اس سے مختلف شعبوں جیسے پانی، توانائی، صحت کی دیکھ بھال، Aristech اور بایوٹیک، مربوط سائبر فزیکل سسٹمز، انفارمیشن اینڈ کمیونیکیشن ٹیکنالوجیز، نینوٹیکنالوجی، اور کلین ٹیکنالوجیز وغیرہ میں تحقیق اور اختراعی تعاون کو بڑھانے کی توقع ہے۔ یہ ادارہ جاتی روابط کو بھی مضبوط کرے گا۔ تحقیق، محققین، طلباء، سٹارٹ اپس کا تبادلہ اور علم کی ہم آہنگی کے لیے وسائل کی مشترکہ سرمایہ کاری کو راغب کرنا۔

6۔ **سول ایوی ایشن کا معاہدہ (2008)**: سول ایوی ایشن کا معاہدہ ہندوستان اور یورپی یونین کے رکن ممالک کی ایئر لائنز کو دو خطوں کے درمیان پروازیں چلانے کے قابل بناتا ہے۔ یہ فضائی رابطے کو آسان بناتا ہے، سیاحت کو فروغ دیتا ہے، اور اقتصادی تعلقات کو بڑھاتا ہے۔

7۔ **Horizon 2020** : ہندوستان EU کے Horizon 2020 پروگرام سے منسلک ہے، جو ایک تحقیق اور اختراعی فریم

ورک ہے۔اس سے ہندوستانی محققین، تحقیقی ادارے، سائنس، ٹیکنالوجی اور اختراع کے شعبے میں کام کرنے والی یونیورسٹیاں H2020 کے تحت پروجیکٹوں میں حصہ لینے اور تحقیق اور اختراع میں یورپ کے بہترین مواقع کا بہترین استعمال کرنے کے لیے اپنے یورپی شراکت داروں کے ساتھ مل کر کام کر سکیں گی۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ معاہدوں کی حیثیت اور تفصیلات وقت کے ساتھ بدل سکتی ہیں، اور میرے علم سے باہر اضافی معاہدے ہو سکتے ہیں۔ ہندوستان اور یورپی یونین کے درمیان معاہدوں اور معاہدوں کے بارے میں تازہ ترین معلومات کے لیے سرکاری ذرائع یا متعلقہ حکومتوں کی ویب سائٹس سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

خلاصہ:

ہندوستان۔امریکہ۔ حالیہ برسوں میں تعلقات میں نمایاں بہتری آئی ہے۔ وہ دفاع، انسداد دہشت گردی، تجارت اور ٹیکنالوجی جیسے شعبوں میں اسٹریٹجک مفادات کا اشتراک کرتے ہیں۔دونوں ممالک باقاعدگی سے اعلیٰ سطحی مکالمے میں مشغول ہیں اور اہم معاہدوں پر دستخط کیے ہیں جن کی جڑیں دفاعی تعاون، اقتصادی شراکت داری اور ثقافتی تبادلے پر مبنی ہندوستان نے تاریخی طور پر روس کے ساتھ قریبی تعلقات کو برقرار رکھا ہے۔ممالک دفاعی ٹیکنالوجی، جوہری توانائی اور خلائی تحقیق میں تعاون کرتے ہیں۔ ہندوستان اور چین کے تعلقات پیچیدہ ہیں۔ جب کہ وہ ایک سرحد کا اشتراک کرتے ہیں اور تجارت میں مشغول ہوتے ہیں، کبھی کبھار کشیدگی ہوتی رہی ہے، بشمول علاقائی تنازعات۔ بات چیت اور اقتصادی تعاون کے ذریعے اختلافات کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یورپی یونین (EU) کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات کثیر جہتی ہیں، جس میں تجارت، سرمایہ کاری اور ترقیاتی تعاون شامل ہیں۔ آزاد تجارتی معاہدے کے لیے بات چیت جاری ہے، اور دونوں فریق مختلف عالمی امور پر تعاون کرتے ہیں۔ یہ رشتہ وقت کے ساتھ ساتھ تیار ہوا ہے اور مشترکہ اقدار، جمہوری اصولوں اور باہمی مفادات پر مبنی ہے۔EU بھارت کا سب سے بڑا تجارتی شراکت دار ہے، اور دونوں فریق 2007 سے ای یو۔ ہندوستان براڈ بیسڈ ٹریڈ اینڈ انویسٹمنٹ ایگریمنٹ (BTIA) کے نام سے ایک جامع آزاد تجارتی معاہدے کے لیے بات چیت میں مصروف ہیں۔

بدلتی ہوئی عالمی حرکیات اور ہندوستان کے غیر ملکی تعلقات میں تنوع کے باوجود، ہندوستان تاریخی بندھنوں، مشترکہ اقدار اور حکمت عملی پر مبنی مفادات کی بنیاد پر دوسرے ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات کو برقرار رکھتا ہے، اور ہندوستان مختلف شعبوں میں اپنے تعلقات کو مضبوط بنانے کی سمت کام کرتا رہتا ہے۔

سوالات:

1۔ کئی دہوں پر مبنی ہند۔امریکہ تعلقات کی وضاحت کیجئے۔

2۔ یوروپی یونین کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات کا جائزہ لیجئے۔

3۔ ہند۔روس دفاعی اور معاشی تعاون کی وضاحت کیجئے۔

4۔ ای یو۔انڈیا مشترکہ ایکشن پلان (جے اے پی) کیا ہے۔

5۔ کواڈ تعاون

6۔ بلٹ اینڈ روڈ انیشیٹیو (BRI)

7۔ نیچے دیئے گئے ہمہ جوابی سوالات میں سے درست جواب کا انتخاب کیجئے (ہر ایک کا ایک نشان)

i۔ امریکہ۔ہندوستان سیول نیوکلیئر کو اس طرح سے جانا جاتا ہے

الف) تجارتی معاہدہ

ب) فوجی اتحاد

ج) نیوکلیئر تعاون

د) ماحولیاتی تحفظ

ii۔ کنڈن کلم نیوکلیئر پاور پلانٹ، ہند۔روس تعاون کا ایک اہم اشتراک ہندوستان کی کس ریاست میں ہے؟

الف) مہاراشٹرا ب) ٹامل ناڈو ج) کیرالہ د) گجرات

iii۔ 1962 کی ہند۔چین جنگ ابتداء میں سرحدی مسئلہ پر کس علاقہ میں لڑی گئی۔

الف) کشمیر ب) اروناچل پردیش ج) لداخ د) سکم

iv۔ ہندوستان کے کس لیڈر نے چین کے ساتھ تعلقات میں پنچ شیل (پرامن بقائے باہمی کے پانچ اصول) کی پالیسی شروع کی؟

الف) جواہرلال نہرو ب) اندرا گاندھی ج) اٹل بہاری واجپائی د) راجیو گاندھی

v۔ یوروپی یونین (ای یو) اور ہندوستان حکمت عملی پر مبنی شراکت داری کس سال قائم ہوئی

الف) 1991 ب) 2000 ج) 2004 د) 2010

31

31- مجلس اقوام متحدہ
THE UNITED NATIONS ORGANIZATION

مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد، آپ قابل ہو جائیں گے:

☆ سرد جنگ کے بعد کی سیاست میں اقوام متحدہ کی اہمیت پر بحث کرنے۔

☆ یو این او کے اداروں پر بحث کرنے۔

☆ اقوام متحدہ کے لیے اصلاحات پر تبادلہ خیال کرنے۔

تعارف

تباہ کن عالمی جنگیں 20 ویں صدی نے دو عالمی جنگیں دیکھی ہیں جنہوں نے تقریباً ہر ملک میں مصائب اور مایوسی کی میراث چھوڑی ہے۔ جنگوں پر اربوں ڈالر خرچ ہوئے۔ لاکھوں لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور بہت سے لوگ معذور، بے گھر اور بے روزگار ہو گئے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد دستخط کیے گئے امن معاہدوں میں تلخیوں اور تنازعات کے بیج بوئے گئے جو دوسری جنگ عظیم کا باعث بنے۔ تمام ممالک کو خدشہ تھا کہ دوسری جنگ عظیم تیسری عالمی جنگ کا سبب بن سکتی ہے جو دنیا کے خاتمے کا باعث بن سکتی ہے۔

ایٹم بم جیسے تباہ کن ہتھیار دوسری جنگ عظیم کے دوران ایجاد اور استعمال ہوئے۔ 25 سال کے عرصے میں دو عالمی جنگوں کے تلخ تجربے کے بعد امریکی صدر روزویلٹ اور برطانوی وزیر اعظم ونسٹن چرچل جیسی اتحادی حکومتوں کے عالمی رہنماؤں نے انسانیت کے لیے جنگوں کے ممکنہ خطرے کو بھانپ لیا۔ انہوں نے کئی مرحلوں کی بات چیت کی جو بالآخر اقوام متحدہ کی تنظیم (یو این او) کی تشکیل کا باعث بنی۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کا متن جون 1945 میں منعقدہ سان فرانسسکو کانفرنس میں تیار کیا گیا تھا۔ چارٹر پر 50 شریک ممالک نے دستخط کیے تھے۔ اقوام متحدہ باضابطہ طور پر 24 اکتوبر 1945 کو وجود میں آیا جب اس چارٹر کی سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ارکان سمیت 29 ممالک نے توثیق کی۔ اس کے بعد سے ہر سال 24 اکتوبر کو دنیا بھر میں اقوام متحدہ کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔

اقوام متحدہ کے مقاصد

مقاصد، اقوام متحدہ کے اصول اور وجوہات

اقوام متحدہ کا آئین اقوام متحدہ کا چارٹر ہے۔اس کے انیس ابواب ہیں جنہیں 111 مضامین میں تقسیم کیا گیا ہے جو تنظیم کے مقاصد، اصولوں اور کارکردگی کے طریقوں کی وضاحت کرتے ہیں۔

اقوام متحدہ کے مقاصد

اقوام متحدہ کے مقاصد اقوام متحدہ کے چارٹر کی تمہید میں درج ہیں۔اس کے چار مقاصد ہیں جیسا کہ ذیل میں ذکر کیا گیا ہے۔

(الف) آنے والی نسلوں کو جنگ کی لعنت سے بچانا

(ب) بنیادی انسانی حقوق، انسانوں کے کام اور وقار میں یقین کی توثیق کرنا اور مردوں، عورتوں اور بڑی اور چھوٹی قوموں کے مساوی حقوق۔

(ج) ایسے حالات قائم کرنا جن کے تحت معاہدوں اور بین الاقوامی قانون کے دیگر ذرائع سے پیدا ہونے والی ذمہ داریوں کا انصاف اور احترام برقرار رکھا جا سکے، اور

(د) وسیع تر آزادی میں سماجی ترقی اور زندگی کے بہتر معیار کو فروغ دینا۔

(I) اقوام متحدہ کا مقصد

اقوام متحدہ کا مقصد چارٹر کے آرٹیکل 1 میں بیان کیا گیا ہے۔یہ مندرجہ ذیل ہیں:

(a) بین الاقوامی امن اور سلامتی کی بحالی

(b) اقوام کے درمیان دوستانہ تعلقات کا فروغ

(c) اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور انسانی نوعیت کے مسائل کے حل میں بین الاقوامی تعاون؛ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام کا فروغ اور حوصلہ افزائی؛ اور

(d) مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے قوموں کے اقدامات کو ہم آہنگ کرنے کا مرکز بننا۔

(e) اقوام متحدہ کے اصول

اقوام متحدہ کے مقاصد کی تکمیل کے لیے، چارٹر کے آرٹیکل 2 میں درج ذیل اصولوں کا تصور پیش کیا گیا ہے۔ان کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

(a) تنظیم اپنے تمام اراکین کی خودمختار مساوات کے اصول پر مبنی ہے۔

(b) تمام اراکین ان ذمہ داریوں کو پورا کریں گے جو انہوں نے چارٹر کے تحت سنبھالی ہیں۔

(c) اراکین اپنے بین الاقوامی تنازعات کو پرامن طریقے سے حل کریں گے۔

(d) اراکین اقوام متحدہ کے مقصد کے مطابق اپنے بین الاقوامی تعلقات میں دھمکی یا کسی بھی طریقے سے طاقت کا استعمال سے باز رہیں گے۔

مجلس اقوام متحدہ کے اصل ادارے

اقوام متحدہ کی چھ سرکاری زبانیں ہیں: عربی، چینی، انگریزی، فرانسیسی، روسی اور ہسپانوی۔ جیسا کہ ہم نے پچھلے حصے میں بات کی ہے، اقوام متحدہ کے چھ اہم ادارے ہیں:

(a) جنرل اسمبلی

(b) سلامتی کونسل

(c) اقتصادی اور سماجی کونسل

(d) سیکرٹریٹ

(e) بین الاقوامی عدالت انصاف اور

(f) اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ کونسل

جنرل اسمبلی

جنرل اسمبلی اقوام متحدہ کا اہم مباحث اور غور وفکر کا ادارہ ہے۔ اقوام متحدہ کے کام کا تعین ارکان کی اکثریت کی مرضی سے ہوتا ہے جس کا اظہار اسمبلی کی منظور کردہ قراردادوں میں ہوتا ہے۔ اگرچہ اسمبلی کے فیصلے حکومتوں کے لیے قانونی طور پر کوئی پابند نہیں ہوتے ہیں لیکن وہ بڑے بین الاقوامی مسائل کے ساتھ ساتھ عالمی برادری کی اخلاقی اتھارٹی پر عالمی رائے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

تشکیل

اقوام متحدہ کے تمام ارکان جنرل اسمبلی کے رکن ہیں۔ جنرل اسمبلی میں ہر ملک کے پانچ نمائندے ہوتے ہیں، لیکن ہر ملک کا ایک ووٹ ہوتا ہے۔

جنرل اسمبلی کا باقاعدہ اجلاس ہر سال ستمبر کے تیسرے منگل کو شروع ہوتا ہے اور عموماً دسمبر کے تیسرے ہفتے تک جاری رہتا ہے۔ ہر باقاعدہ اجلاس کے آغاز پر، اسمبلی ایک نئے صدر، 21 نائب صدور اور اسمبلی کی چھ اہم کمیٹیوں کے صدور نشینوں کا انتخاب کرتی ہے۔ مساوی جغرافیائی نمائندگی کو یقینی بنانے کے لیے، اسمبلی کی صدارت ہر سال ممالک کے پانچ گروپوں کے درمیان گردش کرتی ہے:

افریقہ، ایشیا، مشرقی یورپ، لاطینی امریکہ اور کیریبین، اور مغربی یورپ اور دیگر ممالک۔ خصوصی اجلاس سیکرٹری جنرل سلامتی کونسل کی درخواست پر یا ارکان کی اکثریت کی خصوصی درخواست پر طلب کئے جاتے ہیں۔

اہم معاملات پر فیصلے دو تہائی اکثریت سے کیے جاتے ہیں۔ ان امور میں شامل ہیں: سلامتی کونسل کے غیر مستقل اراکین کا انتخاب، نئے اراکین کا داخلہ، اراکین کی معطلی یا اخراج، بجٹ کے مسائل وغیرہ۔ دیگر سوالات پر فیصلے موجود اراکین کی اکثریت اور ووٹنگ کے ذریعے کی جاتی ہے۔

اختیارات اور افعال

چارٹر کے تحت جنرل اسمبلی کے اختیارات اور افعال میں درج ذیل شامل ہیں:

1۔ بین الاقوامی امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے میں تعاون کے اصولوں پر غور کرنا اور سفارشات کرنا؛

2۔ بین الاقوامی امن اور سلامتی سے متعلق کسی بھی سوال پر بحث کرنا

3۔ چارٹر کے دائرہ کار میں یا اقوام متحدہ کے کسی بھی ادارے کے اختیارات اور افعال کو متاثر کرنے والے کسی بھی سوال پر بحث اور سفارشات پیش کرنا،

4۔ تنازعات کے پر امن حل کے لیے سفارشات پیش کرنا۔

5۔ سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کے دیگر اداروں سے رپورٹس وصول کرنا اور ان پر غور کرنا۔

6۔ اقوام متحدہ کے بجٹ پر غور کرنا اور اسے منظور کرنا اور ممبران کے درمیان حصہ داری کو تقسیم کرنا۔

7۔ سلامتی کونسل، اقتصادی اور سماجی کونسل اور ٹرسٹی شپ کونسل کے غیر مستقل اراکین کا انتخاب، اور بین الاقوامی عدالت انصاف کے ججوں کا انتخاب کرنا۔

8۔ سلامتی کونسل کی سفارش پر سیکرٹری جنرل کا تقرر کرنا۔

سلامتی کونسل

سلامتی کونسل اقوام متحدہ کا عاملہ ادارہ ہے۔ بین الاقوامی امن اور سلامتی کو برقرار رکھنے کی بنیادی ذمہ داری اس کی ہے۔ یہ مسلسل کام کرتا ہے۔ اس کے ہر رکن کا ایک نمائندہ اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر میں ہر وقت موجود رہنا چاہیے۔

تشکیل کونسل 15 ارکان پر مشتمل ہے۔ اس کے پانچ مستقل ارکان چین، فرانس، روس، برطانیہ اور امریکہ ہیں۔ دس غیر مستقل ارکان کی علاقائی نمائندگی ہے (i) افریقی ایشیائی ممالک 5 ‘(ii) لاطینی امریکی ممالک (ii) مغربی یورپی اور دیگر ممالک (iv) مشرقی یورپی ممالک 1۔ دس غیر مستقل ارکان کو جنرل اسمبلی دو تہائی اکثریت سے دو سال کی مدت کے لیے منتخب کرتی ہے۔ سبکدوش

ہونے والا رکن فوری طور پر دوبارہ انتخاب کا اہل نہیں ہے۔کونسل کی صدارت اس کے رکن ممالک کی انگریزی حروف تہجی کی فہرست کے مطابق ماہانہ گردش کرتی ہے۔

ویٹو اختیار: سلامتی کونسل کے ہر رکن کا ایک ووٹ ہوتا ہے۔طریقہ کار کے معاملات پر فیصلے اراکین کے مثبت ووٹ سے کیے جاتے ہیں،بشمول پانچوں مستقل اراکین کے متفقہ ووٹ۔مستقل رکن کے منفی ووٹ کو ویٹو کہتے ہیں۔اگر پانچ مستقل ممبران میں سے کوئی ویٹو اختیار استعمال کرتا ہے تو کونسل بے اختیار ہو جاتا ہے۔تاہم،ووٹنگ سے پرہیز منفی ووٹ یا ویٹو کے مترادف نہیں ہے۔

طاقت اور افعال

(i) اقوام متحدہ کے اصولوں اور مقاصد کے مطابق بین الاقوامی امن اور سلامتی کو برقرار رکھنا؛

(ii) کسی بھی تنازعہ یا صورت حال کی چھان بین کرنا جو بین الاقوامی تنازع کا باعث بن سکتا ہے اور کسی جارح کے خلاف فوجی کارروائی کرنا۔

(iii) ایسے تنازعات یا تصفیہ کی شرائط کو نافذ کرنے کے طریقے تجویز کرنا۔

(iv) اسلحہ کو منظّم کرنے کے لیے ایک نظام کے قیام کے لیے منصوبہ بندی کرنا؛

(v) امن کے لیے خطرے یا جارحیت کے عمل کے وجود کا تعین کرنا اور یہ تجویز کرنا کہ کیا کارروائی کی جانی چاہیے؛

(vi) ممبران سے اقتصادی پابندیوں اور دیگر اقدامات کو لاگو کرنے کا مطالبہ کرنا جس میں جارحیت کو روکنے یا روکنے کے لیے طاقت کا استعمال شامل نہ ہو۔ایک حملہ آور کے خلاف فوجی کارروائی کرنا؛

(viii) نئے اراکین کے داخلے کی سفارش کرنا؛

(ix) 'حکمت عملی پر مبنی علاقوں' میں اقوام متحدہ کے ٹرسٹی شپ کے کاموں کو استعمال کرنا؛

بین الاقوامی عدالت انصاف

بین الاقوامی عدالت انصاف (آئی سی جے) اقوام متحدہ کا بنیادی عدالتی ادارہ ہے۔یہ 1945 میں بین الاقوامی عدالت انصاف کے قانون کے مطابق قائم کیا گیا ہے جو اقوام متحدہ کے چارٹر کا ایک لازمی حصہ ہے۔بین الاقوامی عدالت انصاف کا آئین، اپنے پیشرو کی طرح،عدالت کی تشکیل اور ان کو منظّم کرنے والی اہم آئینی دستاویز ہے۔یہ بین الاقوامی انصاف کی مستقل عدالت پر مبنی ہے جسے لیگ کونسل نے تیار کیا تھا اور اسے 1920 میں لیگ کونسل نے متفقہ طور پر منظور کیا تھا۔

یہ ہیگ،نیدرلینڈز میں واقع ہے اور ہیگ،نیدرلینڈز میں واقع امن محل میں واقع ہے،جس نے عمارت کو بین الاقوامی قانون کے مطالعہ کے لیے ایک نجی مرکز،ہیگ اکیڈمی آف انٹرنیشنل لاء کے ساتھ اشتراک کیا ہے۔عدالت نے 1946 میں بین الاقوامی

انصاف کی مستقل عدالت کے جانشین کے طور پر کام شروع کیا۔اس کا مقصد ممالک کے درمیان تنازعات کا فیصلہ کرنا ہے۔عدالت نے جنگی جرائم،غیر قانونی ریاستی مداخلت اور نسلی تطہیر سمیت دیگر مقدمات کی سماعت کی اور مقدمات کی سماعت جاری رکھی۔

بین الاقوامی عدالت انصاف کی رکنیت

اقوام متحدہ کے تمام اراکین بین الاقوامی عدالت انصاف کے از خود رکن ہیں۔ایک ملک جو اقوام متحدہ کا رکن نہیں ہے وہ بھی عدالت کے قانون کی فریق بن سکتا ہے۔

بین الاقوامی عدالت انصاف کی تشکیل

بین الاقوامی عدالت انصاف پندرہ ججوں پر مشتمل ہوتی ہے جنہیں جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل آزادانہ طور پر منتخب کرتی ہے۔ ججوں کا انتخاب ان کی قومیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کی اہلیت اور اعلیٰ اخلاقی کردار کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔یہ ججوں کا انتخاب احتیاط سے کرتا ہے تاکہ کوئی دو جج ایک ہی ملک کے شہری نہ ہوں۔ایسا اس لیے کیا گیا ہے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ کوئی ملک یا گروہ عدالتوں پر حاوی نہ ہو۔

بین الاقوامی عدالت انصاف کے افعال اور اختیارات

بین الاقوامی عدالت کا دوہرا کردار ہے کہ وہ بین الاقوامی قانون کے مطابق،ممالک کی طرف سے اس کے سامنے پیش کیے گئے قانونی تنازعات کو حل کرے،اور قانونی سوالات پر مشاورتی رائے دے جو اسے با اختیار بین الاقوامی اداروں اور ایجنسیوں کی طرف سے بھیجا گیا ہو۔

i) تنازعات کا تصفیہ

عدالت ان تمام مقدمات کی سماعت کرتی ہے جن میں خودمختار ممالک شامل ہیں جنہوں نے عدالت کے قانون کو قبول کیا ہے۔دیگر ممالک بھی سلامتی کونسل کی طرف سے رکھی گئی شرائط کی تکمیل پر اپنے تنازعات کو عدالت میں لے جا سکتے ہیں۔

اگرچہ،عدالت کوئی بھی لازمی دائرہ اختیار نہیں رکھتی ہے،لیکن وہ ممالک جو اس قانون کی فریق ہیں کسی بھی وقت یہ اعلان کر سکتی ہیں کہ وہ لازمی ipso فیکٹو کے طور پر اور خصوصی معاہدوں کے بغیر تسلیم کرتی ہیں،کسی بھی دوسری ریاستوں کے اسی ذمہ داری کو قبول کرنے کے سلسلے میں،عدالت کا دائرہ اختیار درج ذیل سے متعلق تمام قانونی تنازعات میں:

(a) معاہدے کی تشریح

(b) بین الاقوامی قوانین کا کوئی سوال

(c) کسی ایسے حقائق کا وجود جو اگر قائم ہو تو بین الاقوامی ذمہ داری کی خلاف ورزی ہو

(d) بین الاقوامی ذمہ داری کی خلاف ورزی کی حد تک یا تلافی کی نوعیت۔

(ii) قانون کا اطلاق

بین الاقوامی عدالت انصاف بین الاقوامی قانون، بین الاقوامی معاہدات اور مہذب قوموں کے تسلیم شدہ قانون کے عمومی اصولوں کے مطابق اس کیس کا فیصلہ کرتی ہے۔اس کے علاوہ، عدالت قانون کے قواعد کا تعین کرنے کے لیے عدالتی فیصلوں اور مختلف ممالک کے اعلیٰ تعلیم یافتہ قانون دانوں کی تعلیمات کا بھی استعمال کرتی ہے۔

عدالت کو فیصلوں کے نفاذ کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔اسے اپنے فیصلوں کے نفاذ کے لیے بنیادی طور پر دو عوامل پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔سب سے پہلے، اقوام متحدہ کے ہر رکن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کسی بھی معاملے میں عدالت کے فیصلوں کی تعمیل کرے۔ دوسرے لفظوں میں، اگر ملک عدالت میں مقدمہ پیش کرنے پر راضی ہو جائے تو وہ عدالت کے فیصلوں کو قبول کرے گی۔

دوم، سلامتی کونسل عدالت کے فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے عمل درآمد کر سکتی ہے، دوسرا فریق، دوسرا فریق سلامتی کونسل کا سہارا لے سکتا ہے، جو اگر ضروری سمجھے، سفارشات دے سکتا ہے یا اٹھائے جانے والے اقدامات کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ یا فیصلوں پر اثر ڈالیں۔

(iii) مشاورتی آراء

بین الاقوامی عدالت انصاف کو قانونی سوالات پر جنرل اسمبلی، سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کی دیگر خصوصی ایجنسیوں کو مشاورتی رائے دینے کا اختیار بھی حاصل ہے۔اس طرح کی رائے طلب کرتے وقت ایجنسی کو تحریری طور پر درخواست جمع کرانی ہوتی ہے جس میں سوال کا قطعی بیان ہوتا ہے جس پر رائے درکار ہوتی ہے اور ساتھ ہی وہ تمام دستاویزات جو سوال پر روشنی ڈالنے کے امکانات ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ، عدالت کا مشورہ فیصلے سے زیادہ مشورے کی طرح ہوتا ہے اور عدالت اپنی طرف سے مشاورتی رائے نہیں دیتی۔

اقتصادی اور سماجی کونسل (ای سی او ایس سی او)

اقوام متحدہ کے چارٹر کے وضع کرنے والے عالمی امن کے تحفظ کے لیے سماجی اور اقتصادی حالات کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ تھے۔اس لیے اقتصادی اور سماجی کونسل (ای سی او ایس سی او) قائم کی گئی ہے تاکہ اقوام متحدہ کے معاشی اور سماجی کاموں کو مربوط کرنے کے لیے خصوصی ایجنسیوں اور اداروں کے ساتھ مل کر بین الاقوامی اقتصادی اور سماجی تعاون اور ترقی کو فروغ دینے میں جنرل اسمبلی کی مدد کی جا سکے۔

ای سی او ایس سی او اقوام متحدہ کے ان چھ اہم اداروں میں سے ایک ہے جو اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل 55 کے مطابق

جنرل اسمبلی کے اختیار کے تحت کام کرتے ہیں۔اس آرٹیکل میں اقوام متحدہ کو استحکام اور فلاح و بہبود کے حالات پیدا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے جو اقوام کے درمیان پرامن اور دوستانہ تعلقات کے لیے ضروری ہیں جس کی بنیاد لوگوں کے مساوی حقوق اور خودارادیت کے اصول کے احترام کی بنیاد پر ہے اور وہ اعلیٰ معیار زندگی کو فروغ دینے کے لیے ذمہ دار ہے۔مکمل روزگار اور معیشت اور سماجی ترقی۔ اکنامک اینڈ سوشل کونسل (ای سی او ایس سی او) کے 54 ارکان ہیں۔ ہر سال جنرل اسمبلی تین سال کی مدت کے لیے اٹھارہ اراکین کا انتخاب کرتی ہے لیکن ریٹائر ہونے والے اراکین فوری طور پر دوبارہ انتخاب کے اہل ہوتے ہیں۔صدر کو ایک سال کی مدت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے اور ای سی او ایس سی او کو نمائندگی کرنے والی چھوٹی یا درمیانی طاقتوں میں سے منتخب کیا جاتا ہے۔

ٹرسٹی شپ کونسل:

اقوام متحدہ کے چارٹر نے ٹرسٹی شپ کونسل کو اقوام متحدہ کے اہم اداروں میں سے ایک کے طور پر قائم کیا، اور اسے بین الاقوامی ٹرسٹی شپ سسٹم کے تحت ٹرسٹ علاقوں کی انتظامیہ کی نگرانی کا کام سونپا۔ بین الاقوامی ٹرسٹی شپ سسٹم کے بنیادی اہداف ٹرسٹ علاقوں کے باشندوں کی ترقی اور خود حکومت یا آزادی کی طرف ان کی ترقی پسند ترقی کو فروغ دینا تھے۔ٹرسٹی شپ کونسل سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ارکان - چین، فرانس، روسی وفاق، برطانیہ اور امریکہ پر مشتمل ہے۔ٹرسٹی شپ سسٹم کے مقاصد اس حد تک پورے ہو گئے ہیں کہ تمام ٹرسٹ علاقوں نے، یا تو علیحدہ ممالک کے طور پر یا ہمسایہ آزاد ممالک میں شامل ہو کر خود مختاری یا آزادی حاصل کر لی ہے۔

ٹرسٹی شپ کونسل نے یکم نومبر 1994 کو اپنی کارروائیاں معطل کر دیں، پلاؤ کی آزادی کے ایک ماہ بعد، جو اقوام متحدہ کا آخری باقی ماندہ علاقہ ہے۔25 مئی 1994 کو منظور کی گئی ایک قرارداد کے ذریعے، کونسل نے سالانہ اجلاس کی ذمہ داری کو ختم کرنے کے لیے اپنے قواعد وضوابط میں ترمیم کی اور ضرورت پڑنے پر اس کے فیصلے یا اس کے صدر کے فیصلے سے۔اس کے ارکان یا جنرل اسمبلی یا سلامتی کونسل، یا اکثریت کی درخواست پر ملاقات کرنے پر اتفاق کیا۔

سیکرٹریٹ

اقوام متحدہ کا سیکرٹریٹ اقوام متحدہ کے روزمرہ کے کام کو انجام دیتا ہے جیسا کہ جنرل اسمبلی اور تنظیم کے دیگر اہم اداروں کی طرف سے حکم دیا گیا ہے۔اس کے سربراہ سیکرٹری جنرل ہوتے ہیں، جنہیں جنرل اسمبلی نے سلامتی کونسل کی تعریف پر پانچ سالہ، قابل تجدید مدت کے لیے مقرر کیا ہے۔

سیکرٹریٹ کی طرف سے انجام دیئے جانے والے فرائض اقوام متحدہ کی طرف سے مسائل سے نمٹنے کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ان میں امن قائم کرنے کی کارروائیوں کے انتظام سے لے کر بین الاقوامی تنازعات میں ثالثی تک، معاشی اور سماجی رجحانات اور مسائل کا سروے کرنے سے لے کر انسانی حقوق اور پائیدار ترقی پر مطالعات کی تیاری تک شامل ہیں۔سیکرٹریٹ کا عملہ بھی اقوام متحدہ

کے کام کے بارے میں دنیا کے مواصلاتی ذرائع ابلاغ کو تشکیل دیتا ہے۔ عالمی سطح پر تشویش کے مسائل پر بین الاقوامی کانفرنسوں کا انعقاد؛ اور تنظیم کی سرکاری زبانوں میں تقاریر اور ترجمہ شدہ دستاویزات کی ترجمانی کرتا ہے۔

سیکرٹریٹ کے دفاتر نیویارک میں اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر میں واقع ہیں۔ اس کے جنیوا، ویانا اور نیروبی میں برانچ آفس بھی ہیں۔

اقوام متحدہ کا تنقیدی جائزہ

اقوام متحدہ ایک دوراہے پر کھڑی ہے۔ اپنے پیشرو، لیگ آف نیشنز کے برعکس، وہ قائم ہے، اور اپنے 75 سالوں میں سب سے بڑے اور سب سے زیادہ نمائندہ عالمی کثیر جہتی ادارے کے طور پر، اس نے بہت سی کامیابیاں درج کی ہیں۔ 1945 میں تنظیم کی تشکیل کے بعد سے اقوام متحدہ میں اصلاحات ایجنڈے پر ہیں۔ دنیا معاشی، سماجی اور تکنیکی طور پر اس سے بہت مختلف نظر آتی ہے جو دوسری جنگ عظیم کی راکھ سے ابھری تھی۔ طاقت کی تقسیم بھی کافی بدل چکی ہے۔ عالمی اداروں کو ان تبدیلیوں کی عکاسی کرنے یا قانونی حیثیت کھونے کی ضرورت ہے اقوام متحدہ کی اصلاحات کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ پھر بھی اس نے ایک نئی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ وبائی مرض کے علاوہ، دیگر چیلنجز: موسمیاتی تبدیلی، جوہری پھیلاؤ، مصنوعی ذہانت، ڈیجیٹل معیشت، اور بین الاقوامی دہشت گردی دباؤ ڈال رہے ہیں۔

تنظیم کو درپیش سب سے بڑا چیلنج، جس نے اسے بار بار اہم عالمی مسائل پر فیصلہ کن کارروائی کرنے سے روکا ہے- ابھرتے ہوئے عناصر کی نظر میں سلامتی کونسل کے مستقل اراکین کے درمیان عدم لچک ہے، چاہے حکومتیں ہوں یا ان کے عوام۔ سلامتی کونسل کو مزید جامع، نمائندہ، شفاف اور موثر بنانے اور زیادہ تعاون اور اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے اصلاحات کرنا، اس لیے اقوام متحدہ کی مجموعی کامیابی کے لیے اہم ہے۔

سلامتی کونسل جیسا کہ اس وقت رکنیت، افعال اور اختیارات کے لحاظ سے تشکیل دیا گیا ہے، دنیا کو گھیرے ہوئے ہزارہا بحرانوں کا موثر حل نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ طاقتور ممالک کثیر الجہتی اور اجتماعی کارروائی کی قیمت پر یکطرفہ پسندی، پاپولزم اور قوم پرستی کی طرف بڑھ رہے ہیں، ایک متحد اور آگے نظر آنے والی سلامتی کونسل وسیع تر اقوام متحدہ کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مؤثر طریقے سے چلانے کی اہلیت رکھتی ہے۔ افریقی نقطہ نظر سے، سلامتی کونسل کی اصلاح ایزولوینی اتفاق رائے کے مطابق ہونی چاہیے، جس میں افریقہ کے لیے دو اضافی مستقل نشستیں اور دو اضافی منتخب نشستیں تجویز کی گئی ہیں۔ اس تجویز کے تحت دو مستقل ارکان کو ویٹو پاور سمیت مستقل رکنیت کے تمام استحقاق اور مراعات دی جائیں گی۔

دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد سیکیورٹی کی حرکیات نے ایک منقسم یورپ کو سنبھالنے اور سوویت بلاک سے اس کے اطراف کی حفاظت پر توجہ مرکوز کی۔ آج، انڈو پیسفک عالمی اقتصادی اور سیاسی ایجنڈے کو چلا رہا ہے۔ عالمی ادارہ جاتی فریم ورک کو اس تبدیلی کی

عکاسی کرنی چاہیے، خاص طور پر جب اقوام متحدہ کی کمزوری خود منتخب گروپوں کے پھیلاؤ کی طرف لے جا رہی ہے- نام نہاد کثیر جہتی اور منی لیٹرل فورم۔ آمادہ افراد کے ان اتحادوں کو نہ صرف روایتی سیکورٹی مسائل بلکہ غیر روایتی مسائل، جیسے جاری کوویڈ۔19 بحران سے نمٹنے کے زیادہ موثر اور موثر طریقوں کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ سیکورٹی کی تعریفیں کافی حد تک بدل گئی ہیں۔ سلامتی کونسل نے ابھی تک نئی حقیقت کو اپنانا ہے۔ اقوام متحدہ کے نظام کی کوویڈ۔19 بحران کے دوران اس موقع پر اٹھنے میں ناکامی کا اس کے عالمی اثر و رسوخ پر خاصا اثر پڑے گا۔

اقوام متحدہ کی اصلاحات کا مسئلہ بھی مناسب وسائل کی فراہمی کو یقینی بنانے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ مناسب وسائل کی فراہمی کے بغیر اصلاحات پر بحث کرنے سے کہیں نہیں جائے گا۔ جب کہ کچھ ممالک نے بتدریج اقوام متحدہ کو اپنے انتہائی اہم چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے نئے فریم ورک کے حق میں زور دیا ہے، وہیں دوسرے اپنے تنگ مفادات کو آگے بڑھانے کے لیے اقوام متحدہ کے نظام کو کھیل رہے ہیں۔ مثال کے طور پر، اقوام متحدہ کے عہدیداروں اور ایجنسیوں کو چین کے بیلٹ اینڈ روڈ انیشی ایٹو کے چیمپئن ہونے کا خطرہ بہت زیادہ ہے۔

یہ اور دیگر چیلنجز بڑھ رہے ہیں۔ ہندوستان کے لیے، بہت سی دوسرے ممالک کی طرح، جمود اب کوئی قابل عمل راستہ نہیں ہے۔ اگر اقوام متحدہ کی اصلاحات ناکام ہو جاتی ہیں تو آنے والے برسوں میں اقوام متحدہ کے لیے نئی دہلی کا نقطہ نظر نمایاں طور پر تبدیل ہوسکتا ہے کیونکہ ہندوستان اس کا حل کہیں اور تلاش کرنا ضروری محسوس کرے گا۔ اور ہندوستان ایسا کرنے والا واحد ملک نہیں ہوگا۔

1	ٹریگو جھوٹ	ناروے	1946-1953
2	ڈیگ ہمارسکجولڈ	سویڈن	1953-1961
3	یوتھانٹ	برما (میانمار)	1962-1971
4	ڈاکٹر کرٹ والڈھیم	آسٹریا	1971-1981
5	زاویر پریز ڈی سیولار	پیرو	1982-1992
6	ڈاکٹر بوتروس بوتروس غالی	مصر	1992-1997
7	کوفی عنان	گھانا	1997-2006
8	بان کی مون	جنوبی کوریائی	2007 -2016
9	انتونیو گوٹیرس	پرتگال	2017-آج تک

لغت

بین الاقوامی عدالت انصاف کو دو طرح کے اختیارات حاصل ہیں یعنی تنازعات کا تصفیہ اور مشاورتی رائے دینا۔

مثالی امتحانی سوالات:

i۔ اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کی وضاحت کیجئے

ii۔ یو این او کے اداروں پر بحث کیجئے

iii۔ بین الاقوامی عدالت انصاف کے بارے میں لکھیں

iv۔ ٹرسٹی شپ کونسل کے بارے میں لکھیں

v۔ ای سی او ایس سی او کیا ہے؟

vi۔ سلامتی کونسل کے کوئی دو کارکردگی کے بارے میں بتائیے۔

صحیح جواب کا انتخاب کیجئے:

الف۔ اقوام متحدہ کی کتنی سرکاری زبانیں ہیں..................

چھ / پانچ / سات

ب۔ بین الاقوامی عدالت انصاف واقع ہے..................

جنیوا / دی ہیگ / نیویارک

ج۔ سلامتی کونسل میں ویٹو اختیار والے کتنے ممالک ہیں؟..........

دس / پندرہ / پانچ

د۔ کونسا ملک اقوام متحدہ کا رکن نہیں ہے......................

ہندوستان / موزمبق / اسرائیل / فلسطین

32

32۔ اقوام متحدہ اور عصری مسائل

THE UNITED NATIONS ORGANIZATION AND CONTEMPORARY ISSUES

دہشت گردی

انسانی حقوق

ماحولیاتی مسائل

دنیا کی واحد حقیقی عالمگیر عالمی تنظیم کے طور پر، اقوام متحدہ ایسے مسائل کو حل کرنے کا سب سے اہم فورم بن گیا ہے جو قومی حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور انہیں تنہا کوئی ایک ملک حل نہیں کرسکتا۔ امن کی حفاظت، انسانی حقوق کے تحفظ، بین الاقوامی انصاف کے لیے فریم ورک کا قیام اور اقتصادی اور سماجی ترقی کو فروغ دینے کے اس کے ابتدائی اہداف بھی، اقوام متحدہ نے اپنی تخلیق کے بعد سات دہائیوں میں ایڈز، بڑے اعداد وشمار اور موسمیاتی تبدیلی جیسے نئے چیلنجوں میں اضافہ کیا ہے۔ جب کہ تنازعات کا حل اور امن قائم کرنا اس کی سب سے زیادہ نظر آنے والی کوششوں میں شامل ہے، اقوام متحدہ اپنی خصوصی ایجنسیوں کے ساتھ دنیا بھر میں لوگوں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے وسیع پیمانے پر سرگرمیوں میں مصروف ہے- آفات سے نجات، تعلیم اور خواتین کی ترقی کے ذریعے۔ جوہری توانائی کے پرامن استعمال کے لیے

1) عالمی ماحولیاتی مسائل کی وضاحت کریں۔

2) مختلف بین الاقوامی حکومتوں کو سمجھیں جو مختلف ماحولیاتی مسائل سے نمٹنے کے لیے بنائے گئے تھے۔

1۔ دہشت گردی کی تعریف

آج، تمام قومی ریاستیں کسی نہ کسی شکل میں دہشت گردی کے مسئلے سے دوچار ہیں، سرد جنگ کے بعد کی ریاستوں کے ٹوٹ پھوٹ، اور جدید روایتی ہتھیاروں اور جانکاری میں ڈوبی ہوئی دنیا کی سرد جنگ کی میراث نے اس کی مدد کی ہے۔ دنیا بھر میں دہشت گردی کا پھیلاؤ بلقان، افغانستان، کولمبیا اور بعض افریقی ممالک جیسے علاقوں میں تنازعات اور حکمرانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے پیدا

ہونے والے استحکام کے خلاف نے دہشت گردی کی تربیت اور بھرتی کی سرگرمیوں کے لیے علاقوں کو تیار کیا، جبکہ اسمگلنگ اور منشیات کی اسمگلنگ کے راستوں سے اکثر دہشت گرد دنیا بھر میں کارروائیاں کرتے ہیں۔ بین الاقوامی نقل وحمل اور مواصلات کی بڑھتی ہوئی آسانی کے ساتھ، حمایت فراہم کرنے کے لیے ایران اور عراق وغیرہ کی ریاستوں کی مسلسل آمادگی، اور غیر انسانی نظریات کی وجہ سے جو بڑے پیمانے پر جانی نقصان کے حملوں کو قابل بناتے ہیں، دہشت گردی کے تشدد کی مہلک صلاحیت نئی بلندیوں پر پہنچ گئی ہے۔ آج، دہشت گردی ایک ایسا تصور ہے جس کا تعلق نہ صرف تشدد پھیلانے کے لیے ہتھیاروں کے استعمال تک محدود ہے، بلکہ اس نے وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے پہلوؤں کو اپنایا ہے اور اب اسے حیاتیاتی دہشت گردی، سائبر دہشت گردی، ماحولیاتی دہشت گردی، جوہری دہشت گردی نیز ریاستی دہشت گردی کے تحت درجہ بند کیا گیا ہے۔

2۔ دہشت گردی کو سمجھنا

'دہشت گردی' کی اصطلاح کا سب سے پہلے ریکارڈ شدہ استعمال 1795 میں ہوا تھا۔ فرانسیسی حکومت نے 'دہشت کا راج' کی اصطلاح استعمال کی۔ حکومت مخالف سرگرمیوں کے لیے لفظ 'دہشت گرد' کا استعمال 1866 میں آئرلینڈ کا حوالہ دیتے ہوئے اور 1883 میں روس کا حوالہ دیتے ہوئے ریکارڈ کیا گیا تھا۔

تعریفات

دہشت گردی کی شناخت تشدد اور دہشت گردی کی سرگرمیوں کے لیے استعمال کیے جانے والے طریقوں اور حربوں سے ہوتی ہے۔ دہشت گردی عام طور پر شہریوں کو نشانہ بناتی ہے جس کا واحد مقصد خوف اور تشدد پیدا کرنا ہوتا ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، مقصد اور بنیادی وجہ کے درمیان جس کے لیے تشدد کا استعمال کیا جاتا ہے، اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاریخی طور پر، 'دہشت گردی' کی اصطلاح شہریوں کے خلاف کسی بھی ریاستی تشدد کو بیان کرتی ہے۔ تاہم، عام اطلاق میں، دہشت گردی کسی شخص یا گروہ کی طرف سے پرتشدد طریقوں کا اطلاق ثابت ہوا ہے تاکہ مذہبی اخراج یا ظلم وستم، نظریاتی یا نسلی نوعیت کے مسائل جیسے اسباب کے لیے خاطر خواہ خونریزی اور جنون پیدا کیا جاسکے۔

دہشت گردی ایک مجرمانہ فعل ہے جو فوری شکار سے آگے حاضرین کو متاثر کرتا ہے۔ دہشت گرد کی حکمت عملی پرتشدد کارروائیوں کا ارتکاب کرنا ہے جو مقامی آبادی، حکومت اور دنیا کی توجہ ان کے مقصد کی طرف مبذول کرائے، دہشت گرد زیادہ سے زیادہ تشہیر حاصل کرنے کے لیے اپنے حملے کی منصوبہ بندی کرتا ہے، اس ہدف کا انتخاب کرتا ہے جو ان کی مخالفت کی علامت ہوتا ہے۔ دہشت گردی کی کارروائی کی تاثیر خود اس کی کارروائی میں نہیں ہے، بلکہ اس کارروائی پر عوام یا حکومت کے ردعمل میں ہے (مثال کے طور پر، 11 ستمبر 2001 میں القاعدہ دہشت گرد تنظیم کا ٹوئن ٹاورز پر حملہ) ان کا فوری شکار ہزاروں امریکی تھے جو مارے گئے اور بہت سے

لوگ زخمی ہوئے۔ان کا اصل ہدف امریکی حکومت اورامریکی کانگریس تھی۔'دہشت گردی'ایک جان بوجھ کراور نپا تلا تشدد یا خطرہ ہے جس کو درج ذیل اہداف کے حصول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے: سیاسی، مذہبی اور نظریاتی۔

دہشت گردی کے تناظر

دہشت گردی کے تین نقطہ نظر ہیں: دہشت گرد، متاثرین، اور عام عوامی نقطہ نظر۔ دہشت گرد اپنے آپ کو برا نہیں سمجھتے۔ان کا ماننا ہے کہ وہ جائز جنگجو ہیں، جس چیز پر وہ یقین رکھتے ہیں اس کے لیے ہر ممکن طریقے سے لڑ رہے ہیں۔ایک شکار دہشت گردی کی کارروائی ہے دہشت گرد کو ایک مجرم کے طور پر دیکھتا ہے جس میں انسانی جان کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی ہے۔ عام عوام کا نظریہ سب سے زیادہ غیر مستحکم ہے۔ دہشت گرد اپنے مقصد کی طرف عام لوگوں کے نقطہ نظر کو تبدیل کرنے کی امید میں ایک مثبت امیج کو فروغ دینے کے لئے بہت مشقت کرتا ہے۔ دہشت گردی کے بارے میں یہ ہمدردانہ نظریہ ان کی نفسیاتی جنگ کا ایک لازمی حصہ بن چکا ہے اور اس کا مقابلہ ممالک کو بھرپور طریقے سے کرنے کی ضرورت ہے۔

دہشت گردی اور بغاوت کے درمیان فرق:

گوریلا جنگ اور بغاوت کو اکثر دہشت گردی کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ شورش اور دہشت گردی کے اکثر مقاصد ایک جیسے ہوتے ہیں۔ تاہم، اگر ہم بغاوت اور گوریلا جنگ کا جائزہ لیں تو مخصوص اختلافات سامنے آتے ہیں۔ایک اہم فرق یہ ہے کہ انشورنس ایک لمحہ ہے ایک مخصوص مقصد کے ساتھ سیاسی کوشش۔ شورش کا حتمی مقصد موجودہ حکومت کو اپنے علاقے کے تمام یا ایک حصے پر کنٹرول کے لیے چیلنج کرنا ہے، یا سیاسی طاقت کے اشتراک میں سیاسی رعایتوں پر مجبور کرنا ہے۔ بغاوت میں شامل آبادی کے کچھ حصے کی فعال یا خاموش حمایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں ایک دہشت گرد گروہ کو آبادی کے ایک بڑے حصے کی فعال حمایت یا حتیٰ کہ آپ کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہوتی اور شاذ و نادر ہی اسے حاصل ہوتا ہے۔

دہشت گردی، سرکاری افواج کو براہ راست چیلنج کرنے کی کوشش نہیں کرتی ہے ایک اصول کے طور پر دہشت گرد، سرکاری افواج کے ساتھ براہ راست تصادم سے گریز کرتے ہیں۔ بالآخر، شورش اور دہشت گردی کے درمیان فرق محرک کے ارادے پر آتا ہے۔شورش اپنے اہداف کے حصول کے لیے جنگ کے قانون کے حوالے سے بین الاقوامی اصولوں کی پابندی کر سکتی ہے، لیکن دہشت گردی کی نوعیت مطلق العنان ہے کیونکہ اس کے اہداف انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

دہشت گردی کی اقسام

دہشت گردی کی مختلف اقسام قانون سازوں، سلامتی کے ماہرین اور اسکالرز نے بیان کی ہیں۔اقسام اس لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں کہ حملہ آور کس قسم کے ایجنٹوں استعمال کرتا ہے (مثال کے طور پر حیاتیاتی) یا جس چیز کا وہ دفاع کرنے کی کوشش کر رہے ہیں

(جیسا کہ ماحولیاتی دہشت گردی میں)۔اس وقت تک، جدید گروہوں نے اپنے مطالبات پر زور دینے کے لیے ہائی جیکنگ، بمباری، سفارتی اغوا اور قتل جیسی تکنیکوں کا استعمال کرنا شروع کر دیا، انہوں نے دہشت گردی کی مختلف اقسام میں فرق کرنا شروع کر دیا تاکہ یہ سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ اس کا مقابلہ کیسے کیا جائے اور اسے کیسے روکا جائے۔ یہاں، دہشت گردی کی اقسام کی ایک جامع فہرست فراہم کی گئی ہے۔

1) سرکاری دہشت گردی: تین مختلف طریقے ہیں جن سے ممالک دہشت گردی کے استعمال کو جنم دے سکتے ہیں: حکومت یا سرکاری دہشت گردی: جہاں کوئی حکومت اپنی آبادی کو کنٹرول کرنے یا دبانے کے لیے دہشت زدہ کرتی ہے۔ یہ عمل عام طور پر حکومت کی تسلیم شدہ پالیسی تشکیل دیتا ہے، اور سرکاری ادارے جیسے کہ عدلیہ، پولیس، ملٹری اور دیگر سرکاری ادارے استعمال کرتے ہیں۔ (صدام حسین نے اپنے شہریوں پر طاقت کے استعمال کے حوالے سے پالیسیوں میں کسی خاص تبدیلی یا توسیع کے بغیر اپنی ہی کرد آبادی پر کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال کیا)۔

2) دہشت گردی میں مملکت کی شمولیت: یہ وہ سرگرمیاں ہیں جو حکومت کی ذاتی کارروائیوں کے ذریعے دہشت گردی کا استعمال کرتے ہوئے انجام دی جاتی ہیں اس سرگرمی کو دوسری قوموں، اس کی اپنی آبادی، یا نجی گروپ یا ریاست کے لیے خطرناک سمجھے جانے والے افراد کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بہت سے معاملات میں، یہ سرگرمیاں سرکاری منظوری کے تحت دہشت گردی ہیں حالانکہ اس طرح کی اجازت کو کھلے عام تسلیم کیا جاتا ہے۔ تاریخی مثالوں میں ان سوویت اور ایرانیوں کے قتل کی مہمات شامل ہیں جو بیرون ملک فرار ہو گئے تھے اور لیبیا اور شمالی کوریا کے انٹیلی جنس کارندوں نے بین الاقوامی پروازوں پر ایئر لائنز کو مار گرایا تھا۔

3) دہشت گردی کی سرکاری سرپرستی؛ حکومت کی حمایت یافتہ دہشت گردی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے جہاں حکومتیں غیر ریاستی دہشت گرد تنظیموں کو رسد، تربیت اور دیگر اقسام کی مدد فراہم کرتی ہیں۔ اس مدد کی سب سے قیمتی اقسام میں سے ایک دہشت گرد تنظیموں کے لیے محفوظ پناہ گاہ یا طبعی اڈوں کی فراہمی ہے۔ بصورت دیگر وسیع وسائل کے بغیر گروپس کے لیے آسانی سے دستیاب ہے۔ آخر میں، سفارتی تحفظ اور خدمات کی توسیع، جیسے حوالگی سے استثنیٰ، سفارتی پاسپورٹ کی فراہمی وغیرہ۔ سرکاری سرپرستی کی ایک مثال شامی حکومت کی طرف سے لبنان میں حماس اور حزب اللہ کی حمایت ہے۔ شامی وسائل اور تحفظ نے وادی بیکا میں تربیتی مراکز کو فعال کیا۔

2۔ حیاتیاتی دہشت گردی

حیاتیاتی دہشت گردی سے مراد کسی سیاسی یا کسی اور وجہ کے نام پر شہریوں کو نقصان پہنچانے اور دہشت زدہ کرنے کے لیے زہریلے حیاتیاتی ایجنٹوں کو جان بوجھ کر چھوڑنا ہے۔ یو ایس سینٹر فار ڈیزیز کنٹرول نے مختلف وائرس، بیکٹیریا اور زہریلے مادوں کی درجہ بندی کی ہے جو حیاتیاتی دہشت گرد حملہ میں استعمال ہو سکتے ہیں۔ زمرہ A حیاتیاتی بیماریاں وہ ہیں جو سب سے زیادہ نقصان پہنچاتی ہیں۔ ان میں شامل ہیں: اینتھراکس (بیسیلس اینتھراسیس)

ایبولا وائرس یا ماربرگ وائرس کی وجہ سے بوٹولزم (کلوسٹریڈیم بوٹولینم ٹاکسن)، طاعون (یرسینیا پیسٹس)، چیچک (ویریولا میجر)،ٹولریمیا (فرانسیسیلا ٹولینسس)، ہیمرج بخار آتے ہیں۔

1۔ **سائبر دہشت گردی:** سائبر دہشت گرد شہریوں پر حملہ کرنے کے لیے انفارمیشن ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہیں اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ذریعے اپنے مقصد کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں۔ سائبر دہشت گردی سے مراد خود انفارمیشن ٹیکنالوجی پر حملہ ہے جو نیٹ ورک کی خدمات کو یکسر متاثر کرے گا۔ مثال کے طور پر، سائبر دہشت گرد نیٹ ورک ایمرجنسی سسٹم کو غیر فعال کر دیتے ہیں یا اہم مالیاتی معلومات رکھنے والے نیٹ ورکس کو ہیک کر لیتے ہیں۔

2۔ **ماحولیاتی دہشت گردی:** ماحولیاتی دہشت گردی ایک حال ہی میں وضع کی گئی اصطلاح ہے جو ماحولیات کے مفادات کے سلسلے میں ہونے والے تشدد کو بیان کرتی ہے۔ عام طور پر، ماحولیاتی انتہا پسند صنعتوں یا اداکاروں کو معاشی نقصان پہنچانے کے لیے املاک کو سبوتاژ کرتے ہیں جنہیں وہ جانوروں یا قدرتی ماحول کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان میں فر کمپنیاں، لاگنگ کمپنیاں اور جانوروں کی تحقیق کی لیبارٹریز شامل ہیں۔

3۔ **جوہری دہشت گردی:** جوہری دہشت گردی سے مراد بہت سے مختلف طریقوں سے ہے جن میں جوہری مواد کو دہشت گردی کے حربے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان میں جوہری تنصیبات پر حملہ کرنا، جوہری ہتھیاروں کی خریداری، یا جوہری ہتھیار بنانا یا بصورت دیگر تابکار مواد کو منتشر کرنے کے طریقے تلاش کرنا شامل ہیں۔

4۔ **منشیاتی دہشت گردی:** 1983 میں منشیاتی دہشت گردی کی اصطلاح تیار کی گئی۔ یہ ایک بار حکومتوں پر اثر انداز ہونے یا منشیات کی تجارت کو روکنے کے لیے حکومتی کوششوں کو متاثر کرنے کے لیے منشیات کے اسمگلروں کے ذریعے استعمال کیے جانے والے تشدد کی نشاندہی کرتا تھا۔ پچھلے کئی سالوں میں، منشیات کی دہشت گردی کو ایسے حالات کی نشاندہی کرنے کے لیے استعمال کیا گیا ہے جن میں دہشت گرد گروہ منشیات کی اسمگلنگ کو اپنی دیگر کارروائیوں کے لیے فنڈ فراہم کرتے ہیں۔

مذہبی دہشت گردی: سال 1979 بین الاقوامی دہشت گردی میں ایک اہم موڑ تھا۔ پوری عرب دنیا اور مغرب میں، ایرانی اسلامی انقلاب نے انقلابی شیعہ اسلام کی لہر کے خوف کو جنم دیا۔ افغانستان پر سوویت یونین کے حملے اور اس کے نتیجے میں 1979 سے 1989 تک جاری رہنے والی سوویت مخالف مجاہدین جنگ نے دہشت گرد گروہ حزب اللہ کے عروج اور توسیع کو تحریک دی۔

انسانی حقوق:

انسانی حقوق کا تصور اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسانی حقوق تمام انسانوں کے لیے موروثی ہیں، خواہ ان کی قومیت، رہائش کی جگہ، جنس، قومی یا نسلی اعضاء، رنگ مذہب، زبان یا کوئی اور حیثیت ہو۔ بغیر کسی امتیاز کے سب انسانی حقوق کے یکساں حقدار ہیں۔ یہ حقوق سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے، ایک دوسرے پر منحصر اور ناقابل تقسیم ہیں۔

تعارف:

انسانی حقوق کا بین الاقوامی قانون حکومتوں کی ذمہ داریوں کو متعین کرتا ہے کہ وہ انسانی حقوق اور نا قابل تقسیم یا گروہوں کی بنیادی آزادیوں کو فروغ دینے اور تحفظ فراہم کرنے کے لیے کچھ طریقوں سے کام کریں یا کچھ کارروائیوں سے باز رہیں۔ یونیورسل ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس (UDHR) انسانی حقوق کے تحفظ کے بین الاقوامی نظام کی بنیاد ہے۔ اسے 10 دسمبر 1948 کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے منظور کیا تھا۔ عالمی انسانی حقوق کا اظہار اور ضمانت قانون کے ذریعے معاہدوں، روایتی بین الاقوامی قانون، عمومی اصولوں اور بین الاقوامی قانون کے دیگر ذرائع میں کی جاتی ہے۔

اقوام متحدہ کے بانیوں نے دوسری عالمی جنگ کے دوران جرمنی میں نازیوں کی طرف سے کئے جانے والے ہولناک مظالم کا جواب تنظیم کے چارٹر میں انسانی حقوق پر زور دے کر دیا۔ سان فرانسسکو کانفرنس میں، جہاں چارٹر کو اپنایا گیا، تقریباً 40 غیر سرکاری تنظیموں نے انسانی حقوق پر نسبتاً مضبوط زبان کے لیے مندوبین کی کامیابی کے ساتھ پیروی کی۔ 10 دسمبر کو ہر سال بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یو ڈی ایچ آر کے 30 ویں آرٹیکل تمام لوگوں کے شہری، سیاسی، اقتصادی، سماجی اور ثقافتی حقوق کو قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ انسانی وقار پر زور دیتا ہے اور سیاسی حدود اور اختیار کو ختم کرتا ہے، حکومتوں کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ موجودہ سماجی، اقتصادی، ثقافتی پس منظر میں موجود ہر فرد کے بنیادی حقوق کو برقرار رکھے۔ اقوام متحدہ کے چارٹر پر 26 جون 1965 کو دستخط کیے گئے۔

میگنا کارٹا۔

1215 میں، دی میگنا کارٹا نے 13 ویں صدی کے انگلینڈ میں بادشاہ کے استعمال کردہ اختیارات کی حد مقرر کی، انگلینڈ کے بادشاہ جان نے بہت سے قدیم قوانین اور رسوم و رواج کی خلاف ورزی کی جن کے تحت انگلینڈ حکومت کرتا تھا، اس کی رعایا نے اسے میگنا کارٹا پر دستخط کرنے پر مجبور کیا۔ ان میں چرچ کا سرکاری مداخلت سے آزاد ہونے کا حق، آزاد شہریوں کے جائیداد کے مالک اور وراثت کے حقوق اور ٹیکس سے محفوظ رہنے کا حق، اس نے جائیداد کی مالک خواتین کے حق کو قائم کیا کہ وہ دوبارہ شادی نہ کرنے کا انتخاب کریں، اور اس کے اصولوں کو قائم کیا۔ قانون کے سامنے مناسب عمل اور مساوات۔ اس میں رشوت خوری اور سرکاری بدانتظامی کی بھی دفعات شامل تھیں۔ فلسفیانہ طور پر، 1776 کے امریکی اعلانِ آزادی نے موضوعات پر زور دیا۔ انفرادی حقوق اور انقلاب کے حقوق یہ تصورات امریکیوں کے قبضے میں چلے گئے اور بین الاقوامی سطح پر پھیل گئے، خاص طور پر فرانسیسی انقلاب کو متاثر کیا۔ 1789 کا فرانسیسی اعلامیہ (انسان اور شہری کے حقوق کا اعلان) اس بات کا گواہ تھا کہ کس طرح انقلابی تصورات کو قومی قانون میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور مستقبل میں ہونے والی زیادتیوں کے خلاف قابل انصاف ضمانتوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اعلامیہ میں پہلے سے اعلان کیا گیا کہ تمام شہریوں کو آزادی، جائیداد، سلامتی اور جبر کے حقوق کی ضمانت دی جائے۔

شہری اور سیاسی حقوق پر بین الاقوامی عہد

انسانی حقوق میں، شہری اور سیاسی حقوق کو بہت اہمیت دی جاتی ہے کیونکہ وہ سیاسی طاقت کے غلط استعمال کی صورت میں فرد کو تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے ملک کے سیاسی عمل میں حصہ لینے کے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ شہری اور سیاسی حقوق میں غلامی، تشدد اور من مانی گرفتاری سے آزادی شامل ہے۔ سوچ، رائے اور مذہب کی آزادی؛ منصفانہ ٹرائل کا حق اور قانون کے سامنے مساوات۔ عہد نامے کو مندرجہ ذیل چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1۔ حق خود ارادیت۔

2۔ ممالک کی عمومی ذمہ داریوں کو وضع کرتا ہے، بنیادی طور پر عہد کے اثر کو قانون کے طور پر پیش کرنا، متاثرین کو موثر علاج فراہم کرنا اور صنفی مساوات کی ضمانت دینا؛ یہ تقریری یا تحریری بدسلوکی کے امکان کو بھی محدود کرتا ہے۔

3۔ شہری اور سیاسی حقوق بشمول

3.1 زندگی کا حق۔

3.2 اذیت کی ممانعت۔

3.3 آزادی اور شخصی سلامتی کا حق۔

3.4۔ منصفانہ سماعت کا حق۔

3.5۔ رازداری کا حق

3.6۔ آزادی مذہب، اظہار رائے اور پر امن اجتماع کا حق

3.7۔ خاندانی زندگی کا حق

3.8۔ بچوں کے خصوصی تحفظ کے حقوق۔

3.9۔ عوامی امور کے انعقاد میں حصہ لینے کا حق۔

3.10۔ مساوی سلوک کا بنیادی حق، اور

3.11۔ نسلی، مذہبی اور لسانی اقلیتوں کے ارکان کے خصوصی حقوق۔

خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے پر کنونشن۔

18 دسمبر 1979 کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے کے کنونشن کو اپنایا۔ بیسویں ملک کی طرف سے اس کی توثیق کے بعد یہ 3 ستمبر 1981 کو ایک بین الاقوامی معاہدے کے طور پر افواج میں داخل ہوا۔

1989 میں کنونشن کی دسویں سالگرہ تک تقریباً ایک سوممالک نے اس کی دفعات کے پابند ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ یہ کنونشن خواتین کی حیثیت اور خواتین کے حقوق کو فروغ دینے کے لیے اقوام متحدہ کے کمیشنوں کے تیس سال سے زیادہ کام کا اختتام تھا۔ کمیشن کا کام ان تمام شعبوں کو سامنے لانے کا ذریعہ رہا ہے جن میں خواتین کو مردوں کے ساتھ برابری سے محروم رکھا جاتا ہے۔ خواتین کی ترقی کے لیے ان کوششوں کے نتیجے میں کئی اعلانات اور کنونشنز سامنے آئے ہیں، جن میں خواتین کے خلاف ہر قسم کے امتیازی سلوک کے خاتمے کا کنونشن مرکزی اور سب سے جامع دستاویز ہے۔ انسانی حقوق کے بین الاقوامی معاہدوں میں، کنونشن انسانیت کے نصف نصف خواتین کو انسانی حقوق کے تحفظات کے مرکز میں لانے میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ کنونشن کی روح کی جڑیں اقوام متحدہ کے بنیادی انسانی حقوق، مرد اور عورت کے مساوی حقوق میں انسانی شخص کے وقار اور قدر پر یقین کی تصدیق کے لیے ہیں۔ موجودہ دستاویز مساوات کے معنی اور اسے کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے اس کی ہجے کرتی ہے۔ ایسا کرتے ہوئے کنونشن اسٹیبلشمنٹ خواتین کے حقوق کے بل کی ضمانت نہیں دیتا بلکہ ان حقوق سے لطف اندوز ہونے کی ضمانت دے کر عمل کا ایجنڈا بھی بناتا ہے۔ بچوں کے حقوق سے متعلق کنونشن۔

20 نومبر 1989 کو جنرل اسمبلی کی قرارداد 44 / 25 کے ذریعے دستخط، توثیق اور الحاق کے لیے اپنایا اور کھولا گیا، یہ آرٹیکل 49 کے مطابق 2 ستمبر 1990 کو نافذ ہوا کہ بچہ، اس کی شخصیت کی مکمل اور ہم آہنگی کی نشوونما کے لیے۔ خاندانی ماحول میں، خوشی، محبت اور افہام وتفہیم کے ماحول میں پروان چڑھنا چاہیے، اس بات پر غور کرتے ہوئے کہ بچے کو معاشرے میں انفرادی زندگی گزارنے کے لیے پوری طرح تیار ہونا چاہیے، اور اس کی پرورش ان نظریات کی روح کے مطابق ہونی چاہیے جس کا منشور میں بیان کیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ اور خاص طور پر امن، وقار، رواداری، آزادی، مساوات اور یکجہتی کے جذبے میں

نسل کشی:

نسل کشی ایک اصطلاح کے طور پر دوسری جنگ عظیم کے بعد ہی عام استعمال میں آئی، جب اس تنازعہ کے دوران نازی حکومت کی طرف سے یورپ کے یہودیوں کے خلاف ڈھائے جانے والے مظالم کی مکمل حد معلوم ہوگئی۔ نسل کشی کا مطلب ہے درج ذیل میں سے کوئی بھی ایسی کارروائی جس کا ارتکاب کسی قومی، نسلی، نسلی یا مذہبی گروہ کو مکمل یا جزوی طور پر تباہ کرنے کے ارادے سے کیا جائے، جیسا کہ:

(a) گروپ کے ارکان کو قتل کرنا؛

(b) گروپ کے اراکین کو شدید جسمانی یا ذہنی نقصان پہنچانا؛

(c) جان بوجھ کر زندگی کے گروہی حالات کو متاثر کرنا جو اس کی جسمانی تباہی کو مکمل طور پر یا جزوی طور پر لانے کے لیے شمار کیا جاتا ہے۔

(d) گروپ کے اندر پیدائش کو روکنے کے لیے اقدامات نافذ کرنا؛

(e) گروپ کے بچوں کوزبردستی دوسرے گروپ میں منتقل کرنا۔

1948 میں اقوام متحدہ نے نسل کشی کو بین الاقوامی جرم قرار دیا۔اس اصطلاح کا اطلاق بعد میں 1990 کی دہائی میں سابق یوگوسلاویہ اور افریقی ملک روانڈا میں تنازعات کے دوران ہونے والے تشدد کی ہولناک کارروائیوں پر کیا جائے گا۔1998 میں تقریباً 120 ممالک کی طرف سے دستخط کیے گئے ایک بین الاقوامی معاہدے نے بین الاقوامی فوجداری عدالت (آئی سی سی) قائم کی،جس کے پاس نسل کشی کے جرائم پر مقدمہ چلانے کا دائرہ اختیار ہے۔

خلاصہ

انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں آج بین الاقوامی تعلقات میں ایک بڑا مسئلہ بن کر ابھری ہیں۔تمام ریاستوں کو مسائل کا سامنا ہے چاہے اس کا تعلق نسلی امتیاز،فرقہ وارانہ مسئلہ،نسلی علاقائی تنازعات وغیرہ سے ہو ...بین الاقوامی سطح کی تنظیم جیسے ایمنسٹی انٹرنیشنل، ہیومن رائٹس واچ اقوام متحدہ کے ساتھ مل کر انسانی حقوق کے فروغ اور تحفظ کے لیے انتھک کام کر رہی ہے۔عالمگیریت کے دور میں،نقل مکانی میں اضافے کے ساتھ مختلف سماجی، اقتصادی، ثقافتی پس منظر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے درمیان تناؤ ضرور ہے۔لیکن انسانی حقوق کی ضمانت دے کر، ریاستیں لوگوں کے درمیان بہت سے تصادم کو روک سکتی ہیں۔

ماحولیاتی مسائل:

تعارف:

انسانی سرگرمیوں کی وجہ سے ماحولیاتی انحطاط کی ایک طویل اور پیچیدہ تاریخ ہے۔تاہم، یورپ کی عالمی توسیع اور صنعتی انقلاب کے دور تک ماحولیاتی انحطاط عام طور پر ناہموار اور مقامی ہے۔ماحولیاتی بحران کی حد اور پیمانہ کو صرف 20ویں صدی کے آخر میں سمجھا گیا تھا۔اوزون کی کمی، عالمی حدت، موسمیاتی تبدیلیوں میں تیزابی بارش جیسے مسائل سامنے میں آنے لگے۔وہ جلد ہی مقامی فہم کا حصہ بن گئے۔ایک مسئلہ عالمی مسئلہ اس وقت بن جاتا ہے جب وہ دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتا ہے اور دوسرا مسئلہ آسان حل کو ختم کرتا ہے/ اور تیسرا یہ ہمارے بڑھتے ہوئے باہمی انحصار کی عکاسی کرتا ہے۔ماحولیاتی مسائل جیسے گلوبل وارمنگ، موسمیاتی تبدیلی، اوزون کی کمی، مختلف سطحوں پر ماحولیاتی آلودگی، حیاتیاتی تنوع میں کمی وغیرہ عالمی مسائل بن چکے ہیں جن کے عالمی حل کی ضرورت ہے۔

اوزون کی کمی:

اوزون آکسیجن کا ایک خطہ ہے جو آکسیجن کے تین جوہروں پر مشتمل ہے۔یہ گیس ابتدائی پرت میں خاصی مقدار میں پائی جاتی ہے جو کہ فضا کی کئی پرتوں میں سے ایک ہے۔اوزون کی اہمیت یہ ہے کہ یہ سورج کی نقصان دہ الٹراوائلٹ شعاعوں کو جذب کرتا ہے،

اس طرح انہیں زمین کی سطح تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ اگر یہ شعاعیں جذب کیے بغیر زمین تک پہنچتی ہیں تو یہ جلد کے کینسر، موتیا بند، سورج کے جلنے، پودوں میں فوٹو سنتھیس کے عمل میں مداخلت کا باعث بنتی ہے۔ یووی شعاعیں جانوروں کے خلیوں کے ڈی این اے کو براہ راست نقصان پہنچاتی ہیں، اس طرح یہ واضح ہے کہ اوزون کی تہہ 'سن اسکرین' کے طور پر کام کر رہی ہے جو نقصان شعاعوں کو زمین تک پہنچنے سے روک رہی ہے۔

اوزون کلورین، فلورین اور برومین کی وجہ سے تباہی کا شکار ہے۔ انسان نے ریفریجریٹرز میں کولنٹ اور پروپیلنٹ کے طور پر استعمال ہونے والے سی ایف سی جیسے کیمیکلز کو اوزون کی تہہ سے تباہ کرنا شروع کر دیا کیونکہ یہ نچلی فضا میں مستحکم ہوتے ہیں اور جب وہ اوپری فضا میں پہنچتے ہیں اور آنے والی UV شعاعوں سے ٹوٹ جاتے ہیں، کلورین جیسے کیمیکل جاری کرنا جو اوزون کو تباہ کرتا ہے، مثال کے طور پر کلورین کا ہر ایٹم اوسطاً تقریباً 1,00,000 اوزون مالیکیول کو تباہ کرتا ہے۔ ان کیمیکلز نے اوزون کی تہہ کو پہنچنے والے نقصان سے غافل سی ایف سی کی پیداوار نے ایک ایسی صورت حال پیدا کر دی جہاں آرکٹک کے علاقے میں یہ تہہ کافی پتلی ہوگئی جسے 'اوزون ہول' کے نام سے جانا جاتا تھا، یہ سال 1985 میں دریافت ہوا تھا۔

عالمی حدت

عالمی حدت (گلوبل وارمنگ) جسے گرین ہاؤس اثرات کے نام سے بھی جانا جاتا ہے وہ اصطلاح ہے جو مسلسل بڑھتے ہوئے عالمی درجہ حرارت کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ فضا میں کچھ گیسیں ہیں جو گرین ہاؤس کے شیشے کی طرح کام کرتی ہیں جو گرین ہاؤس سے نکلنے والی گرمی کو روکتی ہیں، سب سے زیادہ تشویش کی گرین ہاؤس گیسیں کاربن ڈائی آکسائیڈ، آبی بخارات، میتھین، چیروفلوروکاربن، نائٹروجن آکسائیڈز اور ٹراپوسفیرک اوزون ہیں۔ گرین ہاؤس گیسوں کی سطح میں بتدریج اضافہ ہونا شروع ہوا جب سے صنعتی انقلاب نے جنگلات کو کاشت کے لیے راستہ بنانے میں مدد فراہم کی، تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو کھانا کھلانے کے لیے چاول کی بڑھتی ہوئی کاشت اور ڈیری فارمنگ کی وجہ سے میتھین کی سطح میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ گاڑیوں میں اضافہ اور باقیات کے ایندھن کو جلانے سے گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں اضافہ ہوا ہے۔ اگرچہ گرین ہاؤس گیسیں کرہ ارض کو منجمد ہونے سے بچاتی ہیں لیکن گرین ہاؤس گیسوں کے بڑھتے ہوئے اخراج سے زمین کے اوسط درجہ حرارت میں اضافہ ہوتا ہے جس سے آب و ہوا میں منفی تبدیلی آتی ہے۔ درجہ حرارت میں ایک ڈگری کا اضافہ بڑی قطبی ٹوپیوں کو پگھلا دے گا جس سے سمندروں میں پانی کی مقدار میں اضافہ ہوگا، جو بالآخر سمندر کی سطح کو بڑھاتا ہے اس طرح دنیا بھر کے بہت سے جزیرے اور نشیبی علاقوں کو زیر آب آجائے گا، نہ صرف یہ بدلتا ہوا موسمیاتی پروفائل موجودہ گندم کی طرف لے جائے گا۔ پیالوں کو دھول کے پیالوں میں تبدیل کیا جا رہا ہے، اور ساتھ ہی کچھ علاقے سمندری لہروں اور شدید بارشوں سے زیر آب آجائیں گے، ان تبدیلیوں کے نتیجے میں نامعلوم وائرل اور بیکٹیریل بیماریاں بھی پھیلیں گی۔

مشترکہ وسائل کا زیادہ استحصال:

عالمی مشترکہ وسائل، وہ وسائل ہیں جو بین الاقوامی برادری کے تمام اراکین کے اشتراک میں ہیں، جیسے سمندر، گہرے سمندر کی تہہ، ماحول اور بیرونی خلا۔ بہت سے لوگ دلیل دیتے ہیں کہ دنیا کے جینیاتی وسائل ایک عالمی وسائل ہیں، جنہیں مشترکہ مفاد میں محفوظ کیا جانا چاہیے۔1968 میں گیریٹ ہارڈن نے ایک نظریہ پیش کیا جسے 'ٹریجڈی آف کامنز' کے نام سے جانا جاتا ہے، جس میں برادریوں کی جانب سے عام لوگوں کے زیادہ استحصال کی وضاحت کی گئی ہے جس کے نتیجے میں ایک عام سانحہ ہوا ہے۔ یہ وہی ہے جو ملٹی نیشنل ماہی گیری کمپنیاں اپنے بڑے ماہی گیری ٹرالروں کے ساتھ سمندروں کا استحصال کر رہی ہیں اس طرح ساحلی ماہی گیری برادریوں کے ذریعہ معاش کو خطرہ لاحق ہے، مچھلیوں کی کچھ نسلیں معدوم ہونے کے دہانے پر ہیں۔ جاپانی سائنسی تجربات کے بہانے تجارتی مقصد کے لیے وہیل کا شکار کر رہے ہیں اس طرح ان بڑے ممالیہ جانوروں کے وجود کو خطرہ ہے۔ بارش کے جنگلات جو کاربن کو جذب کرنے کا کام کرتے ہیں لکڑی اور کاغذ کی صنعت کو چلانے کے لیے کاٹا جا رہا ہے آج 50 فیصد سے زیادہ رقبہ 1955 کے مقابلے میں کم ہو گیا ہے۔ نتیجتاً پودوں اور جانوروں کی دسیوں ہزار اقسام غالباً ہر سال معدوم ہو رہے ہیں۔

ماحولیاتی آلودگی کی مختلف اقسام ہیں:

فضائی آلودگی:

صنعت کاری نے زمین کے تمام حصوں میں کارخانوں اور نقل وحمل کے نظام سے فضاء کو گندہ کر دیا ہے۔، ان سے نکلنے والے دھوئیں کے ڈھیروں اور ایگزاسٹ پائپوں سے، زہریلے دھوئیں کو مسلسل ہوا میں خارج کیا جا رہا ہے۔ ہوا کی آلودگی کاربن ڈائی آکسائیڈ، کاربن مونو آکسائیڈ، سلفر آکسائیڈ، نائٹرس آکسائیڈ، ہوا سے پیدا ہونے والا سیسہ وغیرہ ہیں۔ زیادہ تر آلودگی جو کہ تیزابی بارش کی صورت میں ہوا میں داخل ہوتی ہے مثال کے طور پر سلفر بارش کے پانی کے ساتھ مل کر سلفیورک ایسڈ بناتا ہے، جب یہ زمین پر گرنے سے یہ ماحول کو صاف اور افزودہ کرنے کے بجائے گندا اور نقصان پہنچاتا ہے۔ ہوا میں موجود سیسہ کے ذرات بچوں کے دماغ کی کم نشوونما اور کینسر کا باعث بھی بن سکتے ہیں۔ جنگلات کا جلنا۔ مشرقی ایشیا میں تیل کھجور کی کاشت ایک ایسے رجحان کی طرف لے جا رہی ہے جسے 'ایشین براؤن کلاؤڈ' کے نام سے جانا جاتا ہے جو بہت سی آلودگی پھیلانے والی گیسوں کا کاک ٹیل ہے۔

پانی کی آلودگی

پانی کی آلودگی کئی طریقوں سے ہوتی ہے، میونسپل فضلہ کو پانی کے ذخائر میں چھوڑنا، صنعتی فضلے کو ندیوں اور جھیلوں میں ڈالنا۔ صنعتی فضلے جیسے مرکیوری اور کیڈمیم بہترین مثال جو جاپانی کیمیکل کمپنیوں نے سمندر اور دریاؤں میں حاصل کی تھی اس نے مچھلی کو زہریلا بنا دیا تھا اور جو لوگ ان مچھلیوں کو کھاتے تھے وہ مینا ماتا اور اٹائی اٹائی بیماری سے متاثر ہوئے تھے۔ آبی آلودگی کا ایک بڑا ذریعہ ملٹی نیشنل

کمپنیوں کا ہے جو معمول کے مطابق بڑے بڑے ٹینکروں کو صنعتی فضلے سے بھرتے ہیں جو کہ بغیر کسی استثنیٰ کے سمندروں میں پھینکے جاتے ہیں، کچھ ریاستیں تابکار فضلہ کو سمندروں میں بھی پھینکتی ہیں تا کہ ان کچرے کو ذخیرہ کرنے میں ہونے والے بھاری اخراجات کو کم کیا جا سکے۔ زیرآب جوہری تجربات نے ہمارے سمندروں کی تابکار آلودگی میں بھی حصہ ادا کیا ہے۔ سبز انقلاب نے ایک طرح سے کیمیائی کھادوں اور کیڑے مار ادویات کے بے تحاشہ استعمال کی وجہ سے پانی کو زہر آلود کرنے میں بھی کردار ادا کیا ہے جو کہ زمین میں رستے اور زیرزمینی پانی کو آلودہ کرتے ہیں۔ بہت سے بڑے تیل کے ٹینکرز بہت سے مختلف سمندروں میں ڈوب گئے اس طرح سمندری ماحولیاتی نظام کو آلودہ کیا جس نے ان علاقوں کے نباتات اور حیوانات کو ناقابل تصور نقصان پہنچایا۔

زمینی آلودگی

اس کے نتیجے میں صنعتی انقلاب نے اجناس کی پیداوار میں بڑے پیمانے پر اضافہ کیا، صارفیت پسند کلچر جو اس کے نتیجے میں پیدا ہوا اس نے پرانی مصنوعات کو ترک کرتے ہوئے نئی مصنوعات خریدنے کا دیوانہ جوش پیدا کیا۔ اس انسانی رویے نے ضائع شدہ مصنوعات کو سنبھالنے کا ایک بڑا مسئلہ پیدا کیا اور ان میں سے زیادہ تر مصنوعات میں زہریلا مواد تھا، یہ ٹھوس میونسپل فضلہ کے ساتھ بہت سے ممالک کے لیے زمینی آلودگی کا ایک بڑا مسئلہ بن گیا تھا۔ بہت سے ترقی یافتہ ممالک نے زمین مسطح کرنے کے لئے ان کا سہارا لیا جو خود اس مسئلے کو حل نہیں کر سکے لیکن درحقیقت اس میں مزید اضافہ ہو گیا کیونکہ اس زمین پر بنے مضافاتی قصبوں میں رہنے والے لوگ بیمار ہو گئے۔ پرانے بحری جہازوں کو تیسری دنیا کے شپ بریکنگ یارڈز میں پھینکنے سے زمین کو ایسبسٹوس، مرکیوری، کیڈمیم لیڈ اور دیگر مہلک کیمیکلز زہر آلود کر رہے ہیں جو جہازوں کو توڑنے کے عمل میں ہوتے ہیں۔ جدید دور میں پلاسٹک کی وجہ سے ہونے والی آلودگی۔ دنیا بھی ایک بڑی زمینی آلودگی ہے کیونکہ ان کو بائیوڈی گریڈ کرنے میں لاکھوں سال لگتے ہیں۔ جوہری تجربات پر پابندی کے معاہدے پر دستخط ہونے تک، ماحولیاتی ایٹمی دھماکوں نے ہوا اور زمین دونوں کو آلودہ کر رکھا تھا۔

ماحولیاتی مسائل پر بین الاقوامی ردعمل:

1972 کی اسٹاک ہوم کانفرنس

1972 کی اسٹاک ہوم کانفرنس کا انعقاد 1960 کی دہائی میں ماحولیاتی تشویش میں اس ڈرامائی اضافہ کے جواب میں کیا گیا تھا۔ اس کا مقصد ایک بین الاقوامی فریم ورک قائم کرنا تھا تا کہ آلودگی اور دیگر ماحولیاتی مسائل کو مزید مربوط کیا جا سکے۔ سٹاک ہوم میں منعقد ہونے والی کانفرنس نے بین الاقوامی ماحولیاتی سیاست کی ترقی میں ایک اہم موڑ کا نشان لگایا۔ کچھ اصول جن پر اتفاق کیا گیا تھا، اور جو ادارے اور پروگرام قائم کیے گئے تھے، ان کا دیرپا اثر تھا۔ اسٹاک ہوم کانفرنس نے وسیع پیمانے پر تشہیر کی کیونکہ یہ بین الاقوامی ماحولیاتی مسائل پر اقوام متحدہ کی پہلی بڑی کانفرنس تھی۔

a) کانفرنس کے اعلامیہ میں ماحولیات اور ترقی سے متعلق 26 اصول تھے۔

b) چھ وسیع علاقوں پر محیط 109 سفارشات کے ساتھ ایک ایکشن پلان

1) انسانی بستیاں

2) قدرتی وسائل کا انتظام

3) آلودگی

4) ماحول کے تعلیمی اور سماجی پہلو

5) ترقی اور ماحول۔

6) بین الاقوامی تنظیمیں۔

اسٹاک ہوم کانفرنس نے مستقبل کے ماحولیاتی تعاون کے لیے فریم ورک کو نمایاں طور پر مضبوط کیا، اس کے نتیجے میں عالمی اور علاقائی ماحولیاتی نگرانی کے نیٹ ورکس قائم ہوئے، جس نے ماحولیاتی مسائل جیسے سمندری آلودگی اور اوزون کی کمی کی نگرانی میں بہتری لائی ہے، اور بالواسطہ طور پر ان سے نمٹنے کے لیے کارروائی کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ یہ کانفرنس اقوام متحدہ کے ماحولیات پروگرام (یو این ای پی) کی تشکیل کا باعث بھی بنی، جسے اقوام متحدہ کی دیگر ایجنسیوں کی ماحولیات سے متعلق سرگرمیوں کو مربوط کرنے اور ان کے کام میں ماحولیات سے متعلق سرگرمیوں کے انضمام کو فروغ دینے کا کام سونپا گیا۔

مونٹریال پروٹوکول:

مونٹریال پروٹوکول، جس پر 1987 میں دستخط کیے گئے تھے، اوزون کی تہہ کی کمی کو روکنے کے لیے مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ 1980 کی دہائی کے وسط میں، برطانوی سائنسدانوں نے دریافت کیا کہ، سال کے دو مہینوں کے دوران، قطب جنوبی پر اوزون کی تہہ میں ایک سوراخ ہو رہا ہے۔ تقریباً ہر سال جب سے یہ دریافت ہوا، سوراخ مسلسل بڑا ہوتا رہا۔ اس نے اوزون کی کمی کے آسنن خطرے کو دیکھنے کے لیے دنیا کو متحرک کر دیا، 1987 میں مونٹریال، کینیڈا میں تقریباً 60 ممالک نے ملاقات کی اور پہلے اوزون گیاسوں کو کم کرنے اور پھر اس کی جگہ لینے کے لیے ایک پروٹوکول پر دستخط کیے۔ معاہدے کی شرائط یہ ہیں:

1۔ یہ ترقی یافتہ ممالک کے ذریعہ 2000 تک او ایس ڈی کو مرحلہ وار ختم کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

2۔ ترقی پذیر ممالک کے لیے مرحلہ وار اقدامات کی مدت 2010 ہے۔

3۔ 1998 تک سی ایف سی کی پیداوار میں 50 فیصد کمی کرنے پر اتفاق ہوا۔

4۔ 1992 میں مرحلہ وار اقدامات کی مدت 1995 تک بڑھا دی گئی۔ 1997 میں مزید او ایس ڈی کو محدود مادوں کی فہرست میں شامل کیا گیا، اور میتھائل برومائیڈ اور ایچ سی ایف سی پر مزید سخت حدوں پر اتفاق کیا گیا۔

5۔ 1999 تک اوایس ڈی 95 کو پروٹوکول کے تحت کنٹرول کیا گیا، اور دنیا بھر میں سی ایف سی کی کھپت 1986 میں 1.1 ملین ٹن سے کم ہو کر 1,50,000 سے کم ہوگئی۔

6۔ ایک فنڈ قائم کیا گیا تھا، جس میں بنیادی طور پر صنعتی ممالک نے حصہ ڈالا تھا، تاکہ غریب ممالک کو اوزون کو ختم کرنے والے کیمیکلز کے متبادل کے حصول میں مدد فراہم کی جاسکے۔

مونٹریال پروٹوکول نے متاثر کن نتائج لائے ہیں۔ بڑے پیمانے پر استعمال ہونے والے سی ایف سیز اور دیگر اوزون کو ختم کرنے والے مادے سے دور منتقلی، ممکن سے زیادہ تیز رہی ہے۔ 1987 میں دستخط کیے گئے پروٹوکول کے بعد دس سال کے عرصے میں، ان کیمیکلز کی کھپت میں 70 فیصد سے زیادہ کمی واقع ہوئی، زیادہ تر ترقی یافتہ ممالک کی جانب سے 1996 تک پروٹوکول کے ہدف کو پورا کرتے ہوئے، جیسا کہ ترمیم کی گئی، 2050 تک سی ایف سی کی پیداوار کو روکنے کے لیے نقصان بتدریج کم ہونے کی توقع ہے۔ جب انٹارکٹک سوراخ غائب ہوسکتا ہے۔ 1987 میں پروٹوکول پر دستخط کے بعد سے، اس نے دھیرے دھیرے اپنا دائرہ کار بڑھایا اور یہ پروٹوکول کے 60 سے زیادہ فریقوں کے ساتھ حقیقی معنوں میں عالمی بن گیا۔

ریو اعلامیہ THE RIO DECLARATION

ریو اعلامیہ 27 متفقہ اصولوں کے ایک سیٹ کی نمائندگی کرتا ہے جس کا مقصد ایک نئی اور مناسب عالمی شراکت داری، بین الاقوامی معاہدے جو عالمی ماحولیاتی اور ترقیاتی نظام کی سالمیت کا احترام کرتے ہیں، ہمارے گھر زمین کی اٹوٹ اور ایک دوسرے پر منحصر فطرت کو تسلیم کرتے ہیں۔

متفقہ اصولوں کا تعلق؛ قومی ذمہ داریاں اور ماحولیاتی تحفظ پر بین الاقوامی تعاون؛ اور شہریوں، خواتین اور مقامی لوگوں کے کردار اور حقوق؛ ماحولیاتی تحفظ میں ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک کی مشترکہ لیکن مختلف ذمہ داریاں؛ ماحولیاتی مسائل کو تمام شہریوں کی عوامی شرکت سے، متعلقہ سطح پر، اور اس طرح عوامی تعلیم کے ساتھ بہترین طریقے سے نمٹا جاتا ہے۔ شرکت، اور معلومات تک رسائی اور ازالے کو فروغ دیا جانا چاہیے۔ ماحولیاتی انحطاط کو روکنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں۔

ایجنڈا 21:

ایجنڈا 21 کی بحث کا نتیجہ 40 ابواب کے ساتھ 450 صفحات پر مشتمل دستاویزات ہے۔ یہ انسانیت کو پائیداری کے دور میں لے جانے کا عملی منصوبہ ہے۔ اس کا نفاذ تمام قوموں، لوگوں اور افراد کی عزم اور صلاحیت کا تقاضا کرتا ہے۔ ایجنڈا 21 کے تحت بنیادی موضوعات یہ ہیں:

☆ پائیدار شہری ترقی کو فروغ دینا۔

☆ جنگلات کی کٹائی کا مقابلہ کرنا۔

☆ بائیوٹیکنالوجی مینجمنٹ۔

☆ نازک پہاڑی ماحولیاتی نظام کا انتظام۔

☆ مضر فضلہ کا انتظام۔

☆ ماحولیاتی آواز کی ٹیکنالوجی کی منتقلی

☆ ایجنڈا 21 کے پہلوؤں کو نافذ کرنے میں ترقی پذیر ممالک کی مدد کے لیے متفقہ اضافی لاگت فراہم کرنے کے لیے عالمی ماحولیاتی سہولت کی تشکیل۔

کمیشن برائے پائیدار ترقی اقوام متحدہ کے نظام کے ایک حصے کے طور پر قائم کیا گیا ہے، جو عمل درآمد پر پیشرفت کو فروغ دینے اور اس کا جائزہ لینے اور اس تناظر میں اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو مربوط کرنے میں مدد فراہم کرنے کے لیے ہے۔

کیوٹو پروٹوکول: KYOTO PROTOCOL :

گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج کی سطح کو محدود کرنے کے لیے ریو کانفرنس میں قانونی طور پر پابند عہدوں کا فقدان وسیع پیمانے پر تشویش کا باعث بنا۔ اس مسئلے کو جلد از جلد حل کرنا ہوگا کیونکہ دنیا ایک اہم نقطہ پر تھی، اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے کیوٹو پروٹوکول پر دستخط کیے گئے۔ کیوٹو پروٹوکول ماحولیاتی تبدیلی پر اقوام متحدہ کے فریم ورک کنونشن کا ایک پروٹوکول ہے، جس کا مقصد 11 دسمبر 1997 کو کیوٹو، جاپان میں اپنایا گیا گلوبل وارمنگ سے لڑنا ہے۔ پروٹوکول اور کنونشن کے درمیان بڑا فرق یہ ہے کہ کنونشن نے صنعتی ممالک کو جی ایچ سی کے اخراج کو مستحکم کرنے کی ترغیب دی، پروٹوکول انہیں ایسا کرنے کا پابند کرتا ہے۔ اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے کہ ترقی یافتہ ممالک 150 سال سے زیادہ کی صنعتی سرگرمیوں کے نتیجے میں فضا میں جی ایچ جی کے اخراج کی موجودہ بلند سطح کے لیے بنیادی طور پر ذمہ دار ہیں، پروٹوکول گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں کمی کے حوالے سے ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک پر الگ الگ ذمہ داری ڈالتا ہے۔ پروٹوکول کے تحت 37 ممالک جو انیکس 1 ممالک کے نام سے جانے چار گرین ہاؤس گیسوں کو کم کرنے کے لیے پرعزم ہیں۔

یوروپی یونین، امریکہ اور جاپان نے بالترتیب 12-2008 تک اپنے سالانہ اخراج کو 1990 کی سطح سے 8، 7 اور 6 فیصد کم کرنے کا عہد کیا۔ دوسرے ممالک جیسے کہ روس، یوکرین اور نیوزی لینڈ نے بھی اپنے اخراج کی سطح پر پابندی عائد کی۔

ان تمام وعدوں سے صنعتی ممالک میں گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں 5 فیصد کمی کا اطلاق ہوگا۔ اس معاہدے کو حاصل کرنے کے لیے، پروٹوکول میں متعدد نام نہاد لچکدار میکانزم شامل کیے گئے تھے۔ جیسے کاربن کریڈٹ خریدنا۔ کاربن جذب کرنا۔ کلین ڈیولپمنٹ میکانزم۔

1997 میں کیوٹو میں طے پانے والے معاہدے نے بہت سے اہم مسائل کو کھول دیا، جس کے لیے مزید مذاکرات کی

ضرورت ہے۔ پروٹوکول مسائل کے ساتھ شروع ہوا کیونکہ امریکہ پروٹوکول کی توثیق کرنے میں ناکام رہا جس کا حوالہ دیتے ہوئے کہ ہندوستان اور چین جیسے ممالک جو اس وقت گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں سب سے زیادہ تعاون کرنے والے ہیں مقصد کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ 2010 میں کینیڈا، جاپان اور روس نے کہا کہ وہ مزید کیوٹو اہداف نہیں لیں گے۔ کینیڈا کی حکومت دسمبر 2011 کو اس معاہدے سے نکل گئی۔

مثالی امتحانی سوالات

دہشت گردی کے مختلف اقسام کیا ہیں؟

(a) آج دنیا کو نقصان پہونچانے والے ماحولیاتی مسائل پر ایک مضمون تحریر کیجئے۔

(b) شہری اور سیاسی حقوق پر ایک نوٹ لکھیں۔

(c) خواتین کے خلاف تمام اقسام کے امتیازات کو ختم کرنے کا تجزیہ کریں۔

(d) نسل کشی پر ایک نوٹ لکھیں۔

(e) کیوٹو پروٹوکول کے بارے میں لکھیں۔

(f) جنس کی سیاست سے آپ کی کیا مراد ہے؟

صحیح جواب کا انتخاب کیجئے:

A۔ سورش۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے ساتھ ایک سیاسی کوشش ہے۔
مخصوص مقصد/ سماجی مسائل / مذہبی مسائل

B۔ سرکاری سرپرستی میں دہشت گردی کو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بھی کہا جاتا ہے۔
ریاست مخالف دہشت گردی / ریاست کی حمایت / ریاست کے خلاف دہشت گردی

C۔ آج دنیا کی سلامتی کے لئے سب سے بڑا مسئلہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے
معاشی بحران/ دہشت گردی کے خلاف مجتمع کوشش/ سماجی مسائل

D۔ شورش۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کے ساتھ ایک تحریک ہے۔
سیاسی مقاصد کے ساتھ / دہشت گردی کا ارادہ / داخلی پریشانی پیدا کرنا

E۔ انسانوں میں شہری اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حقوق انتہائی اہم ہیں
قانونی / معاشی / سیاسی

F۔ انسانی حقوق۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بین الاقوامی تعلقات میں ایک بڑا مسئلہ بن کر ابھرے ہیں۔
کی خلاف ورزی / غیر خلاف ورزی

یادداشت

یادداشت